

رمز عشق

تحریر نور آصف

قسط 1 part 151

ارحام خانزادہ کمرے کا دروازہ کھول کر اندر
داخل ہوا۔ کمرہ ابھی تک گلاب کے پھولوں کی

مہک سے معطر تھا۔ کمرے میں ایک طرف
کانچ بکھرا تھا۔ کمرہ اچھا خاصہ سرد ہو رہا تھا۔
ارحام خانزادہ نے بیڈ پر نظر دوڑائی وہ سائیڈ
کروٹ لیے بغیر کمبل کے بیڈ شیڈ مٹھیوں میں
دبوچے ہوئے لیٹی ہوئی تھی۔ بلاوز کی ڈوری

ابھی تک کھلی۔ جسے اس نے کل رات کے بعد
باندھا نہیں تھا۔ سفید چمکتی پشت برہنہ تھی۔
اس کی سسکیاں کمرے میں گونج رہی تھیں۔
اس کا بدن بری طرح لرز رہا تھا۔

حور کی سسکیاں سنتے اور اس کا لرزتا بدن دیکھ کر
وہ بری طرح بے چین ہوا تھا۔ دل و دماغ میں
اپنے بچے کو کھونے کا خوف بری طرح سما یا تھا۔
ارحام خانزادہ نے جلدی سے آگے بڑھتے
کمرے کے وسط میں لگا الیکٹرک ہیئر آن کیا۔

وہ تیزی سے حور کی طرف بڑھا کمرے میں
گو نجی اپنی بیوی کی سسکیاں اسے جیسے پاگل کر
رہی تھیں۔ اس کی سسکیوں نے کبھی اتنا بے
چین نہیں کیا تھا جتنی آج کر رہی تھیں۔

ارحام نے حور کی طرف بڑھتے اس پر جھکے
ہوے اس کے بازو پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔
ارحام کو اپنے قریب محسوس کرتے حور خوف
سے سختی سے آنکھیں میچے اپنی سسکیاں روک
گئی تھی۔

حور ارحام نے اسے نرمی سے پکارا۔ حور کی
مٹھیوں کی گرفت بیڈ شیٹ پر مضبوط ہوئی
تھی۔

اٹھو حور!! ارحام نے اس کے عارض پر بکھری
لٹیں بہت نرمی سے کان کے پیچھے اڑ سیں۔

ارحام خانزادہ کی نرمی محسوس کرتے ایک بار پھر
سے حور کی سسکاریاں کمرے میں گونجنے لگی
تھیں۔

ارحام کی اب تو پاگل ہونے کی کسر باقی رہ گئی
تھی۔ اگر وہ پریگنٹ تھی کل صبح سے بھوک

ارحام خانزادہ کی نرمی محسوس کرتے ایک بار پھر
سے حور کی سسکاریاں کمرے میں گونجنے لگی
تھیں۔

ارحام کی اب تو پاگل ہونے کی کسر باقی رہ گئی
تھی۔ اگر وہ پریگنٹ تھی کل صبح سے بھوک

پیاسی تھی اور کل رات سے اتنا رو رہی تھی۔
اس کا بچہ پتہ نہیں صبح سلامت بھی تھا کہ نہیں۔
۔ ارحام خانزادہ نے بہت نرمی سے اس کے پیٹ
پر ہاتھ رکھتے دوسرا ہاتھ اس کے لہنگے کو اوپر کی
طرف کھسکاتے یہ جاننے کی کوشش کی اس کا

پیاسی تھی اور کل رات سے اتنا رو رہی تھی۔
اس کا بچہ پتہ نہیں صبح سلامت بھی تھا کہ نہیں۔
ارحام خانزادہ نے بہت نرمی سے اس کے پیٹ
پر ہاتھ رکھتے دوسرا ہاتھ اس کے لہنگے کو اوپر کی
طرف کھسکاتے یہ جاننے کی کوشش کی اس کا

پیاسی تھی اور کل رات سے اتنا رو رہی تھی۔
اس کا بچہ پتہ نہیں صبح سلامت بھی تھا کہ نہیں۔
۔ ارحام خانزادہ نے بہت نرمی سے اس کے پیٹ
پر ہاتھ رکھتے دوسرا ہاتھ اس کے لہنگے کو اوپر کی
طرف کھسکاتے یہ جاننے کی کوشش کی اس کا

بچہ کس حد تک سلامت ہے۔ پہلے بھی باپ بن
چکا تھا اسے کافی حد تک پیچیدگیوں کا پتہ تھا۔
ارحام نے اسپاٹنگ چیک کرنے کی کوشش کی۔
ارحام کا ہاتھ اپنے حساس حصے پر محسوس کرتے
حور کی ہچکیوں میں اضافہ ہوا تھا۔ خوف سے

پھر سے اس کی سسکاریاں بلند ہوئی تھی۔ وہ لرز
کر رہ گئی تھی۔ ارحام نے جلدی سے اپنا ہاتھ
پیچھے کرتے اس کا لہنگا نیچے کی طرف کھسکایا۔
ارحام خانزادہ اسے کندھے سے جکڑے سیدھا
کیا۔ وہ آنکھیں سختی سے میچ گئی تھی۔ وہ بری

پھر سے اس کی سسکاریاں بلند ہوئی تھی۔ وہ لرز
کر رہ گئی تھی۔ ارحام نے جلدی سے اپنا ہاتھ
پیچھے کرتے اس کا لہنگا نیچے کی طرف کھسکایا۔
ارحام خانزادہ اسے کندھے سے جکڑے سیدھا
کیا۔ وہ آنکھیں سختی سے میچ گئی تھی۔ وہ بری

طرح لرز رہی تھی۔ عارض پر کھنیری پللیں بھی
لرز رہی تھیں۔

رونے کی وجہ سے عارض ناک سرخ تھی۔
ہونٹوں پر ریڈ بلڈ کلر کی لپ سٹک ویسے ہی
موجود تھی۔

آنکھیں کھولو حور!! ارحام نے اس کی کھنیری
پلکوں پر ٹھہری شبِ نیم بے حد نرمی سے اپنی
انگلیوں سے چنی۔ وہ مزید سختی سے اپنی آنکھیں
میچ گئی تھی۔

آنکھیں کھولو حور!!! ارحام کونہ چاہتے ہوے
بھی اپنا لہجہ سخت کرنا پڑا تھا۔ وہ اس کی نرمی پر
بہت سختی سے آنکھیں میچے اپنے لرزتے لبوں کو
دانتوں میں پیوست کیے بیڈ شیٹ مٹھیوں میں
بے دردی سے جکڑ رہی تھی۔

ارحام کی سرد پکار پر وہ اسی لمحے آنکھیں کھول گئی
۔ اس کی متورم گلابی آنکھوں کو دیکھ کر ارحام
خانزادہ کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم
ہوئی تھی۔

وہ اس پر جھکے اس کی متورم گلابی آنکھوں میں
آنکھیں گاڑھے ہوئے تھا حور کی آنکھیں رورو
کر سو جی ہوئی تھیں۔۔ وہ آنکھیں کھولے
خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ رات
کے بعد وہ اس سے اچھی خاصی ڈر گئی تھی۔

اٹھ کر بیٹھو!! ارحام خانزادہ نے اسے بازو سے
جکڑے اس کی کمر میں بے حد نرمی سے ہاتھ
ڈالتے اسے بٹھایا۔

اس کا بلاوز کندھوں سے نیچے ڈھلکا ہوا تھا۔ اٹھ
کر بیٹھتے ہوئے حور نے اپنے چکراتے سر کو

جکڑا

ارحام خانزادہ کے دل کو خوف سے جیسے کسی نے
مٹھی میں جکڑا تھا۔

ایک مرتبہ پہلے اپنے بچے کو کھو چکا تھا۔ اب وہ
پھر سے اس درد تکلیف سے نہیں گزر سکتا تھا۔

وہ اب کی بار اپنے بچے کو کسی قیمت پر نہیں کھو
سکتا تھا۔

کیا ہوا ہے؟؟؟ ارحام نے خوفزدہ لہجے میں پوچھتے
اس کے ہاتھوں کو جکڑا۔

ارحام کے لہجے میں تڑپ اور نرمی محسوس کرتے
وہ ارحام کے ہاتھ جھٹکتے اس سے تھوڑا دور
کھسکی۔

ارحام خانزادہ اسی لمحے اسے بازو سے جکڑے
اپنے قریب کرتے اسے سرد نظروں سے تشبیہ

کر گیا۔ بچے کی وجہ سے وہ نرم ہو رہا تھا۔ مگر اس
کی رات کی حرکت ابھی تک اس کے اندر بارود
دھکائے ہوئے تھی۔ وہ اس کی ہر غلطی
برداشت کر سکتا تھا مگر وہ جان بوجھ کر اپنی
نمائش کر کے اس کی عزت تار تار کرے گی وہ یہ

برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس سے دور جانے
کی کوشش کرے گی وہ یہ بھی نہیں ہونے دے
سکتا تھا۔

حور نے اس کی سرد سرخ نگاہوں کا مفہوم سمجھتے
پہلے لیتے اثبات میں سر ہلایا۔

دروازہ ناک ہونے پر ارحام خانزادہ بیڈ سے
اٹھتے دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھولنے
پر دردانہ کھانے کی ٹرالی لیے کھڑی تھی۔
تم جاؤ!! ارحام نے اسے سرد نگاہوں سے
گھورتے ہوئے حکم دیا۔ اپنی بیوی کے قریب

اب کسی ملازمہ کا وجود گوارا نہ تھا۔ اس درخشاں
کاتو بلکل نہیں۔ دردانہ اثبات میں سر ہلاتے
وہاں سے چلی گئی تھی۔
ارحام خانزادہ ٹرائلی کھسیٹتے ہوئے بیڈ کے پاس
لایا۔

خود حور کے قریب اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھا۔
سینڈ وچ والی پلیٹ اور فریش اورنج جو سگلاس
اٹھائے حور کی طرف بڑھایا۔
جسے دیکھتے حور چہرہ دوسری طرف پھیر گئی
تھی۔ ارحام خانزادہ نے سینڈ وچ کی پلیٹ اور

جوس ٹرائی میں رکھتے حور کو سنجیدہ نگاہوں سے
دیکھا۔ جو چہرہ دوسری طرف کیے سسکیوں سے
رورہی تھی۔ اس کا بدن ابھی بھی خوف سے لرز
رہا تھا۔ مگر وہ نروٹھے انداز میں بے رخی سے چہرہ
دوسری طرف کیے اپنی گردن پر ہاتھ رکھے

گہرے سانس لیتے بری طرح سسکیاں بھر رہی
تھی۔

ارحام خانزادہ نے اسے سنجیدگی سے دیکھتے اپنی
پچھلی گردن سہلاتے جھنجھلاتے ہوئے اپنی
شرٹ کا تیسرا بٹن بھی کھولا تھا۔

وہ اس وقت بلیک جینز پر بلیک بٹنوں والی شرٹ
پہنے ہوئے تھا۔ اس کے ہلکے نم زدہ بال اس کی
پیشانی پر بکھرے تھے۔

وہ جانتا تھا وہ جب تک نرمی دکھاتا رہے گا۔ وہ
ایسے ہی روتی رہے گی کھانا تو بالکل نہیں کھائے

گی۔ اس کی بیوی اچھی خاصی ضدی طبیعت
رکھتی تھی۔ اس کا ڈرا سے سیدھا رکھتا تھا۔ اور
جب تک وہ کھانا نہیں کھا لیتی ارحام کی جان
حلق میں ہی اٹکی رہنی تھی۔ اس پر ایک ایک لمحہ
بھاری پڑ رہا تھا۔

کھانا کھاؤ حور!! ارحام خانزادہ نے اس کے
سسکتے وجود کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔
مجھے بھوک نہیں ہے۔ حور نے سپاٹ لہجے میں
کہتے اپنے عارض پر بہتے آنسو اپنی ہتھیلی سے بے
دردی سے رگڑے تھے۔

ارحام نے لب بھینچے اسے ایک نظر دیکھا تھا۔
دوسرے لمحے وہ اس کا منہ نرمی سے بوچے اپنی
طرف کر گیا تھا۔

کھانا کھاؤ!! دوبارہ مجھے کہنا نہ پڑے سمجھی تم!!
ارحام خانزادہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے بے

حد بر فیلے لہجے میں کہتے اس کا جبرہ چھوڑا۔
آپ۔۔۔ ظالم۔۔۔۔۔ خان۔۔۔ ہیں۔۔۔ حور
نے ہچکی لیتے ٹوٹے لفظوں سے بمشکل لفظ ادا
کیے۔

میں کتنا ظالم ہوں سمجھیں بتانے کی ضرورت
نہیں ہے۔ بہت ظلم کر چکا ہوں تم پر مزید نہ
کروں اس لیے خاموشی سے کھانا کھاؤ۔ ارحام
نے بے حد برفیلے لہجے میں کہتے پلیٹ سے
سینڈوچ اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا۔

حور نے گلابی آنکھوں سے ارحام خانزادہ کو
دیکھتے ہوئے کرب سے ہچکی لی تھی۔
سینڈوچ پکڑو اور اسے کھاؤ!! وہ اس کی آنکھوں
میں سر دنگا ہوں سے دیکھتے ایک ایک لفظ پر زور
دیتے حکمیہ لہجے میں بولا۔

حور نے کپکپاتے ہاتھوں سے سینڈ وچ اس کے
ہاتھوں سے لیتے سیڈ وچ کی بائٹ لی۔
ارحام خانزادہ نے ہونٹ سکوڑتے سانس باہر
خارج کیا تھا۔ اس کی جان میں جان آئی تھی۔
حور چھوٹی بائٹس لیتے سینڈ وچ کھا رہی تھی۔

ارحام خانزادہ نے جو س کا گلاس اٹھاتے اس کے
لبوں سے لگایا۔

حور نے بھیگی شکوہ کناں نگاہوں سے ارحام
خانزادہ کو دیکھا۔ پیو!! ارحام سر دلچے میں
کہتے گلاس اس کے لبوں سے لگا گیا تھا۔ حور نے

دو چار گھونٹ لیتے گلاس ایک ہاتھ سے پیچھے
کیا۔

اور پیو آدھا گلاس فنش ہونا چاہیے!! ارحام کے
حکمیہ لہجے پر اس نے ہچکی لیتے مزید جو س پیا۔

ارحام خانزادہ گلاس خود اس کے لبوں سے

لگائے ہوئے تھا۔

حور نے ایک ہی سانس میں پورا جوس کا گلاس

فنش کر ڈالا تھا۔

گڈ!! ارحام خانزادہ کے لبوں پر مدھم سی
مسکراہٹ چھائی تھی۔ وہ جو س فنش کرتے بے
رنخی سے چہرہ دوسری طرف پھیر گئی تھی۔
سینڈوچ اس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔

ارحام اس کے تھوڑا اور قریب ہوا۔ حور اپنا نچلا
لب بے دردی سے کاٹتے ہوئے نا محسوس انداز
میں اس سے تھوڑا دور کھسکی۔ تھوڑی دیر پہلے وہ
اسے سختی سے خود سے دور ہونے سے منع کر چکا

تھا۔ اس لیے وہ نامحسوس انداز میں دور ٹھسکی
تھی۔

افسوس کوئی ایسی جگہ نہیں !! جہاں تم مجھ سے
دور جا کر چھپ سکتی۔ ارحام خانزادہ بیڈ کے

دونوں اطراف میں ہاتھ رکھتے ہوئے اس کی
آنکھوں میں آنکھیں گاڑھ گیا۔
حور ارحام کے خوب روچہرے کو دیکھتے ہوئے بے
رنخی سے منہ پھیر گئی۔ مقابل بلا کا ہینڈ سم ضرور

تھا۔ مگر اتنا ہی سفاک تھا۔ وہ سچ میں زندہ
وجودوں کو الٹنے پلٹنے والا تھا۔
ویسے مجھ سے بچ کیوں رہی ہو؟؟ اس لیے کہ
میں تمہارے بدن کا حصہ نہ بن جاؤں۔ اتنا
خوف وہ بھی ایک شوہر کی قربت کا؟؟ ارحام

خانزادہ نے کہتے اس کے کندن نشیب و فراز پر
نگاہیں گاڑھیں جو بلاوز سے ڈھلکتے اپنی
رعنائیوں کو چار چاند لگا چکے تھے۔ ارحام خانزادہ
کی آنکھیں اس کے لباس کو دیکھتے ایک بار پھر
سے سرخ ہوئی تھیں۔ وہ اسی لباس میں کل باہر

آئی تھی اور اسی لباس میں باہر جانا چاہتی تھی۔
ارحام خانزادہ اس کی گہرائیوں پر اپنے ہاتھ کی
بے باکی دکھاتے اس کی بکھری رعنائیوں پر
جھکتے ہوئے اپنے دانتوں سے بری طرح حق جتا
گیا۔ اس کی رعنائیوں پر اپنی شدت کی سوغات

دیتے اسے اچھی طرح باور کروایا تھا وہ صرف
اس کی ہے۔

ارحام خانزادہ کی بے باک حرکت پر حور سسکتے
ہوئے آنکھیں میچ گئی تھی۔ وہ سچ میں کسی بھی
حالت میں اس بے باک خان کی دہکتے لبوں اور

گرم ہاتھوں کی تپش برداشت نہیں کر سکتی تھی

-

ارحام خانزادہ نے اپنا حق جتاتے ہوئے سرد
سرخ نگاہیں اس کی بھیگی آنکھوں میں گاڑھیں۔
حور تھوڑا اور دور کھسکی تھی۔

کس لیے بچتی ہو مجھ سے؟؟ بقول تمہارے پانچ
مہینے تمہاری سانسیں گھوٹ دیتا تھا۔ جسموں کا
کھیل ہی میرے لیے محبت ہے۔۔ جب اتنا ہی
برداشت کر چکی ہو تو اتنا ڈر کس بات کا؟؟ اتنی
نرم و ناز کی ناز و اندام دکھانے کی کیا وجہ ہے؟؟

آفتیشلی ارب پتی بیوی بنتے ہی لائٹسٹوڈ آگیا ہے تم
میں؟؟ ارب پتی عورتیں لگتا ہے نکاح نہیں
کرتی۔ کیونکہ مجھ جیسے مرد تو ارب پتی عورت
کی قدموں کی زینت بنے رہتے ہیں۔۔۔ ہے
ناں!! رحام خانزادہ بیڈ کے گرد اس کے دونوں

اطراف میں ہاتھ رکھے اس کی گلابی آنکھوں
میں آنکھیں گاڑھے وہ زہریلا سوال کر گیا جو اس
کے اعصابوں کے ساتھ کسی آنکھوں کی طرح
لیٹا ہوا تھا۔

مم۔۔۔ میں۔۔۔ میرا۔۔۔ یہ۔۔۔
مطلب۔۔۔ نہیں۔۔۔ تھا۔ حور اس کی سرد
سرخ آنکھوں میں دیکھتے خوفزدہ ہوتے
وضاحت دے گئی تھی۔

،تم۔۔۔ جانتا ہوں تمہارا وہ مطلب ہو بھی
نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ تم ارب پتی ضرور ہو!!
مگر ہوا رحام خانزادہ کی ملکیت اس کی عورت!
تم پر صرف میرا حق ہے۔ صرف میرا حق!!
اب چاہے کچھ بھی ہو جائے تم اس کمرے سے

باہر چادر کے بغیر نہیں جاسکو گی۔ ارحام سختی
سے کہتے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے خود کے
ساتھ لیٹاتے اس کا بلاوز کندھوں سے اوپر
کرتے اس کی بیک کی ڈوری نرمی سے بند کر گیا
تھا۔ حور کا پورا بدن اس کے حصار میں کانپ اٹھا

تھا۔ وہ کپکپاتے ہوئے اس کی شرٹ مٹھیوں
میں جکڑ گئی تھی۔ اس کے بدن سے اٹھتی
مردانہ خوشبو سے اس کی سانسیں بند ہوئی
تھیں۔ اس کی طرح اس کے بدن کی خوشبو بھی
سفاک تھی۔ مقابل کے سینٹ اور بدن کی ملی

جلی جان لیوہ خوشبو بھی اس کی سانسیں بند کر
دیتی تھی۔ ارحام نے نرمی سے اسے خود سے
علیحدہ کیا وہ اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے
ارحام کی آنکھوں میں گلابی آنکھوں سے دیکھ
رہی تھی۔ دونوں کی سانسیں ایک دوسرے کی

سانسوں میں الجھ رہی تھیں۔ ایک دوسرے کی
دہکتی سانسوں سے سانسوں کی آمد و رفت ٹوٹنے
لگی تھی۔ ارحام خانزادہ کی دہکتی سانسیں مزید
دہکتی آگ بنی تھیں۔ اسی ایک لمحے میں ارحام
خانزادہ کی سانسیں ناہموار ہوئی تھیں۔ مقابل

ہی وہ عورت تھی جو اپنی خوشبو اپنی قربت سے
اسے اپنے سامنے زیر کرتے اس کی سانسوں
تک کو خود کے لیے بے قرار کر دیتی تھی۔ ارحام
کی دہکتی پیاسی سانسیں حور کی سانسوں میں الجھنے
کے لیے بے قرار ہوئی تھیں۔ حور کے سرخ

لرزتے ہونٹ ارحام کے حلق میں کانٹے اگا چکے
تھے۔ کل صبح سے اس نے بھی کہاں اپنے حلق
سے ایک پانی کی بوند اتاری تھی۔ اب تو لگ رہا
تھا ساری پیاس ساری تشنگی ساری بھوک
صرف مقابل کے سرخ ہونٹ ہی مٹا سکتے

ہیں۔ ارحام خانزادہ کی پر تپش سائیں حور کے
سرخ ہونٹوں پر بکھر رہی تھیں۔ حور کی
سائیں اس کی ٹھوڑی پر بکھر رہی تھیں۔ حور
اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اسے خوفزدہ
نگاہوں سے دیکھے جارہی تھی۔ مقابل کی قربت

کا خوف اس کے اعصابوں پر بری طرح چھایا
تھا۔ رات اس کی دھمکیوں اور اپنی بولے کئے
لفظوں کا شدت کا احساس تھا اس لیے تو اس کی
قربت کے خوف سے لرز رہی تھی۔

اٹھارہ سال کی بھی نہیں ہوئی تھی جب مقابل
نے اتنی بے دردی سے چھوا تھا۔ اب بہت محبت
میں وہ اسے نرمی سے چھوتے ہوئے بھی اس
میں سماتا تھا وہ خوف سے آنکھیں میچ لیتی تھی۔

اس رات کا وہ درد بھول ہی نہیں پاتی تھی۔ وہ
خوف شاید زندگی بھر نہیں جاسکتا تھا۔
اتنا خوف میرا کہ سانسیں روک لیتی ہو اپنی۔
ارحام خانزادہ نے نرمی سے اس کے عارض پر
ہاتھ رکھتے سرد لہجے میں استفسار کیا۔

آپ کی خوشبو سے
سانسیں بند ہوتی میری
جو خوشبو آپ سے
آتی وہ کسی سے نہیں آتی
آپ کی قربت آپ

کی۔۔۔ سانسوں۔۔۔ سے۔۔۔ آپ۔۔۔ کی۔۔۔
خوشبو۔۔۔ آتی۔۔۔ ہے۔۔۔ وہ اس کی شرٹ
مٹھیوں میں جکڑے اس کی آنکھوں میں دیکھتے
ٹوٹے لفظوں سے بولی تھی۔

جس خوشبو سے سانسیں بند ہوں وہ تو پسندیدہ
مرد کی ہوتی ہے۔ جیسے میری سانسیں بند ہوتی
تمھاری خوشبو تمھاری قربت سے۔ مگر میں تو
ناپسندیدہ مرد ہوں تمھارا۔ ارحام کا لہجہ یکدم
برفیلہ ہوا تھا

نن۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔۔ پسندیدہ
۔۔۔ مرد۔۔۔ ہیں۔ پسندیدہ۔۔۔ مرد۔۔۔
سے۔۔۔ جو۔۔۔ خوشبو۔۔۔ آتی۔۔۔
وہ۔۔۔ صرف۔۔۔ اسی۔۔۔ سے۔۔۔
آتی۔۔۔ حورِ خوفرِ ذہ لہجے میں بولتے اس کی

شرٹ مٹھیوں میں سختی سے جکڑ گئی تھی۔۔
مقابل کا بر فیلا لہجہ اس کے رگوں میں دوڑتا
خون جمار ہاتھا۔ اس کی سر د سرخ آنکھیں اس
کے اعصاب بھاری کر رہی تھیں۔ وہ اپنا حق بے

دردی سے نہ لے لے وہ اس سے خوف کھا رہی
تھی۔

میرے خوف سے ہمیشہ تمہارے لبوں سے
میرے لیے محبت بھرے لفظ ہی نکلے ہیں۔ ان
لفظوں کی میرے نزدیک تب قدر ہوتی جب تم

میری بانہوں میں سماتے بولتی۔ افسوس ان
لفظوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔۔۔ ارحام
سپاٹ لہجے میں بولتے اس کی مٹھیاں اپنی شرٹ
سے چھڑواتے اسے نرمی سے کراؤن کے ساتھ
لگا گیا۔ اس کی گود میں گرا ہوا سینڈوچ ارحام

خانزادہ نے پکڑتے ہوئے اس کے منہ کی
طرف بڑھایا۔ حور نے منہ کھول کر بایٹ لی
تھی۔ ارحام خانزادہ نے پاتی پورا سینڈویچ خود
اپنے ہاتھوں سے کھلایا تھا۔ وہ خاموشی سے اس

کے ہاتھوں سے کھا رہی تھی۔ اسے انکار کر بھی
نہیں سکتی تھی۔

سینڈوچ کھلانے کے بعد ارحام خانزادہ نے ابلا
ہوا انڈا اس کی طرف بڑھایا۔ حور نے اپنی
آنکھیں ہتھیلیوں سے رگڑتے منہ کھولا۔ ارحام

نے ابلا ہوا انڈا بھی اپنے ہاتھوں سے کھلایا۔ وہ
خاموشی سے ارحام کے ہاتھوں سے چھوٹی
بایٹ لیتے کھا رہی تھی۔ ارحام خانزادہ نے اب
دودھ کا گلاس اٹھا کر اس کے لبوں سے لگایا جو وہ
خاموشی سے چھوٹے چھوٹے سپ لیتے پینے

لکی۔۔ ارحام خانزادہ بغور اس کی حرکات دیکھ رہا
تھا۔ اس نے ذرا سا بھی کچھ کھاتے ہوئے منہ
نہیں بنایا تھا۔ پر یذے کی دفعہ گل کو ہر چیز سے
سمیل آتی تھی۔ وہ کچھ بھی کھاتی تھی فوراً اسے
وومٹ آجاتی تھی۔۔ حور خاموشی سے ہر چیز

کھا رہی تھی۔ دودھ بھی خاموشی سے پی رہی
تھی۔ ورنہ دودھ اس کا ناپسندیدہ تھا۔ جانتا تھا وہ
اس کے ڈر سے پی رہی ہے۔ مگر اسے اس
حالت میں دودھ پیتے ہوئے ابکائی آنی چاہیے
تھی۔

۔ ارحام خانزادہ نے پورا دودھ کا کلاس اس سے
فنش کرواتے ہوئے خالی گلاس ٹرائی میں رکھا۔
ارحام خانزادہ نے بغور اس کے چہرے کی
طرف دیکھا جہاں ابھی بھی اس کی آنکھوں سے
آنسو عارض پر بہہ رہے تھے۔ وہ سسکیاں

بھرتے اپنے عارض پر بہتے آنسو بار بار اپنی
ہتھیلیوں سے بے دردی سے صاف کر رہی
تھی۔

آنسو بہانا بند کرو!! ارحام نے اس کی آنکھوں
میں دیکھتے سختی سے کہا۔

اس کے بہتے آنسو اسے جھنجھلاہٹ سے زیادہ
تکلیف میں مبتلا کر رہے تھے۔ اسے اگر کسی چیز
سے نفرت تھی مقابل کے آنسوؤں سے تھی۔
جو اس سے برداشت نہیں ہوتے تھے۔ اپنی
پسندیدہ عورت کے پیٹ میں اس کا خون

پرورش پارہا تھا۔ وہ اس حالت میں اس کے آنسو
تو برداشت کر ہی نہیں سکتا تھا۔
حور نے اسی لمحے ہچکی لیتے اپنے عارض سے بہتے
آنسو ہتھیلی سے صاف کیے۔

مکھاری لاسٹ ڈیٹ کب تھی؟؟ ارحام کے
سنجیدگی سے کیے کئے سوال پر حور نے نا سیکھی
سے اس کی طرف دیکھا۔

سیدھا سا کو سچن پوچھا ہے؟؟ کیا ڈیٹ تھی؟؟
ارحام نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے مزید

سنجیدگی سے استفسار کیا۔

یاد نہیں!! حور لب کاٹتے ہوئے نظریں جھکا گئی
تھی۔ ارحام گہرا سانس لے کر رہ گیا تھا۔ اگر وہ
پریگنٹ تھی تو اسے خود کچھ نہیں پتہ تھا۔ امینہ
خانم وہ تبدیلیاں محسوس کر سکتی تھی تو حور کیوں

نہیں۔ ارحام اسے دیکھتے پریشانی سے سوچ رہا
تھا۔

تمہیں چکر آرہے ہیں۔ وومٹ فیل ہو رہی۔۔
کچھ کھانے کے لیے کریونگ ہو رہی ہے۔

ارحام خانزادہ کی باتوں پر وہ نا جھجھی سے اسے
دیکھتے سر نفی میں ہلا گئی تھی۔

بھوکا۔۔۔ رہنے۔۔۔ سے۔۔۔ چکر۔۔۔ آ۔۔۔
رہے۔۔۔ تھے۔۔۔ اب۔۔۔ نہیں۔۔۔ آ۔۔۔

رہے۔۔۔ حور نے ہچکی لیتے اس کی آنکھوں میں
شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا۔
ارحام جھنجھلاتے ہوئے اپنی ہلکی گھنی انگلیوں
سے بئیر ڈسہلا گیا تھا۔ وہ کل صبح سے بھوکی تھی

یہ بات تو اسے بھی افیت میں مبتلا کیے ہوئے
تھی۔

ارحام بیڈ سے اٹھتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھے
اپنے موبائل کی طرف بڑھا۔

شہرام کا نمبر ڈائل کرتے ارحام نے موبائل

کان سے لگایا۔

شہرام کسی اچھی گائنی ڈاکٹر کو حویلی بھیجو!! ہاں

اسی وقت۔۔ کمپلیٹ چیک اپ کرنا ہے۔۔

ارحام خانزادہ سنجیدگی سے کہتے فون بند کر چکا
تھا۔

حور نے سائیڈ ٹیبل کے ڈرار سے میڈیسن
نکالتے اسے ہتھیلی پر رکھتے ٹرائی میں رکھے پانی کا
گلاس اٹھایا۔

اس سے پہلے وہ گولیاں منہ میں ڈالتی۔ ارحام
خانزادہ اس کی طرف تیزی سے بڑھتے اس کی
کلائی جکڑے اس کی ہتھیلی سے وہ گولیاں
اٹھاتے زمین پر پھینک گیا تھا۔

حور کے ہاتھ سے پانی کا گلاس پھلکتے ہوئے اس
کے آدھے ادھورے بلاوز کو گھیلا کر گیا۔
حور نے گہرے سانس لیتے خوفزدہ نگاہوں سے
ارحام کو دیکھا جو اسے سرد سرخ نگاہوں سے
دیکھ رہا تھا۔

کیا کر رہی تھی تم؟؟ مکھار اداغ خراب ہو چکا
ہے اتنی ہیوی میڈیسن لے رہی تھی تم!!! ارحام
خانزادہ حور کو گھورتے ہوئے غصے سے لفظ
چباتے بولا۔

ارحام!!! مـــــمـــــ میری۔۔۔ طبعیت۔۔۔
ٹھیک نہیں۔۔۔ ہے۔۔۔ مـــــمـــــ مجھے۔۔۔ فیور۔
۔۔۔ فیل۔۔۔ ہو۔۔۔ رہا۔۔۔ اس۔۔۔ لیے۔
حور ارحام کے سردری ایشن کو دیکھتے بمشکل

بولتے بیڈ کے دوسری جانب نا محسوس انداز میں
کھسکی۔۔

ارحام خانزادہ نے آگے بڑھتے اس کی پیشانی پر
ہاتھ رکھا جو بالکل ٹھنڈی تھی۔

ٹھیک ہو تم!! نہیں ہے فیور تمہیں۔ یہ
میڈیسن کس کے کہنے پر کھا رہی ہو؟؟۔۔ فیور
میں ایک پین کلر بھی کھائی جاسکتی ہے۔ تم یہ
رنگ برنگی گولیاں کھا رہی تھیں۔ کس نے کہا
تم سے یہ؟؟ ارحام نے اسے سختی سے ڈپٹا۔

ارحام میں ڈاکٹر بن رہی تھی۔ میڈیکل کی
فرسٹ ایر میں تھی۔ مگر اتنی ناج ہے فیور میں
کونسی میڈیسن لیتے ہیں۔ یہ میڈیسن میں کچھ
دن پہلے بھی لے چکی ہوں۔ حوراس کی سرد
انداز پر ہچکیوں سے بولی۔

کیا؟؟ تم کچھ دن پہلے یہ میڈیسن لے چکی ہو۔
ارحام اسے کلائی سے جکڑے کھڑا کرتے اپنے
مقابل کرتے اسے کندھوں سے جکڑے چیخا
تھا۔

ہاں۔۔۔ کک کیا ہوا ارحام؟؟ حور سمجھتے ہوئے
روپڑی تھی۔

تم کیسے یہ میڈیسن لے سکتی ہو؟؟ تمہیں مسئلہ
تھا مجھے بتاتی میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر
جاتا۔

??How could you this

ارحام پاگل ہوتا غرایا۔

بہت۔۔۔ ریسرچ۔۔۔ کرتی۔۔۔ رہی۔۔۔ ہوں

۔۔۔ میں۔۔۔ اتنا۔۔۔ مم۔۔۔ مجھے۔۔۔ پتہ

۔۔۔ یہ۔۔۔ لے۔۔۔ سکتے۔۔۔ ہیں حور اس کی

غراہٹ پر اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی
تھی

بہت ریسرچ کی ہے تم نے پھر تمہیں اتنا معلوم
ہونا چاہیے پر یکنسی میں پین کلر تک نہیں لیتے۔
ارحام خانزادہ گہرے سانس لیتے پاگل ہوتے

چینا۔ وہ یہ میڈیسن پہلے کھا چکی تھی اس کے بچے
کو کچھ نہ ہوا ہو۔ اس کے اعصاب جیسے بھاری
ہوے تھے۔ وہ پاگل ہوا تھا۔ اپنا بچہ اسے جان
سے بھی زیادہ عزیز تھا۔

اگر وہ پریگنٹ ہے تو اس کا یہ میڈیسن لینا اس
کے بچے کے لیے کتنا خطرناک ہو سکتا تھا۔
ارحام کا دل جیسے ہتھیلی میں دھڑکنے لگا تھا۔ اپنا
بچہ کھونے غم کیا ہوتا ہے وہ اس دردناک افیت
سے گزر چکا تھا

پریتنسی!! حور نے تحیر سے لفظ دہراتے ارحام
خانزادہ کی طرف الجھن بھری نگاہوں سے
دیکھا۔

انیس سال کی ہو۔ اٹھارہ سال کی تھی جب
میرے نکاح میں آئی تھی۔ تمہیں اتنا نہیں پتہ

چل رہا کہ تم پر یگنٹ ہو یا نہیں۔۔ ڈیٹ تک
تمہیں یاد نہیں۔۔ ارحام خانزاد اس کی آنکھوں
میں دیکھتے سر دلچے میں بولتے استفسار کر گیا۔
میں پر یگنٹ ہوں؟؟ حور نے ارحام کی
آنکھوں میں دیکھتے جواباً استفسار کیا۔

مورے کو شک ہے تم پر یگنٹ ہو!! جو بات
تمہیں خود پتہ ہونا چاہیے وہ تمہیں نہیں پتہ!!
صرف یہ پتہ ہے اس طرح کے و لگرڈریس میں
لاونج میں آکر اپنے بدن کی نمائش کیسے کرنی

ہے؟!۔ ارحام خانزادہ لفظ چباتے اپنی خون
اتری آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑھ گیا۔
حور گہرے سانس لیتے اس کی آنکھوں میں بھیگی
نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

کب خریدا یہ و لکڑ بیہودہ ڈریس اور کیوں
خریدا؟؟ کیوں آئی لاونج میں سب کے سامنے
ایسے؟؟ میرے بھائی بابا وہاں ہو سکتے تھے۔ تم
نے ایک پل نہیں سوچا۔ جانتی ہوں ناں
تسہیں میں عورتوں کے سامنے بھی بے پردہ

نہیں دیکھ سکتا۔ ارحام خانزادہ نے اس کی
آنکھوں میں دیکھتے برفیلے لہجے میں استفسار کیا۔
یہ۔۔۔ و لگر۔۔۔ بیہودہ۔۔۔ ڈریس۔۔۔ آپ۔۔۔
کے۔۔۔ لیے۔۔۔ خریدا۔۔۔ تھا۔ آپ کی۔۔۔ واپسی۔۔۔
پر۔۔۔ ایک۔۔۔ دلہن۔۔۔ کی۔۔۔ طرح۔۔۔

خود۔۔۔ کو۔۔۔ آپ کو۔۔۔ سونپ۔۔۔ کر۔۔۔
آپ۔۔۔ کو۔۔۔ سر پر اُڑ۔۔۔ دینا۔۔۔
چاہتی۔۔۔ تھی۔۔۔ مگر۔۔۔ آپ۔۔۔ نے۔۔۔ تو
مجھے۔۔۔ ہی۔۔۔ سر پر ایز۔۔۔ کر۔۔۔
دیا۔۔۔ گل۔۔۔ کے ساتھ۔۔۔ موجود۔۔۔ تھے۔

پریذے۔۔۔ سے۔۔۔ ویڈیو۔ کال پر۔۔۔ بات
۔۔۔ کروائی۔۔۔ آپ۔۔۔ نے۔۔۔ اور۔۔۔ کیا
۔۔۔ کہا۔۔۔ پریذے۔۔۔ سے۔۔۔ حور نے ایک
ہاتھ اس کی شرٹ سے ہٹاتے ہچکیوں سے
بولتے ہاتھ کا موبائل بناتے ہاتھ کان پر رکھا۔

!! اوکے میں مورے سے بات کروانا ہوں۔
مگر ایک پرامس کرو۔ ماما کو نہیں بتاؤ گی کہ آپ
نے مورے سے بات کی ہے اور مورے
میرے ساتھ ہیں !! حور اب ہچکی بھرتے اس

کی شرٹ پھر سے دونوں ہاتھوں میں جکڑ گئی
تھی۔

ارحام خاموشی سے بے یقین سماعتوں سے اس
کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ اس کے لرزتے بدن کو
کمر سے تھامے اپنے قریب کر گیا تھا۔

مجھ پر عورت کی نظر برداشت نہیں۔۔ صرف
عورتوں کے سامنے ایسے آئی کتنا برا سلوک کیا
میرے ساتھ۔۔ مجھے کھسیٹتے ہوئے لائے۔
اتنے برے لفظ بولے۔۔

مجھ سے کیا کہا؟!۔۔ وہ ہچکی لیتے رکی تھی۔۔ بولا
تمہارے جسم کا وہ حصہ مسلوں کا جوا بھی تک
میرے بدن کا حساس حصہ ہے۔ کوئی محبت
کرنے والا شوہر ایسے اپنی بیوی کو کہتا ہے کیا؟؟
اس کے بال کھینچتا ہے کیا؟؟ اسے بیڈ پر دھکا دیتا

ہے کیا؟؟۔ وہ ہچکیوں سے بولتے اس کی شرٹ
جکڑے اس کی آنکھوں میں دیکھتے استفسار کر
رہی تھی۔

ارحام خانزادہ اسے کمر سے جکڑے اس کے
لرزتے لبوں سے لفظ سن رہا تھا۔ جو اسے مزید

بے چین کر کے تھے۔

مرد اپنی عورت کے لبوں سے کسی مرد کا نام
برداشت نہیں کر سکتا۔ مم میں بھی برداشت
نہیں کر سکتی آپ کو اس گل کے ساتھ۔۔ جو
آپ کی محبت تھی آپ کی بیٹی کی ماں ہے۔ لیکن

سب اس حویلی میں گل کا نام ضرور لیتے ہیں۔
سب مجھے جانتے ہیں۔ گل سے آپ بہت محبت
کرتے تھے۔ اس کے ساتھ کمرے میں بند
رہتے تھے۔ درخشاں آپ کی مورے روزینہ
آئی آپ کا ہر رشتہ دار مجھے یہ ضرور بتاتا ہے

آپ گل کے ساتھ بہت اچھے تھے۔ آپ نے
اس سے محبت کی شادی کی۔ کبھی سوچا مجھے کیسا
لگتا ہے؟؟ کیسے کانٹے پیوست ہوتے ہیں
میرے دل میں؟؟ عورت میں کیا غیرت نہیں
ہوتی؟؟ اسے بھی غیرت آتی ہے اپنے مرد کے

لیے کسی دوسری عورت کا ذکر سننا!! وہ روتے
ہوے سسکی بھر گئی۔ ارحام بے چین ہوتا اب
اسے دونوں ہاتھوں سے کمر سے جکڑ گیا تھا۔
روزینہ۔۔ آنٹی۔۔ نے۔۔ کہا۔۔ بختاور۔۔
خان۔۔ گل۔۔ کو۔۔ چھوڑ چکا۔۔

ہے۔۔۔ بہت جلد۔۔۔ آپ۔۔۔ اس۔۔۔
سے۔۔۔ نکاح۔۔۔ کر۔۔۔ لیں گے۔۔۔
درخشاں نے کہا آپ گل کے لیے کمرہ سجا رہے
ہیں۔ پریذے نے بتایا آپ گل کو بھی آپ آج
شاپنگ پر لے کر گئے۔

آپ پر یزے سے بات بھی نہیں کر رہے تھے۔
صرف گل کو ہی دیکھ رہے تھے۔۔ پھر بھی آپ

مجھ سے سوال کر رہے ہیں۔ مجھ سے یہ
جانوروں والا سلوک کر رہے ہیں۔ کیا میرا
مینٹل لیول یہ باتیں سن کر ٹھیک رہ سکتا ہے
کیا؟ حور نے روتے ہوئے اسے شکوہ کناں
بھری نگاہوں سے دیکھتے سوال کیا۔ ارحام کی

سائیں گہری ہوئی تھیں۔ غصے سے اس کی
دماغ کی شریانیں بھڑکیں تھیں۔ سب نے اس
سے یہ کیوں کہا؟؟ وہ سب سے حساب لینے کا
آرادہ رکھتا تھا۔

بہت محبت کرتی ہوں آپ سے ارحام!! لیکن

اتنی بھی نہیں کہ آپ کی بیوفائی برداشت کر
لوں۔۔ مجھ سے بیوفائی کریں گے ہر بار آپ کو
حور خانزادہ نہیں حور سلطان شاہ ملے گی۔ حور
سلطان شاہ کے جنون اور نفرت سے ٹکرائیں
گے۔ حور کا بھیگا لہجہ سرد ہوا تھا۔

اس۔۔۔ حویلی۔۔۔ میں۔۔۔ قید۔۔۔
کر۔۔۔ کے۔۔۔ رکھیں۔۔۔ گے۔۔۔ ناں۔۔۔ پا۔۔۔
کو۔۔۔ پتہ۔۔۔ نہیں۔۔۔ لگنے۔۔۔ دیں۔۔۔
گے۔۔۔ میں۔۔۔ آپ۔۔۔ کی۔۔۔ قید۔۔۔
میں۔۔۔ ہوں۔۔۔ مگر اب۔۔۔ آپ۔۔۔

صرف۔۔۔ مجھ۔۔۔ سے زبردستی۔۔۔ کر۔۔۔
کے۔۔۔ مجھے۔۔۔ پا۔۔۔ سکتے ہیں۔۔۔ کبھی۔۔۔ خود۔۔۔
کو۔۔۔ آپ۔۔۔ کو۔۔۔ نہیں۔۔۔
سونپوں۔۔۔ گی۔۔۔ اب کبھی آپ سے محبت
نہیں کروں گی۔۔۔ کبھی گل سے جیلنس نہیں ہوں

کی۔ پر یذے کو بھی میرے پاس نہیں آنے دیں
گے۔۔ نہیں حق جتاؤں گی۔۔ اس۔۔۔ پر۔
اب۔۔۔ میں۔۔ آپ۔۔ کی۔۔۔ حور۔۔۔
نہیں۔۔ رہوں۔۔ گی۔ آپ۔۔۔ میرے۔۔۔
نہیں۔۔ میں۔۔ بھی۔۔ آپ۔۔ کی۔۔ نہیں۔

حور ہچکیوں سے بولتے ہوئے ارحام خانزادہ کی
آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے ہوئے تھی۔
ارحام لب بھینچے اسے دیکھتے بہت نرمی سے اس
کی برہنہ کمر پر ہاتھ رکھے ہوئے تھا۔ اس کی
معصومیت سے کہی باتیں اسے تڑپا گئی تھیں۔

میری کیسے نہیں رہو گی۔ ہو تو صرف میری۔
میری قید میں رہو گی تو پھر کیسے میری نہیں ہو
گی۔۔۔ ارحام خانزادہ نے بہت نرمی سے اس کے
گیلے عارض پر چمکی لٹ کان کے پیچھے اڑ سی۔ وہ
بہت معصومیت سے اپنی محبت کا اظہار کر چکی

تھی۔۔ یہ لفظ سننے کے لیے وہ کتنا بے چین تھا۔
وہ وہی جانتا تھا۔ ارحام کا دل پہلو میں شدت
سے دھڑک رہا تھا۔ مقابل اس سے شدید محبت
کرتی ہے۔ آج اسے یقین ہو گیا تھا۔
جسم تو آپ کا ہو گا مگر میرا دل آپ کا نہیں ہو گا۔

رات سے اپنے دل سے آپ کی تصویر مٹا چکی
ہوں۔ حور نے روتے ہوئے معصومیت سے کہا
تو ارحام نے بمشکل اپنی مسکراہٹ دبائی۔
دروازہ ناک ہونے پر ارحام خانزادہ نے ایک
نظر دروازے کو دیکھا دوسری نظر اپنی معصوم

بے پناہ خوبصورت بیوی کو دیکھا تھا۔

میں دوبارہ سے اپنی تصویر سجالوں گا۔ ابھی اپنا
ٹیسٹ کروا کر پریگنٹنسی کنفرم کرواؤ۔ جس نے
ہمیری جان لبوں پر سجائی ہوئی ہے۔ ی۔
م۔ ارحام نے نرمی سے کہتے ہوئے حور کے

بہتے عارض پر نرمی سے لب رکھے۔۔
ارحام حور کو اپنے حصار سے آزاد کرتے
دروازے کی طرف بڑھا۔ حور نم نگاہوں سے
اس بے حس انسان کی چوڑی پشت دیکھ رہی
تھی جو صرف اپنے بچے کا سوچ کر اس کے لیے

نرم ہوا تھا۔ اسی لیے اسے کھانا کھلایا۔ اس لیے
اس کی فکر جتا رہا تھا۔

حور چادر لو خود پر!!! ارحام نے مڑتے ہوئے
حور سے نرم لہجے میں کہا۔
حور سسکتے ہوئے بیڈ پر بیٹھی تھی۔ مگر چادر نہیں

لی تھی ارحام کی بے حسی خود غرضی پر اسے
شدت سے رونا آ رہا تھا۔
دروازہ کھولنے پر لیڈی ڈاکٹر اور اس کے ساتھ
نرس اندر داخل ہوئی تھی۔۔
اسلام و علیکم !!! ارحام خانزادہ انھیں راستہ دیتے

تھوڑا پیچھے ہوا تھا۔

وعلیکم اسلام۔۔ لیڈی ڈاکٹر اندر داخلے ہوتے
حیران ہوئی تھی۔ کمرہ گلابوں سے مہک رہا تھا۔
سیج پر بھی پھول بکھرے تھے۔
بیڈ پر لڑکی دلہن کے لباس میں بیٹھی تھی۔ اور

اسے پریٹنسی ٹیسٹ کرنے کو بلایا گیا تھا۔
ارحام خانزادہ نے پیچھے ہوتے حور کو دیکھا جو بیڈ
پر بنا کسی چادر کے ویسے ہی بیٹھی تھی۔ ارحام کی
رنگت طیش و اشتعال سے سرخ ہوئی۔
ارحام خانزادہ تیز تیز قدموں سے ڈریسنگ روم

کی طرف بڑھتے وہاں سے حور کی سیاہ گرم شال
نکال کر لاتے اس کی طرف بڑھتے اس پر اوڑھا
کیا تھا۔

ڈاکٹر آپ میری مسسوز کا پریگننسی ٹیسٹ
کریں۔ ارحام خانزاہ نے حور کو گھورتے ہوئے

ڈاکٹر سے کہا۔

ان کا پریگننسی ٹیسٹ کرنا ہے تو ان کو اتنا کور
کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیڈی ڈاکٹر نے
ارحام خانزادہ کو دیکھتے مسکراہٹ دبائی۔
اس حویلی کے خان اپنی عورتوں کو لے کر کتنے

پوزیسیو ہیں۔ وہ شہرام خان کے ساتھ کام
کرنے سے اندازہ ہو گیا تھا۔
اتنی خوبصورت عورت کے لیے سامنے کھڑا
خان حساس نہ ہو یہ کیسے ہو سکتا تھا۔
آپ یہاں سے جائیے!! میں ان کا کمپلیٹ چیک

اپ کرتی ہوں۔ ڈاکٹر نے ارحام خانزاہ کو دیکھتے
سنجیدگی سے کہا۔

ارحام نے حور کو ایک نظر دیکھا جو ابھی بھی
ہچکیاں بھرتے اسے شکوہ کناں خفگی بھری
نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ ارحام کے دیکھنے پر

وہ بے رخی سے منہ پھیر گئی۔۔۔ ارحام خانزادہ
گہرا سانس بھرتے دروازے کی طرف بڑھا۔ وہ
اب اس کی ناراضگی سے بہت بری طرح
پریشان ہوا تھا۔ اگر وہ پریگنٹ تھی تو وہ تو اب
اس پر سختی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ

اسے کیسے منائے گا۔ ارحام خانزادہ شدید

پریشان ہوا تھا۔

میں ٹیسٹ نہیں کرواؤں گی۔ حور کی سرد آواز
اس کی سماعتوں سے ٹکڑاتی اس کے قدم روک
چکی تھی۔

آپ ٹیسٹ نہیں کروائیں گی تو پر یٹنسی ٹیسٹ
کیسے ہوگا۔ ڈاکٹر نے جواباً سنجیدگی سے استفسار
کیا۔

کچھ بھی ہو جائے میں کسی قیمت پر ٹیسٹ نہیں
کرواؤں گی۔ حور دبی آواز میں چیخی۔

ڈاکٹر نے پریشانی سے کودیکھا جواب دروازے
کے پاس کھڑے حور کو سرد نگاہوں سے دیکھ رہا
تھا۔

ٹیسٹ کرواؤ!! ارحام خانزادہ بھاری قدموں
سے حور کی طرف بڑھتے سنجیدگی سے بولا۔

ڈاکٹر نے پریشانی سے کودیکھا جواب دروازے
کے پاس کھڑے حور کو سرد نگاہوں سے دیکھ رہا
تھا۔

ٹیسٹ کرواؤ!! ارحام خانزادہ بھاری قدموں
سے حور کی طرف بڑھتے سنجیدگی سے بولا۔

میں ٹیسٹ نہیں کرواؤں گی!! وہ اپنے سامنے
کھڑے ظالم بے رحم سفاک انسان کو دیکھتے غصے
سے منہ پھیر گئی تھی۔ یہ کمرہ یہ سیج جو اس نے
کسی اور عورت کے لیے سجایا تھا۔ کل رات سے
اس کمرے میں بھوکا پیاسا بھی رکھا تھا۔ اب

اپنے بچے کا سن کر اس کی آنکھوں میں بے چینی
اظطراب نمایاں تھی۔ ثابت ہوا تھا وہ اپنے بچے
کی وجہ سے اس سے نرم ہو گیا تھا۔
اپنا ٹیسٹ کرواؤ! ارحام خانزادہ نے جھنجھلاتے
ہوئے اپنی ہلکی گھنی بیرو ڈسہلائی۔ وہ پل پل

اپنے بچے کا سوچ کر جیسے مر رہا تھا وہ اس کی نرمی
کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اب یہ ایٹمیوڈ دکھا
رہی تھی۔

نہیں کرواؤں گی۔ حور ضدی انداز میں اپنی
بات پر قائم رہتے ہوئے اپنی بھیگی آنکھیں

ہتھیلیوں سے بے دردی سے رگڑ گئی۔

ڈاکٹر اور نرس ہونقوں کی طرح ارحام خانزادہ
اور حور کو دیکھ رہے تھے۔ بات اصل کیا تھی وہ
لوگ سمجھ نہیں پا رہے تھے؟؟۔۔ بچہ سامنے
کھڑے انسان کا تھا یا پھر بات کچھ اور تھی۔۔

لڑکی تو نئی نویلی دلہن لگ رہی تھی۔ وہ پریتنسی
ٹیسٹ کیوں نہیں کروا رہی تھی۔ ڈاکٹر اور
نرس سمجھ نہیں پا رہے تھے۔

ٹیسٹ کرواؤ!! ارحام خانزادہ دھاڑا۔ ارحام کی
دھاڑ پر لرزتے ہوئے حور نے ڈاکٹر کو دیکھا۔

نرس

میں ا جیلشن نہیں لگاؤں گی۔۔ حور نے ہچکی
لیتے کہا تو ارحام خانزادہ گہرا مسکرایا تھا۔ وہ ضد
کیوں کر رہی تھی۔ اب اسے اب سمجھ آیا تھا۔
مجھے برداشت کر لیا ہے تو ا جیکشن کو بھی
برداشت کر لو گی۔ وہ اس کے قریب ہوتے اس

کے کان میں جھکتے مدھم سرگوشی کرتے اس
کے کان کی لو کو لبوں سے چھو گیا تھا۔
حور نے سرخ پڑتے ارحام خانزادہ کی آنکھوں
میں شبیہ نگاہوں سے دیکھا۔
ٹیسٹ کرواؤ!!! ارحام اس کی آنکھوں میں سرد

بر فیلے حکمیہ لہجے میں بولتے پیچھے ہوا۔
چیک کریں ڈاکٹر!!! ارحام خانزادہ نے ڈاکٹر کو
دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔
ڈاکٹر اثبات میں سر ہلاتی حور کی طرف بڑھی۔
ارحام پیچھے کو ہوتے اب کمرے میں بے چینی

سے چکر لگانے لگا۔ وہ ٹیسٹ کرواتے ہوئے
مزید ضد نہ کرے وہ کمرے سے باہر نہیں گیا
تھا۔

ڈاکٹر اس کی شال اتارے اس کا بی پی چیک کر
رہی تھی۔۔ اور بھی وہ مختلف ایکوپمنٹس نرس

کے ہاتھ میں پکڑے بیگ سے نکالتے حور کو
چیک کر رہی تھی۔

ارحام خانزادہ اپنا نچلا لب دانتوں تلے پیوست
کیے اپنی گھنی بئیر ڈسہلاتے بہت بے چینی سے
کمرے کے وسط میں چکر لگا رہا تھا۔

مسٹر خان!! کچھ دیر بعد ڈاکٹر ارحام کی طرف
متوجہ ہوئی۔

ارحام بے چینی بے تاب سے ڈاکٹر کی طرف
بڑھا۔

She is pregnant

ان کی بتائی گئی ڈیٹ کے مطابق ان کی پریٹنسی
دو منٹ کی ہے۔ باقی چیک آپ ہاسپٹل میں آکر
کروالیں۔

ڈاکٹر کی بات پر ارحام نے حور کی طرف دیکھا جو
اس کی طرف دیکھتے بے رخی سے چہرہ پھیر گئی

تھی۔ ارحام خانزادہ ہونٹ سکوڑتے ہوئے
سانس باہر نکالتے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں
پھیر گیا تھا۔ اس کا مشکل وقت اب شروع ہوا
تھا۔

رمز عشق

تحریر نور آصف

قسط 2 part 151

مسٹر خان!!! آپ کی وایف کی ہیلتھ ویسے تو ٹھیک
لگ رہی ہے۔ بلڈ پریشر نارمل ہے۔ انھیں میڈیسن
اور کھانے سے بھی زیادہ آپ کی کیئر کی ضرورت

ہے۔ ڈاکٹر نے prescription لکھتے ہوئے
ہچکچاتے ہوئے ارحام خان کو دیکھتے کہا۔ سامنے کھڑا
بے انتہا ہینڈ سم خان پریشان لگ رہا تھا۔ اس کی بیوی
اب گھٹنوں میں سر دیے رو رہی تھی۔ ڈاکٹر اور
نرس اچھے خاصے پریشان ہوئے تھے۔ کمرے میں
بکھرا کاغذ بھی کچھ اور کہانی سنارہا تھا۔ نئی نویلی دلہن

گلابوں سے سجا کر ہ اور دلہن کے لباس میں پریشانی
ٹیسٹ اور کمرے کا ماتم کدہ ماحول چیخ چیخ کر کچھ اور
کہہ رہا تھا کہ شاید یہ بچہ اس خان کا نہیں ہے۔
دلہن کی طرح سچی سجائی اتنی خوبصورت لڑکی پر
نرس اور ڈاکٹر کو ترس آیا تھا۔ سامنے کھڑا خان جتنا
ہینڈ سم اور سحر انگیز تھا اتنا ہی خطرناک معلوم ہوتا تھا

اس کی سحر انگیز پر سنیلٹی لٹنی بارعب تھی۔ وہ اس
کے کسرتی باڈی ورزشی بدن اور اس کے مغرور
نقوش کو دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا۔
ڈاکٹر پر سیکپشن سائیڈ ٹیبل پر رکھتی ایک نظرارحام
کو دیکھا جو اپنی گھنی بئیر ڈسہلاتے ہوئے پریشانی

سے اپنی بیوی کو دیکھ رہا تھا جو کھٹنوں میں سر دیے
اب ماتی انداز میں چیخ چیخ کر رو رہی تھی۔
نرس اور ڈاکٹر نے ایک دوسرے کو نا سمجھی سے
دیکھتے ہوئے کمرے سے نکل کئے تھے۔
ڈاکٹر کے جانے کے بعد ارحام دروازے کو لاک
لگائے ہونٹ سکوڑتے ہوئے اپنا سانس خارج

کرتے اپنی خوبصورت بیوی کی طرف بڑھا جواب
چہرہ ہاتھوں میں چھپائے چنچیں مار مار کر رو رہی تھی۔
جانتا تھا وہ سمجھ گئی تھی یہ بچہ اس کی کمزوری ہے۔ وہ
اس وجہ سے زیادہ ایسے ری ایکٹ کر رہی تھی۔ اسے
اندازہ تھا وہ اب اس پر سختی نہیں کر سکے گا۔

وہ بھاری قدموں سے اس کی طرف بڑھتا تھا اس
کے پاس بیڈ کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کے
ہچکولے لیتے وجود کو دیکھتے اس جان لبوں پر سہمی
تھی۔ سامنے بیٹھی عورت جتنی اس کی کمزوری تھی
اس کے پیٹ میں پلنے والا بچہ تو کہیں زیادہ اس کی
کمزوری ثابت ہوا تھا۔

ارحام خانزادہ نے نرمی سے اس کے چہرے سے ہاتھ
ہٹائے وہ بہت بری طرح اس کے ہاتھ جھٹکتے ہوئے
اس کی طرف سائیڈ کروٹ لیے لیٹ گئی تھی۔
ارحام خانزادہ نے گہرا سانس لیا تھا یہ پہلی مرتبہ تھا
اس نے اس کے ایسے ہاتھ جھٹکے تھے۔

ارحام نے جھکتے ہوئے نرمی سے اس کی سائیڈ گردن
پر دہکتے ہوئے لب رکھے۔ حور بری طرح جھٹپٹائی
تھی۔ وہ غصے سے اس سے دور ہوئی وہ نرمی سے اپر
اپنی ٹانگ رکھتے اس کی دھڑکنوں پر اپنے ہاتھ
جماتے اسے اپنے قریب کرتے اس کی کان کی لوپر
زبان پھیرنے لگا۔ حور نے تڑپتے ہوئے اس سے

دور ہونا چاہا وہ کندھے پر ہاتھ رکھتے اسے سیدھا
کرتے اس پر جھکا۔ اپنا پہاڑ جیسا وزن اس پر نہیں
ڈالے ہوئے تھا مگر اس کا سینہ حور کے سینے سے ٹچ
ہو رہا تھا۔ ٹانگوں کو بھی وہ کافی نرمی سے اپنی ٹانگوں
میں الجھا چکا تھا۔ وہ اس کے عارض پر بہتے آنسوؤں
پر اپنا انگوٹھا نرمی سے پھیر رہا تھا۔ حور نے سسکتے

ہوے اسے دیکھا وہ اپنی سرخ آنکھوں سے اسے
گہری گرم نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔
حور اس کی شرٹ مٹھیوں میں اسی لمحے جکڑ گئی تھی۔
کچھ بھی ہو جائے وہ اس انسان کو خود سے دور نہیں
جھٹک سکتی تھی۔ مقابل کی سحر انگیز پر سنیلٹی کا جمود
اور اس کا ڈر اس کی دھڑکنیں منتشر کر دیتا تھا۔ ابھی

بھی اس کی دھڑکنیں اسی لمحے ارحام خانزادہ کے سینے
میں دھڑکنیں لگی تھیں۔ ارحام اس کا بدن ڈھیلا
پڑتے محسوس کرتے اور اس کی دھڑکنوں کو اپنے
سینے میں دھڑکتے محسوس کرتے گہرا مسکرایا تھا۔
ارحام خانزادہ نے اس کے عارض پر بہتے آنسوؤں پر

اپنے لب رکھتے ان آنسوؤں کو اپنے حلق میں اتارتا تھا

-

حور نے ہچکی لیتے اس کے ایکٹ پر اسے دیکھا۔ اب
جتنے آنسو بہاؤ گی ایسے ہی اپنے حلق میں اتاروں گا۔
ارحام گھمبیر آواز میں کہتے اس کے سرخ لبوں پر جھکے
اس کی سانسیں گھونٹ گیا تھا۔ حور اس کے لمس پر

تڑپ اٹھی تھی۔ وہ اس کے حصار میں بن آب چھلی
کی طرح تڑپ اٹھی تھی۔ ارحام خانزادہ اس کے
مچلتے بدن کو محسوس کرتے اس کی کلاسیاں نرمی سے
اپنے ہاتھوں سے جکڑتے اس کی کلاسیاں تکیے پر پن
کر گیا۔ وہ اس کے لبوں پر اپنے دہکتے ہونٹ رکھے
ہوئے تھا۔ اس کے سرخ بھگیے ہونٹوں پر ہونٹ

کی شدت اور اس کے دہکتے بدن کے سپارک اپنے
نیم برہنہ جسم سے ٹکراتے محسوس کرتے حور کی دبی
دبی سسکیاں کمرے میں گونجنے لگی۔۔ وہ مقابل کے
بدن میں شدت سے اس کی ضرورت بن کر دوڑ
رہی ہے۔ وہ اس کے جسم کی حرارت محسوس کرتے
جان چکی تھی۔ ارحام کی شدت میں بتدریج اضافہ

گھوٹتے ہوئے اس کے ہونٹوں کو اپنی شدت سے
قندھاری کر گیا۔

وہ اس کے حصار میں جیسے ساکت ہوئی تھی۔ ارحام
خانزادہ اس کے لبوں کو آزاد کرتے اس کے عارض
پر اپنے دانت گاڑھ گیا۔ حور نے سسکی لی تھی۔ وہ
اس کے عارض پر جگہ جگہ اپنے دانت گاڑھتے اس

کے گلاب عارض اپنے دانتوں سے چینچ رہا تھا۔ حور
اس کی شدت برداشت کرتے سسک رہی تھی۔ وہ
اس کی کلائیاں ازاد کرتے اب اس کی گردن پر جھک
گیا۔ وہ اس کے گردن پر جھکے اپنی دہکتی سانسیں
چھوڑتے اس کی گردن اپنے لبوں کے پر تپش لمس

سے جھلساتے اس کی گردن پر اپنے دانتوں سے
جنون خیزیاں نچھاور کرنے لگا۔

کمرے میں اب دونوں کی گہری بھاری سانسیں
گوںج رہی تھیں۔ ارحام خانزادہ کی سانسیں بہت
بھاری ہو چکی تھیں۔ حور کی بھاری سانسوں میں اس
کی سسکیاں بھی کمرے میں گوںج رہی تھی۔ ارحام

میں دبوچے گہرے سانس لیتے اپنی جلتی آنکھیں
میچتے کھولی تھیں۔

کوئی فرق نہیں پڑا تھا اس بے رحم سفاک زندہ
وجودوں کو الٹنے پلٹنے والے انسان کی بے رحم
شدتوں میں۔ وہ تو ویسے ہی شدت ڈھانے میں بے
رحم تھا۔ وہ تو مزید دیوانگی سے اس کے بدن کے

حور سیدھے ہوتے ایک جھٹکے سے دونوں ہاتھوں
سے دور کر گئی تھی۔ ارحام خانزادہ اس کے جھٹکنے پر
جلدی سے اس سے دور ہوا تھا۔ اس نے بہت برے
طریقے سے اسے خود سے دور جھٹکا تھا۔ وہ اس کے
بچے کی ماں بننے والی ہے وہ اس کے جھٹکنے پر خود پر
قابو پارہا تھا

حور بیڈ سے اٹھتی دور جا کھڑی ہوئی تھی۔ وہ گہرے
سانس لیتے اسے اب سلگتی نگاہوں سے دیکھ رہی
تھی۔

ارحام بیڈ پڑ بیٹھے گہرے سانس لیتے اسے دیکھ رہا تھا۔
آنکھوں میں وہ طلب بن کر اتری ہوئی تھی۔

آنکھیں خمار زدہ تھیں۔ سائیں دھونئی کی مانند
چل رہی تھیں۔

اتنے دنوں سے وہ سامنے کھڑی عورت جاں کا آزار
تو بنی ہوئی تھی۔ یہ نیم برہنہ لباس جس میں اس
کے بدن چھپ کم رہا تھا عیاں زیادہ ہو رہا تھا۔ بلاوز
ڈوری کے ساتھ بندھے ہوتے بھی سب کچھ عیاں

کر رہا تھا۔ ڈوری کھولنے کی وجہ سے مزید اس کے
بدن کی رعنائیاں بکھرنے لگی تھیں۔ لہنگہ اتنا ڈیلی
کیٹ تھا جتنا اس کا فلیر تھا اتنا ہی اس بدن کے ساتھ
چپکا ہوا تھا۔ ارحام ہونٹ سکوڑتے اپنا سانس باہر
نکالتے اپنے منہ پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔ سامنے کھڑی
عورت تو اس کی جان نکالنے کا ہنر رکھتی تھی۔ بہت

آسان تھا سامنے کھڑی عورت کے لیے بہت آسان
اس کی سانسیں جسم سے کھینچنا۔

کیا کر رہے ہیں؟؟ وہاں آئیے اپنی حوس پوری کیجیے
مسٹر خان!! حور گہرے سانس لیتے چینی تھی۔
ارحام نے اس کی بات پر اسے لب بھینچے دیکھا۔

کیا ہوا؟؟ پوری طرح خماری نہیں چڑھی۔۔ کچھ کمی
ہے میرے لباس میں اوپر سے تو کافی نیچے ہے مگر
نیچے سے اوپر نہیں ہے ہے ناں!! حور تنخی سے ہنسی
تھی۔

ارحام خانزادہ اب اسے سنجیدگی سے سر دنگا ہوں
سے دیکھ رہا تھا۔

مجھے لگا تھا آپ کی نرمی کی وجہ آپ کا بچہ ہے۔۔
نہیں مگر میں غلط تھی آپ کی محبت آپ کی میری فکر
کرنے کی وجہ میرا جسم ہے۔۔ صرف میرا جسم !!
صرف آپ کی lust !! صرف lust
lust۔ حور ارحام خانزادہ کی طرف دیکھتے زخمی سا
ہنسی تھی۔

ارحام جبرے بھیجے اسے سرد نگاہوں سے دیکھ رہا
تھا۔ اس کی باتوں پر خون میں شرارے دوڑ رہے
تھے۔

گل کے کمرے گل کے بیڈ پر مجھے رکھا۔ اس کمرے
میں ہر کونے میں مجھے استعمال کیا۔ جیسے دل چاہا

ویسے ویسے مجھ پر شدتیں ڈھائیں۔۔

کیا فرق ہے تب اور آج میں؟؟ کیا فرق ہے اس
کمرے اور اس کمرے میں۔ وہ کمرہ گل کا تھا یہ کمرہ
بھی گل کا ہے۔۔ میرا تو اس میں کچھ نہیں۔۔۔ کچھ
نہیں!! حور اپنا گلہ ہاتھ سے جکڑے ہذیانی ہنسی
تھی۔

کیا ہوا ایسے سرد سرخ نگاہوں سے کیا دیکھ رہے
ہیں؟؟ آئے ٹوٹ پڑیں مجھ میں!! جب میری
قسمت یہی ہے آپ کی شدتیں سہنا اس حویلی میں
قید رہنا!! تو مجھے اپنی بد نصیب قسمت قبول ہے۔
اب نہیں ڈروں گی آپ کی سرخ آنکھوں سے!!

تھپڑ کھالوں کی مگر خوف نہیں کھاؤں گی۔ پانچ مہینے
دن رات آپ کو سہہ سکتی ہوں تو یہ بچہ پیٹ میں
ہوتے بھی سہہ لوں گی۔

ارحام خانزادہ اپنے غصے اشتعال پر کنٹرول کیے اسے
دیکھتے اپنی مٹھیاں بھینچے ہوئے تھا۔
کچھ اور چاہیے آپ کو!! حور نے زخمی سا مسکراتے

ہوے اپنی لہنگے کی سائیڈز پ نیچے کھسکائی۔ وہ تھوڑا سا ڈھیلا ہوا تھا اب وہ کانپتے ہاتھوں سے اپنے لہنگے کی ڈوریاں کھول رہی تھی۔۔

آپ جیسا خان کر بھی کیا سکتا ہے؟؟

صرف _____ se اور آتا بھی کیا ہے آپ کو؟؟ آپ تو اتنے lusty ہیں اپنی وحشتیں

برساتے میرے پیٹ میں اپنے بچے کو مار دیں آپ
کو پتہ نہ چلے۔ وہ لرزتے ہوئے بولتے ہوئے اپنے
لہنگے کی ڈوری کھینچ کر کھول چکی تھی۔۔ لہنگا اس کے
بدن سے کھسکتے ہوئے نیچے ہوا تھا۔

اس کی آخری بات ارحام خانزاہ کے بدن میں
شرارے دہکا چکی تھی۔ وہ بیڈ کی دوسری جانب

جمپ کرتے ایک ہی جست میں اس تک پہنچا تھا۔
حور اسی لمحے ارحام کو دیکھتے ہوئے خوف سے پیچھے
کی جانب قدم بڑھاتے دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔
لہنگا کھسکتے ہوئے نیچے ہو رہا تھا۔

ارحام اس کی طرف بڑھتے اس کا جبرہ دبو چے ایک
ہاتھ اس کے لہنگے پر جماتے اپنی ایک ٹانگ اس

طرح اس کی ٹانگوں پر رکھ گیا کہ لہنگا نیچے نہیں اتر
تھا۔

حور خوف سے اب ارحام کو دیکھ رہی تھی۔
کیا بکواس کی میرے بچے کے متعلق تم نے؟؟ ارحام
اس کا جبرہ دبوچے غرایا۔ جتنا غصہ اشتعال اس کے
اندر مقابل کی اس بات پر اٹھ رہا تو وہ وہی جانتا تھا۔

اپنے بچے کی ہی وجہ سے وہ اس کا جبرہ نرمی سے
دبوچے ہوئے تھا ورنہ جی کر رہا تھا اس کے جبرے
میں اپنی انگلیاں دھنسا دے۔

حور اب سٹل اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔
میرے اندر تمہارے لیے lust ہے۔ میں اپنی
حوس تم سے پوری کرتا ہوں تو اتنے دنوں سے کیا

مجھے کیا چیز کیا وجہ روکے ہوئے ہے؟!۔ کیوں
تمہارے بدن کا حصہ بنتے تم میں سمایا نہیں؟؟۔
کتنی دیر لگتی ہے یہ سب کرنے میں؟؟ میں اتنا
lusty ہوں پھر بھی تم پر اپنی بے رحمانہ وحشتیں
کیوں نہیں برسائیں؟؟۔ ہاں جواب دو مجھے!! کیا
چیز مجھے روکے ہوئے ہے؟؟ ارحام خانزادہ اس کا

جبرہ دبوچے غرایا۔

گل۔۔ گل۔۔ وجہ۔۔ ہے۔ وہ آپ کے بدن کی
گرمی دور کر چکی ہے۔ اور آج اپنے بچے کی وجہ سے
رکے ہوئے ہیں۔ وہ ارحام کا ہاتھ اپنے جبرے سے
چھڑواتے دبی آواز میں چیخی تھی۔ وہ بے حد نرمی
سے اس کا جبرہ دبوچے ہوئے تھا اس لیے وہ اس کا

مضبوط ہاتھ اپنے جبرے سے ہٹا کئی تھی۔
ارحام خانزادہ اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ
رکھے اب اسے گھور رہا تھا

!!Great

اس بچے کی اہمیت سے بخوبی واقف ہو تم!! ارحام
استہزائیہ ہنسا۔

اپنی خوبصورتی سے بھی بخوبی واقف ہو!! یہ بھی
جانتی ہو میں تمہارے لیے پاگل ہوں۔ اگر میں یہ
پاگل پن تمہارے لیے جتنا چھوڑ دوں تو پھر اسے
میری مبت کہو گی تم!! ارحام نے چہتے لہجے میں
سوال کیا۔

پاگل پن تو کم ہو گا ہی جو مجھ سے چاہیے وہ گل سے

مل جایا کرے گا۔ اتنا تو مجھے یقین ہے گل آپ کو
اپنے قابو میں رکھنے کے سارے ہنر آزمائے گی۔
محبوب بیوی رہ چکی ہے آپ کی!! یقیناً گھٹا کی طرح
برستے رہیں ہوں گے اس پر۔ ایسے ہی تو پر یزے
پہلے مہینے میں نہیں آگئی تھی۔ حور ارحام کی آنکھوں
میں دہکتے تپش زدہ لہجے میں بولی۔

ارحام خانزادہ جبرے بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔
پریذے کا پہلے منہ میں آنا بھی اس کا گناہ ٹھہرا تھا۔
اور اب تو اسے مزید ادائیں آگئی ہوں گی۔ آخر دوسرا
خان بھگتا چکی ہے۔ حور ارحام خانزادہ کو دیکھتے
ہوئے چٹختے اعصابوں سے تڑپتے ہوئے بولی۔
ارحام خانزادہ اس کی بات پر جاندار قہقہہ لگا گیا۔ حور

کی آنکھوں میں تبہنم کے ساتھ چنگاریاں بڑھیں
تھیں۔

ارحام خانزادہ اسی لمحے اس سے دور ہوا۔
اس کا لہنگا نیچے کھسکا تھا جسے اب وہ اپنے ہاتھوں سے
جکڑ گئی تھی۔

ارحام نے دور ہوتے اپنی خوبصورت بیوی پر گہری

نگاہ ڈالی۔ اگر وہ شیر تھا وہ سوا سیر تھی۔ شیر کی کھچار
میں ہاتھ ڈالنے سے نہیں ڈرتی تھی۔ جان چکی تھی
وہ شیر اس کا اسیر ہوتا اس کا غلام ہو چکا ہے غرانے
کے علاوہ کچھ نہیں کر سکے گا۔

ارحام خانزادہ اس کے قریب ہوتے اس کے دونوں
اطراف میں ہاتھ رکھتے اسے محصور کر گیا تھا۔ وہ اب

اپنا لہنگا ایک ہاتھ سے جکڑے ہوئے تھی۔
لہنگا کیوں جکڑ رہی ہو ہونے دوزمین بوس !! تھوڑا
نیچے ہو گا اوپر والے پردے اوپر نیچے والے پردے
نیچے۔۔ تبھی تو میرے اندر کی _____ لوس بڑھے
گی۔ آنکھوں میں خمار اترے گا۔ تو یہ لہنگا نیچے
کرنے دو!! جان من!! تاکہ تم پر وحشتیں برس سانسے

کامز آئے۔ وہ کھمیر آواز میں کہتے اس کے لہنگے میں
اپنا ہاتھ الجھا گیا۔

حور نے خوفزدہ ہوتے اسے دیکھا۔ وہ اس کی
آنکھوں میں خوف دیکھتے اپنا ہاتھ پیچھے کر گیا تھا۔ وہ
مزید مضبوطی سے اپنا لہنگا مٹھی میں جکڑ گئی تھی۔
تم نے گل کے بارے میں تم نے جو لفظ بولے ہیں

!!

وہ آپ کی غیرت بر داشت نہیں کر سکی۔ مگر سچ یہی
ہے وہ بختاور خان کی بھی عورت رہ چکی ہے۔ حور
اس کی بات کاٹھے گہرے سانس لیتے لرزتے لبوں
سے بولی۔ مقابل کے لبوں سے گل کا نام برداشت
کرنا بہت مشکل تھا۔

ارحام اس کے لرزتے لبوں اور بدن کی کپکپاہٹ کو
بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ یہ لفظ بولتے کانپ رہی تھی۔ مگر
دوسری عورت کا حسد اسے پاگل کیے ہوئے تھا۔
حیرت ہے اب آپ کی غیرت کہاں گئی؟؟ دوسری
بیوی کے لبوں سے غیر مرد کا نام نہ سننے والا ارحام
خانزادہ اپنی پہلی بیوی کا اتنا بڑا عاشق نکلا کہ اس پر

دوسرے مرد کی لکی چھاپ برداشت کر کے اسے
اپنے نکاح میں لے آیا۔ میرے نزدیک آپ
غیرت مند خان نہیں ایک بغیر۔۔۔ وہ بولتے
ہوے یقدم رکی تھی۔

ارحام کا پھر سے جاندار قہقہہ بلند ہوا تھا۔
وہ اس کے بلند و بانگ قہقہے اور اپنی بات سے خوفزدہ

ہوتے اپنے لبوں پر اپنا دونوں ہاتھ جمائی تھی۔ لہنگا
زمین بوس ہوا تھا۔ مقابل کی طرح اس کا ہفتہ بھی
خطرناک تھا۔

وہ دونوں ہاتھ لبوں پر جمائے اب تھر تھر کانپ رہی
تھی۔۔ وہ اسے بغیر ت خان کہنے والی تھی۔ پتہ نہیں
اب وہ کیا سلوک کرے؟؟

اس کے چہرے پر خوف دیکھتے ارحام خانزادہ اب گہرا
سانس لے کر رہ گیا تھا۔

ارحام خانزادہ نے اس کے ہاتھ لبوں سے ہٹاتے
بہت نرمی سے اس کے لبوں پر اپنے لب رکھے۔ حور
نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔ وہ اب جھکتے ہوئے اس
کا لہنگا اٹھاتے ہوئے اوپر کی

طرف کرتے بہت نرمی سے زپ بند کرتے اس کی
ڈوریاں بند باندھ گیا تھا۔ اس کا بلاوز کندھوں سے
اوپر کرتے اسے بازو سے جکڑے اپنے ساتھ لپٹا گیا۔
وہ اس کے چوڑے سینے میں آن سمائی تھی۔
وہ بہت نرمی سے اس کی بلاوز کی ڈوریاں باندھ رہا
تھا۔ وہ اس کے سینے میں سمائے اس کی شرٹ

مٹھیوں میں جکڑ گئی۔

کتنی باریہ بلاوز اتر اکتی باران دھڑکنوں نے اس
بلاوز کو جکڑا یہی حال لہنگے کا ہے۔ اوپر نیچے کرتے
ہوئے تمھاری رعنائیوں پر نظر پڑتے اس حوس زدہ
خان کی حالت کیا ہوئی؟!۔ تمھیں کیسے
بتاؤں؟؟!! دل سے دھڑکن ٹکنا صرف رہ گئی

ہے۔۔ یہ حوس ذودہ خان کیسے خود پر قابورہا؟؟ تم
نہیں سمجھ سکتی!! وہ اس کی پشت ہاتھ پھیرتے
گھمبیر لہجے میں بول رہا تھا۔ وہ اس کی شرٹ مٹھیوں
میں جکڑے اس کے سینے پر سر رکھے ہوئے تھی۔
وہ تھک سی چکی تھی۔ اتنے دنوں سے نفرت کرتے
خود سے لڑتے اب اس ظالم کی پناہ پتہ نہیں کیوں

سکون دے رہی تھی۔ اس کی جان لیوہ خوشبو
سانسیں بند کر رہی تھیں۔

اگر میں ظالم ہوں تو تم بھی ظالم ہو۔ میرے ظلم کا
حساب تم نے مجھے قطرہ قطرہ مار کر لیا ہے۔ سات
مہینے بن آب مچھلی کی طرح تڑپا ہوں۔ تمہارے
بنگلے کے باہر سات مہینوں میں گزری راتوں کا حال

کیسے سناؤں تمہیں؟؟۔ تمہیں جب پورے پردے
میں لپٹے ہوئے دیکھتا تھا۔ خود پر قابو کیسے پاتا تھا کیا
بتاؤں تمہیں؟؟ سات مہینے اپنا چہرہ تک نہیں دکھایا
تم نے اس حوس میں لپٹے پہاڑی خان کو؟؟ ارحام
اسے خود میں بھینچتے گھمبیر آواز میں بولتے ہوئے
اس کے کندھے پر اپنے دہکتے لب رکھ رہا تھا۔

خود آکر میرے قریب مجھے تڑپاتی رہی تم؟؟ چین
سمو کر بنا دیا تم نے اس ظالم حوس زدہ خان کو؟؟ اس
کے لبوں میں دہکتی تپش بڑھی تھی۔۔ حور کو اپنا
کندھا جھلتا محسوس ہوا۔

آفس میں بلا کر میرے قریب آکر میرے اندر
جذبات جگائے پھر بھی تم سے دور ہو گیا تمہارا حوس

ذوہ خان؟؟ سوچا میری کیا حالت ہوئی۔؟؟ کیسے
گزار رہی وہ رات میں نے؟؟ تمہیں لے کر اتنی
lust...y_ ہوں کہ کبھی بھی اپنی ضرورت اپنی
طلب مٹانے کا غلط راستہ نہیں ڈھونڈا۔ چاہے میری
جان کیوں نہ چلی جاتی۔!!
تم ظالم حسینہ کم بے وقوف حسینہ زیادہ ہو۔ جو اپنے

اس حوس ذوق خان کی خود کے لیے حوس کو سمجھ ہی
نہیں سکی۔ وہ گھمبیر سرد آواز میں بولتے اسے سختی
سے اپنے سینے سے لپٹاتے ہوئے اس کی کان کی لو
دانتوں سے بے دردی سے کاٹ گیا۔ حور سسکی لیتے
اس میں مزید سمائی تھی۔ اس کی لبوں کے لمس میں
بھی اب سکون مل رہا تھا۔

ساری عمر تمھارا خان تمھارے لیے ایسا ہی رہے گا۔
چاہے یہ اوپر کا پردہ اوپر کی طرف کھسکے یا نیچے کا پردہ
نیچے کی طرف یا پھر دونوں پردے نہ کریں۔ تم
پورے پردے میں مجھے رات رات بھر جگانا جانتی
ہو۔ تمہیں پردے میں دیکھ کر میرے اندر جتنی
حوس بھر پا ہوتی ہے تمھاری سوچ ہے۔

جب بند کمرے میں ذرا سے بھی پردے گرے گے
تو سوچو تم کیسے بچو گی مجھ سے۔

یہ خان اپنی خوبصورت بیوی کے لیے ہمیشہ ایسے
رہے گا۔ چاہے جتنے مرضی طعنے دو۔ تمہیں دیکھتے
ہمیشہ ایسے ہی بہکوں گا۔ تمہارے شکوے
ناراضگیاں پہلے میرے لب میرا لمس مٹائیں گے۔

ارحام کھمبیر آواز میں بولتے اسے دیوار کے ساتھ
لگائے اس کے ہونٹوں پر جھک گیا۔ وہ اس کے
چہرے کو دونوں ہاتھوں میں جکڑے اس کے لبوں
کو نرمی سے چوم رہا تھا۔
وہ اسے بغیر ت خان کہنے والی تھی وہ اب اپنے لفظ کی
جیسے بھرپائی کر رہی تھی۔ حور اس کی نرم گرم

شدت پر اپنی آنکھیں میچ کئی تھی۔ کچھ وہ سچ میں
تھک چکی تھی اسے سکون چاہیے تھا اور سکون
صرف اس بے رحم خان کے پاس تھا۔ اس کی ظالم
شدتوں میں نہ صبح اس کے چوڑے سینے میں تو تھا۔
اس کی خوشبو میں تو تھا۔

وہ اس کے لبوں سے ہوتا اس کی ٹھوڑی اس کی

گردن پر اپنے دہکتے لب رکھتے اس اس کی بلاوز کے
اوپر لب رکھتے اس کے برہنہ دھڑکنوں پر لب رکھ
رہا تھا۔ حور بحال ہوتے گہرے سانس لے رہی
تھی۔ مقابل کی نرمی سے بھی اس کی سانسیں اکھڑتی
تھیں۔

وہ گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے اب نرمی سے اس

کے پیٹ کو اپنے بوسوں سے جھلسا رہا تھا۔ وہ کافی دیر
تک اس کے پیٹ پر اپنے لب رکھتا رہا۔ حورا بھی بھی
آنکھیں میچے ہوئے تھی۔ ارحام خانزادہ نے اٹھتے
ہوئے اسے دیکھا جو آنکھیں میچے گہرے سانس لے
رہی تھی۔

ارحام خانزادہ اسے یکدم گود میں اٹھا گیا۔ حور نے

آنکھیں کھولتے خوف سے اسے دیکھتے اس کی شرٹ
مٹھیوں میں جکڑی۔ وہ اسے مزید اوپر کواٹھائے اس
کے لبوں پر اپنے لب نرمی سے رکھ گیا تھا۔
وہ اسے اٹھائے ڈریسنگ روم میں داخل ہوا۔
ڈریسنگ روم میں داخل ہوتے حور کی آنکھیں تحیر
سے بھیلی تھیں۔

وہ بے یقینی سے ڈریسنگ روم کو چاروں طرف سے
دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں ضرورت سے زیادہ
کھل گئی تھیں۔ ارحام خانزادہ اس کی حیرانگی دیکھتے
ہوئے اسے نیچے اتار گیا۔

حور چاروں اور دیکھتے اپنی گردن پر ہاتھ رکھے ہوئے
تھی۔ اسے یہ دیکھتے سانس لینے میں دقت ہوئی تھی

ارحام خانزادہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے سگریٹ
سلگائے صوفے کی بیک سے ٹیک لگا گیا۔
اب وہ سگریٹ کے گہرے کش لیتے اپنی بیوی کو
سرد شعلہ بارنگا ہوں سے گھور رہا تھا۔
حورا بھی تک بے یقینی کی کیفیت میں تھی۔

کیا ہوا میری خوبصورت ظالم حسینہ!! ارحام خانزادہ
سگریٹ کا دھواں چھوڑتے سرد آواز میں بولا۔
ارحام کی سرد برقیلی آواز پر حور کی رنگت سرخ ہوئی
تھی

اب کیا کہیں گی آپ؟؟ کیسے مداوہ کریں گی اپنے
لفظوں کا؟؟ جو تماشہ میرا لاونچ میں بنایا۔ اپنے

خوبصورت جسم کی نمائش کی؟؟ اس کی بھرپائی کیسے
کریں گی آپ؟؟ ارحام خانزادہ اب اپنی ٹانگ پر
ٹانگ رکھے حور کے قیامت خیز بدن کو اوپر سے نیچے
گھورتے ہوئے غرایا۔

ارحام کی غراہٹ پر اس کا جسم کپکپا اٹھا تھا۔
ارحام!! حور اسے بھیگی آواز میں پکارتے پیچھے کو

ہوتی دیوار کے ساتھ جالکی تھی۔

جو تم نے کیا ہے اس کا مداوہ اب آسان نہیں ہے!!

اس لیے پیچھے نہیں آگے آؤ میرے پاس آؤ میری

لیپ پر بیٹھو!! وہ سرد حکمیہ لہجے میں غرایا۔

حور نے بے بسی سے اس پہاڑی خان کو دیکھا تھا۔

Come baby sit on the my

lap

حور دیوار میں سمائے بے بسی سے اسے دیکھ رہی
تھی۔

Come

وہ اب دھاڑا تھا۔ حور اس کی دھاڑ پر لرزتے ہوئے

جلدی سے اس کی طرف بڑھتی اس کی لیپ پر
بیٹھی۔

ارحام خانزادہ اس کی کمر کو جکڑے اسے مزید اپنے
قریب کر گیا تھا

کیا سزا ہونی چاہیے تمھاری؟؟ کہاں اپنی سفاکی
دکھاؤں؟؟ تمھارے لبوں پر یا پھر تمھاری گہرائیوں

پر؟؟ ارحام اس کے خوبصورت نقوش پر سللتی
سانسیں چھوڑتے ہوئے برقیلے لہجے میں بولا۔
کک کہیں بھی نہیں!! حور نے گہرا سانس لیتے
بمشکل کہا۔

کیوں؟؟ میں تو lusty khan ہوں کیا میں
تمہیں چھوڑ سکتا ہوں وہ بھی دلہن کے اس لباس

میں !! جو تم نے میرے لیے خریدا تھا۔ ارحام
خانزادہ نے اس کے ناف پر انگلی گھماتے اس کے
لہنگے کی سائیڈز پکھولی۔

حور کی سانسیں سینے میں دہتی خاموش ہوئی تھیں۔
ارحام !! حور اس کے لیپ سے گھبراتے ہوئے
اٹھی۔

کیا ہوا؟؟؟ ارحام معنی خیزی سے پوچھتے اسے کلائی
سے جکڑ کر پھر سے اپنی لپ پر بٹھا گیا تھا۔
حور سرخ گلاب ہوتے اس کی شرٹ مٹھیوں میں
جکڑے نظریں جھکا گئی تھی۔
چلوا ٹھوان لبوں کو سرخ رنگ سے سجا کر میرے
پاس آؤ!!! ارحام خانزادہ نے اس کی ٹھوڑی پکڑے

سر دلچے میں علم دیا۔

ارحام !! حور نے بے بسی سے اسے پکارا۔

Just do it jaan

ارحام خانزادہ نے اس کی طرف دیکھتے دانت پیسے
تھے۔

حور اس کی آنکھوں کی سرخی سے گھبراتے ہوئے

اس کی لیپ سے جلدی سے اٹھتی وال گیر ڈریسنگ
مرر کی طرف بڑھی۔ اس کی لیپ پر بیٹھنا زیادہ
خطرے کی علامت تھا۔ وہ ڈریسنگ ممرر کی طرف
بڑھی۔ جہاں اس کا میک اپ سیٹ تھا۔ حور نے
کپکپاتے ہاتھوں سے سے ممرر میں دیکھتے ریڈ لپ
سے اپنے ہونٹ سجائے۔۔ ارحام کی نگاہیں اپنی

پشت پر محسوس کرتے وہ مزید لذت رہی تھی۔ لہنگب
پھر سے نیچے کھسک رہا تھا۔ حور اپنے کانپتے ہاتھ سے
لہنگا جکڑ گئی تھی۔

Dont hoor dont

ابھی تو یہ پردے گریں گے میری جان!!! میں
تمہیں اوپر سے نیچے دیکھوں گا اس لیے shy

wife کی طرح pretend مت کرو!! جو تم
نے لاونج میں کیا تم ایک shy wife نہیں
رہی۔ اب تو اصل بے باکی اور بے رحمی کا کھیل
کھیلنے کا مزا آئے گا۔ ارحام کی بات پر حور روہانے
ہوتے لب بھینچ گئی تھی۔ پانچ منے کو نیسی بے باکاتی
اور بے شرمی نہیں دکھائی تھی اس خان نے۔ کہاں

شرمانے دیتا تھا؟؟۔ جب ایک کونے سے دوسرے
کونے میں اسے لے جاتے بے رحمی دکھاتا تھا۔ تمام
ایل ای لائٹس تک ان رکھتا یہ ظالم بے باک بے رحم
خانزادہ۔۔ حور اپنے لبوں پر لپٹ لگائے
روہانے ہوتے سوچ رہی تھی۔۔
حور اپنے لبوں کو سرخ رنگوں سے رنگتی اور حام کی

طرف بڑھی

ارحام خانزادہ نے بے باک ذومعنی اشارہ اپنی لپ
کی طرف کرتے اسے آئی برواچکاتے بیٹھنے کو کہا۔
حوراس کے بے باک اشارے پر روہانسی ہوتے اس
کی گود میں بیٹھی تھی۔

ارحام خانزادہ اس کے بالوں کو گدی سے جکڑے

اس ہونٹوں کو اپنے لبوں میں دبائے اس کی سانسوں
میں اپنی سگریٹ کی مہک اتارنے لگا۔
حور اس کی شرٹ جکڑے اس کی سانسوں کی مہک
اپنے اندر اتار رہی تھی۔ ارحام لمحوں میں اس کی
سرخ چراگیا تھ۔ آزادی ملنے پر وہ بے حال ہوتے
اس کے سینے پر سر رکھ گئی تھی۔

ارحام خانزادہ نرمی سے اس کی کمر پر ہاتھ پھیرتے
اسے اپنے ساتھ لگا گیا تھا۔

اپنے لبوں کو پھر سے سرخ رنگ سے سجاؤ!! ارحام
کے حکم پر حور نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔ مگر وہ تو
سیریس تھا۔

ارحام!! حور کی آواز شدت سے بھیگی تھی۔

نوار گیو منٹس حور!! جو کہا ہے وہ کرو۔ ارحام کے
سرد لہجے پر وہ اسی لمحے اس کی لیپ سے اٹھتے ہوئے
ڈریسنگ مرر کی جانب بڑھتے لیپ شک اٹھاتے اپنے
لبوں پر لگانے لگی۔

وہ لیپ شک لگا کر ارحام کی طرف پلٹی۔ وہ صوفے
سے ٹیک لگائے اس کے جسم کو گہری بے باک

نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

!!Take off your lehnga jaan

ارحام کے حکم پر حور کی رنگت سرخ قندھاری
ہوتے سانسیں رکی تھیں۔

کیا ہوا رنگت کیوں سرخ ہو رہی ہیں؟؟ باہر تو یہ لہنگا
اتار رہی تھی۔ ارحام کے سپاٹ لہجے پر حور نے اسے

اب شرر بارنگاہوں سے دیکھا۔ وہ مزید مقابل کی
بے باکی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ مقابل کی
کمزوری اس کے پیٹ میں پرورش پارہی تھی۔
دوسرے لمحے حور نے ہاتھ میں پکڑی لپ شک
سامنے دیوار پر دے ماری۔ لپ شک دیوار سے لگتی
ارحام کے کندھے پر آکر لگی تھی۔ حور ارحام کو

کھورتے ہوئے اپنے لہنگے کی سائیڈ زپ اوپر کر گئی
تھی۔ لہنگے کی ڈوریاں مزید کس کر باندھی تھیں۔
اس کے انداز پر ارحام خانزادہ کے دل کی دھڑکنیں
منتشر ہوئی تھیں۔ وہ اپنی اداؤں شعلہ بار روپ سے
مزید خود کے لیے اسے پاگل کر گئی تھی
حور گہرے سانس لیتے اسے شعلہ بار نگاہوں سے

گھور رہی تھیں۔

ارحام اپنے لندہ بانگِ قہقہے پر قابو نہ پاسکا تھا۔
اففف۔۔۔ وہ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر اسے بے باکی
سے آنکھ مار گیا تھا۔

حور اسے شرر بار نگاہوں سے دیکھتے رخ پلٹ گئی
تھی۔

ارحام صوفی سے اٹھتے ہوئے اس کی طرف بڑھتے
اس کے پیٹ پر ہاتھ جما گیا تھا۔

حور اس کے حصار میں جھپٹائی وہ اس کی دھڑکنوں پر
ہاتھ جماتے مزید اسے خود کے ساتھ لپٹا گیا تھا۔

آئی ایم سوری فار ایوری تھنگ مائی لیڈی لو!! مائی
بچہ!! ارحام نے اسے مرر میں دیکھتے کہا تو حور کی

آنکھیں شدت سے بھیگ اٹھی تھیں۔

وہ اسے سیدھا کیے اسے دیوار کے ساتھ لگا گیا تھا۔
اس ڈریسنگ روم میں تمھاری تصویریں نہیں حور!
میرے دل میں بھی صرف تمھاری تصویر ہے۔
ارحام خانزادہ اس کے ہاتھ پکڑے اس کی ہتھیلیوں
پر لب رکھ گیا تھا۔

حور نے پھر سے ڈریسنگ روم کے چاروں طرف
نگاہیں دوڑائیں جہاں اس کی تصویریں ہر طرف
دیوار پر سجی تھیں۔

قسم کھاتا ہوں خدا کی!! میری زندگی میں تمہارے
علاوہ کوئی عورت نہیں۔۔ نہ کبھی ہو سکتی ہے۔۔
کسی عورت کو سوچنا بھی میں اپنی مردانگی کی توہین

سمجھتا ہوں۔

میری سوچوں پر میرے دل میری روح میں میری
رگوں میں دوڑتے خون میں صرف تم ہو حور!!
کیسے وہ گل ہو سکتی ہے؟؟ وہ اس کے ہاتھوں کی
ہتھیلیاں شدت سے چومتے ہوئے بھاری آواز میں
بول رہا تھا۔

مجھے اس دن راستے میں گل ملی تھی۔۔ اس کی گاڑی
خراب ہو گئی تھی۔ میں نے اسے لفٹ دی حور!!
مجھ سے غلطی ہو گئی حور!! مجھے اسے لفٹ نہیں دینی
چاہیے تھی۔۔ اس بات نے تمہیں اتنا ہرٹ کیا۔
مجھے شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے؟؟
کسی عورت کے ساتھ ہمدردی نہیں کرنی چاہیے کسی

بھی مرد کو۔ جو اس کی عورت کو تکلیف دے۔
وہ میرے ساتھ اگلی سیٹ پر نہیں بیٹھی تھی حور!!
وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی۔

میں نے ایک نظر اس کی طرف نہیں دیکھا۔ نہ
کبھی دیکھ سکتا ہوں۔ اس لیے نہیں وہ میری بیوی
رہ چکی ہے۔ بلکہ اس لیے وہ ایک پرانی غیر عورت

ہے۔ اس دوران پریدے کا فون آگیا۔ مجھ سے بہت
بڑی غلطی یہ ہو گئی میں نے وہ ویڈیو کال رسیو کر لی۔
گل نے مجھ سے میرا موبائل چھین لیا تھا مجبوراً مجھے
پریدے سے بات کروانا پڑی جان!
میں بہت ڈر گیا تھا پریدے تمہیں نہ بتا دے۔
تمہاری ناراضگی سے ڈر گیا تھا حور!! تم ہر ٹنہ ہو

اس لیے ڈر گیا تھا حور!! یقین مانو گل میری زندگی
میں کہیں نہیں ہے۔۔

پریذے نے تم سے کل جھوٹ بولا!!! اس میں بھی
میری غلطی ہے۔ ایک مرتبہ پہلے میں نے اس سے
جھوٹ بولنے کو کہا تھا جب تم نے پریذے سے فون
پر پوچھا تھا پلے لینڈ گل بھی ساتھ گئی تھی۔۔ تب

صرف سمجھیں جیلز کروانا چاہتا تھا۔ تاکہ تم جیلی
میں میرے پاس آ جاؤ۔

ارحام نرمی سے بولتے اس کی ہتھلیاں اپنی آنکھوں
سے لگا گیا۔

حور اسے نم زدہ نگاہوں سے دیکھتے اس کی باتیں سن
رہی تھی۔

ارحام اس کا ہاتھ پکڑے اسے اب صوفے پر بٹھا گیا
تھا۔ خود پنچوں کے بل بیٹھتے اس کے قدموں میں
بیٹھا۔

گل میرا کل تھا حور!! تم میرا آج اور مستقبل ہو!
تمہیں کیسے بتاؤں تمہیں کیسے سمجھاؤں؟؟۔۔ میں
نے گل سے محبت کی شادی کی تھی۔ پانچ سال وفا

نبھائی اس سے۔ مگر اس بھرے جرگے میں اسے
طلاق دے بیٹھا۔ جو میں اسے دینے کا سوچ بھی
نہیں سکتا تھا۔ وہ میری بیٹی کی ماں تھی میرے لیے
تعظیم کے قابل تھی۔ مگر حور میں اسے طلاق
دے بیٹھا۔

تم میں اور گل میں ایک فرق واضح ہے!! جو گل نے

کیا کل کو تم میرے ساتھ کرو۔ مجھ سے میرا سب
کچھ چھین لو۔ تمہارے لیے طلاق کے تین لفظ نہیں
بول سکتا۔ تمہیں جان سے تو شاید مار سکتا ہوں مگر
تم پر اپنا حق کبھی ختم نہیں کر سکتا۔ اتنا شدت پسند
ہوں تمہیں لے کر۔ گل محبت تھی میری۔ تم
پاگل پن ہو۔ عشق ہو میرا!! میری زندگی میری

سائیں ہو۔ میرا خمار میری طلب میری ضرورت
ہو۔ اور گل سے پتہ نہیں محبت بھی کی تھی کہ
نہیں۔۔ یہ احساس بھی صرف تمہیں پا کر جانا ہے۔
کوئی انسان اپنی دسترس میں ہو پھر بھی اس کے لیے
تڑپا جاسکتا ہے یہ تمہیں پا کر پتہ چلا۔ پانچ مہینے تم
میرے بدن کا حصہ بنی رہی مگر پھر بھی تمہارے

لیے تڑپتا تھا۔ تم سو جاتی تھی تمہیں دیکھتا رہتا تھا۔
تمہیں کھونے سے ڈرتا تھا۔ ارحام خانزادہ نے اس
کے عارض پر اپنا ہاتھ رکھا۔

حور اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ جما گئی تھی۔
آج بھی ڈرتا ہوں حور!! تم ارب پتی باپ کی بیٹی ہو
!! میں ڈرتا ہوں حور! دنیا کی کوئی طاقت تمہیں

مجھ سے چھین نہ لے لہیں۔۔ میں دنیا کی ہر طاقت
سے لڑ سکتا ہوں۔ مگر یہ جو ڈر ہے ناں تمہیں
کھونے کا۔ یہ ناسور کی طرح جکڑے ہوئے ہے
مجھے۔

تم سلطان شاہ کے ساتھ کھانے پر گئی۔ کچھ گھنٹوں
میں جیتا مرتا رہا حور!! ارحام اس کی لیپ چومتے

ہوے اس پر سر رکھ گیا تھا۔
حور کی کپکپاتی انگلیاں اس کے گھنے بالوں کو چھو گئی
تھیں۔۔

مجھے چھوڑ کر مت جانا حور!! خود پر کسی کی نظر مت
پڑھنے دینا۔۔ صرف میری بن کر رہو حور!! وعدہ
کرتا ہوں تم جیسا چاہو گی ویسا بن جاؤں گا۔ مگر آئندہ

ایسے خود کو عیاں مت کرنا کسی کے سامنے!! چاہے
وہ عورت ہی کیوں نہ ہو!! ارحام اس کی گود سے سر
اٹھاتے التجائیہ لہجے میں بولا۔

حور نے روتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔
یہ آنسو مت بہاؤ! یہ صرف میری قربت میں بہتے
اچھے لگتے ہیں۔

ارحام خانزاہ نے مسکراتے ہوئے اس کے عارض پر
بہتے آنسو صاف کیے۔ حور اس کی بات پر مسکراتے
ہوئے نظریں جھکا گئی تھی۔

ویسے میری قربت تمہیں بہت ناگوار گزرتی ہے۔
کیوں مجھ سے بچتی ہو اتنا؟؟۔ اب تو میں تمہیں
ہرٹ بھی نہیں کرتا۔ ارحام نے وہ سوال پوچھا جو

اسے بہت تکلیف دیتا تھا۔

پسندیدہ مرد کی قربت کبھی ناگوار ہو سکتی ہے
بھلا؟!۔ آپ کی قربت تب بھی ناگوار نہیں گزری
جب سفاک تھے بے رحم تھے میرے لیے۔ محرم
ہیں میرے!! مجھے پناہ دی آپ نے؟؟ محفوظ
چھت دی تھی آپ نے۔۔ کبھی مجھے کسی حالت

میں خود سے دور نہیں جھٹکا۔ بھی اپنے گھر والوں
کے سامنے مجھ سے اونچی آواز میں بات نہیں کی۔
صرف آپ کی شدتیں سفاک تھیں ارحام!
برداشت نہیں ہوتے تھے آپ۔ آج بھی نہیں
ہوتے۔ آئندہ بھی نہیں ہوں گے۔ حور نظریں
جھکائے بھگے لہجے میں ہچکی لیتے بولی۔

برداشت تو کرنا پڑے گاناں !! ارحام خانزادہ نے
گھمیر آواز میں کہتے ہوئے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اس
کی آنکھوں میں جھانکا۔

کروگی ناں برداشت مجھے !! ارحام خانزادہ بے چین
لہجے میں استفسار کر گیا۔

حور نے ارحام خانزادہ کی طرف بھیگی آنکھوں سے۔

دیکھتے اثبات میں سر ہلایا۔

ارحام زمین سے اٹھتے اسے اسے گود میں اٹھائے بیڈ

ڈریسنگ روم سے نکلتا بیڈ کی جانب بڑھا۔

حور اس کے گلے میں بانہیں جمایل کر گئی تھی۔

ارحام سکراتے ہوئے اس کی پیشانی پر لب رکھ گیا

تھا۔

اسے بیڈ پر لٹائے اپنی شرٹ اتارتے اس پر جھکا۔
حور ارحام خانزادہ کے شرٹ لیس سینے پر انگلیاں
پھیرتے نظریں جھکائے ہوئے تھی۔

ارحام خانزادہ نے اس کی پیشانی پر اپنے دہکتے لب
رکھے تحور نے ارحام کی آنکھوں میں دیکھا جو اسے
بہت گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا

تم بے حد خوبصورت ہو میری جان!! مگر آج بے
حد خوبصورت لگ رہی ہو اتنی کہ میں بتا نہیں سکتا۔
تمہیں پا کر جنت کی حوروں کی بھی تمنا نہیں رہی۔
وہ اس کے گلاب عارض پر انگلیاں پھیرتے لکھمیبر
آواز میں بولا۔

ارحام آئی ایم سوری!! میں نے جو آج کیا؟؟ آپ

تم بے حد خوبصورت ہو میری جان!! مگر آج بے
حد خوبصورت لگ رہی ہو اتنی کہ میں بتا نہیں سکتا۔
تمہیں پا کر جنت کی حوروں کی بھی تمنا نہیں رہی۔
وہ اس کے گلاب عارض پر انگلیاں پھیرتے لکھمیبر
آواز میں بولا۔

ارحام آئی ایم سوری!! میں نے جو آج کیا؟؟ آپ

سے اتنا کچھ چھینا۔ حور نے بھیکے لہجے میں کہا۔ ارحام
اس کی بات پر اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ گیا تھا۔
تم نے چھینا نہیں حور!! تم نے مجھے جو دیا ہے وہ تم
کبھی نہیں جان سکتی!! فرشتے سے اس ذلیل شاہ نواز
کی جان چھڑوائی۔ تمہارے قدم میری حویلی میں
پڑے۔ فرشتے پر ہر کالا سایہ دور ہو گیا۔ اسے ماں

آنا تھا۔

حور کے شکوے پر ارحام کا برجستہ قہقہہ گونجاتھا۔
جانتا تھا میری حور یہ شکوہ ضرور کرے گی۔ ارحام
شرارتی انداز میں بولتے اسے کی دھڑکنوں کو ہاتھوں
سے چھو گیا تھا۔

کیا یہ سچ نہیں ہے!! وہ ارحام کو خود سے دور دھکیلتی

اٹھ کر بیٹھی تھی۔ ارحام بھی بیٹھتے اس کے بیٹ پر
ہاتھ جمائے اس کی بلاوز کی ڈوریاں کھینچتے اس کی کمر
پر دھکتے لب رکھ گیا۔ اس کے لمس پر حور نے
آنکھیں میچے گہری سانس لی تھی۔

بہت اوپر نیچے کرتی رہی یہ پردے اب اور نہیں۔۔
اب یہ پردے صرف سرکیں گے۔۔ اب میں پورا

ہفتہ کمرے سے نہیں نکلنے والا اور نہ سمجھیں کچھ پہنے
دوں گا۔ وہ بے باکی سے کہتے اسے نرمی سے تکیے پر
دھکیل گیا تھا۔

ارحام !! حور اس کی سرخ نگاہوں کو دیکھتے گھبرائی
تھی۔

نہیں جان۔۔ اب اور دور نہیں رہ سکتا آج تو تمہیں

مجھے برداشت کرنا پڑے گا۔ ارحام حور کا بلاوز تن
سے جد کر گیا تھا۔

حور گلاب کی طرح سرخ پڑتے اس کے گلے میں
با نہیں جمایل کر گئی

ارحام خانزادہ اس کی با نہیں نرمی سے اپنے گلے سے
الگ کرتے اس کی کلابیاں نرمی سے جکڑے تکیے پر

پن کر گیا تھا۔

ارحام مم میں پیگنٹ ہوں!! حور نے گہرے
سانس لیتے گھبراتے ہوئے کہا۔

توات

اٹھ بیچ کم ہوگی۔ اس کونے سے اس کونے میں آج
نہیں صرف اس بیڈ پر تم پر قہر بن کر ٹوٹوں گا۔

ارحام شرارتی لہجے میں کہتے اس کی آنکھوں میں
دیکھتے مسکرایا تھا۔

قہر بن کر ٹوٹیں گے ابھی بھی؟؟ حور نے بے یقینی
سے پوچھا تھا۔

تم پر نرمی سے بھی برسوں کا تمہیں قہر ہی لگے گا!!
میری خوبصورت نازک بیوی۔ اب مجھے برداشت

کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ارحام صمیر آواز میں
بولتے اس کی لہنگے کی زپ نیچے کھسکا گیا تھا۔ ارحام
نے اس کے لہنگے کی ڈوریوں کی طرف ہاتھ بڑھاتے
کھولنے کی کوشش کی۔ جو کھل نہیں رہی تھی۔
ارحام خانزادہ نے جھنجھلاتے ہوئے ڈوریاں کھینچی۔
جو مزید ٹائیٹ ہو گئی تھیں۔

یہ کیا ہے حور؟ ارحام خانزادہ نے جھنجھلاتے ہوئے
پوچھا

ارحام خانزادہ کی جھنجھلاہٹ دیکھتے حور نے بمشکل
اپنی مسکراہٹ دبائی

پت نہیں ارحام! اندر ڈوریاں باندھی تھی لگتا ہے
ٹائیٹ ہو گئی۔ حور نے اس کی جھنجھلاہٹ دیکھتے

معصومیت سے کہتے لب دانتوں تلے دبایا۔
کیا مصیت ہے؟؟۔ ارحام خانزادہ نے غصے سے
دانت پیستے ہوئے گرہ کھولنے کی کوشش کی جو کھل
نہیں رہی تھی۔

ارحام کا سرخ چہرہ دیکھتے حور نچلا لب مزید سختی سے
دانتوں تلے دبایا۔ گئی تھی۔ وہ جھنجھلاتے ہوئے

اسے بہت جان لیوہ لگا تھا۔ وہ اتنا بے تاب ہو رہا تھا۔
ارحام کی بے تابی محسوس کرتے حور کی دھڑکنوں
میں بھونچال مچا تھا۔

تم نے میری جان کم نکالی ہے جواب یہ ڈوریاں نکال
رہی ہیں۔ ارحام خانزادہ حور کی طرف دیکھتے غرا اٹھا
تھا۔

یہ ڈوریاں کہہ رہی ہیں۔ آپ مجھ سے دور رہیں۔
حور نے آہستگی سے کہتے اس کی سرخ خمار زدہ
آنکھوں میں دیکھا۔

خبردار خود سے دور کرنے کی بات کی جان سے مار
ڈالوں گا تمہیں۔ ارحام اس کی آنکھوں میں دیکھتے
برفیلے لہجے میں دانت پیستے غرایا۔

حور اب نچلا لب دانتوں تلے دبائے نظریں جھکائی
تھی۔

ارحام جھنجھلاتے ہوئے ڈوریاں کھول رہا تھا جو کھل
ہی نہیں رہی تھی۔ ارحام خانزادہ نے جھکتے ہوئے
دانتوں سے ڈوری کھولنے کی کوشش کی۔ ڈوری پھر
بھی نہیں کھلی تھی۔ ارحام نے گہرے سانس لیتے

سرخ سردنگا ہوں سے حور کی آنکھوں میں دیکھا۔
اتنی محنت کبھی مجھ سے کروائی۔ جتنا آج کروا رہی
ہو۔ انتہائی گھٹیا لباس ہے یہ۔ ارحام بری طرح
جھنجھلایا تھا۔

محنت تو آج بھی کم ہی لگنی تھی اگر آپ دماغ سے
سوچتے۔۔ حور اس کی گردن میں بانہیں جمایل کر

لئی تھی۔

ارحام خانزادہ نے الجھن بھری نگاہوں سے اس کی
آنکھوں میں دیکھا۔

حور نے مسکراتے ہوئے اپنا لہنگا اوپر کی جانب
کھسکایا۔

ارحام خانزادہ اس کی طرف بے باکی سے دیکھتے حور

کے ایکٹ پر حیران ہوا۔

حور اسے دیکھتے آنکھ و نک کرتے مسکرائی تھی۔

حور کی ادا پر ارحام خانزادہ کا کمرے میں بلندہ بانگ

قہقہہ گونجتا تھا۔

حور بھی اس کے قہقہے کا ساتھ دیتے کھلکھلائی تھی۔

صحیح کہتے ہیں عورت دماغ و دل سب بند کر سکتی ہے۔

کے ایکٹ پر حیران ہوا۔

حور اسے دیکھتے آنکھ و نک کرتے مسکرائی تھی۔

حور کی ادا پر ارحام خانزادہ کا کمرے میں بلندہ بانگ

قہقہہ گونجاتھا۔

حور بھی اس کے قہقہے کا ساتھ دیتے کھلکھلائی تھی۔

صحیح کہتے ہیں عورت دماغ و دل سب بند کر سکتی ہے۔

اور پسندیدہ عورت سامنے ہو مرد لسی کام کا نہیں
رہتا۔ ارحام کھمبیر آواز میں بولتے اس کا لہنگا مزید
اوپر کھسکا گیا تھا۔

حور اس کے ساتھ لیٹتے ہوئے آنکھیں میچ گئی تھی۔
آجائز تہے جان!! تم میں سما کر سرور کی وہ کیفیت
حاصل کروں۔ جو اس جہاں میں میرے لیے کسی

چیز کسی رشتے میں نہیں۔ ارحام نے کھمیر آواز میں
بولتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے آجارت چاہی تھی

حور نے اثبات میں سر ہلاتے ارحام کے لبوں میں
اپنے لب پیوست کیے تھے۔ ارحام اس کے ایکٹ پر
شل ہوا تھا۔ وہ اس کے ہونٹوں کو بہت شدت سے

چومتے ہوئے اس کے لبوں کو دانتوں سے کاٹ رہی
تھی۔

ارحام خانزادہ کی دھڑکنیں آج پہلی مرتبہ مقابل کی
دھڑکنوں میں بج رہی تھی۔ وہ اتنی شدت سے کبھی
اس کے ہونٹوں کو چومے گی یہ گمان تو کبھی نہیں کیا
تھا۔

وہ ارحام کو خود سے دور دھیلیتی تکیے پر کرکئی اور اس
کے اوپر آتے ارحام کی گردن میں اب شدت سے
دانت گاڑھنے لگی۔۔ ارحام خانزادہ بے یقین تھا۔
بلکہ دل کی دھڑکنیں بہت بے ترتیبی سے دھڑک
رہی تھی۔ وہ اس کی گردن پر لوہا بیٹس بنا رہی تھی۔
وہ اس کے ہر ایکٹ پر پاگل ہو رہا تھا۔

یونواٹ؟؟ آپ لسی کام کے نہیں رہے مسٹر
خان؟! پکا دل دماغ سب بند ہو چکا ہے۔ حور نے
اس کے کان میں جھکتے مدھم سرگوشی کی۔ ارحام
نے اس کی سرگوشی پر اسے بازو سے جکڑے اسے
اوپر کرتے اسے الجھن بھری نگاہوں سے دیکھا۔
حور نے سائیڈ ڈرار سے قینچی نکالتے اپنے لہنگے کی

بن کر رہوں ارحام!! میری جو سائیڈ آپ کو پسند
میں ویسے بن جاؤں۔۔ آپ کو میرا بے باک انداز
پسند ہے۔ میں اپنا ڈر شرم سائیڈ پر رکھ کر ویسی
عورت بن جاؤں گی۔ کیونکہ میں آپ سے شدید
محبت کرتی ہوں ارحام!! حور اس کے سینے سے لپٹتے
بھگی آواز میں سرگوشی کر گئی تھی

ارحام خانزادہ اسے خود کے نیچے کرتے ہوئے اس پر
آیا۔

تم صرف میری بن کر رہو حور!! مجھے اور کچھ نہیں
چاہیے۔ تمہیں میری قربت میں بے باک بننے کی
ضرورت نہیں۔ تم صرف میری قربت میں مسکرایا
کرو!! مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔ وہ اس کا لہنگا

ارحام خانزادہ اسے خود کے نیچے کرتے ہوئے اس پر
آیا۔

تم صرف میری بن کر رہو حور!! مجھے اور کچھ نہیں
چاہیے۔ تمہیں میری قربت میں بے باک بننے کی
ضرورت نہیں۔ تم صرف میری قربت میں مسکرایا
کرو!! مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔ وہ اس کا لہنگا

اتارتے ہوئے ریموٹ سے کمرے کی تمام لائٹس
آف کر گیا تھا۔ سائیڈ لیمپ کی لائٹس جلاتے ہوئے وہ
اپنے اور اس کے درمیان ہر پردہ کھسکاتے خود پر
کمبل اوڑھتے ہوئے اس کے بدن کا حصہ بنا تھا۔ حور
آنکھیں میچے اس کی چوڑی پشت پر اپنا حصار مضبوط
کر گئی تھی۔

ارحام اس کے لبوں کو نرمی سے اپنے لبوں میں
پیوست کیے اس پر اپنی نرم گرم شدتیں ڈھانے
لگا۔ کمرے میں مدھم سانسوں کا اب رقص گونجتے
گھڑی کی سوئیوں کو آگے بڑھا رہا تھا۔
ارحام !! حور نے سسکی لیتے اسے پکارا۔
جی جان ارحام !! ارحام خانزادہ نے اس کی پیشانی پر

چمکتی پسینے کی بوندوں کو اپنے لبوں سے چٹنا۔
اور برداشت نہیں کر سکوں گی۔ حور نے ملتی لہجے
میں کہتے اسے پکارا۔

آج میری پناہوں سے آزادی نہیں ملنے والی جان !!
تھوڑی دیر رہائی ضرور ملے گی۔ وہ اپنی شدتوں میں
تھوڑی تیزی لاتے اپنی تشنگی اس پر اتارتے اسے

چمکتی پسینے کی بوندوں کو اپنے لبوں سے چٹنا۔
اور برداشت نہیں کر سکوں گی۔ حور نے ملتی لہجے
میں کہتے اسے پکارا۔

آج میری پناہوں سے آزادی نہیں ملنے والی جان !!
تھوڑی دیر رہائی ضرور ملے گی۔ وہ اپنی شدتوں میں
تھوڑی تیزی لاتے اپنی تشنگی اس پر اتارتے اسے

اپنے سینے سے لپٹائے تکیے پر سر رکھتے آنکھیں موند
کیا تھا۔ حور اس کے چوڑے سینے پر سر رکھے
آنکھیں موند گئی تھی۔

ہمیشہ کی طرح وہ اس کا وجود پوری طرح اپنے سینے پر
منہقل کرتے اسے خود کے ساتھ مزید شدت سے لپٹا
کیا۔ حور نے گہرا سانس لیا تھا۔ وہ بے رحم خان کی

پناہوں میں آگئی تھی۔ وہ اب کہاں اسے اپنی پناہوں
سے آزاد کرنے والا تھا۔ وہ اس کے چٹائی سینے پر سر
رکھے آنکھیں موند گئی تھی۔ جہاں اس کے لیے
سکون ہی سکون تھا۔

رمز عشق

تحریر نور آصف

قسط 1 part 153

آریان خانزادہ نے اپنے سردائیں بائیں ہلاتے اپنے
گیلے بالوں کو جھٹکتا۔ نم ذدہ بالوں سے پانی شبنم کی
صورت میں اس پر پھوار کی طرح برساتھا۔ آریان

خانزادہ نے اپنے لھنے سلی بالوں میں انگلیاں
پھیرتے ہوئے واش روم کے خوبصورت فینسی مرر
میں دیکھا۔ سرخ و سفید رنگت بے حد میکھے
نقوش مغرور نقوش جس پر ہلکی گھنی بیرڈ اس کی
پر سنیلٹی میں کشش کا اضافہ کر رہی تھی۔ بیرڈ۔
گہری سبز آنکھیں۔ کسرتی چوڑی باڈی۔ جس کے

لیبز شرٹ سے بھی نمایاں ہوتے تھے۔ وہ یونانی
دیوتاؤں سا حسن رکھتا تھا۔ لڑکیاں اس پر مرتی
تھیں۔ امریکہ میں کتنی ہی امریکن لڑکیاں یہاں
تک ایشیائی لڑکیاں تک اس کے گلے کا ہار بننے اس
کے بستر کی زینت بننے کو تیار رہتی تھیں۔ مگر وہ

آریان فارس خانزادہ تھا جو لڑکی کو دیکھنا بھی اپنی
توہین سمجھتا تھا۔

آریان خانزادہ نے ہاتھ میں پکڑا تولیہ اپنے چوڑے
کسرتی سینے پر رگڑا۔ جہاں پانی کے قطرے موتیوں
کی مانند چمکتے معلوم ہو رہے تھے۔

آریاں خانزادہ مر ر میں مغروریت سے دیکھتے ہوئے
اپنی گھنی بئیر ڈکواں گلیوں سے سہلاتے ہوئے واش
روم سے باہر آیا۔

بیڈ پر پڑی اپنی سیاہ گرم ہڈی زیب تن کی تھی۔
رات طوفانی بارش کی وجہ سے سردی کی شدت میں
آضافہ ہوا تھا۔

وہ اپنے لہنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے کمرے سے
نکلنا داخلی دروازے کی جانب بڑھا۔
اس وقت صبح کے چھ بج رہے تھے۔ وہ باہر کارپورچ
میں آیا بھی بھی جیسے تاریکی کا سماں تھا۔ بارش ہلکی
ہلکی برس رہی تھی۔ برفیلی ٹھنڈی ہوائیں ہڈیوں کو
چیرنے والی تھیں۔

وہ اپنے ہاتھ آپس میں رگڑتے ہوئے کارپورچ سے
بھاگتے ہوئے گیٹ کی جانب بڑھا۔ جاگنگ
ایکسر سائز اونچے نیچے پہاڑوں پر بھاگتے ہوئے
چڑھنا پتھروں پر ایکسر سائز کرنا اس کا پسندیدہ
مشغلہ تھا۔ اس کا جنون تھا۔ گرمی سردی بارش اس
کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتی تھی۔ اسے یاد نہیں پڑتا

تھا۔ اس نے بھی صبح کی ایلکرسائیز مس کی ہو۔ وہ
جب کیلو فورنیا میں تھا۔ مائیس ڈگری سینٹی گریڈ میں
بھی بھی وہ صبح منہ اندھیرے ایسے ہی جاکنگ کرنے
جاتا تھا۔ آج تک نہ کوئی رشتہ نہ کوئی وجہ اس کی اس
روٹین میں حائل ہوئی تھی۔ زندگی کو اپنے اصولوں
سے جیتا تھا۔ سرد بریلی ہواؤں سے ٹکڑانا تو اس کی

فطرت میں جیسے رچ بس گیا تھا۔ آریان خانزادہ نے
طویل کارپورچ بھاگتے ہوئے عبور کیا تھا۔ لوہے کا
آہنی سلائیڈنگ ڈوروہ کھولتے ہوئے باہر نکلا۔
یکدم آریان خانزادہ کے بھاری قدم رکے تھے۔
زر مش خان گیٹ کے پاس اوندھے منہ بیہوش پڑی
تھی۔

آریان خانزادہ نے جلدی سے پنچوں کے بل بیٹھتے
ہوے اسے سیدھا کیا۔ اس کا چہرہ نیلا پڑ رہا تھا پورا
بدن بخٹھنڈا تھا۔ اس کی سانسیں چل رہی تھیں
کہ نہیں یہ پتہ لگانا مشکل تھا۔ وہ بالکل ساکت تھی۔
آریان خانزادہ نے جھکتے ہوئے اس کے سینے پر سر
رکھتے اس کی دھڑکنیں چیک کرنے کی کوشش کی جو

مدھم سی چل رہی تھیں۔ وہ اسے دیکھتے بری طرح
جبرے بھینچ گیا تھا۔ اسے تو لگا تھا وہ رات کہیں چلی
گئی ہوگی۔ دوبارہ اسے رائینہ خان اور حاکم خان کے
خون کو دیکھنا نہیں پڑے گا۔ اس کے لیے اگر شازمہ
خان اور فارس خان کا خون اس روئے زمین پر سب
سے زیادہ پاک تھا۔ اسی طرح اس کے لیے رائینہ

خان اور حاکم خان کے خون سے زیادہ ناپاک خون
کوئی نہیں تھا۔ اور یہ وجود ان دونوں کا ہی بیج تو تھا۔
آریان خانزادہ نے نفرت امیز سلگتی نگاہیں زر مش
کے وجود پر گاڑھیں۔ وہ کافی دیر تک اسے نفرت
امیز نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ جو بھی تھا وہ اسے یہاں
ایسے نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ نفرت انتہا کی تھی مگر وہ

خان اور حاکم خان کے خون سے زیادہ ناپاک خون
کوئی نہیں تھا۔ اور یہ وجود ان دونوں کا ہی بیج تو تھا۔
آریان خانزادہ نے نفرت امیز سلگتی نگاہیں زر مش
کے وجود پر گاڑھیں۔ وہ کافی دیر تک اسے نفرت
امیز نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ جو بھی تھا وہ اسے یہاں
ایسے نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ نفرت انتہا کی تھی مگر وہ

سی کی موت کی وجہ نہیں بننا چاہتا تھا۔ اگر اس لڑکی
کا مقدر موت تھی تو اس کی دردناک موت حیدر
خان اور حاکم خان کے ہاتھوں لکھی تھی۔ جو کہ اسے
مل کر رہنی تھی۔ یہ اس کے مقدر میں لکھا جا چکا
تھا۔

آریان خانزادہ طنزیہ مسکراتے ہوئے اسے اپنی
بانہوں میں اٹھاتے کھڑا ہوا۔ اسے گود میں اٹھاتے
ہوئے وہ گیٹ کے اندر داخل ہوتے تیز تیز قدموں
سے اندر کی جانب بڑھا مقابل کب پھولوں سے بھی
زیادہ ہلکا وجود بخ بر فیلا تھا۔ داخلی دروازے سے

اندردا خل ہوتے اس کی نظر بھٹکتے ہوئے زر مش پر
پڑیں تھیں۔

ہونٹ کے کنارے پر اس کی نگاہیں ٹھہر گئی تھیں۔
کنارہ بری طرح پھٹا ہوا تھا۔ گال پر اس کی انگلیوں کی
چھاپ پوری طرح نمایاں تھی۔۔ پورا گال سو جا ہوا
تھا۔ جبرے کے دونوں اطراف میں بھی اس کی

انگلیوں کے نشان تھے۔ آریان خانزادہ لب بھینچے
اپنی نظریں چرا گیا تھا۔ پہلی بار کسی عورت پر ہاتھ
اٹھایا تھا۔ ورنہ وہ کتنے ہی مردوں کو موت کے
قریب قریب پہنچا گیا تھا۔ کیلفورنیا میں وہ بہت
مشہور ریسلر تھا۔ اس کا تھپڑ اس کی بانہوں میں
وجود کی سانسیں کھینچ گیا ہو گا وہ جانتا تھا۔ اس نے

کمرے میں داخل ہوتے آریان نے اسے بیڈ کے
وسط میں لٹاتے کمرے کا ہیئر آن کیا۔ اس کے
بدن کو گرمایش ملنا ضروری تھی۔ آریان نے ہیئر
کے ساتھ کمرے کا جدید آتش دان بھی جلایا تھا۔
تبکہ کمرہ منٹوں میں گرمی کی حدت پکڑ لے۔
زرمش کے بدن کو اچھی خاصی ہیٹ کی ضرورت

نمایاں ہو رہی تھیں۔ نشب و فراز پر لپٹا پردہ تک
دکھائی دے رہا تھا۔ آریان خانزادہ کی نگاہوں کا رخ
نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی دودھیا گردن پر تھا۔ اس
کی دودھیا گردن پر سرخ لکیر بنی تھی۔ وہاں بھی
اس کی انگلیوں کی چھاپ گہری تھی۔ آریان خانزادہ
نے بہت بری طرح اپنے جبرے بھینچے تھے۔

اگلے ہی پل اپنی پاکٹ سے موبائل نکالتے ہوئے
اپنے گیٹ کے چوکیدار کو نمبر ملا یا۔
شش دین اپنی بیوی کو اگلے دس منٹوں میں میرے
پاس بھیج دو۔ آریان خانزادہ سردلجے میں حکم دیے
اپنا فون بند کر چکا تھا۔

وہ زر مش کے نیم جاں وجود پر ایک نگاہ ڈالتا جڑے
بھینچتے ہوئے کمرے سے تیزی سے نکل گیا تھا۔

آریان خانزادہ لاونج میں صوفے پر بیٹھا اپنی انگلیوں
میں سگریٹ دبائے صوفے کی سطح سے سر ٹکائے
چھت پر اپنی سبز گہری آنکھیں گاڑھے ہوا تھا۔ اپنے

سلی لھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اس نے
سگریٹ کا دھواں چھوڑا تھا۔

زر مش کے گال پر اپنی انگلیوں کا بے رحم نشان اس
کی نظروں کے سامنے آیا تھا۔ وہ قہقہہ لگا کہ ہنسا تھا پھر
وہ ہنستا چلا گیا تھا۔ اس کے خوفناک قہقے اس کی حویلی
کے اعوانوں کے ساتھ ٹکرا رہے تھے۔

سلی لھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اس نے
سگریٹ کا دھواں چھوڑا تھا۔

زر مش کے گال پر اپنی انگلیوں کا بے رحم نشان اس
کی نظروں کے سامنے آیا تھا۔ وہ قہقہہ لگا کہ ہنسا تھا پھر
وہ ہنستا چلا گیا تھا۔ اس کے خوفناک قہقے اس کی حویلی
کے اعوانوں کے ساتھ ٹکرا رہے تھے۔

رائینہ خان اور حاکم خان کی بیٹی کا کیا حال ہو گیا؟؟
کیسا ڈر و وحشت تھی ان ہیزل آنکھوں میں میری!!
آریان خانزادہ اونچی آواز میں بولتے سگریٹ کا
دھواں چھوڑتے ہوئے پھر سے قہقہہ لگا گیا۔ جن
آنکھوں سے نفرت ہے ان آنکھوں میں اپنا ڈر دیکھنا
اتنا تسکین کا باعث ہو گا یہ تو آریان خانزادہ کو پتہ ہی

نہیں تھا۔ آریان سرد بر فیلے لہجے میں غرایا۔ برسوں
بعد تسکین ملی آریان خانزادہ کو برسوں بعد تسکین
ملی۔۔ حاکم خان رائے خان۔۔ تمہارا خون آج
میرے پاس ہے میرے پاس۔۔ چاہوں تو اس کا
وجود گندگی کا ڈھیر بنا دوں۔ آریان خان زادہ اپنے
سینے پر ہاتھ مارتے دھاڑاٹھا۔

لیکن وہ تو پہلے سے ہی گندگی کا ڈھیر ہے۔ اسے کیا
گندا کرنا۔ آریان خانزادہ سگریٹ کا گہرا کش لیتے
ایک بار پھر سے قہقہہ لگا گیا۔
ناز و داغلی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی۔
آریان خانزادہ کے قہقہے سنتے اس نے خوف سے
جھرجھری لی تھی۔

جی خان صاحب آپ نے ہم کو بلایا۔
ناز و نے اپنا سانس بحال کرتے آریان خانزادہ کو
دیکھتے گھگھکائے لہجے میں پوچھا۔ مقابل کی پر سنیلٹی
اچھے اچھوں کے پسینے چھڑوا دیتی تھی۔ اتنا ڈر خوف
تھا شمس دین پر کہ وہ آدھے گھنٹے کا راستہ دس منٹوں
میں طے کرتے سے لایا تھا۔ ناز و نے تو راستے میں

جی بھر کر آریان خانزادہ کو سنے دیے تھے۔ جسے
برستی بارش میں چین نہیں تھا۔
اندر کمرے میں جو لڑکی ہے اس کے کپڑے بدلو!!
آریان خانزادہ کے حکم پر نازو نے گہرا سانس لیا۔ دو
دن پہلے کمرے میں لڑکی کو لے کر جانے کو کہہ رہا
تھا آج کپڑے بدلنے کا کہہ رہا تھا۔

لیکن خان صاحب ہم کیسے یہ کر سکتا ہے۔؟؟ نازو
نے ڈرتے ہوئے کہا۔

اپنے کپڑے کیسے بدلتی ہو؟؟ آریان خان کے سرد
سوال پر وہ خجالت سے سرخ ہوئی تھی۔

خان صاحب ہمارا مطلب تھا۔ اپنا کپڑا تو ہر کوئی بدلتا
ہے کسی دوسرا کا کپڑا کیسے بدل سکتا ہے؟! اگر یہ اتنا

آسان ہوتا تو آپ نہ اس کا کپڑا بدل لیتا۔ ناز و ڈرتے
ہوئے منمنائی۔

عورت ہے وہ؟؟ اسی لیے تمہیں بلایا ہے۔ اپنا
دماغ کم استعمال کرو اس کے کپڑے بدلو۔
اور یہ کام اگلے پانچ منٹ میں ہو جانا چاہیے۔ آریان
خانزادہ سردلجے میں حکم دیتے اپنے کمرے کی جانب

بڑھا۔

عورت ہے وہ مگر بلا کا خوبصورت بھی ہے پتہ چلا کہ
اس کا کپڑا بدلتا ہوا ناز و تمھارا ہی ایمان خراب ہو
جائے۔ ناز و خود سے بولتے زوردار ہنسی تھی۔
آریان خانزادہ نے مڑ کر اسے خونخوار نگاہوں سے
دیکھا تھا۔

خان۔۔۔خان۔۔۔صاحب۔۔۔ہم۔۔۔
مذاق۔۔۔کر۔۔۔رہا۔۔۔تھا۔۔۔آپ۔۔۔ہمارا۔۔۔مرد
۔۔۔شمس دین۔۔۔سے پوچھ لو۔۔۔ہم۔۔۔ایسا۔۔۔
ہی۔۔۔فضول۔۔۔بولتا۔۔۔ہے۔۔۔کتنا بار۔۔۔
شمس دین۔۔۔نے۔۔۔ہمارا۔۔۔مذاق۔۔۔
پر۔۔۔ہمارا۔۔۔ہڈی۔۔۔پسلی۔۔۔ایک۔۔۔کیا۔۔۔

ہے۔۔ ناز و آریان کی خو نثار نظر پر سرخ پڑتی
گھبراتے ہوئے ٹوٹے لفظوں سے بمشکل بولی
تھی۔۔

ہڈی پسلی ہے تم میں؟؟ آریان خانزادہ نے اس کے
بھاری بھر کم وجود کو گھورتے استہزائیہ انداز میں
آئی برواچکائے۔

نازو آریان خانزادہ کی بات پر خجالت سے سرخ پڑتے
ہوئے زر مش کے کمرے کی طرف بڑھی۔
للیٹ آف کر کے اس کے کپڑے بدلو گی تم۔ پانچ
منٹ میں تم باہر ہو۔ آریان خانزادہ کے سرد
برقیے لہجے پر نازو کے قدم رکے تھے۔ وہ اثبات
میں سر ہلاتے کمرے میں گھس گئی تھی۔

نازو آریان خانزادہ کی بات پر خجالت سے سرخ پڑتے
ہوے زر مش کے کمرے کی طرف بڑھی۔
للیٹ آف کر کے اس کے کپڑے بدلو گی تم۔ پانچ
منٹ میں تم باہر ہو۔ آریان خانزادہ کے سرد
برقیے لہجے پر نازو کے قدم ر کے تھے۔ وہ اثبات
میں سر ہلاتے کمرے میں گھس گئی تھی۔

نازو آریان خانزادہ کی بات پر خجالت سے سرخ پڑتے
ہوئے زر مش کے کمرے کی طرف بڑھی۔
للیٹ آف کر کے اس کے کپڑے بدلو گی تم۔ پانچ
منٹ میں تم باہر ہو۔ آریان خانزادہ کے سرد
برقیے لہجے پر نازو کے قدم رکے تھے۔ وہ اثبات
میں سر ہلاتے کمرے میں گھس گئی تھی۔

وہ سکریٹ لائٹر سے جلاتے صوفے پر بیٹھے پھر سے
لبوں میں دبا گیا تھا۔

ناز و کمرے میں داخل ہوتے زر مش کے بیہوش
وجود کی طرف بڑھی۔ اس کے گال پر انگلیوں کا
نشان پھٹا ہوا ہونٹ پھٹا ہوا گریبان اور سرخ گردن
دیکھ کر اس نے ترحم امیز نگاہیں اس پر گاڑھیں۔

اسے بیڈ پر پڑی اس پھولوں جیسی لڑکی پر رحم آیا تھا۔
اس کا یہ حال آریان خانزادہ نے کیا تھا وہ سمجھ گئی
تھی۔ دو دن پہلے وہ ایسی تو نہ تھی۔

کیا خان صاحب نے اس لڑکی کا عزت لوٹنے کا
کوشش کیا؟؟ اس نے آگے بڑھ کر زرمش کے
گال پر اپنی انگلیاں پھیریں۔ جو بہت بری طرح سو جا

ہوا تھا۔ نیلا ہٹ زدہ انگلیاں تو جیسے عارض میں
چھپ گئی تھیں۔

ارے بڑا لوگ ہے یہ خان صاحب!! ایسا قیامت
بدن رکھنے والا جسم پر دل آگیا ہو گا خان صاحب کا۔
کر دیا ہو گا اس معصوم کا ساتھ زبردستی!! باہر تو بڑا
بن رہا تھا۔ عورت ہے وہ۔ یہ حال کرتا خیال نہیں آیا

عورت۔ ناز و سلکتے ہوئے بڑ بڑائی۔ وہ کیا کہتا ہے
ہاتھی کا دانت کھانے کا اور دکھانے کا اور! کس بے
رحم خان کا ہتھا چڑھ گیا یہ معصوم لڑکی؟؟ پتہ نہیں
یہ خان اس کو کہاں سے لایا ہے؟؟۔ ہمارا بس چلا تو
اس کو اپنا ساتھ لے کر چلا جائے۔۔ کتنا پیارا ہے یہ

شہد جیسا پیارا۔ ناز و زرمش کو ترجم امیز نگاہوں کے
دیکھتے بڑ بڑائی تھی

اس کا یہ حال کر دیا کپڑے بھی بدل لیتا۔ ناز و کو ایک
بار پھر سے غصہ آیا تھا۔

!! لائیٹ آف کر کے تم کپڑے بد لوگی۔ اگلے پانچ
منٹ میں تم باہر !! آریاں خانزادہ کا سر دلچے میں دیا

حکم یاد آیا تو

ناز و نے جلدی سے سوچ بورڈ کی طرف بڑھتے
کمرے کی تمام لائٹس آف کر دی تھی۔

او میرا خدا یا تم عورت لوگ کو بھی مرد کا جسم جیسا
مضبوط بنانا تو کیا تھا؟؟ پھر یہ خان اور شمس دین جیسا
مرد عورت کو ہاتھ لگا کر تو دکھاتا۔ قسم سے ایسا مار

مارتا ان مرد لوگ کو کہ ان کا ہڈی پسلی ایک کر دیتا۔
ناز و بڑ بڑاتے ہوئے زر مش کے کپڑے بدل رہی
تھی۔

ناز و نے کمرے بدلنے کے بعد زر مش کو ایک نظر
دیکھا۔ وہ اب واش روم کی طرف بڑھی تھی۔ واش
روم سے ٹاول لے کر وہ زر مش کی طرف بڑھی۔

اس کے براون شہد جیسی رنگت کے بالوں کو ٹاول
سے خشک کرنے لگی۔

وہ اب اس کے پاؤں کی طرف بڑھتے اس کے پاؤں
کے تلوے رب کر رہی تھی۔۔ آریان اسے ہسپتال
نہیں لے کر جائے گا وہ سمجھ گئی تھی۔ ورنہ آریان

جیسے انسان کے لیے اسے ہسپتال لے جانا مشکل نہ
تھا۔

کیوں لے کر جائے گا یہ خان؟؟ آخر کیا جواب دے
گا وہ اس لڑکی کا سو جاگال اور اس کا بدترین حالت کا۔
ناز و ایک بار پھر سے غصے سے بڑبڑائی تھی۔

وہ آریان خانزادہ کے حکم کی پرواہ کیے بغیر اس کے
پاؤں کے تلوں کو رب کرتی جا رہی تھی۔
ہیٹڈ کمرے اور پاؤں کے تلوے کافی دیر رب کرنے
سے زر مش کے بے جان وجود میں تھوڑی سی ہلچل
ہوئی تھی۔

ناز و جلدی سے زرِ مش کی طرف بڑھی جو اپنی
آنکھیں کھولنے کی کوشش کر رہی تھی۔
ناز و اس کے پاس بیڈ پر بیٹھتے اس کا ہاتھ پکڑتے
اس کی ہتھیلی رب کرنے لگی۔
پپ۔۔ پانی۔ ر مش نے اپنی سوچی ہوئی آنکھیں
بمشکل کھولتے خشک لبوں پر زبان پھیرا۔ نقاہت

سے اس کی آنکھیں پھر سے بند ہو رہی تھیں۔
ناز نے کمرے میں نظریں دوڑائیں کہیں بھی پانی
نہیں تھا۔

ناز و گہرا سانس لیتے بیڈ سے اٹھتے کمرے سے نکلتے
باہر کی جانب بڑھی تھی۔

آریان صوفے پر بیٹھا سگریٹ کے مرغولے اڑا رہا
تھا۔

خان صاحب! ہم نے اس کا کپڑا بدل لیا ہے اس کا
پاؤں کا تلو اکا مالش بھی کیا ہے۔ اس کو ہوش آچکا
ہے مگر اس کا حالت بہت برا ہے وہ پانی مانگ رہا
ہے۔ ہم کو لگتا ہے اس کو کھانے کا بھی ضرورت ہے

۔ جب ادھر آیا تھا اتنا برا حالت نہیں تھا۔ رنگت
میں سرخیاں تھیں۔ مگر اب تو اس کا چہرہ ذرد ہو رہا
ہے۔

ناز نے آریان خانزادہ کو دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔
تم جاؤ تمہارا کام ہو گیا ہے۔ اس کے ساتھ کیا کرنا
ہے میں بہتر جانتا ہوں۔ آریان خانزادے کے

برفیلے لہجے پر وہ گہرا سانس لیتے اثبات میں سر ہلاتے
چلی گئی تھی۔

آریان نازو کے جانے کے بعد کچن کی طرف بڑھا
تھا۔ ٹرے میں پانی کا گلاس اور بریڈ کا پیکٹ رکھا
تھا۔ فریج سے دودھ کی بوتل نکالتے ہوئے گلاس
میں دودھ ڈالتے ہوئے وہ

بھاری قدموں سے زر مش کے کے کی طرف بڑھا
کمرے میں داخل ہوتے اس نے وہ ٹرے سائیڈ
ٹیبیل پر رکھی تھی خود وہ بیڈ پر زر مش کے قریب بیڈ
پر بیٹھا۔

پپ۔۔۔ پانی۔۔۔!! الک۔۔۔۔۔ کھانا!! وہ سر
پٹختے آنکھیں میچے اپنے سوکھے لبوں پر زبان پھیرتے

کپکپاتے لبوں سے بولی تھی۔
آریان خانزادہ نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے
بٹھایا۔

اپنے قریب اس ستم گر کی خوشبو محسوس کرتے
زر مش نے خوفزدہ ہوتے اسی لمحے آنکھیں کھولتے
اسے دیکھا۔ پتہ نہیں کون سی طاقت تھی یا مقابل کا

ڈر تھا جو آنکھیں وہ کھول نہیں پار ہی تھی اس ستم گر
کی موجودگی اپنے پاس محسوس کرتے اس کی آنکھیں
پھٹنے کی حد تک کھل گئی تھیں۔

آریان خانزادہ کو اپنے قریب دیکھتے وہ ہر اسماں
ہوتے کھسکتے ہوئے جلدی سے پیچھے کو ہوئی۔

آریان خانزادہ اسی لمحے اس کی نازک بل کھائی کمر
میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے قریب کر گیا تھا۔ زر مش
اس کے کشادہ پتھر سینے سے آنکرائی تھی۔ زر مش
نے اس کی hoodie کو مٹھیوں میں جکڑتے اپنی
ہیزل گرے آنکھوں کو پھیلاتے آریان خانزادہ کی
آنکھوں میں سمیتے ہوئے دیکھا۔

ساحر!! اس کی سبز آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اس
کے لبوں نے بے آواز جنبش کی تھی۔
وہ اس کے بے آواز لبوں کی جنبش سے لفظ ساحر نکلتا
بھانپ چکا تھا۔ زر مش خوفزدہ ہوتے بری طرح
کاہنتی ہوئی اس کی سبز آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

اس کی آنکھوں میں ڈر دیکھتے آریان خانزادہ کے
لبوں سے بلند و بانگ خوفناک قہقہہ بلند ہوا تھا۔
وہ اس کے بلند خوفناک قہقہے پر اس کی hoodie
اپنی مٹھیوں سے آزاد کرتے پھر سے پیچھے کو کھسکی
تھی۔

یکدم زوردار چکر آنے پر پر وہ اپنا سر دونوں ہاتھوں
میں جکڑ گئی۔

آریان خانزادہ نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے
اپنے قریب ایک ہی جست میں کرتے پانی کا گلاس
ٹرے سے اٹھائے اس کے لبوں سے لگایا۔ زر مش
کپکپاتے ہاتھوں سے گلاس پکڑتے اپنے لبوں سے

لگاتے ایک ہی سانس میں خالی کر گئی تھی۔ کتنا پانی وہ
خود پر گرا بھی چکی تھی۔ مگر اسے شدید پیاس لگی
تھی۔ آریان خانزادہ بھی گلاس اپنے ایک ہاتھ میں
جکڑے ہوئے تھا اگر وہ چھوڑتا یہی اس کے لرزتے
ہاتھوں سے چھوٹ جاتا۔

زر مش پانی پیتے بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے
اپنی دھڑکنیں منٹھی میں جکڑ گئی۔ دل میں شدید درد
اٹھ رہا تھا۔ خالی پیٹ ہونے کے باعث پانی سیدھا
دل پر لگا تھا۔ پچھلے دو دن سے صرف بریڈ کے دو
سلایس کچھ با دام ہی تو کھائے تھے۔ اس کا پیٹ
بھوک سے دہائیاں دے رہا تھا۔

آریان خانزادہ نے ٹرے اٹھائے اس کے سامنے
رکھتے زر مش کو بازو سے جکڑ کر سیدھا کیا۔
بریڈ دیکھتے زر مش نے جلدی سے بریڈ کی پیکٹ کی
طرف ہاتھ بڑھاتے اپنے کانپتے ہاتھوں سے اسے
کھولنے کی سعی کی۔ جو اس سے کھل نہیں رہی تھی۔
زر مش اسے کھولتے ہوئے شدت سے رودی

تھی۔ بھی بریڈ کے ان سلاہس کے لیے وہ یوں
پاگل ہوگی اسے اندازہ نہ تھا۔ بہت سی نعمتیں یاد آئی
تھیں۔ خدا نے کسی کا پیار کسی کا ساتھ نہیں دیا تھا مگر
پیٹ بھرنے کو نعمتیں تو دی تھیں۔ رقیہ خانم بچپن
میں سزا دیتی تو ایک دن سے زیادہ بھوکا تو نہیں رکھتی

تھی۔ بھی بریڈ کے ان سلاہس کے لیے وہ یوں
پاگل ہوگی اسے اندازہ نہ تھا۔ بہت سی نعمتیں یاد آئی
تھیں۔ خدا نے کسی کا پیار کسی کا ساتھ نہیں دیا تھا مگر
پیٹ بھرنے کو نعمتیں تو دی تھیں۔ رقیہ خانم بچپن
میں سزا دیتی تو ایک دن سے زیادہ بھوکا تو نہیں رکھتی

تھی اس میں بھی توحید ر خان اس کے لیے چاٹلیٹس
کتنی چیزیں اسے چھپ کر دے جاتا تھا۔
لا لا لا!! وہ پیکٹ کھولنے کی کوشش کرتے ہوئے
شدت سے رو دی۔

آریان خانزادہ نے استھزائیہ مسکراتے ہوئے
زر مش کے ہاتھوں سے وہ بریڈ کا پیکٹ لیا۔

مم۔۔ مجھے۔۔ کھانا۔۔ ہے۔۔ کھانا۔۔

دے۔۔ دو۔۔ وہ آریان خانزادہ کے ہاتھ میں بریڈ
کاپیکٹ دیکھتے اب گڑ گڑائی تھی۔ وہ کتنا ظالم تھارات
اس کا ایک تھپڑ کھانے کے بعد ہی اندازہ ہو گیا تھا
آریان خانزادہ نے وہ بریڈ کاپیکٹ کھولتے بریڈ کا
سلائس اس کی طرف بڑھایا۔ جسے زر مش نے

جلدی سے تھامتے اس کے ٹکڑے کرتی اپنے منہ
میں ڈالنے لگی۔

آریان خانزادہ جبرے بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔ جو اس
وقت ریڈ کلر کے فراک میں ملبوس تھی۔ شہد رنگ
بال کھلے تھے۔

فراک میں اس کی رنگت میں کافی حد تک سرخ لگ
رہی تھی۔ مگر سو جے ہوئے نیلا ہٹ زدہ گال کی
حالت کافی خراب تھی۔ ہونٹ کا کنارہ تقریباً پھٹ
چکا تھا۔ آریان خانزادہ جبرے بھینچے بہت غور سے
اسے دیکھ رہا تھا۔ نگاہیں بار بار گال پر چھپی اپنی
انگلیوں پر جا ٹھہرتیں۔ آریان خانزادہ کی نگاہ اب

بھٹکتی ہوئی اس کی دودھیا گردن پر جا ٹھہری تھی جو
سرخ تھی۔۔۔

فراک بہت فٹنگ میں تھا۔ گلہ بھی کافی گہرا تھا۔ اس
کی رعنائیاں بہت حد تک واضح ہو رہی تھیں۔
آریان خانزادہ جلدی سگ اپنی نگاہیں پھیر گیا تھا۔
مقابل کا جسم کسی بھی مرد کو اپنی طرف راغب کر

سکتا تھا۔

ساحر خانزادہ نے اس لڑکی کو اتنا استعمال نہیں کیا تھا
یہ اسے ایک نظر بھانپنے سے اسے پتہ چل گیا تھا۔
لیکن کیوں؟؟ وہ حیران تھا۔ ایسی قیامت خیز بدن
رکھنے والی لڑکی کو اس نے اپنی پناہوں سے جانے

کیوں دیا۔ اپنی ہی سوچ پر وہ استہزائیہ مسکرا کر رہ گیا
تھا۔

سب کچھ جسم تو نہیں ہوتا کردار بھی ہوتا ہے جو
رائینہ اور حاکم خان کے گندے خون کے پاس ہو
بھی نہیں سکتا تھا۔ اور اسے بھی تو مقابل سے صرف
نفرت ہی محسوس ہو رہی تھی

زر مش نظریں جھکائے بریڈ کے چھوٹے چھوٹے
ٹکڑے کرتے منہ میں دالتی چبار ہی تھی۔
آریان خانزادہ نے دودھ کا گلاس اس کے سامنے
ٹرے میں پٹختے ہوئے رکھا۔
زر مش بریڈ کا ٹکڑا منہ میں ڈالتے ہچکی لیتے خوفزدہ
سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھتے بری طرح اچھلی

زر مش نظریں جھکائے بریڈ کے چھوٹے چھوٹے
ٹکڑے کرتے منہ میں دالتی چبار ہی تھی۔
آریان خانزادہ نے دودھ کا گلاس اس کے سامنے
ٹرے میں پٹختے ہوئے رکھا۔
زر مش بریڈ کا ٹکڑا منہ میں ڈالتے ہچکی لیتے خوفزدہ
سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھتے بری طرح اچھلی

تھی۔

دودھ کے ساتھ کھاؤ!! آریان خانزادہ نے اسے

گھورتے برقیے لہجے میں حکم دیا۔

زر مش اثبات میں سر ہلاتے کانپتے ہاتھوں سے بریڈ

گلاس میں بھگوتے کھانے لگی۔ اس کے ہاتھ بری

طرح کپکپا رہے تھے۔ مقابل سے وہ بہت بری
طرح دہشت کھا رہی تھی۔

پیٹ کی آگ سے مجبور ہوتے وہ اپنے خوف پر قابو
پائے ہوئے تھی۔ مگر لرزتا بدن مقابل پر عیاں کر
رہا تھا وہ اس سے کس قدر دہشت کھا رہی ہے۔

طرح کپکپا رہے تھے۔ مقابل سے وہ بہت بری
طرح دہشت کھا رہی تھی۔

پیٹ کی آگ سے مجبور ہوتے وہ اپنے خوف پر قابو
پائے ہوئے تھی۔ مگر لرزتا بدن مقابل پر عیاں کر
رہا تھا وہ اس سے کس قدر دہشت کھا رہی ہے۔

آریان خانزادہ نے ناگواریت سے اس کی یہ حرکت
دیکھی تھی۔

آریان خانزادہ اسی لمحے اس کی کلائی جکڑ گیا تھا۔
زرمش نے خوفزدہ ہوتے سسکی لیتے آریان خانزادہ
کو دیکھا تھا۔ آریان خانزادہ نے پیکٹ سے بریڈ کا
سلایس نکالتے اس کو توڑتے دودھ کے گلاس میں

ڈپ کرتے زر مش کے منہ کی طرف بڑھایا۔
زر مش ساکت سی اسے پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھ
رہی تھی

منہ کھولو!! آریان خانزادہ اس کے کانپتے وجود کو
شعلہ بار نگاہوں سے گھورتے ہوئے غرایا۔

زر مش نے اس کی غراہٹ پر جلدی سے منہ کھولا
تھا۔

آریان خانزادہ نے اس کے منہ میں بریڈ کا ٹکڑا ڈالا۔
زر مش ساکت سی اب اسے دیکھتے منہ کھولے اسے
دیکھ رہی تھی

چباؤ اسے!! آریان نے اسے گھورتے لفظ چبائے۔

زر مش نے اس کی غراہٹ پر جلدی سے منہ کھولا
تھا۔

آریان خانزادہ نے اس کے منہ میں بریڈ کا ٹکڑا ڈالا۔
زر مش ساکت سی اب اسے دیکھتے منہ کھولے اسے
دیکھ رہی تھی

چباؤ اسے !! آریان نے اسے گھورتے لفظ چبائے۔

زر مش نے منہ بند کرتے بریڈ چباتے اپنے حلق
میں اتاری۔

آریان خانزادہ بریڈ کے کی بائیس بناتے اس کے منہ
میں ڈال رہا تھا۔ زر مش میکاکی انداز میں منہ کھولتے
اس کے ہاتھ سے بائٹ لیتے آہستگی سے چباتے حلق
میں اتار رہی تھی۔

وہ اس دوران اسے بھیلی تینہنی سہی نگاہوں سے
دیکھتے کپکپاتے وجود کے ساتھ اس کا حکم مان رہی
تھی۔

وہ اس سے گھبراتے ہوئے ذرا سا اس سے دور کھسکتی
وہ اسے بازو سے بے دردی سے جکڑے اپنے قریب
کر جاتا۔

آریان خانزادہ نے اسے ایک بریڈ کا سلاپس کھلائے
دودھ کا گلاس اس کی طرف بڑھایا۔ زر مش نے
کانپتے ہاتھوں سے وہ گلاس لبوں سے لگایا۔ آریان
خانزادہ وہ گلاس خود بھی تھامے ہوئے تھا۔ زر مش
آریان کے خوف سے وہ گلاس لبوں سے لگائے
دودھ کا گلاس اسی لمحے فٹش کر گئی تھی۔

آریان خانزادہ نے گلاس ٹرے میں رکھتے ہوئے وہ
ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھی۔

وہ خود کھسکتے ہوئے زر مش کے قریب ہوا۔ زر مش
خوفزدہ ہوتے بیڈ کے کراؤن میں سمائی تھی۔

درد ہوا تھا؟ آریان خانزادہ نے اس کے نیلا ہٹ
زدہ سو بجے گال پر انگلی ٹریس کرتے اس کی خوفزدہ

متورم آنکھوں میں دیکھتے سوالیہ انداز میں پوچھا۔
زر مش نے روتے ہوئے اسے خوفزدہ نگاہوں سے
دیکھتے اثبات میں سر ہلایا۔ مقابل کی سبز آنکھوں
میں وحشت اور خون کی لالی تھی۔ جو مقابل سے
اسے بری طرح خوف کھانے پر مجبور کر رہی تھی۔

اگر تم چاہتی ہو آئندہ مزید ایسے تھپڑ تمہارے مقدر
نہ بنے تو تمہاری زبان آئندہ میرے سامنے نہیں
چلے گی جب تک تم میرے پاس ہو اس وقت تمہارا
منہ صرف کھانا کھانے کے لیے کھلے گا۔ آریان
خانزادہ اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں اپنی سبز
آنکھیں گاڑھے برفیلے لہجے میں بولا

مم مجھے یہاں نہیں رہنا۔ مم مجھے جانے دو۔ زر مش
نے ٹوٹے لفظوں سے بمشکل لفظ ادا کیے تھے۔
اچھا کہاں جاؤ گی؟! اس نیچھ حاکم خان کے پاس جاؤ
گی۔ آریان خان نے آئی بروا چکائے اسے استھزاسیہ
نگاہوں سے دیکھتے پوچھا۔

نن۔۔ نہیں۔۔ مم۔۔۔ میں۔۔ وہ۔۔۔ زر مش
اسے دیکھتے بے بسی سے رو پڑی تھی۔ اتنا ڈرا اس سے
لگ رہا تھا لفظ بھی وہ ادا نہیں کر پار ہی تھی
حاکم خان ایک نمبر کا بے غیرت ہے!! ایسے بے
غیرت انسان کے اندر غیرت کا جوش زیادہ ابلتا
ہے۔ تمہیں دیکھتے ہی وہ گولی مار دے گا۔ مرنا

کچھ دن اور گزار لو میرے پاس !! پھر خود سمجھیں
تمہارے باپ حاکم خان کے پاس چھوڑ کر آؤں گا۔
اس ذلیل حاکم خان اور حیدر خان کا چہرہ بھی تو دیکھنا
ہے۔ یقین کرو ان دونوں کے ذلیل چہروں پر
ذالت دیکھنے کا ارمان برسوں سے آریان خانزادہ کو
ہے۔

میرے۔۔۔ لالا۔۔۔ کو۔۔۔ گالی۔۔۔ مت۔۔۔
دو۔ زر مش نے لرزتے لبوں سے روتے ہوئے
فریاد کی۔

زر مش کی بے بس فریاد پر آریان خان کا بلند و بانگ
قہقہہ برآمد ہوا تھا۔

بہت محبت کرتی ہوا اپنے لالا سے؟؟ آریان خان نے
اسے دیکھتے سر دلچے میں مسکراتے ہوئے سوال کیا۔
میرا۔۔ لالا۔۔ میرا سب کچھ ہے۔ زر مش نے
آریان خانزادہ کو دیکھتے ہچکی لی۔۔
اوہ۔۔۔ اب کیا ہو گا؟؟ یہ تو بہت برا ہوا۔ اب کیا ہو
گا حیدر خان کے ساتھ۔۔۔ آریان خانزادہ نے

آہستلی سے کہتے منہ پر پریشانی سے ہاتھ پھیرا۔
کک کیا ہوا؟؟ زر مش نے خوفزدہ ہوتے پوچھا۔
جب میں تمہیں تمہاری حویلی لے کر جاؤں گا۔ وہ تو
تمہیں دیکھتے ہی خود کشی کر لے گا۔ خود کو شوٹ کر
ڈالے گا۔ آخر جوان خوبصورت بہن اتنے دن اور
راتیں باہر دو دو مردوں کے ساتھ گزار کر آئی ہے۔

یا ہو سکتا ہے حیدر خان نے ابھی تک خود نشی کر بھی
لی ہو۔ آریان خانزادہ زر مش کو دیکھتے پر سرایت
سے مسکراتے اسے آنکھ مار گیا
نن۔۔ نہیں۔۔ میرے۔۔ لالا۔۔ کبھی۔۔ ایسا
۔۔ نہیں۔۔ کر۔۔ سکتے۔۔ وہ اتنے کمزور نہیں۔
حیدر حاکم خان نام ہے میرے لالا کا۔۔ سوات کے

تمام ہو ٹلوں کا مالک ہے میرا لالا۔ کتنے ہی گاؤں کا
سردار ہے وہ آریان خانزادہ!! وہ خود کو گولی مارنے
سے پہلے تمہیں موت کے گھاٹ اتار دے گا۔ وہ
آریان خانزادہ کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے ہزیانی
چیخی تھی۔

آریان خانزادہ اسے بالوں سے جکڑے اس کا چہرہ
اپنے مقابل کرتے اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں
آنکھیں گاڑھ گیا۔

کیا کہا تھا میرے سامنے زبان مت کھولنا! ورنہ وہ
حال کروں گا تم منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو
گی۔ ایک تپڑے سے تمہارے نازک گال کو مسل کر

رکھ دیا ہے۔ سو چو جب تھپڑوں کی بارش کروں گا تو
کیا ہو گا ان گالوں کا حال۔ وہ اس کے چہرے پر سلگتی
سانسیں چھوڑتے غرایا۔
زر مش سسکتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی
تھی۔

اور کیا کہہ رہی تھی حیدر خان مضبوط ہے۔ جب
بات عزت پر آتی ہے تو بڑے بڑے سوراخ
رہنے سے موت کو گلے لگانا پسند کرتے ہیں۔ فارس
خان پہاڑوں کی طرح مضبوط تھا۔ مگر آج سے 23
سال پہلے فارس خان نے اپنی ہی بندوق سے خود کو
گولی مار دی تھی۔ اور اسی دن پریوش نے پنکھے کے

ساتھ لٹک کر خودکشی کر لی تھی۔ فارس خان اور
پریوش زندہ رہنے سے بہتر موت کو چن سکتے ہیں
تو تمہارا لالا حیدر خان خود کو گولیاں ضرور مارے
گا۔ وہ اس کے بال بے دردی سے جکڑے آگ
برساتے وحشی لہجے میں بول رہا تھا۔

آہ۔۔۔ زر مش نے درد سے سسکی لی۔ اس کی بے
رحم گرفت بالوں پر مضبوط ہوتی جا رہی تھی
رائینہ خان نے تو نکاح کیا تھا تم نے تو نکاح کے بغیر
دو مردوں کے ساتھ اپنی راتیں کالی کیں ہیں تو
حیدر اور حاکم خان کے لیے موت ہی آخری حل ہو
گا۔ آریان اس کے بالوں کو خطرناک حد تک

دبوچتے ہوئے اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں
آپنی آنکھیں گاڑھے بر فیلے لہجے میں بولتے اس کی
روح منجمد کر چکا تھا۔

زبان نکالو اپنی!! آریان خانزادہ کے حکم پر زر مش
کی آنکھیں خوف سے پھیلی تھیں۔ اپنی گندی زبان
باہر نکالو وہ دھاڑا تھا۔ زر مش نے لرزتے ہوئے

اپنی زبان باہر نکالی۔۔ آریان اس کی زبان دو
انگلیوں سے بے دردی سے جکڑ گیا تھا۔ زر مش نے
درد سے سسکی لی۔ آئندہ اس زبان سے میرے
سامنے جی کے علاوہ کوئی لفظ نکالا۔ اس کے ٹکڑے
ٹکڑے کر کے اپنے خونخوار جانوروں کے آگے ڈال
دوں گا۔ آریان خانزادہ نے اس کی زبان چھوڑتے

ہوے اسے بے دردی سے دھکا دی۔ از ر مش بیڈ پر
اوندھے منہ گری تھی

آریان خانزادہ بیڈ سے اٹھتا کھڑا ہوا۔ بہت جلد
تمہیں اپنے خونخوار جانوروں سے ملاؤں گا۔ تاکہ
تمہیں پتہ چلے آریان خانزادہ کس دہشت کا نام

ہے۔ آریان خانزادہ اس کے لرزتے وجود پر قہر
بھری نگاہ ڈالتے چلا گیا تھا۔
زر مشاوندھے منہ لیٹے چیخ چیخ کر رو دی تھی۔

ارحام خانزادہ سیاہ سفید شلوار نمبض پر سیاہ شال
کندھوں پر ڈالے زنان خانے میں داخل ہوا
درخشاں قبوہ کی پیالیوں کی ٹرے پکڑے اسی لمحے
لاونج میں داخل ہوئی تھی۔ ارحام خانزادہ کود بکھ کر
اس کے قدم شل ہوئے تھے۔ ہاتھ میں پکڑی
ٹرے کپکپانے لگی تھی۔

ارحام خانزادہ اسے ادھر دیکھ کر سرد نگاہوں سے
گھور رہا تھا۔

مورے یہ یہاں پر کیا کر رہی ہے؟؟ میں آپ سے
صاف لفظوں میں کہہ چکا تھا یہ اب ملازموں کے
ساتھ حویلی کی پچھلی سائیڈ پر رہے گی۔ اور میری
بیوی کے آس پاس بھی یہ مجھے نظر نہ آئے۔ ارحام

خانزادہ کی سرد آواز پر لاونج میں موجود سب متوجہ
ہوے تھے۔ اس وقت زنان خانے کے لاونج میں
سب ہی موجود تھے۔ ایک طرف امینہ خانم اور رقیہ
خانم بیٹھے تھے۔ شہرام سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس
کندھوں پر کیمل رنگ کی شال ڈالے صوفے کے
ساتھ ٹیک لگائے بہرام کو دونوں ہاتھوں میں

اٹھائے اسے تھوڑا تھوڑا اوپر اچھالتے ٹھیل رہا تھا۔
زاران در خزئی اسفندیار خان بہرام کی کھلکھلاہٹ
پر مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہے تھے۔ بہارے
شہرام خان کے ساتھ ہی بیٹھی بہرام کو مسکراتے
ہوئے دیکھ رہی تھی۔

عابیر اسفندیار خان کے سامنے امینہ خانم کے ساتھ

اٹھائے اسے تھوڑا تھوڑا اوپر اچھالتے ٹھیل رہا تھا۔
زاران در خزئی اسفندیار خان بہرام کی کھلکھلاہٹ
پر مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہے تھے۔ بہارے
شہرام خان کے ساتھ ہی بیٹھی بہرام کو مسکراتے
ہوئے دیکھ رہی تھی۔

عابیر اسفندیار خان کے سامنے امینہ خانم کے ساتھ

بیٹھی تھی۔۔ ابرش عنائتہ زار ان اور در خزنئی کے
سامنے بیٹھی تھی۔

زار ان خانزادہ اسفندیار خان ایک ہی صوفے پر بیٹھے
تھے۔ ساتھ سنگل صوفے پر در خزنئی خانزادہ بیٹھا
تھا۔

زار ان سیاہ شلوار قمیض پر سیاہ مردانہ شال کندھوں

پر ڈالے ہوئے تھا۔ اسفندیار خان بلوچینز پر سفید
شرٹ پہنے ہوئے تھا جس پر سفید مفکر وہ گلے میں
ڈالے ہوئے تھا۔ در خزئی خانزادہ سفید شلوار
قمیض میں ملبوس آف وائٹ شال کندھوں پر ڈالے
ہوئے تھا۔

بچے میں نے تمہارے کہنے پر اسے صاف لفظوں

میں کہہ دیا تھا اس کا کمرہ بھی خالی کر دیا تھا۔ مگر حور
اس کو تھوڑی دیر پہلے حویلی کے پچھلی سائیڈ سے
لے کر آیا ہے۔ اور درخشاں کا کمرہ بھی دوبارہ سیٹ
کرنے کو کہا ہے۔

امینہ خانم نے ارحام کے سرد سرخ چہرے کو دیکھتے
وضاحت دی۔

میں کہہ دیا تھا اس کا کمرہ بھی خالی کر دیا تھا۔ مگر حور
اس کو تھوڑی دیر پہلے حویلی کے پچھلی سائیڈ سے
لے کر آیا ہے۔ اور درختوں کا کمرہ بھی دوبارہ سیٹ
کرنے کو کہا ہے۔

امینہ خانم نے ارحام کے سرد سرخ چہرے کو دیکھتے
وضاحت دی۔

ہے۔ ارحام خانزادہ نے درخشاں کو گھورتے سرد
برقیے لہجے میں اپنا فیصلہ سناتے لفظ چبائے تھے۔
لالا!!! درخشاں نے روتے ہوئے ارحام خانزادہ کو
پکارا۔ ہاتھ میں ٹرے بری طرح لرزنے لگی تھی۔
سب خاموش تھے ارحام خانزادہ کے فیصلے پر کوئی بیج
میں نہیں آسکتا تھا اسی لیے سب خاموش تھے۔

نکلو یہاں سے !! ارحام خانزادہ غصے سے دھاڑا۔ اس
کی کریٹ کی ہوئی غلط فہمی پر اس کی بیوی بے پردہ
باہر آئی۔ ارحام خانزادہ کا غصہ درخشاں پر کسی
صورت ٹھنڈا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔
درخشاں ارحام کی دھاڑ پر بری طرح لرزا ٹھی تھی۔
یکدم حور ارحام اور درخشاں کے بیچ حایل ہوئی

تھی۔ ارحام درخشاں یہاں سے لہیں نہیں جائے
گی۔ حور ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے اپنے لرزتے
لہجے پر قابو پاتے بولی تھی۔ ارحام کو غصے میں دیکھ کر
وہ بھی اس سے ڈر رہی تھی۔ مگر درخشاں کو وہ کسی
بھی قیمت پر حویلی سے جانے نہیں دے سکتی تھی۔
اس نے کبھی درخشاں کو ملازمہ کبھی سمجھا ہی نہیں

تھا۔ پانچ ماہ وہی تو تھی اس کی غمگسار !!
حور درخشاں یہاں نہیں رہے گی۔ یہ میرا آخری
فیصلہ ہے۔ ارحام خانزادہ حور پر سر دنگاہ ڈالتے اپنے
کندھوں پر شال جھٹکتے ہوئے اپنا فے صلہ سناتے
رخ پلٹ گیا تھا۔
میرا بھی یہ آخری فیصلہ ہے۔ درخشاں یہاں سے

لہیں نہیں جائے گی۔ ارحام خانزادہ کی چوڑی پشت
کو دیکھتے حور بھگے لہجے میں آہستگی سے بولی۔
ارحام خانزادہ حور کے بھگے لہجے پر مٹھیاں بھینچ گیا
تھا۔

ارحام نے پلٹتے ہوئے حور کو دیکھا جو نظریں جھکائے
لب کاٹتے اپنے آنسوؤں پر بمشکل قابو پار ہی تھی۔

درخشاں جاؤ تم چن میں !! تم رہ سکتی ہو حویلی میں
مگر حور کے آس پاس بھی مجھے نظر نہ آؤ۔ ارحام نے
اپنی کنپٹی مسلتے ہوئے درخشاں کو دیکھتے دانت پیسے
حور نے نظریں اٹھائے بے یقینی سے ارحام کو دیکھا
تھا۔

آؤ بیٹھو ادھر۔ ارحام حور سے سنجیدگی سے کہتے

صوفے پر بیٹھا حور آہستی سے چلتے ہوئے ارحام
خانزادہ کے پہلو میں بیٹھی تھی۔ درخشاں ٹرے
پکڑے اسی لمحے کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔
یہ سب دیکھتے اسفندیار خان کو کھانسی کا شدید دورہ
پڑا تھا۔ وہ اپنے لبوں پر ہاتھ رکھتے کھانستا جا رہا تھا۔
اسفندیار خان کے ساتھ شہرام خان کو بھی یہ دیکھتے

کھانسی کا دورہ پڑا تھا۔

زاران خان زادہ نے گھور کر اسفند کو دیکھتے شہرام خان
کو گھور کر دیکھا تھا۔ اسفند کو تو کھانسی کا دورہ پڑتا ہی
تھا مگر شہرام کو آج کس خوشی میں کھانسی کا دورہ پڑا
تھا۔ وہ جبرے بھیج گیا۔ اسفند کی مسخری اسے ایک
آنکھ نہیں بھاتی تھی۔۔ در خزئی اور عنائیہ کے نکاح

کے بعد اسے کسی کا مسخراپن نہیں بھاتا تھا۔
اس حویلی میں زن مریدگی میں دن بدن اضافہ ہو
رہا ہے۔ در خزئی خانزادہ نے اسفند کے کان میں
جھکتے سرگوشی کی تھی۔ لالا کے علاوہ کون ہے یہاں
زن مرید؟؟ اسفند نے اپنی کھانسی پر قابو پاتے
زاران کو ذومعنی نظروں سے دیکھتے شرارتی انداز

میں پوچھا۔

اسفند کی نگاہوں کا مرکز زار ان پر دیکھ کر در خیزی کا
برجستہ قہقہہ گونجتا تھا۔ زار ان نے پہلو بدلتے اپنے
سامنے بیٹھی سرد سپاٹ چہرے کے ساتھ بیٹھی
ابرش کو دیکھا جو بے حد سٹائلش سی بلوویلوٹ فرائک
میں ملبوس تھی۔ جس پر آج اس نے نیٹ کا دو وپٹہ

میں پوچھا۔

اسفند کی نگاہوں کا مرکز زار ان پر دیکھ کر در خیزی کا
برجستہ قہقہہ گونجتا تھا۔ زار ان نے پہلو بدلتے اپنے
سامنے بیٹھی سرد سپاٹ چہرے کے ساتھ بیٹھی
ابرش کو دیکھا جو بے حد سٹائلش سی بلوویلوٹ فرائک
میں ملبوس تھی۔ جس پر آج اس نے نیٹ کا دو وپٹہ

میں پوچھا۔

اسفند کی نگاہوں کا مرکز زار ان پر دیکھ کر در خیزی کا
برجستہ قہقہہ گونجتا تھا۔ زار ان نے پہلو بدلتے اپنے
سامنے بیٹھی سرد سپاٹ چہرے کے ساتھ بیٹھی
ابرش کو دیکھا جو بے حد سٹائلش سی بلوویلوٹ فرائک
میں ملبوس تھی۔ جس پر آج اس نے نیٹ کا دو وپٹہ

اوڑھ رکھا تھا۔ لبوں پر چمکتا پنک گلو ز اور اسے نیٹ
کے دوپٹے میں ملبوس دیکھ کر زار ان کے چہرے پر
ایک رنگ آ رہا تھا ایک جا رہا تھا۔

یہ دیکھتے در خزئی اور اسفندیار خان کے چہروں پر دل
جلانے والی مسکراہٹ ہی ختم نہیں ہو رہی تھی۔
منسٹر نہیں ہے!! زن مرید۔ منسٹر کی حالت تو آج

کل ٹائیٹ ہے۔ کیونکہ لگتا ہے آج کل منسٹر کو ٹائیٹ
منانے کو نہیں مل رہی۔ در خزانہ اسفند کے کان میں
جھکا سر گوشی کر گیا تھا۔

اسفند یار خان مسکراہٹ دباتے اثبات میں سر
ہلاتے اپنی گھنی بے پرواہی پر ہاتھ پھیر گیا تھا۔ اپنے
دوست کی حالت پر اسے ترس آ رہا تھا۔ مگر مسئلہ یہ

تھا وہ ترس کھانے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔
یہ الگ بات ہے منسٹر کی حالت ٹائیٹ کرنے والی
زن ہی ہے مگر منسٹر زن مریدی نہیں کر سکتا۔
زن مریدی صرف میں کروں گا ایسی زن مریدی
کروں گا کہ تاریخ کے سنہری حروف سے لکھی
جائے گی در خزنئی خانزادہ کی زن مریدی۔۔ در خزنئی

اسفند کو بے باکی سے آنکھ مارتے ہوئے عنائے کو
گہری گرم نگاہوں سے دیکھتے ہوئے گھمبیر آواز
میں بولا۔ جو بلیک کلر کی لانگ شرٹ اور جینز میں
ملبوس تھی۔ سر پر وہ اپنا چھوٹا سا سالر لپیٹے ہوئے
تھی۔ یہ پہلی مرتبہ تھا اس نے سر پر کچھ اوڑھے
ہوئے تھی۔ چھوٹی سی شال میں سب کچھ چھپ تو

نہیں رہاں تھا۔ مگر بہت کچھ عیاں بھی نہیں ہو رہا
تھا۔ وہ شال اس کے نشیب و فراز کو ڈھکے ہوئے
تھی۔ اپنی آواز کے بھاری پن پر قابو پاؤ!! یہ نہ ہو
تجھ پر زن مریدی کا ٹیک بعد میں بعد میں لگے گا
gay ہونے کا ٹیک پہلے لگے جائے گا۔ اسفندیار
خان کی بات پر در خزنی کا رنگ سرخ پڑا تھا۔

اسفندیار خان کا اب قہقہہ بلند ہوا تھا۔ ارحام خانزادہ
نے بھی اب گھور کر اسفند کو دیکھا تھا۔
یہ قہقہے تمھارے زیادہ ابل نہیں رہے کیا بات
ہے؟؟ در خیزی نے اسفند کو گھورا۔

بات ہت خوشی کی ہے ابھی سناتا ہوں۔ اسفندیار
خان نے اونچی آواز میں کہتے زار ان کو دیکھتے

اسفندیار خان کا اب قہقہہ بلند ہوا تھا۔ ارحام خانزادہ
نے بھی اب گھور کر اسفند کو دیکھا تھا۔
یہ قہقہے تمھارے زیادہ ابل نہیں رہے کیا بات
ہے؟؟ در خیزی نے اسفند کو گھورا۔

بات ہت خوشی کی ہے ابھی سناتا ہوں۔ اسفندیار
خان نے اونچی آواز میں کہتے زار ان کو دیکھتے

مسکراتے ہوئے اپنی لھنی بَیر ڈسہلائی تھی۔
زاران نے الجھن بھری نگاہوں سے اسفندیار خان
کو دیکھا تھا جواب مسکراتے ہوئے عابیر کو دیکھ رہا
تھا۔

مورے آپ کو ایک خوشخبری سنانی ہے۔ شہرام
خان کی آواز پر سب اس کی طرف متوجہ ہوئے

تھے۔

بہارے نے آنکھوں ہی آنکھوں میں شہرام خان کو
سب کو بتانے سے منع کیا تھا۔ جو بہرام کے گال پر
اپنی مونچھیں رب کرتے ہوئے بہارے کی التجائی
نگاہیں اگنور کر گیا تھا۔

کیا خوشخبری ہے بچہ!؟! مینہ خانم نے سوالیہ نگاہوں

سے شہرام خان کو دیکھا۔

مورے اسفند لالا ایک بار پھر سے ماموں بننے کا
شرف حاصل کرنے والا ہے۔ شہرام خان نے
اسفند کو مسکراتی نگاہوں سے دیکھتے سنجیدگی سے
کہا۔

شہرام کے انداز اور بات اسفند یار خان کی رنگت

میں اشتعال کی سرخی نمودار ہوئی تھی۔ جو بات وہ
خود سنا ناچا ہتا تھا مگر شہرام کے منہ سے برداشت
نہیں ہوئی تھی۔

۔ بہارے سب کے سامنے سرح پڑتے نظریں
جھکائے ہوئے تھی۔

سب سنجیدہ چہروں سے شہرام بہارے کو دیکھ رہے
تھے۔ سب کے سنجیدہ چہرے دیکھ کر بہارے اب
روہانسی ہو رہی تھی۔

شہرام بہارے کا ابھی اپریشن ہوا ہے تم کو کچھ تو
خیال کرنا چاہیے تھا۔ روزینہ خانم اپنے غصے پر قابو نہ
پاسکی تھی۔

میں ہر سال اسفندیار کو ماموں اور آپ کو اپنے بچے
کی انا (نانو) بناؤں یہ میری مرضی ہوگی۔ آپ
دونوں کو صرف مجھے مبارک باد دینے کی عادت
ڈال لینی چاہیے۔ شہرام خان اسفند کے سرد
نظروں کو دیکھتے استہزائیہ انداز میں بولتے
مسکراتے ہوئے صوفے سے ٹیک لگا گیا تھا۔

ارحام خانزادہ نے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے غصے سے
شہرام خان کی بے باکی برداشت کی تھی۔ اگر اس
وقت حور بہارے عابیر نہ ہوتی وہ شہرام کی اچھی
خاصی کلاس لیتا۔

بہارے شہرام کی گود سے بہرام کو غصے سے پکڑتے
جلدی سے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

اگر ایسی بات تو ہے تو شہرام کو بھی ماموں بننے کی
مبارک ہو۔ اور میں ہر سال یہ خوشخبری سناؤں یا نہ
سناؤں مگر وعدہ ہے ایک سال میں دو بچوں کا ماموں
اپنے دونوں سالوں کو ضرور بناؤں گا۔

اسفند کے انداز پر در خزئی کو کھانسی کا دورہ پڑا تھا
رنگت شدید سرخ پڑی تھی۔ اسے امید نہیں تھی

اسفند اس انداز میں یہ خوشخبری سنائے گا۔
اسفند کے انداز اور بات پر شہرام اور زاران کی
رنگت میں سرخیاں گھلی تھیں۔
عابیر خفت سے شدید سرخ پڑتی اب روہانسی ہوئی
تھی۔ زاران شہرام کے سامنے وہ نظریں نہیں اٹھایا
رہی تھی۔

سالاکمینہ!! زار ان نے غصے سے مٹھیاں جھینچتے
اسفند کو دیکھتے دانت پیسے۔

سب کے چہرے ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہوئے
تھے۔

اسفند اور شہرام خان کو ایک دوسرے کو گھورتے
ہوئے دیکھتے اپنی گھنی بئیر ڈانگلیوں سے سہارا ہے

تھے۔

ارحام خانزادہ نے دانت پر دانت جماتے بہت مشکل
سے اپنا غصہ کنٹرول کیا تھا۔ رنگت میں شدید
سرخیاں گھل چکی تھیں۔

مبارک ہو بچہ !!! ہم کو عابیر نے کچھ دن پہلے ہی بتا
دیا تھا ہم اپنا عابیر کا بہت سارا صدقہ دے چکا ہے اللہ

تم کو پیٹا دے۔

امینہ خانم لاونج کی گھمبیر صورت حال بھانپتے اسفند کو
دیکھتے جلدی سے بولی تھیں۔

امینہ خانم کی بات پر عابیر نے پریشانی سے اسفند یار کو
دیکھا تجو بے یقینی سے عابیر کو دیکھ رہا تھا جسے اس
نے سختی سے منع کیا تھا کسی کو بھی بتانے سے۔

تم نے اپنا مورے کو اچھا بیوقوف بنایا ہے کہ یہ
خوشخبری تم نے سب سے پہلے آج ہم کو سنایا ہے۔
مگر تمہارا بیوی تو بہت پہلے ساس کو سنا چکا ہے۔۔۔ صبح
کہتا ہے شادی کا بعد بیٹی پر ایا نہیں بیٹا پر ایا ہو جاتا
ہے۔ روزینہ خانم نے ڈبڈبائے لہجے میں کہتے اپنی
آنکھیں چادر سے رگڑیں۔

اسفند کی سرد نگاہوں کا رخ عابیر کی طرف ہی تھا جو
پریشانی سے اسفند یا رخاں کو دیکھ رہی تھی جو اس
سے نگاہیں پھیرتے صوفے سے ٹیک لگا گیا تھا۔
امینہ خانم اب بھی پریشان ہوئی تھیں عابیر نے ان کو
بتانے سے منع کیا تھا۔ مگر پریشانی سے ان کے لبوں
سے یہ بات نکل گئی تھی۔

ہم کو عابیر نے نہیں بتایا ہم نے خود ہی اندازہ لگایا۔
امینہ خانم نے اسفند کا سر دچہرہ دیکھتے گھبراتے ہوئے
وضاحت دی۔ اپنا چہرہ سیدھا کر میری ماں اور بہن
پریشان ہو رہی ہیں۔ زارا ان نے عابیر اور امینہ خانم
کے چہرے دیکھتے اسفند یار خان کے سنجیدہ چہرے کو
گھورتے دانت پیسے۔۔

میری ماں باقاعدہ رورہی ہے۔ وہ نظر نہیں آرہا
تجھے! اور تو اپنی شکل گم کر یہاں سے۔۔ میری خوشی
پر تیرا جو ری ایکشن ہے ناں یہ کسی حاسد کا ہو سکتا
ہے دوست کا نہیں۔ گلے لگا کر مبارک باد سننے کا
منتظر تھا میں۔ اسفند نے زار ان کو گھورتے جوابی
کاروائی کی۔

جس انداز میں تو نے یہ حستخبری سنائی ہے تیرے
دانت توڑنے کو دل کر رہا ہے۔ گلے لگانے کو
نہیں۔۔ زار ان نے اسفند کو شعلہ بارنگا ہوں سے
گھورتے ہوئے لفظ چباتے ابرش کو دیکھا جو صوفی
سے اٹھتے بہت تیزی سے تقریباً بھاگتے ہوئے
سڑھیاں چڑھتے اپنے کمرے کی جانب بڑھ رہی

تھی۔

زاران اسفندیار خان کو گھورتے ہوئے اپنی شال
گلے میں جھٹکتے صوفے سے اٹھتے سیڑھیوں کی
طرف بڑھا۔

حور تم پر یزے کے پاس چلو میں آتا ہوں۔ ارحام
نے حور کو دیکھتے بے حد نرمی سے کہا جو اس کے

قریب بیٹھی یہ سب حیرانگی سے تقریباً منہ کھولے
دیکھ رہی تھی۔۔۔ ارحام کی بات پر حور اثبات میں سر
ہلاتی پر یزے کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

۔ عابیر عنائے تم لوگ اپنے کمروں میں چلو۔۔۔ ارحام
کے حکم پر عابیر نے اسفند کو بھیگی نگاہوں سے دیکھا
جوا بھی بھی سنجیدہ چہرے کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اس کی

طرف ایک نظر نہیں ڈال رہا تھا۔
اسفند کو جتانے کے لیے عابیر تیز تیز قدم اٹھاتے
سڑھیوں کی طرف بڑھی تھی۔ وہ تیز تیز قدموں
سے ہی سڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ یہ دیکھتے اسفندیار
خان کے غصے میں مزید اضافہ ہوا تھا۔ بلکہ وہ اچھا
خاصہ پریشان ہوا تھا۔ عابیر بہت تیزی سے سڑھیاں

چڑھ کر اوپر کئی تھی۔ اسفند اپنی آئی برو مسئلے
بمشکل خود پر قابو پاتے صوفے سے اٹھتا سڑھیوں کی
جانب بڑھا۔

اسفند مجھے تم سے بات کرنی ہے۔ یہیں پر بیٹھو ابھی!
ارحام کی سرد آواز پر اسفند اپنا جبرہ سہلاتے صوفے
پر بیٹھا۔

یہ کیا طریقہ تھا؟؟؟ یہ بات سب کو بتانے کا جیسے تم
دونوں نے میچ میں سکسر پر سکسر مارے ہیں۔ ارحام
نے شہرام اور اسفندیار خان کو گھورتے کہا۔
ارحام کی بات پر شہرام اور اسفندیار نے ایک دوسرے
کو گھور کر دیکھا تھا۔
تھوڑا خیال کر لیتے کہ یہاں تم دونوں کی بھابھیاں

موجود تھیں۔ ایک بات تم دونوں کان کھول کر سن
لو آئندہ تم دونوں ایک دوسرے پر برتری لینے کے
لیے ہر سال ایک بچہ پیدا کرو یاد اس۔ مگر اس
طرح جیت کا اعلان کرتا نہ دیکھوں۔ ارحام خانزادہ
دونوں کو سرد تیوروں سے گھورتے پر یذے کے
کمرے کی طرف اپنے بھاری قدموں سے بڑھ گیا۔

اس بار در خزئی کو کھالسی کا دورہ نہیں پڑا تھا بلکہ
اسفند اور زاران کے سرخ چہرے دیکھتے اس کا بلند و
بانگ قہقہہ برآمد ہوا تھا۔

شہرام خان کمرے میں داخل ہوتے دروازہ لاک

کرتے بہارے کی طرف بڑھا۔ جو بے حد سٹائیش
آتش گلابی فراک میں ملبوس ڈریسنگ مرر کے آگے
کھڑی اپنے بالوں میں بہت بے رحمی سے برش کر
رہی تھی۔

بہرام بیڈ پر لیٹا ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے غوں غاں کی
آوازیں نکالتے کھیل رہا تھا۔

شہرام آگے بڑھتے اس کے ہاتھ سے برش لیتے بہت
نرمی سے اس کے بالوں میں برش کرنے لگا۔
بہارے نے مرر میں اس کا پرکشش چہرہ دیکھتے اس
سے دور ہونا چاہا تھا کہ شہرام خان اس کے پیٹ پر
سختی سے ہاتھ جماتے اسے اپنے مزید قریب کرتے
اپنی پشت کے ساتھ لپٹا گیا تھا۔

ڈریس کیوں چینج کیا؟؟؟ شہرام نے مرر میں اس کا دو
آتش روپ دیکھتے گھمبیر لہجے میں پوچھا۔ آتشی گلابی
فراک میں وہ دھمک رہی تھی۔ ہلکے سے میک میں وہ
بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ تمہارے لیے
چینج نہیں کیا شہرام خان!!! میں ہاسپٹل جا رہی
ہوں۔ آج سے میں ہاسپٹل میں پہلے کی طرح ڈیوٹی

نبھاؤں گی۔ بہارے کی بات پر شہرام اسے اپنے
حصار سے آزاد کر گیا تھا۔
بہارے نے بیڈ کی طرف بڑھتے خود کو بڑی سی چادر
سے کور کیا۔

بہرام کون سنہالے گا؟؟ شہرام خان نے بہارے
کو دیکھتے آئی ابرو اچکاتے سوالیہ نگاہوں سے پوچھا۔

یہ میرا مسئلہ نہیں ہے یہ تمہارا پر اہلم ہے شہرام
خان۔ ہر سال بچے کی خوشخبری سنانی ہے ناں
تمہیں تو اپنے بچوں کو سنبھالنے کا انتظام بھی تم خود
کرو۔ میں نے بچوں کو پالنے کے لیے ڈاکٹر کی ڈگری
نہیں لی تھی۔ بہارے شہرام کی طرف دیکھتے چمکتے
ہوئے بولی۔

بہرام تھوڑا بڑا ہو جائے تم ہسپتال چلی جانا
بہارے۔ وہ ہسپتال تمہارا ہی ہے۔ مگر بہرام بہت
چھوٹا ہے میں چاہوں تو اس کے لیے دس ملازمائیں
رکھ سکتا ہوں۔ مگر ایک بچے کے لیے ماں سے بڑھ
کر کوئی نہیں ہو سکتا۔ شہرام اپنی شال اتارتے بیڈ پر
اچھالتے سنجیدگی سے گویا ہوا۔

بہرام بڑا ہو گا تو یہ آجائے گا پھر اس کو سنبھالوں گی۔
بہارے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھتے تڑختے ہوئے بولی۔
پھر شہرام خان کا حکم ہو گا اس کے بڑے ہونے کا
انتظار کروں۔۔ پھر اس کے اگلا بچہ کیونکہ تمہیں
میرے لالا اور میری مورے سے ہر سال مبارک
باد جو وصول کرنی ہے۔۔ پھر تیسرا پھر چوتھا بچے کے

آنے کا انتظار کروں گی۔ یہی چاہتے ہو تم !!! بہارے
غصے سے شہرام کی طرف دیکھتے چیخی۔ بہارے کی
چیخ پر بہرام یکدم ڈرتے ہوئے رونے لگا تھا۔
چیخومت !!! اپنی ٹون اپنے لہجے پر قابو پاؤ بہارے۔
شہرام کا لہجہ سنجیدہ ہوا۔
میں نہیں پاسکتی شہرام اپنے لہجے پر قابو! دیکھا سب

باہر کیسے دیکھ رہے تھے ہمیں۔ سب حیران ہو رہے
تھے۔ پڑھے لکھے ہو کر کیسے اتنی جلدی ہم بچے لے
سکتے ہیں۔ بہارے شہرام کو دیکھتے استھڑائیہ
مسکرائی۔

بہارے اگر پڑھی لکھی ہو تو یہ بھی سمجھتی ہو گی ہر
روح اللہ کی مرضی سے آتی ہے۔ اس بچے نے آنا ہی

تھا چاہے ہم جتنی مرضی پروٹیکشن لے لیتے پھر بھی
اس ذی روح نے آنا تھا اس کا پانا پہلے سے ہی طے
تھا۔ شہرام نے اپنی آئی برو سہلاتے بہارے کو
دیکھتے نرمی سے کہا

ہر بات کے لیے ہم خدا کو ذمہ دار نہیں ٹھہرا نہیں
سکتے شہرام!! خدا نے انسان کو عقل و شعور عطا کیا

ہے۔ تاکہ وہ اپنے اچھے برے کا فیصلہ لے سکے۔۔ تم
نے ایک پل بھی میرے اور بہرام کے متعلق نہیں
سوچا۔ میری صحت کا نہیں سوچا تم نے۔ دوسرا بچہ
آنے کے بعد بہرام کتنا نیگلیٹ ہو گا سوچا تم نے۔
۔۔ بہارے کی آواز شدت سے بھیگی تھی۔
ہو گئی غلطی مجھ سے آگیا یہ بچہ!! اب بتاؤ اس کا

سلوٹن کیا ہے کوئی حل ہے تمہارے پاس مجھے بتاؤ
مجھے۔ تاکہ میں اس کا حل نکالوں یا پھر ساری عمر تم
سے طعنے سنوں گا۔ شہرام خان اب غصے سے چیخا
تھا۔ ابہرام یک بار پھر سے رونے لگا تھا۔
اس کا حل ہے مگر تم جیسا سفاک انسان سن کر ہتھے
سے اکھڑ جائے گا۔ بہارے بھی دبی آواز میں چیخا

تھی۔

کیا حل ہے؟؟ شہرام بر فیہ لہجے میں بولتے ہوئے

اس کے قریب ہوا۔

مجھے یہ بچہ نہیں چاہیے مجھے ابارٹ

کرنے

بہارے!! بہارے کی بات پر شہرام خان کا ہاتھ ہوا

معلق ہوا تھا۔

بہارے کئی قدم پیچھے ہوتے ڈرتے ہوئے اپنے
گال پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔ شہرام ہاتھ ہوا میں معلق
کیے بہارے کو سرخ آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔
بہارے گال پر ہاتھ رکھے روتے اسے شکوہ کناں
نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ مت دیکھو ایسے مجھے

شکوہ کناں نگاہوں سے تم نے جو بکواس کی ہے یہ
سنتے مجھے تمہیں ادھیڑ کر رکھ دینا چاہیے تھا۔ شہرام
اسے دونوں بازوؤں سے جکڑتے اپنے قریب کر گیا
پتہ ہے میں کیوں رکا ہوں؟؟ شہرام خان نے اسے
دونوں بازوؤں سے جھنجھوڑتے ہوئے سرد لہجے میں
پوچھتے اس کی آنکھوں میں اپنی سرد سرخ آنکھیں

گاڑھیں۔

کیوں؟؟ بہارے نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہچکی
لی تھی۔ وہ اس پر ہاتھ اٹھا سکتا ہے وہ بے یقین ہوئی
تھی۔

کیونکہ تم میرے بچوں کی ماں ہو۔ اگر تمہارے
پیٹ میں میرا بچہ نہ ہوتا اور تم بہرام کی ماں نہ ہوتی تو

یہ ہاتھ ضرور تم پر اٹھتا۔ اگر ابھی بھی تم نے یہ بچہ
ابارٹ کرنا ہے تو کر لو اپنا شوق پورا۔ مگر شہرام خان
کے دل میں اپنی محبت اپنی عزت سب کچھ کھودو
گی۔ شہرام خان تمہارا رہے گا بھی نہیں۔۔۔ شہرام
خان کی بات پر وہ تڑپتے ہوئے اس کی شرٹ
مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔۔۔

کیا کرو گے تم ہاں؟! بیوفائی کرو گے مجھ سے۔
دوسری عورت کے پاس جاؤ گے۔ بہارے تڑپتے
ہوے روتے ہوئے بولی۔ یہی ایک بات وہ مقابل
کی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

مجھ سے بھی زیادہ یہ بچہ عزیز ہے تمہیں!! میری
کوئی ویلیو نہیں۔ مجھ سے محبت نہیں تمہیں۔ عشق

کا دعویٰ کرنے والا شہرام خان یہ سب کچھ کیسے کہہ
سکتا ہے؟؟۔ بہارے شدت گریہ سے روتے
ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہذیانی چیخنی تھی۔
جس طرح میری بہارے میرے بچے میرے خون
کو اپنے پیٹ میں مارنے کا سوچ سکتی ہے۔ اس طرح
شہرام خان بھی یہ سب کہہ سکتا ہے اور کر بھی سکتا

ہے۔ اس لیے خاموشی سے بیڈ پر بیٹھو۔ روتے
ہوے بہرام کو سنبھالو اور میرے اس بچے کا بھی خود
سے زیادہ خیال رکھو۔ یہ بچہ میری آمانت ہے
تمہارے پاس !!! اسے کچھ بھی ہوا تو جو میں کروں گا
تم سوچ بھی نہیں سکتی۔۔ شہرام دھمکی امیز میں لہجے
میں کہتے واش روم کی طرف بڑھتے واش روم کے

اندر داخل ہوتے دروازہ بند کر گیا تھا۔
بہارے اپنی چادر اتارتے ہوئے بہرام کی طرف
برہتے بہرام کو گلے سے لگائے سسک سسک کر رو
دی تھی۔

--

رمز عشق

تحریر نور آصف

قسط 2 part 153

زاران کمرے میں داخل ہوا وہ کمرے میں کہیں
نہیں تھی۔ زاران اپنی شال کندھوں سے اتارتے
بیڈ پر اچھالتے جلدی سے واش روم کی طرف بڑھا

تھا۔ اس کی جذباتی بیوی نے یقیناً واش روم لاک
نہیں کیا ہو گا وہ اندر کیا کر رہی ہو گی وہ یہ بھی جانتا
تھا۔

زاران نے واش روم کے دروازے کے ہینڈل پر
ہاتھ جمایا۔ دروازہ کھلتا چلا گیا تھا۔ وہ جدید سٹائلش

واش روم کے روف شاور کے نیچے کھڑی کپڑوں
سمیت ہی بھیگ رہی تھی۔

زاران تیزی سے اس کی طرف بڑھتے اسے کمر سے
تھامتے اپنے قریب کر گیا تھا۔ اس دوران روف
شاور سے پانی گرتا اسے بھی اچھا خاصہ بھگو چکا تھا۔

پانی ٹھنڈا بن چکا تھا مگر وہ اس کے نیچے آرام سے کھڑی
تھی۔ یہ کیا کر رہی ہو تم؟؟ پانی بہت ٹھنڈا ہے
اندازہ ہے تمہیں؟!۔ زارا ان غصے سے بھڑک اٹھا
تھا۔

تم بھڑکتی آگ میں بھڑکتا شعلہ!!! ابھی ہمارے
بدن کی ہیمنگ سے یہ پانی بوائیکنگ پولینٹ پر آ جانا

ہے منسٹر!!

ابرش زار ان کو دونوں ہاتھوں سے دور دھکیلتے
ہوئے پھر سے شاور کے نیچے ہوتے زار ان کو دیکھتے
بے باکی سے آنکھ مار گئی۔

زار ان اسے سرد سنجیدہ نگاہوں سے دیکھتے اس کے
قریب ہوتے گرم پانی کا ٹیب کھول گیا تھا۔

کیا دیکھ رہے ہو منسٹر؟؟ ہیٹڈ واش روم۔۔ فل ہیٹڈ
حویلی اس عالیشان گرم حویلی میں کوئی کیسے بیمار ہو
کر مر سکتا ہے؟؟

??how silly you r

ابرش زاران کی آنکھوں میں دیکھتے استہزائیہ سا
ہنسی۔ زاران نے اپنی پچھلی گردن ایک ہاتھ سے

رب کرتے واش روم کی فینسی چھت پر دیکھتے خود
کے ظبط پر قابو پانے کی ناکام سعی کی۔ اس کی رگوں
میں دوڑتا خون بوائٹلنگ پوائنٹ پر آچکا تھا۔
اس حویلی میں کوئی سردی کی شدت سے نہیں مر
سکتا۔ ہاں مگر اس اونچی دیواروں والی بہت بڑی

حویلی میں کھٹن سے مرا جاسکتا ہے۔ ابرش ہنتے
ہوے آنکھیں میچ گئی تھی۔

زاران اس کی طرف بڑھتے اسے شاور سے دور
کرتے خود کے قریب کر گیا تھا۔

چھوڑو مسٹر خانزادہ!! مجھے تمہاری ضرورت نہیں
ہے۔ ابرش اس کے حصار میں جھپٹاتی ہوئی دیوار

میں سمائے زار ان کو سللتی نگاہوں سے دیکھتے تب نبی
لجے میں بولی۔ وہ پھر سے شاور کے نیچے کھڑی تھی

-

کیا پاگل پن ہے یہ ابرش؟؟ اتنی سردی میں بار بار
شاور لے کر مرنے کا ارادہ ہے تمہارا؟؟ اس ہیٹڈ

حویلی میں بر فیلے پانی کے نیچے کھڑا ہونا خود کشی
کرنے کے مترادف ہے۔

زاران خانزادہ نے اس کے اطراف میں ہاتھ
جمائے اسے شعلہ بارنگا ہوں سے گھورا۔
مجھے کچھ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ پیسوں والوں کو کچھ
نہیں ہوتا مسٹر خانزادہ!! اور میں تو منسٹر کی بیوی

ہوں اور میرے مسٹر کے پاس بہت پیسہ ہے۔ اتنا
پیسہ کہ وہ پندرہ کڑوڑ کی جیولری میرے ایک بار
کہنے پر خرید کر دے دیتا ہے۔ پھر پلٹ کر پوچھتا
تک نہیں وہ جیولری کہاں ہے؟! چاہے میں وہ
جیولری پھینک دوں یا کسی کو دے دوں۔ میرا مسٹر
ایک بار نہیں پوچھے گا۔ ہے ناں مسٹر خانزادہ!!

ابرش نے اپنی بھیکی سوالیہ آنکھیں زاران کی
آنکھوں میں گاڑ دیں۔

زاران نے اس کی بات پر نا سمجھی سے الجھن بھری
نگاہوں سے ابرش کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔
اصل میں زاران میں نے تم سے ایک بات چھپائی
تھی۔ ابرش نے زاران کی شرٹ مٹھیوں میں

جکڑے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔
کیا؟ زار ان نے الجھن بھری نگاہوں سے دیکھتے
استفسار کیا۔

مم۔۔۔ میں۔۔۔ نے۔۔۔ وہ۔۔۔ پندرہ کڑوڑ کی
جیولری آہل کو دے دی۔ اسے ضرورت تھی۔
اس نے اپنا بزنس سٹارٹ کرنا تھا۔ میں نہیں دینا

چاہتی تھی مگر تم جانتے ہو ناں ہمارے حالات
ہمارے پاس کچھ بھی تو نہیں۔ بلکل کنگلی ہے ہماری
فیمیلی۔ مم۔۔ میں نے ساری جیولری دے دی۔
ابرش کی بات پر زارا ان کے چہرے پر کئی رنگ
آئے تھے۔

وہ اس سے پوچھے بغیر کیسے آہل کو وہ جیولری دے
سکتی تھی؟!! اگر آہل کو رقم چاہیے تھی تو وہ اس سے
بات کرتا وہ خود دیتا۔ اسے ابرش کی حرکت بالکل
پسند نہیں آئی تھی۔

تمہیں برا لگا ہے زارا ان؟؟ ابرش نے زارا ان کے
چہرے کی رنگت بدلتے بھگے لہجے میں زارا ان کو

دیکھتے استفسار کیا۔

نہیں تمہاری جیولری تھی تم نے دے دی!! کوئی
بات نہیں زار ان خود پر بمشکل قابو پاتے اس کے
بھیگے عارض پر ہاتھ رکھ گیا تھا۔ پتہ نہیں غارض کی
گیلاہٹ آنسوؤں کی وجہ سے تھی یا پھر شاور سے
گرتے پانی کی وجہ سے۔ وہ پریشان ہوا تھا۔

زاران کی بات پر ابرش کا قہقہہ بلند ہوا تھا۔ وہ ہنستے
ہوئے زاران کی شرٹ مٹھیوں میں مزید شدت
سے جکڑ گئی تھی۔

زاران نے پریشانی سے اسے دیکھا ایسی حرکتیں وہ
نشے کی حالت میں کرتی تھی۔ آج ایسا کیا پی لیا تھا کہ
اسے اتنی چڑھ گئی تھی؟!

اے مسٹر خاندہ!! نشے میں نہیں ہوں۔۔ مگر
جب جب سچ بولتی ہوں تو تمہیں لگتا میں نشے میں
ہوں۔ ابرش اسے شرٹ سے جکڑے اپنے مزید
قریب کر گئی تھی۔ زار ان کا چوڑا سینہ اس کی
دھڑکنوں سے آنکھرایا تھا۔

مسٹر خانزادہ!! تمھاری دی ہوئی پندرہ کڑوڑ کی
جیولری تمھاری الماری کے لاکر میں بند پڑی ہے۔
ابرش پاشا کے گھر والے سڑکوں پر بھی آجائیں۔ وہ
کبھی ان حویلی والوں سے ایک پھوٹی کوڑی نہیں
لے گی۔ ابرش زار ان کی آنکھوں میں دیکھتے سرد
سپاٹ لہجے میں ایک ایک لفظ پر زور دیتے بولی۔

ابرش کی بات پر زاران کی رنگت میں سرخیاں کھلی
تھیں۔

میں تو تمہارا بڑا دل چیک کر رہی تھی اور تم نے
پروف کیا پیسوں کے معاملے میں تمہارا دل بہت
بڑا ہے۔ بہت بڑا ہے۔ مگر صرف پیسوں کے

معاملے میں۔ ابرش اس کی آنکھوں میں دیکھتے پھر
سے ہنسی تھی۔

زاران نے جبرے بھینچتے ہوئے انگشت شہادت
سے اپنی کنپٹی مسلی۔ آج اس کی جذباتی بیوی اس پر
کوئی چارج شیٹ تیار کیے بیٹھی تھی وہ انجان تھا۔
مگر کٹہرے میں کھڑے ہو کر یہ سب کچھ سننا ہی

تھا۔ وہ اپنے ہونٹوں کو سکوڑتے سانس باہر کی

طرف خارج کر گیا تھا۔

کیا کہنا چاہتی ہو ابرش کھل کر کہو!! زارا نے

بمشکل اپنا لہجہ نرم کیا تھا۔ مگر اپنی دانتوں کی

کچکچاہٹ پر وہ قابو نہ پاسکا تھا۔

یہی کہ کیوں مدد کی تم نے ہماری جب ہم امریکہ
میں تھے؟؟۔ ہمیں کیا تمہارے پیسوں کی
ضرورت تھی کیا؟! جب میں نے داجی کی دی ہوئی
جائیداد واپس کر دی تھی کیوں منتقلی وہ ڈرافٹ
آہل کے اکاؤنٹ میں بھیجتے رہے؟؟ کیوں ترس
کھایا ہم پر؟؟ کیوں ہمیں چھوٹا دکھانے کی کوشش

کی؟؟ ابرش نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے
چٹختے اعصابوں کے ساتھ استفسار کیا۔
تمہیں کس نے کہا یہ سب؟؟ زارا نے جواباً
سنجیدگی سے دریافت کیا۔
اس حویلی میں میری اس لیے عزت نہیں ہے
کیونکہ میرے گھر والوں کے پاس بینک بیلنس

نہیں نہ ہی میرے ساتھ اونچا سٹیٹس ہے۔ پاشا کا
اور زحلے کا نام ہی میرے ساتھ ہونا ذلت کا باعث
ہے۔ حور ارب پتی باپ کی بیٹی ہے۔ عابیر بہارے
اس گھر کی بیٹیاں۔۔

اور تم زار ان خانزادہ کی بیوی ہو اس کی عورت ہو
تمہیں کسی نام کسی سٹیٹس کی ضرورت نہیں۔

جھی تم !! تمھارے لیے میرا نام ہی کافی ہے۔
زاران اس کی بات کاٹتے اسے بازو سے جکڑے
اپنے قریب کر گیا تھا۔

تو پھر کیوں سب مجھے نیچا دکھاتے ہیں؟؟ حویلی کے
لاونج میں حور نے بھی تماشہ لگایا۔ کسی نے اسے
کٹہرے میں کھڑا نہیں کیا۔ مگر مجھے کیوں کٹہرے

تمہیں میرا درد دکھ نظر ہی تو نہیں آتا۔ نہ بھی نظر
آسکتا ہے۔ تمہارے سامنے مجھے طعنے مارے کئے۔
داجی تمہاری مورے نے کیا کچھ نہیں کہا۔ اور تم
انجان بن رہے ہو۔ ابرش شبینہ استھزائیہ لہجے
میں بولی تھی۔

ہر ایشن کاری ایشن ہوتا ہے ابرش!! زحلے
پھوپھو نے جو کیا۔ وہ کبھی اپنے عمل سے بری ذمہ
نہیں ہو سکتی۔ زحلے پھوپھو دا جی کی بیٹی ہے۔ وہ کبھی
بھی کسی صورت وہ مقام حاصل نہیں کر سکتی جو ان
کا کبھی تھا۔ خود کو دا جی کی جگہ رکھ کر سوچو۔ تمہیں
اپنی ماں اور باپ کے لیے ایک طعنہ برداشت نہیں

ہر ایشن کاری ایشن ہوتا ہے ابرش!! زحلے
پھوپھو نے جو کیا۔ وہ کبھی اپنے عمل سے بری ذمہ
نہیں ہو سکتی۔ زحلے پھوپھو دا جی کی بیٹی ہے۔ وہ کبھی
بھی کسی صورت وہ مقام حاصل نہیں کر سکتی جو ان
کا کبھی تھا۔ خود کو دا جی کی جگہ رکھ کر سوچو۔ تمہیں
اپنی ماں اور باپ کے لیے ایک طعنہ برداشت نہیں

ہوتا۔ جو کہ طعنہ نہیں حقیقت ہے۔ داہی نے کتنے
طعنے سنے زحلی پھوپھو کے حوالے سے۔۔۔ جوان
پر گزری تم ان کا درد نہیں سمجھ سکتی۔ اب زحلی
پھوپھو ان کے قدموں میں بھی گر جائیں۔ دلوں
کی کڑواہٹ اب کبھی کم نہیں ہوگی۔ جو زہر برسوں
پہلے زحلی پھوپھو نے داہی کے دل میں اتارا۔ اس

کی کوئی دوا نہیں۔ زہر کا تریاق زہر ہی ہوتا ہے۔ مگر
دل میں اگر ایک بار زہر اتر جائے تو اس کے تریاق
کے لیے دوبارہ زہر نہیں دل میں اتارا جاسکتا۔
زحلے پھوپھو نے جو بویا اسے ہر حال میں کاٹنا تو
پڑے گا۔

زاران کی باتوں پر ابرش بھیکے لہجے میں ہسی تھی۔
پھر یکدم ہنستے چلی گئی تھی

تم تو مجھ سے بھی زیادہ سچ بولتے ہو اور کیا بات ہے
تمہارے سچ بولنے کے لیے تمہارا تو نشے میں ہونا
بھی ضروری نہیں۔ ابرش زاران کی آنکھوں میں

دیکھتے بولتے ہوئے اسے دونوں ہاتھوں سے دور
کرتے آگے بڑھی۔

زاران اسے بازو سے جکڑے شاور کے نیچے کھڑا
کرتے اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ رکھتے اسے
محصور کر گیا۔

اب شاور سے گرم پانی گرتا دونوں کی سائسیں
بھاری کر رہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں
میں آنکھیں گاڑھے ہوئے تھے۔

کیوں کرتی ہو ایسی باتیں؟! میں نے کبھی تمہیں
کوئی طعنہ دیا بتاؤ مجھے؟؟ زار ان نے اس کے بھیگے
عارض پر ہاتھ رکھتے نرمی سے پوچھا۔

مکھارا یہی کہنا کافی ہے کہ تم نے مجھے بھی طعنہ
نہیں مارا؟؟؟ یعنی میرا پاسٹ میرے ساتھ جڑے
میرے باپ کا نام ہی میرے لیے طعنہ ہے۔ اور
جب تمہیں موقع ملتا ہے تم مجھے طعنہ ضرور مارتے
ہو۔ طعنہ ہی تو ہے جو جوتے میں لپیٹ کر نہیں مارا
جاتا۔ مگر لگتا جوتے کی طرح ہی ہے۔ ابرش نے

اپنی بھاری ہوتی سانسوں پر قابو پاتے چنچتے ہوئے
کہا۔

زاران نے اپنے گھنے نرم ذردہ بالوں میں انگلیاں
پھیرتے گہرا سانس لیا تھا۔ روف شاور سے برستانیم
گرم پانی اور سامنے کھڑی اس کی خوبصورت بیوی
کی باتیں اس کا میٹر گرم چکی تھی۔ اور اس کا شعلہ

جواں بھگیتا بدن تو ویسے ہی اسے بوالڈ واٹر کی طرح
100 ڈگری سیٹی گریڈ پر گرم ہوتا اس کے جسم
کے اندر دوڑتے خون کو بوائیکنگ پولینٹ پر لے آیا
تھا۔

زاران نے اپنے نرم ذدہ بالوں میں انگلیاں پھیرتے
اس کے جوالہ مکھی روپ اس کے دہکتے گرم بدن پر

گہری گرم نگاہ ڈالی۔ ویلوٹ کی فراک بھیسکتے ہونے
نیچے کی طرف ڈھلکتی اس کے نشیب و فراز کو عیاں
کر چکی تھی۔ پانی اس کی گہرائیوں میں اترتا زار ان کو
پاگل کر گیا تھا۔ مگر اس کے قریب جانا تو جسم کے
اندر بھڑکتا خون 100 ڈگری سینٹی گریڈ سے
1000 ڈگری سینٹی گریڈ پر چلا جانا تھا۔ وہ اپنی

باتوں سے اس کے خون میں بوایکنگ پولینٹ
بڑھانے کا ہنر جانتی تھی۔ وہ اس کے قریب جائے
بغیر زیادہ گرم ہو جاتا تھا۔ اس لیے وہ اس کے
بھڑکتے روپ کو نظر انداز کرتے خود پد قابو پا گیا تھا
جو آج کل وہ کر رہی رہا تھا کہاں اپنے قریب آنے
دیتی تھی۔

تمہارے پیچھے ہوئے وہ کڑوڑوں کے ڈرافٹ آہل
تمہارے اکاؤنٹ میں واپس منتقل کر چکا ہے۔
نیکسٹ میری فیملی پر ترس مت کھانا سمجھے تم۔
ابرش انگشت شہادت کی انگلی اٹھائے ہوئے بولی
تھی۔

تم نے کہا یہ آہل سے کرنے کو؟؟؟ زارا نے اب
سرخ چہرے کے ساتھ اپنی اگلی گردن رب کی
تھی۔

ہاں ابھی میری فیملی پر میرا اتنا کنٹرول ہے۔ وہ میری
ہر بات مان جائیں۔۔ مجھے امریکہ میں ہی پتہ چل

جانا میں تب ہی مکھاری کھایا ہوا ترس سمجھیں لٹا
دیتی۔

ترس نہیں کھایا تم پر کبھی !! بیوی ہو میری حق ہے
میری ہر چیز پر مکھا را۔۔ زارا ان اس کے قریب
ہوتے اس کے گرد دیوار پر ہاتھ مارتے بھڑک اٹھا
تھا۔

بیوی ہوں تو بیوی بنا کر رکھو!! جیسا بیویوں کے
ساتھ سلوک کرتے ہیں وہ کرو جو تم کرتے نہیں۔
اور شوہر کے پیسے پر حق اس کی بیوی کا ہوتا ہے۔ اس
کے گھر والوں کا نہیں۔ تم جب جب میرے گھر
والوں کی مدد کرو گے مجھے وہ صرف ترس لگے گا۔

میری سیلف ایسٹیم ہرٹ ہوگی جو تم کافی بار کر چکے
ہو۔ ابرش بھی جواباً بھڑک اٹھی تھی۔

ان پیسوں پر زحلے پھوپھو کا پورا پورا حق ہے
ابرش!! وہ بیٹی ہیں داجی کی!! قانوناً شرعاً ان کا حق
ہے۔ زارا ان نے گہرے سانس لیتے اس کی آنکھوں
میں اپنی آنکھیں گاڑتے سنجیدگی سے کہا۔

شرعاً حق دے کر میری ماں کو داجی اپنی عاقبت
سدھارنا چاہتے ہیں۔ جو ممکن نہیں مسٹر خانزادہ۔
عاقبت ایسی نہیں سدھرتیں۔ جن کے دلوں کا زہر
کبھی کم نہ ہو وہ عاقبت میں بھی اپنی سزاؤں میں زہر
کے پیالے پیتے رہتے ہیں۔ ابرش زاران کی
آنکھوں میں دیکھتے چٹختے ہوئے بولی تھی۔

تمیز کے دائرے میں رہ کر بات کرو! میرے لیے
سب سے زیادہ احترام کے قابل وہ ہیں۔ زارا ان اس
کے گرد ہاتھ رکھتے چیخ اٹھا تھا۔

افسوس میرے لیے وہ احترام کے قابل نہیں ہیں
مسٹر خانزادہ!! ان کی وجہ سے میں اور میری فیملی
چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے ترسی ہے۔ جب

تب ان کا پیسہ ہمارے لیے نہیں تھا آج بھی نہیں
چاہیے۔۔ اور انھیں بولو کچھ دینا ہے تو میری ماں کو
عزت دے دیں۔ جو وہ کبھی نہیں دے سکتے کیونکہ
جو چیز انسان کے پاس ہو ہی نہ وہ کیسے دوسرے کو
دی جاسکتی ہے؟؟ ابرش تلخی سے بولتے پانی کی تیز

بوچھاڑ میں بمشکل سانس لیتے زار ان کو دونوں
ہاتھوں سے خود سے دور دھکیل گئی تھی۔
زار ان اسے بازو سے جکڑتے دیوار میں سماتے اس
کے قریب ہوتے اس کے دونوں اطراف میں ہاتھ
رکھتے اس کی ٹانگوں پر اپنا گھٹنہ اس طرح جما گیا تھا
کہ ابرش اب ہلنے سے قاصر ہوئی تھی۔

لفظوں میں کیوں ہیر پھیر کر رہی ہو؟؟ سیدھی
طرح کہو کہ اس حویلی کے تمام خان بغیرت ہیں۔
واقعی میں ہم خان بغیرت ہیں۔ اور سب سے اوپر
بغیرتی میں منسٹر زار ان خانزادہ آتا ہے۔ یہی کہنے کو
دل کر رہا ہے ناں تمہارا!! کہو سن لوں گا۔

زاران کے برفیلے لہجے پر اس کی سانسیں بھی سرد
ہوئیں تھیں۔

گرم پانی میں بھگتے ہوئے بھی اس کی سانس سرد
اور برفیلی تھیں۔

کہو کہ میں بغیرت ہوں۔!! سن لوں گا میں!!
زاران اس کے بیک طرف ہاتھ سختی سے مارتے

حلق کے بل دھاڑا۔

ابرش اس کی دھاڑ اور اپنے گرد اس کے زور سے
ہاتھ مارنے پر بری طرح لرزی تھی۔ زارا ان اس
کے لرزنے پر سر نفی میں ہلاتے استہزائیہ
مسکراتے پیچھے ہوتے رخ پلٹے اپنے گیلے بالوں میں

انگلیاں پھیرتے اپنے بھڑکتے دماغ کو ٹھنڈا کرنے
لگا۔

سنتے ہی تو نہیں ہو تم۔ ابرش کی بھیگی آواز پر زار ان
نے پلٹتے ہوئے اسے دیکھا۔

ابرش اسے بھیگی شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھتے
ہوئے دروازے کی طرف بڑھی۔ وہ اسے بازو سے

جکڑے دیوار کے ساتھ لگا گیا تھا۔
سنوں گا تمہاری بتاؤ مجھے!! میرے اگلے پچھلے
قصور تمہیں آج پھر سے کیوں یاد آ رہے ہیں؟؟۔
کیوں آج پھر مجھے اور میری فیملی کو بغیر توں کی صف
میں لا کھڑا کیا ہے۔ بتاؤ مجھے۔ زار ان کے پوچھنے
کے انداز پر ابرش کھلکھلا کر زخمی سا ہنسی تھی۔

تم نہیں سمجھ سکتے تم میرے دل کی بات بھی جان
ہی نہیں سکتے۔ اگر اس وقت تم جان جاؤ گے میں
کیسا محسوس کر رہی ہوں تو تم مجھے بلڈی سک وومین
کہو گے۔ بہت ترس آ گیا تو مجھ پر تو مجھے حاسد تو
ضرور کہو گے۔ ابرش مسکراتے ہوئے کہتے روپڑی
تھی۔

زاران نے پریشان ہوتے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا۔ وہ
جانتا تھا وہ عابیر اور بہارے کی پریگننسی کی وجہ سے
ایسے ری ایکٹ کر رہی ہے۔ مگر اس کی باتیں اس کا
میٹر شارٹ کر دیتی تھی۔ خود پر قابو پانا مشکل ترین
امر ہوتا تھا۔ جیسے اس وقت ہو رہا تھا۔

ابرش ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے جب اللہ چاہے گا
ہمیں بھی نواز دے گا۔ تم کیوں اتنا محسوس کر رہی
ہو؟؟ زار ان نے اس کے قریب ہوتے اس کے
نیٹ کا دوپٹہ بہت نرمی سے اس کے سر سے اتارتے
اس کے بھگے عارض ہتھیلیوں سے صاف کیے جو
پانی اور آنسوؤں کی وجہ سے نم تھے۔

ابرش ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے جب اللہ چاہے گا
ہمیں بھی نواز دے گا۔ تم کیوں اتنا محسوس کر رہی
ہو؟؟ زار ان نے اس کے قریب ہوتے اس کے
نیٹ کا دوپٹہ بہت نرمی سے اس کے سر سے اتارتے
اس کے بھگے عارض ہتھیلیوں سے صاف کیے جو
پانی اور آنسوؤں کی وجہ سے نم تھے۔

تمہیں غلط لگ رہا ہے مسٹر خانزادہ!!! میں کیوں
محسوس کروں گی؟!۔ میں بلڈی سک ووٹین ضرور
ہوں۔ مگر حاسد نہیں ہوں سمجھے تم!!! ابرش اپنے
عارض دونوں ہتھیلیوں سے رگڑتے ہوئے اس بار
اپنی بھیگی آواز پر قابو پا گئی تھی۔
زاران اسے دیکھتے بے بسی سے جبرے بھینچ گیا تھا۔

تمہیں لگتا ہے میں ابرش بہارے کی پریلنسی کا
سوگ منار ہی ہوں۔ ایسی بات نہیں ہے میں بہت
خوش ہوں۔ اس حویلی کی ساری بہوئیں ایکسپیکٹ
کر رہی ہیں۔ اچھی بات ہے ناں ابرش پاشا سب
سے منفرد ہے۔ جو اس کا سوگ ہے وہ کسی کا کہاں
؟؟ ابرش استھزاسیہ زخمی سا ہنسی

وہ اس کی بات پر چونکا تھا ساری بہوئیں ایکسیکٹ کر
رہی تھیں کا کیا مطلب ہوا۔

حیران ہو رہے ہوناں ساری بہوئیں ایکسیکٹ کر
رہی ہیں سوائے میرے!! تمہارے لالانے سب
کو نہیں بتایا مگر وہ بھی باپ بننے والا ہے۔ ابرش اپنی
بھگی آواز کی شدت پر قابو نہ پاسکی تھی۔

کل لیڈی ڈاکٹر آئی تھی۔ میں نے اس سے جاتے
ہوے پوچھا تھا اس نے بتایا تھا حور بھا بھی بھی
پریگنٹ ہے۔ ابرش اب نظریں جھکائے نیٹ کے
دوپٹے سے اپنے عارض اور ناک رگڑ رہی تھی۔
شاور کا پانی ابھی بھی اس پر برس رہا تھا۔

ابرش کی بات پر زاران پیچھے اپنی لھنی بَیرڈ
انگلیوں سے سہلاتے ہوئے مسکرایا۔
لالا باپ بننے والے ہیں۔ زاران بے یقینی سے خود
سے بولتے چہکا تھا۔
زاران کے چہرے پر خوشی دیکھتے ابرش کی آنکھوں
سے بہتے گرم سیال میں اضافہ ہوا تھا۔ اس سے

لہیں زیادہ اسے اپنے گھر کی خوشیوں کی پرواہ تھی۔
وہ ارحام کے باپ بننے والی بات پر بے حد خوش تھا۔
یہ اس کے چہرے سے عیاں تھا۔ وہ اپنے گیلے بالوں
میں ہاتھ پھیرتے مسلسل مسکرا رہا تھا۔
ابرش میں لالا کے لیے بہت خوش ہوں۔ بہت
زیادہ خوش ہوں۔ لالا کو پیٹا ہو میری کب سے یہ

خواہش ہے۔ لالا کو بیٹے کی خواہش ہے۔ جب گل
بھا بھی لالا کی زندگی میں لالانے ایک بار مجھ سے
اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا

گل بھا بھی نے اپنا بچہ پیٹ میں مار دیا تھا۔ میں جانتا
ہوں لالا اس وقت کتنی تکلیف سے گزر رہے ہوں
گے۔ بچہ کھونے کا غم کیا ہوتا ہے یہ میں اچھی طرح

جانتا ہوں۔ زارا ان یقدم بولتے ہوئے خاموش ہوا
تھا۔

اس کی بات پر ابرش کے چہرے پر جو تکلیف امڈی
تھی۔ وہ وہ پریشان ہوا تھا۔ اس نے اسے زخمی
نگاہوں سے دیکھتے اپنا گلہ جکڑا۔ یقیناً وہ اس کے
لبوں سے اپنے بچے کا کھونے کا غم برداشت نہیں کر

پائی تھی۔ اور یہ لمحہ بہت نازک تھا اسے اس کا عم
بانٹنا تھا وہ اپنا غم ظاہر کر گیا تھا۔

زاران نے خاموش ہوتے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے
ابرش کو دیکھا جو گہرے سانس بھیگی نگاہوں سے
اسے دیکھ رہی تھی۔

ابرش اپنا سیٹ کا دوپٹہ خود سے اتارتے واش روم
کے فرش پر پھینکتی واش روم دکا دروازہ کھولتے باہر
نکل گئی تھی۔

ایک تو بیوی کے سامنے شوہر کو اپنا منہ بند رکھنا
چاہیے کیا پتہ کس بات پر پھانسی کا فتویٰ سنا دیا
جائے۔ زار ان جبرے بھینچتے ہوئے غصے سے

بڑبڑاتے ہوئے اپنی ہتھیلی پر دوسرے ہاتھ کا مکہ مار
گیا تھا۔

زاران جبرے بھینچتے ہوئے واش روم سے نکلتا
کمرے میں آیا۔ ابرش گیلے کپڑوں میں بیڈ پر
اوندھے منہ لیٹی بری طرح رو رہی تھی۔ اس کا پورا
وجود ہچکولے بھر رہا تھا۔

اففف۔۔۔ شادی گلے کا پھندہ ہے وہ بھی اپنی
پسندیدہ عورت سے کرنا تو زندگی کو عذاب بنانا ہے
جو تو بنا چکا ہے منسٹر زاران !! زاران زیر لب
بڑبڑاتے ہوئے گہرا سانس لیتے ابرش کی طرف
بڑھا۔

اپنی کیلی شرٹ اتارتے اس نے زمین پر پھینکی تھی
اپنی بلیک سینڈو بھی اس نے اتار کر زمین بوس کی
تھی۔ ابرش کو کندھے سے جکڑے سیدھا کرتے
اس پر حاوی ہوتا اس پر جھکتے اس کے لبوں پر اپنے
لب رکھے وہ اس کی سانسیں شدت سے گھونٹ گیا
تھا۔ ابرش اس کی بے رحم شدت پر مچل اٹھی تھی۔

زاران کو دونوں ہاتھوں سے دور کرنا چاہا وہ اس کے
ہاتھوں کی انگلیاں اپنے ہاتھوں کی انگلیوں میں جکڑ
گیا تھا۔ اس کی دونوں ٹانگوں پر وہ اپنی ایک ٹانگ
جماتے اس کی پینک ہوتی ٹانگوں کو جکڑ گیا تھا۔
اس کا پہاڑ جیسا وزن ہی اس کی نازک بیوی کے لیے
کافی تھا زاران کے وزن سے ہی ابرش کی سانسیں

جیسے بند ہوئی تھیں۔

زاران اس کے لبوں کو اپنے لبوں سے جکڑے اس
کی سانسوں کو شدت سے پی رہا تھا۔ واش روم میں
اس کا بھڑکتا گیلا بدن اس کے اندر اس کی طلب
کے شرارے دھکا چکا تھا۔ وہ اس کی پسندیدہ عورت
تھی مگر سب سے بڑھ کر وہ اسے اپنا عادی بہت

شدت سے بنا چکی تھی۔ کہاں رات رات بھر اس
سے دور ہوتی تھی۔ اب تو وہ اس کی محبت سے زیادہ
اس کی عادت کا مارا تھا۔

محبت سے جان لیوہ عادت ہوتی ہے وہ یہ کچھ دنوں
سے وہ جان چکا تھا۔ اور عادت بھی اس عورت کی پڑ
جائے جو جان سے زیادہ بڑھ کر ہو تو انسان تو کسی

نشے کا جیسے ایڈریکٹ ہو جاتا ہے اور وہ اپنی
خوبصورت بیوی کا ایڈریکٹ ہو چکا تھا۔
زاران نے اس کے لبوں کو آزاد کرتے اپنی بے
ترتیب سانسوں کو درست کرتے ابرش کی آنکھوں
میں دیکھا جو خود اپنی بے ترتیب سانسوں کو درست

کرتے سرخ چہرے کے ساتھ زار ان کی آنکھوں
میں دیکھ رہی تھی

اگر ابرش پاشا کا سوگ الگ ہے۔ نو۔ نو۔۔
ابرش پاشا نہیں۔ ابرش خانزادہ اونٹلی ابرش
زار ان خانزادہ۔ زار ان نے ابرش کے انداز میں

سردائیں بائیں ہلاتے بولتے ہوئے اپنی مسکراہٹ
دبائے اس کی گلابی بھیگی آنکھوں میں دیکھا تھا۔
اگر ابرش خانزادہ کا سوگ الگ ہے تو مسٹر خانزادہ
کا بھی سوگ الگ ہے۔ پہلے سب کے بچوں کا
ماموں چاچا تایا بنوں گا۔ پھر ان سب کو اپنے بچوں کا
ماموں چاچو تایا بناؤں گا

اور ویسے بھی مجھے اپنی خوبصورت بیوی کے ساتھ
اس بیڈ اور کمرے کے در و دیوار کو ہلا کر رکھنا ہے۔
جتنا منتقم مزاج بندہ ہوں اتنا ہی سیدھا سادہ بندہ
ہوں تبدیلیاں مجھے پسند نہیں ہیں۔ مجھے تو اپنی
شدتوں کا قہر ڈھا کر تمھاری جان عذاب کرنی ہی
ہے۔ یہ الگ بات ہے تمھاری جان عذاب میں

نہیں ڈلتی الٹا میری ڈال دیتی ہو۔ میری بے شرم
بیوی تھکتی ہی نہیں ہوا الٹا اپنے خان کو تھکا دیتی ہو۔
زاران گھمبیر آواز میں بولتے اس کی گردن پر جھکے
وہاں شدت سے دانت گاڑھ گیا۔

زاران پیچھے ہٹو مجھے تمہارے بچوں کی ماں نہیں
بننا۔ ابرش خود کو اس کے حصار سے آزاد کرتے دبی

آواز میں چیخنی تھی

زاران نے اس کی گردن سے چہرہ نکالتے سرخ

آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔

ابرش اس کی آنکھوں کی سرخی دیکھتے ہوئے وہ چہرہ

موڑ گئی تھی۔

تمہیں اپنے بچوں کی ماں ابھی بنانے بھی نہیں
والا۔ ابھی تو مجھے اپنی بیوی کے ساتھ اپنی بے
سکون زندگی مزید بے سکون کرنی ہے۔ زارا ان اس
کا چہرہ دبوچتے ہوئے اپنی طرف کر گیا تھا۔
جانتی ہوں میں تمہارے لیے بے سکون ہی ہوں۔
تو پھر کیوں آتے ہو میرے قریب؟!۔ ابرش بھڑ

بھڑ جلتے ہوئے بولی۔

کیونکہ میری بد سکونی میں ہی میرا سکون ہے۔
میری خوبصورت پلس بے شرم بیوقوف بیوی۔
زاران اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے اوپر کرتے
اس کی فراک کی زپ نیچے کھسکا گیا تھا۔

زاران !! ابرش اس کے حصار میں بری طرح
پھڑپھڑائی تھی۔

زاران نے اس کی فراک اس کی آستینوں سے
نکالتے زمین پر اچھالی۔

زاران چھوڑو مجھے !! ابرش اس کے حصار میں مچلتے
ہوے چیخنی۔

وہ اس کی بلیک سٹریپ میں انگلیاں پھنساتے کھینچتے
ہوئے اسے اپنے قریب کر گیا۔

ایک ہاتھ وہ اس کی کمر میں ڈالے ہوئے تھا۔ ابرش
گہرے سانس لیتے بھیگی نگاہوں سے اس کی طرف
دیکھ رہی تھی۔۔۔ دونوں کی دھڑکنیں ایک
دوسرے کے سینے میں بج رہی تھیں۔

تمہیں اس وقت میری ضرورت ہے میری
خوبصورت بیوی!! ان جادوئی لمحات میں ہی تم
اپنے اندر کا غم بھول سکتی ہو چاہے تھوڑی دیر کے
لیے سہی۔ مگر تم یقیناً اپنے مسٹر کی پناہوں میں
سب کچھ بھول جاؤ گی۔۔ چھوڑ دو ساری باتیں گلے
شکوے۔ خود کو میرے حوالے کر دو!! ہر غم کا

مداوہ میری قربت بن جائیگی۔ زار ان بھاری آواز
میں بولتے ہوئے اس کے نمیشب و فراز پر موجود
آخری کمزور پردہ بھی آزاد کر گیا تھا۔
نہیں ہے تمھاری قربت میرے غم کا مداوہ مسٹر
خانزادہ۔!! ابرش کے بھینگے لب بری طرح
پھڑپھڑائے تھے۔

مگر میرے لیے میرے ہر عم کا مداوہ بھاری
قربت ہے۔ اور میں کچھ ہی دیر میں تمہیں جنت
دکھا دوں گا میری بے شرم بیوی! زار ان بھاری
مخمور آواز میں بولتے اس کے بدن پر موجود آخری
پردہ بھی آزاد کرتے اسے تکیے پر بیٹھ گیا تھا۔

مجھے کمھاری ضرورت نہیں!! کمھاری قربت
میرے غم کا مداوہ نہیں۔ ابرش نے تکیے پر سر پٹختے
ہوے اپنی گردن کو جکڑے گہرے سانس لیے
تھے۔ وہ کمزور پڑ رہی تھی جو وہ نہیں چاہتی تھی
زاران مسکراتے ہوے اس کے ڈھیلے پڑتے وجود
اور اس کی آنکھوں میں اپنی طلب دیکھتے اس کے

اور اپنے درمیان ہر دوری ختم کرتے اس کے بدن
کا خود کو حصہ بنا گیا تھا۔
دور ہو مجھ سے مجھے تمہاری ضرورت نہیں۔
ابرش کمزور سی آواز میں بولتے شدت سے رودی
تھی۔

زاران اس کے لبوں پر جھکتے اس کی آخری کمزور
مزاحمت کو بھی گھونٹ گیا تھا۔

کمرے کے دور دوپوار لرزتے ہوئے دونوں کی

سانسوں کو بھاری کر چکے تھے۔ تھوڑی تھوڑی
دیر بعد ابرش کی کمزور مزاحمت پر وہ اپنی شدتوں کی
بے رحمی میں اضافہ کر دیتا تو ابرش کی کمزوری
مزاحمت بھی دم توڑ دیتی تھی۔
وہ اس کا غم اپنی قربت سے دور کرتے اپنی تشنگی
تھکاوٹ اس کے اندر اندھیلے اس سے دور ہوا تھا۔

پر سکون ہوتے خود پر لمبل لپیٹتے آنکھیں موندتے
اسی لمحے وہ نیند کی گہرائیوں میں چلا گیا تھا۔ زار ان
کی بھاری ہوتی سانسوں میں اور ہلکے مدھم گونجتے
خراٹے ابرش پر باور کروا چکے تھے۔ وہ نیند میں چلا
گیا ہے۔ ابرش نے بیٹھتے ہوئے گہرے سانس
لیتے اپنے بال مٹھیوں میں دبوچتے ہوئے زار ان کو

دیکھا جو اوندھے منہ لیٹے سو گیا تھا۔ ابرش کو اپنا دم
مزید گھٹتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ ابرش نے تقریباً
اپنے بال نوچے تھے۔ وہ اپنے لبوں پر ہاتھ جماتے
سسک پڑی تھی۔

وہ دوسرے لمحے بیڈ سے اترتے زمین پر پڑی زارن
کی شرٹ پہنتے ہوئے واش روم کی طرف بڑھ گئی

تھی۔ دروازے کی دھاڑ پر زار ان نے سوتے میں
ہڑبڑاتے ہوئے اپنی سرخ آنکھیں کھول کر بیڈ پر
نظریں دوڑائیں۔ خالی بیڈ اور واش روم کے بند
دروازے کو دیکھتے زار ان نے اٹھتے ہوئے منہ پر
ہاتھ پھیرا

تیری گناہوں کی لسٹ بہت لمبی ہے زار ان !!! اس

جنم میں تو تجھے معافی نہیں ملنے والی۔ زار ان جبرے
بھینچتے جھنجھلاتے ہوئے ہاتھ مارتے ہوئے سائیڈ
لیمپ زمین پر گرا گیا تھا۔

اسفندیار خان کمرے میں داخل ہوتے اپنا مفلر گلے

سے اتار کر بیڈ پر اچھالتے ہوئے ہوئے ٹیرس کے
کھلے دروازے کی طرف بڑھا۔ اسے بغیر کسی شال
کے وہاں کھڑا دیکھتے اسفندیار خان نے اپنے اشتعال
پر بمشکل خود پر قابو پایا تھا۔ باہر شدید سردی تھی پڑ
رہی تھی ٹھنڈی برفیلی ہوائیں چل رہی تھیں۔ وہ
ریڈ کلر کی گرم پٹھانی فراک میں ملبوس تھی اس کے

لھنے سلی سنہرے بال کمر پر بکھرے تھے۔
کسی گرم کپڑے کے بغیر تو تھی ہی مگر بنا کسی چادر
کے بے پردہ بھی کھڑی تھی۔
خود کو تکلیف دینے کا شوق ہو رہا ہے تو شوق سے دو
مگر میری بیٹیوں کو مت دو!!
اسفند کی سرد آواز پر عابیر نے اپنی بھیگی آنکھیں بے

دردی سے رگڑیں تھیں۔ مگر پلٹ کر اسفندیار
خان کو نہیں دیکھا تھا۔

سنا نہیں کیا کہا ہے تمہیں؟! اسفندیار خان اپنے
اشتعال پر قابو پاتے ہوئے اس کی طرف بڑھتے
جنگل کے دونوں اطراف میں ہاتھ جما گیا تھا۔ عابیر
کی پشت اسفندیار خان کے سینے سے آن ٹکرائی

تھی۔

نہیں سنا اسفندیار خان کو صرف اپنے بچے کی فکر ہے
جب میری فکر کرے گا تو اسفندیار خان کی بات سن
لوں گی میں۔ وہ نروٹھے انداز میں بولی تو اسفندیار
پیٹ پر نرمی سے ہاتھ جماتے ہوئے اسے اس کی
کان کی لو پر اپنے لب رکھ گیا تھا۔ عابیر نے اپنے

پیٹ پر بندھے اسفندیار خان کے ہاتھ ہٹانا چاہے تو
اسفندیار می سے اس کا رخ اپنی طرف پلٹ گیا۔
عابیر کے سرخ گال اور سرخ ناک دیکھ کر اسفندیار
کے چہرے پر پھر سے اشتعال کی سرخی چھائی تھی۔
سردی کی وجہ سے اس کا سرخ گلاب سا چہرہ مزید
سرخ ہو گیا تھا۔

یہ کیا بچپنا ہے عابیر؟؟ تم بغیر کسی گرم شال کوٹ
کے ادھر ٹیسرس پر کھڑی ہو۔ گرم کپڑے کو تو
چھوڑو۔ تمہارے وجود پر کوئی چادر تک نہیں جو
تمہارے بے پردہ وجود کو ڈھانپ سکے۔۔۔ فراک
کی فٹنگ میں اس کی بدن کی گہرائیاں دیکھ کر وہ غصے
سے بولا۔

اسفند یہاں کس کی نظر پڑ سکتی ہے؟؟ اسفند کو غصے
میں دیکھ کر عابیر روہانسی ہوئی تھی۔
نہ بھی پڑے مگر خود کو ڈھانپنے میں کتنی دیر لگتی
ہے۔۔ اور اتنی سردی میں یہاں کیا کر رہی ہو؟؟ تم
اچھی طرح جانتی ہو تمہارا خود سے لاپرواہی برتنا یہ
بچوں والی حرکتیں کرنا میرے بچوں کو بھی تکلیف

میں مبتلا کر سکتا ہے۔ اسفند پریشان ہوتے اس کے
پیٹ پر نرمی سے ہاتھ رکھ گیا تھا۔
عابیر اسفند کی بات پر نروٹھے انداز میں منہ پھیر گئی
تھی۔

عابیر تمھارے روٹھنے سے تمھاری غلطی چھوٹی
نہیں ہو سکتی۔ اسفند اس کے ساتھ کھڑے جنگلے پر

دونوں ہاتھ جماتے سرد آواز میں بولا۔
کونسی غلطی اسفندیار خان؟؟ ایسی بھی کیا غلطی ہو
گئی جو آپ مجھ سے اس طرح بات کر رہے ہیں؟؟
عابیر نے اسفند کی طرف دیکھتے جواباً استفسار کیا۔
منع کیا تھا کہ تم کسی کو نہیں بتاؤ گی جب تک میں
مورے کو نہیں بتا دیتا مگر تم نے بہت پہلے اپنی

مورے کو بتا دیا تھا۔ میری مورے کو کتنی تکلیف
پہنچی ہے جانتی ہو۔ اسفندیار خان نے بھی سر دلچے
میں اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں آنکھیں
گاڑھیں۔

اسفندیار خان!!! آپ کی مورے کو ہر بات سے
تکلیف پہنچتی ہے۔ وہ بات بات پر مجھے طعنے مارتی

ہیں۔ وہ آپ کو نظر نہیں آتا مگر آج آپ کو چھوٹی
سی بات بری لگ گئی کیونکہ وہ آپ کی مورے کو
تکلیف دے گئی ہے۔ عابیر نے اسردی میں گہرا
سانس لیتے اپنے بدن کی کپکپاہٹ پر قابو پایا تھا۔
اسے اسردی کی وجہ سے کانپتے دیکھتے اسفندیار خان
اسے بازو سے جکڑے اپنے سینے سے لپٹائے اس

کے گرد اپنے بازوؤں کا حصار مضبوط کر گیا تھا۔
اسفند!! عابیر اس کے سینے میں سماتی اس کے سینے
پر لب رکھ گئی تھی۔

تم پر غصہ بالکل نہیں اترامیری سفاک پٹھانی۔ تم
نے ٹھیک نہیں کیا۔ اوپر سے اپنی غلطی ماننے کی
بجائے میری مورے کے خلاف بات کر رہی ہو۔

جو مجھے بالکل پسند نہیں آیا۔ وہ جیسی بھی ہیں میں
جانتا ہوں۔ ہر چیز دیکھتا ہوں محسوس کرتا ہوں۔
آئندہ تمہارے لبوں سے اپنی مورے کے خلاف
ایک لفظ نہ سنوں وہ اسے سختی سے خود میں بھینچتے
اس کی کان کی لو کو دانتوں سے کھنچتے سرد لہجے میں
بولا تو عابیر نے بے یقینی سے اسفند سے تھوڑا دور

ہوتے اس کی نیلی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ وہ جب
سے پریگنٹ ہوئی تھی اسفند اس سے بہت نرمی
سے بات کرتا تھا۔

میرا سرخ گلاب!! بیوی جتنی مرضی پیاری ہو جان
سے زیادہ پیاری ہو مگر ماں کا مقام وہ کبھی حاصل
نہیں کر سکتی۔ میرے لیے میری مورے میرا سب

کچھ ہیں۔ میں ہمیشہ چاہوں گا تم ان کی عزت مجھ
سے بھی بڑھ کر کرو۔ اسفند اس کی سرخ ناک کی
ٹپ پر اپنا انگوٹھا رکھ گیا تھا۔
اور وہ جو مجھے طعنہ مارتی ہیں۔ عابیر نے اسفند کی نیلی
آنکھوں میں دیکھتے سنجیدگی سے شکوہ کیا
مجھے بتاؤ وہ تمہیں طعنہ مارتی ہیں۔ میں کچھ کہتا ہوں

یا اس بات پر انھیں سراہتا ہوں۔ الٹا ان سے منہ بنا
لیتا ہوں۔ میں جانتا ہوں وہ مجھے تمہارے قریب
برداشت نہیں کر سکتی۔ مگر میں پھر بھی ان کی پرواہ
کیے بغیر تمہارے آگے پیچھے پھرتا ہوں۔ اب کیا
چاہتی ہو تم کہ وہ تمہیں طعنہ مارے تم انھیں آگے
سے جواب دو۔ اسفند نے جواباً سنجیدگی سے استفسار

کیا۔

میں نے کب جواب دیا اسفند انھیں؟! اسفند کی
بے حد سنجیدگی پر عابیر کے لہجے میں شبہ اتری
تھی۔

آج تمہاری حرکت نے انھیں بے مول کیا ہے
عابیر؟؟ تم نے میرے منع کرنے پر کیوں بتایا اپنی

مورے کو؟

!اسفند ابھی بھی سنجیدہ تھا۔

اسفند وہ بہت حد تک جان چکی تھیں۔ میں ان سے
چھپانہ سکی۔ عابیر نے بھیگے لہجے میں وضاحت دی۔
اسفند اس کے بھیگے لہجے پر گہرا سانس اسے خود میں
نرمی سے سما گیا تھا۔ مجھے اپ سے کوئی بات نہیں

کرنی آپ اس کنڈیشن میں مجھ سے ایسے بات کریں
گے مجھے یقین نہیں آرہا۔ عابیر اس کے سینے پر سر
رکھتے نروٹھے انداز میں شکوہ کر گئی تھی۔

اسفند اسے بازوؤں میں بھرتے گود میں اٹھاتے
کمرے کی طرف بڑھان ٹیرس کادر وازہ اپنی پاؤں
کی ٹھوکروں سے بند کرتے وہ بیڈ کی جانب بڑھتے اسے

نرمی سے بیڈ پر لٹاتے اس پر جھکا۔
عابیر نے اسفند کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس
کی نیلی آنکھوں میں جھانکا۔
کر سکتا ہوں تم سے اس سے بھی سخت لہجے پر بات
کر سکتا ہوں۔ جس طرح تم سیڑھیاں چڑھ کر آئی
ہو اور جس طرح یہاں بغیر کسی گرم کپڑے کے

خود کو تکلیف دے رہی تھی۔ میرا جی کر رہا ہے اس
بات پر تمہیں سخت سزا دوں۔ تمہیں ہمارے بچے
کا خود سے زیادہ خیال کرنا چاہیے اور تم میری محبت
کا ناجائز فائدہ اٹھا کر اس طرح کی حرکت کر رہی
ہو۔ اسفند نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے سرد
لہجے میں اسے ڈپٹا تھا۔

اسفند مجھ سے آپکی ناراضگی اور بے اعتنائی برداشت
نہیں ہوتی۔۔ آپ کو یہ بچہ بہت عزیز ہے اس لیے
آپ سے خفگی کا اظہار کر رہی تھی تاکہ آپ اپنے
بچے کو لے کر پریشان ہوتے کمرے میں چلے آئیں۔
مجھے لگا آپ اپنی مورے کی وجہ سے آج میرے
پاس نہیں آئیں گے۔ مجھے پہلے کی طرح اگنور کریں

گے۔ آپ کو خود کے پاس بلانے کا یہ ہتھیار تھا۔
عابیر اس کے عارض پر ہاتھ جماتے بھگے لہجے میں
بولی تھی۔

اسفندیار قہقہہ لگاتے ہوئے خود تکیے پر ہوتے اسے
اوپر کر گیا تھا۔۔۔

میرا سرخ گلاب!! مجھے اپنی سیٹیاں ہی نہیں ان کی

مورے زیادہ پیاری ہے!! میرا سیاہ سفاک گلاب
میں میری جان بستی ہے۔ تم ہو تو میری سیٹیاں
ہیں۔ میری سفاک پٹھانی۔۔ وہ اسے اپنے پیٹ پر
بٹھاتے اس کی فراک کی زپ نیچے کی طرف کھسکا
کیا تھا۔

اسفند!! عابیر اس کے سینے سے لپٹے سرخ گلاب

ہوئی تھی۔

کیا ہوا میرا گلاب!! اسفند اس کے فراک کے اندر
ہاتھ ڈالتے اس کی برہنہ کمر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے
گھمبیر آواز میں بولا۔

اسفندیہ رات نہیں ہے یہ صبح ہے۔ عابیر اسفندیہ کی
آنکھوں میں جھانکتے مسکراتے ہوئے نظریں جھکا

نئی رہی۔

یہ شمار ہی ہو یا مجھے hint دے رہی ہو کہ تمہارا
بھی موڈ ہو رہا ہے۔ اسفند نے مسکراہٹ دبا ئے
ذو معنی انداز میں پوچھا تو عابیر کی رنگت میں
سرخیاں گھلی تھیں۔

بہت برے ہیں اسفند آپ!! عابیر نروٹھے انداز

میں اس کے اوپر سے اٹھی تھی وہ اسے کمر سے
جکڑے اپنے قریب کر گیا تھا۔

موڈ ہو رہا ہو تو بتاؤ میرا نروٹھا گلاب!! تاکہ میں صبح
صبح اپنے بنے ہوئے موڈ کو مزید ایگریسیو بناؤں۔
اسفند عابیر کی آنکھوں میں دیکھتے شرارتی انداز میں
بولا۔

نہیں ہو رہا بلکل بھی نہیں ہو رہا۔ اس لیے قریب
مت آئیے گا۔ عابیر بھڑ بھڑ جلتی بولی تھی۔
میرا تو ہو رہا خود ہی چیک کر لو۔ اسفند نے اسے خود
کے ساتھ لپٹاتے بے باکی سے آنکھ ماری۔ عابیر کی
رنگت اب خجالت اور شرم سے سرخ ہوئی تھی۔
اسفند!! عابیر نے غصے سے جھکتے ہوئے اسفند کی

گردن میں دانت گاڑھے۔

اسفند خود کے ساتھ مزید لپٹاتے اس کے فرائک
کے اندر ہاتھ ڈالتے بہت بے باکی سے اسے چھو گیا
تھا۔

عابیر نے اسی لمحے اس کی گردن سے اپنے دانت
ہٹائے تھے۔

رمز عشق

تحریر نور آصف

قسط 1 part 154

زر مش نے اپنی سیاہ گرم شال خود پر اچھی طرح
لپیٹتے ہوئے بیڈ سے اٹھتے کمرے میں لگی وال کلاک
کی طرف نظریں دوڑائیں جہاں شام کے چار بج

رہے تھے۔ وہ دبے قدموں سے آہستگی سے کمرے
کے دروازے کی طرف بڑھی۔

!! کچھ دن اور گزار لو میرے پاس !! پھر خود تمہیں
تمہارے باپ حاکم خان کے پاس چھوڑ کر آؤں گا۔
اس ذلیل حاکم خان اور حیدر خان کا چہرہ بھی تو دیکھنا
ہے۔ یقین کرو ان دونوں کے ذلیل چہروں پر

ذالالت دیکھنے کا ارمان برسوں سے آریان خانزادہ کو
ہے!!

آریان خانزادہ کے لفظ ہتھوڑے کی مانند اس کی
سماعتوں پر برس رہے تھے۔ وہ کیا کہہ رہا تھا کیوں
کہہ رہا تھا وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی؟؟۔ دل و دماغ

صدے کی کیفیت سے مفلوج تھا اور بدن نقاہت
ذوہ تھا۔

اتنا جان اور سمجھ پائی تھی وہ صرف !! آریان خانزادہ
اس سے نفرت کی انتہا کرتا ہے۔ ان سبز آنکھوں
میں اس کے لیے نفرت کا اک جہاں آباد تھا۔

زر مش خان نے اپنے گال پر ہاتھ رکھا جہاں ابھی
بھی جھنجھانٹ سی اٹھتی محسوس ہو رہی تھی۔ گال
پر ابھری سی لکیریں انگلیوں کو چھوتی اسے باور کروا
رہی تھیں۔ وہ اپنی انگلیوں کی گہری چھاپ اس پر
چھوڑ چکا تھا جو مٹنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔
زر مش کو تو نا صرف اپنے گال پر بلکہ اپنے وجود سے

بھی اس کے بدن کی مہک اٹھتی محسوس ہو رہی
تھی۔ کوئی مرد آج تک اس کے اتنا قریب نہ آیا تھا
یہاں تک کہ ساحر خان بھی نہیں آیا تھا۔ ساحر
خان نے کبھی اپنے بدن کی خوشبو تک تو دور اپنی
دھڑکنوں تک بھی رسائی نہ دی تھی۔

ساحر!! وہ زیر لب ساحر کا نام پکارتے اپنی گردن پر
ہاتھ رکھا اسے اپنی سانسیں بند ہوتی محسوس ہو رہی
تھیں۔

!! وہ جب میں تمہیں تمہاری حویلی لے کر جاؤں
گا۔ وہ تو تمہیں دیکھتے ہی خود کشی کر لے گا۔ خود کو
شوٹ کر ڈالے گا۔ آخر جو ان خوبصورت بہن اتنے

دن اور راتیں باہر دو دو مردوں کے ساتھ گزار کر
آئی ہے۔ یا ہو سکتا ہے حیدر خان نے ابھی تک خود
کشی کر بھی لی ہو!!

ایسا نہیں ہو سکتا میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ لالا کو مجھ
پر یقین کرنا ہو گا۔ مجھے کسی مرد نے نہیں چھوا۔

زر مش اپنی گردن سے ہاتھ ہٹاتے اپنے بال
مٹھیوں
میں جکڑے ہذیانی چیخ تھی۔ اس کا پورا بدن خوف
اور نقاہت سے لرز رہا تھا۔

!! چخنامت !! ورنہ تمہیں اپنے خونخوار جانوروں
کے آگے ڈال دوں گا۔ بہت دنوں سے بھوکے
ہیں۔ وہ پلک جھپکتے تمہیں چیڑ پھاڑ دیں گے !!
زر مش اپنی چخیں گلے میں ہی گھونٹتے اپنے لبوں پر
ہاتھ جما گئی تھی۔ کل رات کا اس کا وحشیانہ روپ یاد
آیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں وحشی پن یاد آیا تھا۔

زر مش منہ پر ہاتھ رکھتے زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی
اس کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں۔ وہ اب دل پر ہاتھ
رکھے بمشکل سانس لے رہی تھی۔ اسے سانس نہیں
آ رہی تھی۔

زر مش نے دل پر ہاتھ رکھے گہرے گہرے سانس
لیتے اپنی اکھڑتی سانسوں کو بحال کرنے کی کوشش

کی۔

!! اتنا تڑپ کیوں رہی ہو ہاں؟؟ تڑپنا تو مجھے
چاہیے۔۔ آہ گریہ تو مجھے کرنا چاہیے۔ تم جیسی لڑکی
جس کی طرف آریان خانزادہ دیکھنا پسند نہ کرے۔
اسے آریان خانزادہ اپنے جسم کی گرمی دینے والا
ہے۔ تمہیں چھوتے ہوئے دیکھتے ہوئے بھی مجھے

خود سے نفرت ہو رہی ہے!!
زر مش اس کے بے رحم لفظ یاد کرتے اپنے کانوں پر
ہاتھ رکھ چکی تھی۔
!! تمہارے اندر حاکم خان اور رائیہ کا ناپاک خون
دوڑ رہا ہے!!
زر مش اپنے کانوں پر ہاتھ رکھے بری طرح لرز رہی

تھی۔

مم۔۔ مجھے۔۔ یہاں۔۔ نہیں۔۔ رہنا۔۔ مم۔۔
مجھے۔۔ لالا۔۔ کے۔۔ پاس جانا۔۔ ہے۔۔ زر مش
اپنی ٹوٹی بکھرتی سانسوں کو بحال کرتے ہوئے
بمشکل بولتے اپنے نقاہت زدہ وجود کو کھسیٹتے
ہوئے اٹھی تھی۔

زر مش اپنی شال کو اچھی طرح جکڑے کمرے سے
نکلے ہوئے باہر لاونج میں آئی۔ اس نے ساتھ والے
کمرے کی طرف اپنی خوفزدہ نگاہیں دوڑائیں۔ وہ
اس وقت حویلی میں تھا کہ وہ نہیں جانتی تھی۔ پوری
حویلی اس وقت سناٹے میں ڈوبی تھی۔ بچپن سے
اسے تنہائی سے خوف آتا تھا۔ آج تنہائی سے زیادہ

اس انسان کی وحشت اسے مار رہی تھی۔ وہ تو ہمیشہ
اپنے محرم کی محبت قربت کو ترستی رہی تھی۔ بچپن
میں اسے اپنے لیے مورے بابا کی محبت ان کی قربت
چاہیے تھی۔ جب سمجھ آئی کہ مورے اور بابا کی
محبت اس کے لیے بنی ہی نہیں تو وہ حیدر خان کی
محبت کی چاہ کرنے لگے تھی۔ پھر ساحر خان کی محبت

کی چاہ کرنے لگی۔ مگر کسی بھی رشتے کی محبت اس
کا مقدر نہ ٹھہری تھی۔ ساحر خان نہ رہا تھا تو حیدر
خان کی محبت بھی شاید وہ ہمیشہ کے لیے کھو چکی
تھی۔ زر مش دے قدموں سے داخلی دروازے کی
طرف بڑھ رہی تھی۔ اسے ہر حال میں یہاں سے
نکلنا ہی تھا۔

اس وحشی سنی انسان کی حویلی میں وہ مزید ٹھہر نہیں
سکتی تھی۔

وہ دبے قدموں سے حویلی کے لاونج سے ہوتی
داخلی دروازے کی طرف بڑھی۔ اتنی بڑی حویلی
اس وقت سائیں کر رہی تھی۔ زر مش نے داخلی
دروازے کی طرف بڑھتے اس کے ہینڈل پر ہاتھ

جمایا وہ لاکڈ تھا۔ زر مش نے پاگلوں کی طرح ہینڈل
پر ہاتھ جماتے لاک کو کھولنے کی کوشش کی۔ و
لکڑی کا بھاری منقش دروازہ جو چھت تک جاتا تھا وہ
اسے لاک کر کے گیا تھا۔ زر مش ہینڈل پر ہاتھ
رکھتے بری طرح رو پڑی تھی۔
!! کچھ دن اور گزار لو میرے پاس !! پھر خود تمہیں

بمھارے باپ حاکم خان کے پاس چھوڑ کر آؤں گا۔
اس ذلیل حاکم خان اور حیدر خان کا چہرہ بھی تو دیکھنا
ہے۔ یقین کرو ان دونوں کے ذلیل چہروں پر
ذالت دیکھنے کا ارمان برسوں سے آریان خانزادہ کو
ہے!!

آریان خان کی بھاری آواز اس کی سماعتوں سے

مکراتی اس کے حواس معطل کر رہی تھی۔

وہ کیا چاہتا تھا اس کی حاکم خان اور رائینہ سے کیا
دشمنی تھی؟؟ وہ نہیں جانتی تھی مگر اتنا جانتی تھی وہ
شاید اسے اتنی آسانی سے یہاں سے جانے نہیں
دے گا۔ وہ اس پر ترس کھا کر تو یہاں نہیں رکھے
ہوئے تھا۔ وہ تو ایک وحشی درندہ تھا۔ اسے کیا پرواہ

وہ جیے یا مرے۔ زر مش نے اپنے گال پر ہاتھ رکھتے
اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھا جو پھر سے بھوک کی وجہ سے
دہائیاں دے رہا تھا۔

لالا۔۔۔ ساحر خان!! وہ حیدر اور ساحر خان کو
پکارتے ہوئے حویلی کی بڑی سی چھت کی طرف
نظریں جمائے چیخ چیخ کر رو دی تھی۔

وہ وحشی درندہ حویلی میں ہی نہ ہو وہ ڈرتے ہوئے
ایک بار پھر سے اپنے لبوں پر ہاتھ جما گئی تھی۔
آنکھیں خوف سے پھٹنے کی حد تک کھل گئی تھیں۔
اگر اس نے اس لبوں سے ساحر کا نام سن لیا وہ
یقیناً اس کی جان سے مار ڈالے گا۔
وہ۔۔۔ مم۔۔۔ مجھے اپنے خونخوار جانوروں کے آگے

پھینک دے گا۔ وہ زیر لب بڑبڑاتے ہوئے اپنے
لبوں پر ہاتھ جماتے ہوئے دروازے کے ساتھ ٹیک
لگائے سسکتے ہوئے زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی
آریان خانزادہ اس کی زندگی کا nightmare
بن چکا تھا۔

وہ اس سے ایسے خوف کھائے بیٹھی تھی جیسے وہ

bloodthirsty wolf ہو۔ جیسے وہ

bloodthirst beast ہو۔

Bloodthirst beast

,bloodthirsty beast

وہ اسے زیر لب کپکپاتے لبوں سے یہ نام دے کر
اپنے منہ پر ہاتھ جما چکی تھی

!! میں scariest animal ہوں۔ آریان

خانزادہ scariest animal ہے۔ !!

وہ اس کی غراہٹ یاد کرتے خوف سے گھٹنوں میں
سر دے گئی تھی۔

وہ کافی دیر تک گھٹنوں میں سر دیے آریان خانزادہ
کے خوف سے لرزتی رہی تھی۔ زر مش نے گھٹنوں

سے سراٹھائے اس پر سرار بڑی حویلی کو دیکھا۔ وہ
یہاں نہیں رہ سکتی تھی اسے اس وحشی درندے کی
پناہوں سے جاننا ہی تھا۔ وہ اپنی تمام تر ہمت مجتمع
کرتے خود کو گھسیٹتے ہوئے اٹھی تھی۔ وہ اب تیز
تیز قدموں سے آریان خانزادہ کے کمرے کی
طرف بڑھ رہی تھی۔

اس کارواں رواں ایک ہی دعا کر رہا تھا وہ وحشی
درندہ اس حویلی میں نہ ہو۔

اس نے لرزتے ہاتھوں سے آریان خانزادہ کمرے
کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا وہ دروازہ کھولتے ہوئے
دھڑکتے دل کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔ اس کا
پورا وجود پسینے سے تر تھا۔

بدن بری طرح کپکپا رہا تھا۔ کمرے کی لائٹس آف
تھیں۔ کمرے میں اس کی وحشی خوشبو پھیلی ہوئی
تھی۔ جو پوائزن کی طرح اس کی رگوں میں دوڑتے
خون کو نیلا کرتے زہریلا کر رہی تھی۔ زر مش نے
اس خوشبو میں گہرے سانس لیتے دیوار پر ہاتھ
مارتے ہوئے سوٹیج بورڈ پر تلاش کرتے کاہنتی

انگلیوں سے بٹن پر یس کرتے کمرے کے علائقے
جلائیں۔ پورا کمرہ اسی ٹائم روشنیوں میں نہا گیا تھا۔
زر مش نے یکدم آنکھوں پر ہاتھ رکھا۔ وہ اگر اس
کمرے میں ہوا اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا وہ
سوچ کر ہی خوف و دہشت سے مرنے والی ہو رہی
تھی

وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے کپکپاتے بدن کے
ساتھ کافی دیر تک کھڑی رہی تھی۔۔۔ پورا بدن
ہچکولوں کی نذر تھا۔

وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے تھر تھر کانپ رہی تھی۔
یکدم اسے اپنے پاؤں سے ہوتے کچھ پنڈلیوں پر
ریگنتا محسوس ہوا تھا۔ زرمش کی خوف سے سانسیں

رکی تھیں۔ زر مش نے آنکھوں سے اپنے کپکپاتے
ہاتھ ہٹاتے اپنی فراک کو پکڑتے گھٹنوں سے تھوڑا
اوپر کیا۔

خوف سے اس کی دھڑکنیں ساکت ہوئی تھیں۔
آنکھوں کی پتلیاں خوف سے سکڑی تھیں۔
سیاہ کلر کا بچھواس کی پنڈلیوں سے لپٹا اوپر کی جانب

بڑھ رہا تھا۔ زر مش خوف سے چیختے ہوئے بری
طرح اچھلی۔۔ وہ حلق کے بل آنکھیں میچے ہڈیانی چیخ
رہی تھی۔ کمرہ اس کی چیخوں سے لرز رہا تھا۔
اس کی خوفناک چیخیں کمرے کو تھر تھرا رہی تھیں۔
زر مش نے آنکھیں کھولتے ہوئے اپنی پنڈلی دیکھی
وہ بچھو اس کی پنڈلی پر اب نہیں تھا مگر وہ چیخیں ابھی

بھی مار رہی تھی۔ زر مش نے روتے ہوئے اپنے
کپڑے جھاڑتے اپنی شال اتار کر دور پھینکی۔ اب وہ
پاگلوں کی طرح اپنے بدن کے ہر حصے کو ہاتھوں سے
چھوتے خود کو چیک کر رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا
ابھی بھی اس کے بدن پر وہ بچھورینگ رہا ہے۔ وہ
چاروں طرف خوف سے دیکھتے دیوار میں سمائے تھر

تھرکانپ رہی تھی۔ وہ بچھو اب سامنے دیوار پر
رینگ رہا تھا۔ وہ دیوار پر چڑھتے کمرے میں رکھے
ایک اونچے سے ٹیبل پر پڑے شیشے کے باکس میں
چلا گیا تھا۔ اس جار میں مٹی بھی اور چھوٹے چھوٹے
پتھر بھی تھے۔

۔ زر مش اپنی چنچیں لبوں میں دبائے تھر تھر کاٹتی

اس بچھو کو دیکھ رہی تھی۔ ایسے ہی بچھو کا ٹیٹو اس
وحشی درندے کے بازو پر بنا تھا۔ وہ خوف سے
آنکھیں پھیلانے شیشے کے باکس سے نظر آتے بچھو
کو دیکھ رہی تھی۔ اس وحشی انسان نے بچھو pet بنا
کر رکھا تھا۔ وہ بے یقین تھی۔ وہ تو سچ میں
scariest animal تھا۔ زرمش کے دل

میں اس انسان کے لیے خوف مزید بڑھ گیا تھا۔
زر مش گہرے سانس لیتے اپنے عارض پر بہتے آنسو
بے دردی سے صاف کرتے بیڈ کے سائیڈ ٹیبلز کی
طرف بڑھتے ڈرار کھولتے داخلی دروازے کی
چابیاں تلاش کرنے لگی۔
وہ کانپتے ہاتھوں سے ڈرارز کی تلاشی لے رہی تھی۔

نگاہیں بار بار پلٹ کر اس بچھو کی طرف جارہی تھی۔
ہر تھوڑی دیر بعد اس کا جسم بری طرح خوف سے
جھنجھناتا تو وہ اپنی ہچکی اپنے لبوں میں دباتے اپنے ڈر پر
قابو پانے کی ناکام سعی کرتی۔۔

اپنے بدن پر اس بچھو کا رینگنا بھی بھی محسوس ہو رہا
تھا۔۔ زر مش نے روتے ہوئے سائیڈ ٹیبل کے

دراز کی اچھی طرح تلاشی لی۔ مگر وہاں چابیاں نہیں
تھیں۔ وہ زمین پر بیٹھتے ایک بار پھر سے بے بسی
سے رودی تھی اب تو اسے ہر حال میں یہاں سے
جانا ہی تھا۔ موت گوارا تھی مگر اس وحشی انسان کے
ساتھ ایک چھت تلے رہنا گوارا نہ تھا۔
اسے اس کی پناہوں سے جاننا ہی تھا۔

زمین پر بیٹھے وہ ایک بار پھر سے خوف سے اچھلتی
کھڑی ہوئی تھی۔ وہ بچھو پھر سے اپنی پنڈلی پر رینگتا
محسوس ہوا۔ زر مش نے کانپتے ہوئے اس جار کی
طرف دیکھا بچھو اس جار میں ہی موجود تھا۔ وہ گہرا
سانس لیتے اپنی کپکپاہٹ پر قابو پاتے بیڈ کے
دوسری سائیڈ ٹیبل کی طرف بڑھی۔

اس نے جھکتے ہوئے وہ ڈرار کھول کر اس کی تلاشی لی
۔ مگر چابیاں وہاں بھی نہیں تھیں۔

وہ اپنے بال مٹھیوں میں نوچتے ہوئے ہذیانی رو
پڑی۔۔

وہ گہرے سانس لیتے اس شیشے کے باکس کو دیکھتے وہ
کمرے کے ڈریسنگ روم کی طرف تیزی سے بڑھی

ڈریسنگ روم میں داخل ہوتے اس کی آنکھیں تھیر
سے پھیلیں تھیں۔ اسے لگا تھا وہ کسی جدید فینسی مال
میں آگئی ہو۔

ڈریسنگ روم کمرے سے کہیں زیادہ بڑا اور شاندار
تھا۔ ہر طرف ٹرانس پیرنٹ گلاس الماریاں بنی

تھی۔ جس میں اس کے سوٹ کوٹ ہر چیز ترتیب
دار سچی تھی۔ اس کے ڈھیروں جوتے سب کی الگ
الگ جگہ بنی تھی۔ ڈریسنگ روم خوبصورت لائٹس
میں جگمگا رہا تھا۔ الماریوں کے اندر بھی لائٹس جل
رہی تھی۔ چھت پر لگے فینسی جھومر کا عکس سفید
جگمگاتے ماربل کے فلور پر پڑ رہا تھا۔ ایک طرف

بہت خوبصورت فینسی گول مرر لگا تھا۔ جو کہ بہت
بڑا تھا جس کے گرد جدید لائٹس نصب تھیں۔ اس
کے آگے مختلف ڈرارز پر مشتمل ڈریسنگ ٹیبل
نصب تھی۔ کمرے کے وسط میں خوبصورت سی
ٹیبل صوفے اور کرسیاں رکھی تھیں۔ زر مش
احتیاط سے اس مرر کے آگے رکھی اس جدید ٹیبل

کی طرف بڑھی۔ جو بہت زیادہ ڈرارز پر مستعمل
تھی۔ زر مش نے کانپتے ہوئے وہ ڈرارز کھولے۔
جس میں بہت ترتیب وار اس کی برینڈ ڈگھڑیاں اس
کی شرٹس کے سٹنٹ اس کی چیزز بریسلٹ تھے۔ یہ
کلیکشن بھی بہت بڑی تعداد میں تھی۔ زر مش نے
حیران ہوئی تھی کسی مرد کے پاس اتنی تعداد میں یہ

سب کچھ بھی ہو سکتا ہے وہ حیران تھی۔ وہاں اس
کی چیزوں کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ زر مش نے
روتے ہوئے بے بسی سے مرر میں دیکھا۔ اپنے
چہرے کو دیکھ کر وہ رو پڑی تھی اس کے گال پر اس
انسان کی انگلیوں کی چھاپ اتنی گہری ہو گئی یہ اسے
اندازہ نہ تھا۔ اس کی انگلیوں کا تو اس کے گال پر ٹیٹو بنا

تھا۔ جبڑے کے اطراف میں بھی اس کی انگلیوں کا
نشان تھا۔ آنکھیں متورم سو جی ہوئی تھی۔ اس
کے چہرے پر اس کے اپنے عکس کا شائبہ تک نہ تھا۔
آنکھوں تک میں اس انسان کا خوف پانیوں کی مانند
ٹھہرا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ تو زرمش خانزادہ رہی نہ
تھی وہ تو غم کی بے بسی کی تفسیر بنی کھڑی تھی۔ جس

کے چہرے کے خوبصورت نقوش پر آریان خانزادہ
کی دی ہوئی گہری بے رحم سوغاتیں تھیں۔
وہ اپنے آنسو اپنی ہتھیلیوں سے بے دردی سے صاف
کرتے ہوئے کمرے ایک اور گلاس مرر ڈور کی
طرف بڑھی۔۔ گلاس ڈور پر ہاتھ رکھنے کی دیر تھی
وہ خود بخود کھل چکا تھا۔ زر مش مزید حیران ہوئی

تھی۔ یہ کمرہ پہلے سے بھی زیادہ بڑا تھا۔ یہاں بھی
مختلف الماریاں بنی تھیں۔ یہاں بھی اس انسان کی ہر
چیز ترتیب سے سجی تھی۔

وہ سمجھ گئی تھی وہ صرف scariest animal
نہیں بلکہ ایک self obsessed person
بھی تھا۔ زر مش نے آگے بڑھتے مختلف ڈرارز

کھولتے ہوئے چابیاں تلاش کیں۔
یہاں بھی اس کی چیزیں ترتیب سے سجی تھیں۔
آہستہ۔۔۔ زر مش نے چیختے ہوئے اس کے امپورٹڈ
گھڑیاں پکڑتے زمین پر دے ماریں تھیں۔۔۔ وہ چیختے
ہوئے اس کی قیمتی چیزیں مرر فلور پر پھینکتی جا رہی
تھی۔ زر مش نے آگے بڑھتے کبرڈ کھولتے اس کے

کھولتے ہوئے چابیاں تلاش کیں۔
یہاں بھی اس کی چیزیں ترتیب سے سجی تھیں۔
آہستہ۔۔۔ زر مش نے چیختے ہوئے اس کے امپورٹڈ
گھڑیاں پکڑتے زمین پر دے ماریں تھیں۔۔۔ وہ چیختے
ہوئے اس کی قیمتی چیزیں مرر فلور پر پھینکتی جا رہی
تھی۔ زر مش نے آگے بڑھتے کبرڈ کھولتے اس کے

تھری پس سوئس مختلف برینڈ ڈکپڑے نکالتے
نفرت سے زمین پر پھینکے تھے۔ وہ ہڈیاں چبختے ہوئے
اس کی مختلف چیزیں نکالتے زمین پر پھینکتی جا رہی
تھی۔

وہ کچھ لمحوں میں آریان خانزادہ کے ڈریسنگ روم کا
حشر لگاڑ چکی تھی۔

زر مش نے روتے ہوئے اپنے بال مٹھیوں میں
جکڑے۔

آہہ۔۔۔ وہ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے چیختی جا
رہی تھی۔ اس طرح بے دردی سے چیخنے سے اس
کا گلہ بیٹھ چکا تھا۔ وہ گردن کو دونوں ہاتھوں سے
جکڑے کبرڈ کے ساتھ ٹیک لگائے سسک پڑی

تھی۔ دوسرے لمحے وہ ڈریسنگ روم سے تیزی سے
نکلے کمرے میں آئی تھی اور تیزی سے کمرے سے
نکلے ہوئے کچن کی طرف تیزی سے بڑھی۔
اسے ہر حال میں اس انسان کی پناہوں سے جانا ہی
تھا۔

کچن کا حال بھی وہ بگاڑ چکی تھی مختلف کیبنٹس

کھولتے مختلف شیشوں کے جار زمین پر پھینک کر توڑ
چکی تھی۔

آہستہ۔۔۔۔۔ زر مش نے چیختے ہوئے کچن کو دیکھا
جہاں ڈرائے فروٹس بسکٹ چاکلیٹس زمین پر کانچ
کے ساتھ بکھری پڑی تھیں۔ زر مش یہ سب دیکھتے
روپڑی تھی۔ پیٹ پر ہاتھ رکھے اپنے اندر اٹھتی

بھوک کی حوس کو مٹانے کی ناکام سعی کی۔ دوسرے
لمحے وہ خود پر بے حسی کا لبادہ اوڑھ کر کچن سے نکل
آئی تھی۔ اس وحشی انسان کا اسے کچھ نہیں کھانا پینا
تھا۔ نہ اس انسان کی حویلی میں سانس لینا تھا۔ وہ کچن
سے نکلتے باہر آئی۔ اس کے قدم ٹھہرے تھے۔
آنکھیں بے یقین ہوئی تھیں۔ لاونج کی ٹیبل پر

چابیوں کا گچھا پڑا تھا۔
زر مش نے بے یقینی سے اس چابیوں کے گچھے کو
دیکھا۔ دوسرے لمحے اس نے بھاگتے ہوئے ٹیبل
کی طرف بڑھتے ہوئے وہ چابیوں کا گچھا پکڑتے
ہوئے اپنی مٹھیوں میں ایسے دبو چا۔ جیسے اسے ہفت
اکلیم کی دولت مل گئی ہو۔

وہ گہرے سانس لیتے اپنے بدن کی تھر تھراہٹ پر
قابو پار ہی تھی۔

زر مش بھاگتے ہوئے داخلی دروازے کی طرف
تیزی سے بڑھی۔ وہ کپکپاتے ہاتھوں سے ایک ایک
کرتے وہ چابیاں لاک میں لگا رہی تھی۔ دل برق
رفتاری سے دھڑک رہا تھا۔ سانس دھونکنی کی مانند

چل رہا تھا۔ ہاتھوں کی کپکپاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔
ساتھ ساتھ وہ شدت سے روتے ہوئے عارض پر
بہتے ہتھیلیوں سے اپنے آنسو صاف کر رہی تھی۔
یا خدا!!! آخری چابی لگاتے ہوئے اس نے چھت کی
طرف دیکھتے ہوئے ہذیانی چیختے ہوئے خدا کو مدد کے
لیے پکارا تھا۔

آخری چابی لاکڈ میں گھومی تو زر مش کا دل و دماغ
بے یقین ہوا تھا۔ اپنی خوش قسمتی پر اسے یقین نہیں
آیا تھا۔ کہاں اس کی دعائیں پوری ہوتی تھیں۔ اس
وقت تو سچے دل سے صرف اپنے رب سے اس لاکڈ
کے کھلنے کی دعا کی تھی۔

زر مش نے ہینڈل پر ہاتھ رکھتے لکڑی کا بڑا سا منقش

بھاری دروازہ اپنی پوری فورس لگا کر کھولا
ٹھنڈی برفیلی ہواؤں نے اس کا استقبال کیا تھا۔
برفیلی ہواؤں نے اس کے اندر دوڑتے خون کو
منجھند کر دیا تھا۔ وہ

وہ جلدی سے باہر نکلتے اپنی پوی قوت لگا کر بھاگنے
لگی۔ اس انسان کا خوف اسے ہر چیز سے بے نیاز کر

چکا تھا۔ بےوک نقاہٹ تھکاوٹ بیماری سردی ہر
چیز سے بے نیاز کر چکا تھا۔ اسے اندھیرا ہوتے اس
وحشت برساتی حویلی اور bloodythirsty
beast کی پناہوں سے ٹکنا ہی تھا۔ طویل
کارپورچ ختم ہی نہیں ہو رہا تھا۔ بالکل اس کی زندگی
کی سزاؤں کی طرح۔ اسے یقین تھا جیسے یہ کار

پورچ بھی ختم نہیں ہوگا۔ وہ اپنے آنسو صاف
کرتے بھاگتی جا رہی تھی۔ یکدم وہ رکی تھی۔ اس نے
رکتے ہوئے خود کو دیکھا۔ اس کے وجود پر شال نہیں
تھی۔ اس ریڈ فرائ میں اس کی رعنائیاں صاف
ظاہر تھیں۔ پتہ نہیں یہ کس کافر اک تھا مگر اس کے
جسم پر بہت فٹنگ میں تھا۔ اس کے کندن نشیب و

فراز ڈھلکتے ہوئے اپنی جو بن پر چار چاند لگائے ہوئے
تھے۔ اس کی لہروں جیسی کمر بھی بہت واضح ہو رہی
تھی۔ اگلہ پچھلا گلہ بھی گہرا تھا۔
زر مش خود کو دیکھتے افیت سے آنکھیں میچ گئی۔
خانزادی تھی بھلا کب کسی کے سامنے عیاں ہوئی
تھی؟؟۔ وہ باہر نکلتے ہوئے پوری چادر میں لپیٹ کر

خود کو نکلتی تھی۔ صرف اپنا چہرہ کور نہیں کرتی تھی
مگر چادر سے اپنے بال اور اپنے جسم کو ضرور چھپاتی
تھی۔ زر مش نے روتے ہوئے سامنے نظر آتے
بلند سر سبز پہاڑوں کو دیکھا۔۔ جہاں کچھ ہی دیر میں
نارنجی سرد کھٹھڑتی شام اترنے والی تھی۔ وہ پلٹتے
ہوئے ایک بار پھر سے برق رفتاری سے بھاگنے لگی

۔۔ اب کی بار اس کے قدموں کا رخ داخلی
دروازے کی طرف تھا۔ وہ روتے بھاگتے ہوئے
داخلی دروازے کی طرف ہانپتے ہوئے بھاگتی جا رہی
تھی۔۔ وہ واپس اس وحشت برساتی حویلی جا رہی
تھی اب اس وحشی درندے کے خوف سے بھی
زیادہ اپنے بے پردہ ہونے کا خوف اس کے پور پور

میں شدت سے سمایا تھا اور عزت کا خوف سارے ڈر
خوف سے بڑھ کر تھا۔

داخلی دروازے کی طرف آتے اس نے رک کر
گہرے سانس لیتے اپنے چکراتے سر کو تھاما وہ جلدی
سے اندر داخل ہوتے اب اس وحشی درندے کے
کمرے کی طرف طرف بھاگنے لگی۔ اس کے کمرے

کا دروازہ کھولتے وہ اندر داخل ہوئی۔ زمین پر پڑی
اپنی شال اٹھاتے ہوئے وہ خود کے وجود پر اچھی
طرح لپیٹ گئی۔ دوسرے پل وہ چیختے ہوئے شال
خود سے اتارتی دورا اچھال گئی تھی۔ اسے اپنے وجود پر
پھر سے کچھ رینگتا محسوس ہوا تھا۔ زر مش نے
چیختے ہوئے کمرے میں رکھے شیشے کے باکس کو

دیکھا وہ بچھو اس کے اندر موجود تھا۔ زر مش یکدم
دل پر ہاتھ رکھے ہنستے چلی گئی تھی۔ وہ ایک بار پھر
سے اس بچھو کو دیکھتے رو پڑی تھی۔ اس نے اپنے
بال مٹھیوں میں دبو چتے گہرے سانس لیے۔ وہ اگر
اس انسان کے ساتھ مزید رہی اسے یقین تھا وہ پاگل
ہو جائے گی اور وہ ہو رہی تھی۔ اس انسان کا

خوف اسے پاگل کر رہا تھا۔ زر مش اپنی شال زمین
سے اٹھاتے اچھی طرح خود پر اوڑھتے ہوئے تیزی
سے کمرے سے نکل آئی تھی۔ لاونج میں آتے اس
کے قدم رکے تھے۔ اس نے ایک نظر کچن کو دیکھتے
پیٹ پر ہاتھ رکھا۔ وہ سرنفی میں ہلاتے تلخی سے ہنسی
تھی دوسرے لمحے برق رفتاری سے بھاگتے ہوئے

لاونج سے نکلتے کارپورچ میں آئی۔
وہ برق رفتاری سے بنار کے بھاگتے ہوئے گیٹ تک
پہنچی۔

اس کا بدن بری طرح ہانپ رہا تھا آخر کار وہ طویل
کارپورچ طے کر آئی تھی۔ اس نے اپنے کپکپاتے
ہاتھوں سے پوری کو شش کرتے ہوئے اپنی پوری

قوت لگاتے سلائیڈنگ گیٹ کو کھولنے کی کوشش
کی۔ مگر وہ بری طرح ہانپ گئی تھی۔ وہ ایک انچ بھی
اس گیٹ کو کھسکا نہیں سکی تھی۔

زر مش کو یاد آیا تھا اس وحشی درندے نے کل ایک
ہاتھ سے بڑے آرام سے اس آہنی گیٹ کو کھول لیا
تھا۔ مگر اب تو وہ ایسے جام تھا جیسے دیوار ہو۔ وہ تو

شاید پہاڑ بھی کھسکا دے اتنا تو مضبوط اور دہشت
ناک دکھتا تھا۔ زر مش نے اس کی چوڑی کسرتی چٹانی
بھاری بھر کم باڈی یاد کرتے خوف سے جھر جھری لی
۔ وہ اپنے وزن سے سانسیں بند کرنا جانتا تھا۔ کل
رات اس کے بھاری بھر کم وجود کے نیچے اس کی
سانسیں سینے میں دبے کتنی تیزی سے خاموش ہوئی

تھیں۔ اگر وہ کچھ دیر اور اسے اپنے نیچے رکھتا یقیناً وہ
سانسیں ہار جاتی۔

زر مش نے ایک دو بار اور کوشش کرتے گیٹ
کھولنے کی کوشش کی مگر وہی ڈھائی کے تین
پات!!۔۔۔

زر مش نے گہرے سانس لیتے اس گیٹ کی لمبائی

ماپی۔

وہ اس پر آسانی سے چڑھ کر دوسری طرف کود سکتی
تھی۔

وہ پہاڑوں میں رہنے والی خانزادی تھی شہر میں
رہنے والی نرم و نازک لڑکی تھوڑی تھی۔۔۔ وہ یہ کر
سکتی تھی۔ آخر ان پہاڑوں کی کوئی تو خصوصیت تو

اس میں ہوگی۔ اور بھی بھی۔۔۔ اگر اس کی جگہ
کوئی اور لڑکی ہوتی وہ اس bloodthirsty
beast کی دہشت سے خوف سے اگلی سانس بھی
لے نہ پاتی۔ مگر اس کی سانسیں چلنا اس بات کی گواہ
تھیں وہ پہاڑوں جیسی کہیں نہ کہیں مضبوط ہے۔۔
زر مش نے اہنی گیٹ کو دیکھ کر گہرے سانس لیے

وہ اس کی لوہے کے گیٹ کو ہاتھ ڈالتے اوپر چڑھنے لگی۔ اس کے نازک ہاتھ اس جنگلے اور مضبوط لوہے کے گیٹ کو جگہ جگہ جکڑنے سے سرخ ہو رہے تھے۔ وہ اپنی پوری کوشش کر کے اوپر چڑھ رہی تھی۔ اس پہاڑوں جیسی مضبوط خانزادی کے لیے کچھ فٹ کا گیٹ چڑھنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔ مگر

موت کے خوف سے لہیں زیادہ زندہ بچ کر اس
وحشی درندے کی بے رحم پناہوں میں واپس جانا
افیت ناک تھا

بہت مشکل سے وہ گیٹ کے اوپر چڑھنے میں
کامیاب ہوئی تھی۔ اس کی شال اس کے ایک
کندھے پر لہرا رہی تھی۔ بال کھلے ہوئے تھے۔۔

اس نے دوسرے طرف کی زمین کا جائزہ لیا تھا کہ وہ
کو دسکے۔ یکدم وہ جمپ کرتے رکی تھی۔ گیٹ پر
چوکیدار کھڑا تھا جس کا منہ اس کے مخالف سمت
تھا۔ وہ فون پر کسی سے بات کرنے میں مصروف
تھا۔ زر مش کی خوف سے سانسیں رکی تھیں۔
زر مش جلدی سے گیٹ سے نیچے کی طرف دوبارہ

اترنے لگی۔ اس نے نیچے پہنچتے دو تین فٹ سے
چھلانگ لگائی۔

گیٹ پر چوکیدار ہونے کا مطلب تھا وہ کہیں نہیں جا
سکتی تھی۔ زر مش نے اپنے چکراتے سر کو دونوں
ہاتھوں سے جکڑو۔ وہ کسی صورت اندر واپس نہیں
جاسکتی تھی۔

زمرش نے لان سے نظر آتے لھنے جنگل کو دیکھا جو
کئی میل پر تھا۔ یقیناً اس طرف باہر کوئی نہ کوئی
راستہ ہو سکتا تھا۔ زمرش نے بنا سوچے سمجھے اب
اس جنگل کی طرف دوڑ لگادی تھی۔ وہ بنار کے برق
رفتاری سے بھاگ رہی تھی۔ اب اسے رکنا نہیں تھا
اسے یقین تھا وہ ادھر سے نکل جائے گی۔

ابھی اندھیرا نہیں ہوا تھا۔ وہ آسانی سے یہاں سے
نکل سکتی تھی۔۔۔ زر مش پوری رفتار سے بھاگ رہی
تھی۔۔۔ حویلی کے اندر اتنا بڑا جنگل ہو گا وہ بے یقین
تھی۔ مگر یہ جنگل سچ میں میلوں پر پھیلا تھا۔ جہاں
سے پہاڑ واضح طور پر نظر آرہے تھے اور بہتے دریا کی
آواز بھی آرہی تھی۔۔۔

وہ بنار کے زندہ رہنے کے خوف سے بھاگ رہی
تھی۔۔ مرنا اب گوارا تھا۔ اس انسان کی پناہوں میں
واپس جانا گوارا نہ تھا۔ یکدم اس کے قدم خوف سے
رکے تھے۔ اسے اپنے پیچھے خون اشام بھیڑیے کی
آواز سنائی دی تھی۔۔ اس نے خوف سے پیچھے مڑ کر
دیکھا۔ وہاں واقعی ایک براؤن اور سفید کلر کا بھیڑیا

تھا۔ زر مش کی سانس اوپر کی اوپر نیچے کی نیچے ہوئی
تھی۔

وہ اسے اپنی سیاہ جلتی آنکھوں سے دیکھتے اپنی زبان

اور دانت باہر نکالے ہوئے تھا۔ زر مش کا پورا بدن
شدید خوف کے اثر زلزلے کی مانند لرز رہا تھا۔
سانس سینے میں دبتی خاموش ہوئی تھیں۔

ژر مش نے بہت احتیاط سے اپنے قدم پیچھے کی طرف
بڑھائے۔ وہ پہاڑوں میں رہنے والی تھی یہاں

بھیڑے ہوتے ہیں وہ جانتی تھی۔ ان کا مقابلہ کیسے
کیا جاتا ہے۔ تھوڑا بہت سن بھی رکھا تھا۔ سامنے
کھڑا جانور جتنا خطرناک تھا اتنا ہی ہوشیار تھا وہ پلک
جھپکتے اسے چیر پھاڑ سکتا تھا۔ خوف سے زر مش کے
پورا وجود پسینے سے نہلا چکا تھا۔ اس
bloodthirsty beast سے جان اگر

چھوٹی تھی تو اس bloodthirsty wolf
میں آکر اس کی جان آٹک گئی تھی دونوں میں سے
کون زیادہ خطرناک تھا وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی مگر
خوف سے اس کا رواں رواں لرز رہا تھا۔ وہ اتنی درد
ناک موت نہیں مرنا چاہتی تھی۔ وہ جانتی تھی جب
تک وہ اسے دیکھتی رہے گی وہ بھی ایسے کھڑا دیکھتا

رہے گا۔ اس کے حرکت کرنے پر وہ اس پر حملہ کر
دے گا۔ خوف سے زرمش کی ٹانگیں بہت بری
طرح کانپ رہی تھیں۔ وہ مزید نہیں ٹھہر سکتی تھی۔
بہت جلد اس کے قدم اس کے جسم کا ساتھ چھوڑ
دیتے وہ اس بھیڑیے کے سامنے ڈھیر ہو کر اس کا
آسان شکار بن جاتی۔ وہ اتنی دردناک موت نہیں

مر سکتی تھی۔

زر مش نے اگلے لمحے پوری قوت سے بھاگنا شروع
کر دیا تھا۔ بھیڑ یا بھی اس لمحے پیچھے بھاگتا تھا۔ زر مش
کی شال اتر کر زمین بوس ہو چکی تھی۔ ایک شوز
بھی اس کے پیروں سے نکل چکا تھا۔ وہ پیچھے دیکھے
بغیر برق رفتاری سے بھاگ رہی تھی۔ وہ سمجھ چکی

کھی کچھ ہی لمحوں میں اس کا جسم یہ بھیڑیا چیر پھاڑ
دے گا۔

یا خدا! زرمش نے چیختے ہوئے ایک بار پھر سے اپنے
رب کو پکارا تھا۔ مگر اب اس کی آواز نہیں نکلی تھی۔
وہ آسمان کی طرف اب دیکھتے بھاگ رہی تھی
یکدم پتھر سے اس کا پاؤں ٹکرایا تھا۔ وہ لڑکھڑاتے

ہوے منہ کے بل گری تھی۔ اس نے سیدھے
ہوتے اپنے سامنے دیکھا پھیڑیا اس سے ساٹ تقریباً
تیرہ چودہ فٹ کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ نے تھا۔
زر مش پیچھے کو کھسکتے ہوئے اپنے پاس یڑا ایک چھوٹا
ساپتھرا اٹھاتے اس بھیڑیے کو دے مارا تھا ض۔ وہ
پتھر اس بھیڑیے کی آنکھ پر جا کر لگا تھا۔ وہ پوری

قوت سے زر مش کو دیکھتے غرا اٹھا تھا۔ دوسرے
لمحے بھیڑیا مخالف سمت بھاگا تھا۔

زر مش گہرے سانس لیتے زمین سے اٹھی تھی اگلے
لمحے وہ اٹھ کر بھاگی تھی۔ اپنے پیچھے اسے بھیڑیے

کی خوفناک آواز سنائی دی تھی۔ زر مش نے پیچھے مڑ
کر دیکھا وہ اس کے پتھر مارنے سے ڈر گیا تھا۔
زر مش کے بھاگنے پر وہ پھر اس کے پیچھے بھاگنے لگا
تھا۔ زر مش تیزی سے بھاگ رہی تھی۔ اس کے
دوسرے پاؤں سے بھی اب شوز نکل چکا تھا۔ وہ
جنگل کے اونچی نیچی پتھریلی زمین پر بھاگ رہی

تھی۔

اس کے پیروں پر کانٹے چبھتے اب خون رسنے لگا تھا
اسے کسی چیز کی پرواہ نہیں تھی۔ اسے اس بھیڑیا کی
خوراک نہیں بننا تھا۔ پتہ نہیں اس میں یہ طاقت
کیسے آگئی تھی مگر وہ اس خوفناک بھیڑیے سے خود کو
بچاتے پوری رفتار سے بھاگ رہی تھی۔ سامنے

بہتا دریا سے نظر آیا تھا جو کل رات طوفانی بارش کی
وجہ سے ابل رہا تھا۔

وہ اب بہتے طغیانی آتے دریا کی طرف بھاگنے لگی
تھی۔ وہ جانتی تھی وہ اس دریا میں کود کر اپنی جان
نہیں بچا سکتی مگر وہ کیا کرے اسے سمجھ نہیں آرہی

تھی۔ مگر اس ابلتے دریا میں وہ ڈوب کر مرنا چاہتی
تھی۔ اس بھیڑیے کی خوراک بننے سے پہلے اسے
اس دریا میں ڈوب کر مرنا تھا۔

اس نے بہتے دریا کی طرف قریب پہنچتے ہوئے ایک
بار پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ بھیڑیا اس سے چار پانچ فٹ
کے فاصلے پر تھا۔

اس سے پہلے خطرناک بہتے دریا میں وہ کود کر اپنی
جان دیتی۔ کوئی اسے کمر سے جکڑے اپنے مضبوط
حصار میں لے چکا تھا۔ وہ چیختے ہوئے اس انسان کے
پتھر جیسے سینے سے ٹکراتے اس کی بانہوں میں سما گئی
تھی وہ اسے اپنے سینے سے لگاتے دریا سے کئی قدم
دور ہوتے دوسری طرف ہوا تھا۔ زر مش نے

خوف سے اس کی مضبوط بانہوں میں سماتے اس کی
شرٹ مٹھیوں میں جکڑے اس انسان کو دیکھا
زر مش کی آنکھیں خوف سے مزید پھیلیں تھیں۔
آریان۔۔۔ خان۔۔۔!! اس کے لب خوف سے
پھڑا پھڑائے تھے۔

اس خطرناک بھیڑیے نے اسی لمحے ان دونوں پر

چھلانگ لگادی تھی۔۔ آریان خانزادہ زر مش کو
کمر سے جکڑے اسے اپنے سینے میں سماتے کئی قدم
مزید پیچھے ہوئے تھا۔ وہ زر مش کو اس بھیڑیے سے
بچانے کی کوشش کرتے ہوئے پیچھے ہوئے تھا۔ وہ
دونوں پیچھے بنی ڈھلون سے لڑھکتے ہوئے نیچے
گرے تھے۔۔ آریان خانزادہ زر مش کو اپنے

مضبوط ہانہوں میں سہائے ہوئے اسے اپنے سینے پر
اس طرح کر گیا تھا اس کا بدن ان خطرناک پتھروں
سے رگڑا نہ کھا جائے۔ مگر اوپر نیچے ہوتے لڑھکتے
ہوئے زر مش کا نازک وجود چھل گیا تھا۔ وہ اس کے
سر کے نیچے اپنا آہنی ایک ہاتھ رکھے ہوئے تھا
دوسرے ہاتھ سے اس کی کمر کو جکڑے ہوئے تھا۔

وہ اس کے سینے سے شدت سے لپٹے اس میں سمائی
ہوئی تھی۔ وہ بھی اسے شدت سے خود کے ساتھ
لپٹائے ہوئے تھا۔

آریان خانزادہ خود تو تھا پتھر جیسا!! اور مقابل کو وہ
اتنی آسانی سے مرنے نہیں دے سکتا تھا۔
زر مش نے خوف سے اس کی شرٹ مٹھیوں میں

جکڑے آریان خانزادہ کی آنکھوں میں دیکھا وہ اس
کے سینے پر اپنا پورا وزن ڈالے ہوئے اس کے اوپر
تھ۔ وہ اس کی کمر کو مضبوطی سے جکڑے ہوئے
اس کی آنکھوں میں اپنی خونخوار نگاہیں گاڑھے
ہوئے تھا۔ وہ اس کی شرٹ جکڑے لرزتے
ہوئے اسے ہر فی کی طرح سبھی نگاہوں سے دیکھ

رہی تھی۔

کیا کر رہی تھی یہاں؟؟ وہ اس کی آنکھوں میں
دیکھتے خون آشام درندے کی مانند غرایا تھا۔
زر مش بنا کوئی جواب دیے ہچکی لیتے خوف سے اس
کی شرٹ جکڑے اس کی آنکھوں دیکھ رہی تھی۔ وہ
بہت بری طرح کپکپا رہی تھی۔ آریان خانزادہ اس

کی پیشانی سے بہتے خون دیکھتے لب بھیج گیا تھا۔
ڈھلوان سے گرتے اس کی پیشانی کسی پتھر سے ٹکرا
گئی تھی۔ اس کے گال پر اس کی انگلیوں کی چھاپ
ابھی بھی پوری آب و تاب سے برجمان تھی۔ وہ
اس کے گال پر اپنی انگلیوں کے نشان پر نظریں
جمائے ہوئے تھا۔ پیشانی سے رستے خون سے زیادہ

اس کا گال قابل رحم تھا۔

یکدم اس بھیڑیے نے غراتے ہوئے ڈھلوان سے
ان دونوں پر چھلانگ لگائی تھی۔ زر مش چیختے
ہوئے آریان خانزادہ کے سینے میں منہ چھپا گئی
تھی۔۔

آریان خانزادہ زر مش خان کو اپنی بانہوں میں سختی

سے جھینپتے بھیڑیے کو گردن سے جکڑتے دور
اچھال گیا۔ زر مش نے خوفزدہ ہوتے بے یقین
آنکھوں سے آریان خانزادہ کو دیکھا جو اتنی آسانی
سے اس بھیڑیے کو گردن سے قابو کرتے دور
اچھال چکا تھا۔

آریان خانزادہ کی خونخوار نگاہیں ابھی تک زر مش پر

مٹی تھیں۔

وہ یکدم رخ پلٹے اسے خود کے نیچے کرتے اس کے
اوپر آیا۔

اس بھیڑیے نے پھر سے زر مش پر حملہ کرتے اس
پر چھلانگ لگائی تھی۔ زر مش خوف سے آریان
خانزادہ کے سینے میں سما گئی۔ آریان خانزادہ کو

زر مش کو اپنے چوڑے کشادہ سینے کے نیچے ڈھانپ
چکا تھا۔

Midnight

آریان خانزادہ اس بھیڑیے کو دیکھتے حلق کے بل
دھاڑا۔ زر مش اس کے وجود کے نیچے چھپی تھی۔
اس بھیڑیے کو وہ نظر نہیں آرہا تھا

زر مش کو اپنے چوڑے کشادہ سینے کے نیچے ڈھانپ
چکا تھا۔

Midnight

آریان خانزادہ اس بھیڑیے کو دیکھتے حلق کے بل
دھاڑا۔ زر مش اس کے وجود کے نیچے چھپی تھی۔
اس بھیڑیے کو وہ نظر نہیں آرہا تھا

وہ بھیڑیا آریان خانزادہ کی دھاڑ پر سٹل ہوا تھا۔
آریان خانزادہ نے بھیڑیے کو گھورتے ہوئے
آنکھوں سے خود سے دور رہنے کا اشارہ کیا۔
وہ بھیڑیا ایک لمحے کے رکا تھا۔ مگر دوسرے لمحے
اس نے آریان خانزادہ پر جھپٹتے اس کی شرٹ
دانتوں میں لیے کھینچی۔۔۔ وہ آریان خانزادہ کو

زر مش سے دور کر رہا تھا۔ اس کی خوفناک آواز کی
غراہٹ پورے جنگل میں گونج رہی تھی۔ آریان
خانزادہ حیران ہو رہا تھا وہ کبھی ایسے نہیں کرتا تھا۔ یہ
نہیں تھب اس نے پہلی بار کوئی انسان دیکھا تھا۔ وہ
کتنی بار اپنے دشمنوں کو ادھر لا چکا تھا۔ مگر اس نے
کبھی اس کے دشمن پر ایسے حملہ نہیں کیا تھا۔ آج تو

وہ زر مش کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا۔ زر مش اس
کے نیچے دبی کا نپتے آریان خانزادہ میں سما نے کی
کوشش کر رہی تھی۔

اس کی ٹانگیں اسے اپنے وجود سے مس ہوتی محسوس
ہو رہی تھیں۔۔۔ اس کی دھڑکنیں وہ اپنے چوڑے
سینے سے مس ہوتے اپنے سینے میں بجتا محسوس کر رہا

تھا

آریان خانزادہ نے midnight کو ایک نظر
دیکھا جو اس کے گرد گھومتے غراتے ہوئے زر مش
کو تلاش کر رہا تھا۔ آریان خانزادہ کی نظر مڈ نائٹ کی
آنکھ پر پڑی تھی جو زخمی تھی۔ آریان سمجھ گیا تھا
زر مش نے اسے زخمی کیا ہے اس لیے وہ اس کے

خون کا پیسا ہورہا تھا۔ آریان خانزادہ نے بری طرح
جبرے بھینچے تھے۔ midnight ایک بار پھر
سے آریان خانزادہ کی شرٹ دانتوں میں جکڑے
اسے زر مش سے دور کر رہا تھا۔ آریان خانزادہ نے
اسے خود سے دور کرتے اپنی پینٹ کی پاکٹ سے
پسٹل نکالتے ہوئے اس کے اطراف میں

پسل سے فائر کیا۔ زر مش چیتے ہوئے اریان
خانزادہ کی شرٹ مٹھیوں میں دپوچے اسے اپنی
طرف کھینچ رہی تھی۔

مڈ نائٹ بھی پیچھے ہٹا دوسری طرف بھاگ گیا تھا۔
آریان خانزادہ گہرا سانس لیتے تھورا سا اوپر ہوا۔
زر مش آنکھیں میچے اس کی شرٹ مٹھیوں میں

جکڑے اپنی طرف کھینچتے جا رہی تھی۔
چلا گیا ہے وہ۔!! آریان خانزادہ اس کی میچی نکھیں
دیکھ کر سرد لہجے میں بولتے اسے مزید کپکپانے پر
مجبور کر گیا تھا۔ وہ اس کے سینے میں مزید شدت سے
سمائی تھی۔

وہ اپنی شرٹ اس کی مٹھیوں سے بے دردی سے

چھڑواتے ہوئے اس کے اوپر سے اٹھازر مش لیٹے
ہوئے ابھی بھی آنکھیں میچے ہوئے تھی۔۔۔ بری
طرح اس کا بدن کانپ رہا تھا۔

اٹھو!! وہ سرد حکمیہ لہجے میں غرایا۔
زر مش اس کی غراہٹ پر آنکھیں کھولتے اسی لمحے

میکانکی انداز میں پتھر ملی زمین سے اٹھی۔
آریان خانزادہ اس کے وجود پر قہر بار نگاہ ڈالتے آگے
بڑھاتا تھا۔ زر مش سٹل سی کھڑی تھی۔ اس کے قدم
اس کا ساتھ ہی نہیں دے رہے تھے۔
یہیں پر رہنے کا ارادہ ہے کیا؟؟ بلاؤں
midnight کو.. آریان خانزادہ اس کی طرف

خون اشام نگاہوں سے دیکھتے دھاڑا۔
نن نہیں۔۔۔۔۔ زر مش پھکی لیتے لرزاتے ہوئے
اس کی طرف بڑھی ہی تھی کہ وہ بھیڑیا آچانک سے
آتا اسی لمحے زر مش پر چھلانگ لگاتے اس پر جھپٹ
پڑا تھا۔ زر مش چیختے ہوئے زمین پر کمر کے بل گری
تھی۔ زر مش کی درناک چغیں جنگل میں گونج رہی

تھیں۔ اس سے پہلے آریان کا پالا ہوا وہ بھیڑیا
زر مش کو اپنے دانتوں سے چیر ڈالتا۔ آریان خانزادہ
اپنے ہاتھ میں پکڑی پسل سے اس پر کئی فائر کر گیا
تھا۔

وہ بھیڑیا اسی لمحے ساکت ہوتا ڈھیر ہوا تھا۔ زر مش
اپنے سامنے پڑے اس ساکت بھیڑیے کو خوف سے

دیکھتے پیچھے کو کھسکتے اپنے لبوں پر ہاتھ جمائے ہوئے
تھی۔

اس کا بدن کا تمام خون اس کے چہرے پر سمٹ آیا
تھب۔

آریان خانزادہ بے یقینی سے ڈھیر پڑے ساکت
midnight کو دیکھ رہا تھا۔ جسے وہ جب چھوٹا سا

تھابت ایک جنگل سے لایا تھب اور تب سے اسے
پال رہا تھا۔ وہ تو اسے ایسے عزیز تھا جیسے ایک باپ
کو اپنا بچہ عزیز ہوتا ہے۔۔۔ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے
مار چکا تھا۔ آریان خانزادہ بے یقین تھا۔

بہت پہلے حاکم خان اور رائینہ خان اس سے چار چار
رشتے چھین چکے تھے۔ جن کی قبریں تک اس نے

اپنے ہاتھوں سے کھودیں تھیں۔ آج حاکم خان اور
رائہ خان کی بیٹی اس کا midnight اس سے
چھین چکی تھی۔

آہہ۔۔۔۔۔ آریان خانزادہ اپنے بال مٹھیوں میں
جلڑے چیخا۔ زر مش اس کی چنچیں سنتے پیچھے کو ہوتی
کھسکنے لگی۔ سامنے کھڑے انسان کی نگاہیں اس

خطر نك بھيڑيے سے زيادہ خوفناك هئي جو اس پر
گاڑھے هوے تھا۔ آريان خانزادہ تيزي سے
زر مش كي طرف بڑھا وہ اسے چھوڑنے والا نهين تھا
جو اس سے اس كا midnight چھين چكي تھي.

در خزنی خانزادہ اپنی ٹیم کے ساتھ اسپتال سرچ
اپریشن پر تھا۔ اسلام آباد کے ایک مخصوص پوش
ایریا میں ایک بار میں raid ڈالنی تھی۔ جس کی
شہرت بالکل اچھی نہ تھی۔ جہاں پر بہت بڑے
پیانے پر ڈرگزر سمگل ہو رہی تھی اور کچھ اس باڑ کی
آڑ میں بہت سی لڑکیوں سے غلط کام کروائے

جاتے۔ وہ لڑکیاں خود بھی ذاتی طور پر ان گندے
گھناؤنے کام میں ملوث تھیں۔ یہاں پر آئی ہوئی
لڑکیاں نہ صرف اپنا جسم فروشی کرتی تھیں بلکہ باہر
ڈرگز بھی سمگل کرتی تھیں۔

پولیس بہت عرصے سے اس بار پر ریڈ ڈال کر اس بار
کو اپنے قبضے میں کرنا چاہتی تھی۔ مگر ٹھوس ثبوت نہ

ہونے کی وجہ سے وہ لوگ ر کے ہوئے تھے۔ جو اس
بار کا اونر تھا اس پر بہت بڑی طاقتوں کا ہاتھ تھا۔ جس
پر ہاتھ ڈالنا آسان نہیں تھا۔ اس کے لیے پولیس نے
سپیشلی طور پر سر پھرے در خزئی خانزادہ کو یہ ٹاسک
دیا گیا تھا۔ اور در خزئی خانزادہ وقت سے پہلے تمام
ثبوت سکندر اعموان کے خلاف حاصل کر چکا تھا۔

اب صرف اس بار میں raid ڈال کر وہاں موجود
تمام ہستیوں کو رنگے ہاتھوں پکڑنا تھا۔ اسے پتہ چلا
تھا آج بڑی بڑی فنکار ہستیاں بھی ادھر آئی ہوئی
ہیں۔ اس لیے وہ آج سپیشلی raid ڈالنے آیا تھا
اسے آٹو گراف جو لینا تھا۔ در خزئی کمینگی سے
مسکرایا تھا۔

در خزنئی خانزادہ اس وقت بلو جینز پر وایت شرٹ
میں ملبوس تھا۔ اس کی گاڑی بار کے سامنے آکر رکی
تھی۔۔

وہ اور اس کی تمام ٹیم اس وقت سول کپڑوں میں
ملبوس تھی۔۔ ان اہلکاروں کو پولیس ادارے کی
طرف سے انھیں ذاتی گاڑیاں دی گئی تھیں۔ تاکہ

سی کو سی قسم کا شک نہ ہو کہ وہ لوگ پولیس والے
ہیں۔ در خزنئی خانزادہ کو ابھی مزید ثبوتوں کی
ضرورت تھی۔ وہ بار کے اندر جا کر ہی ملنے تھے۔
گروہ لوگ پولیس یونیفارم اور پولیس موبائل میں
آتے بار کے اندر موجود لوگ الرٹ ہو جاتے جو
در خزنئی خانزادہ نہیں چاہتا تھا۔ در خزنئی خانزادہ کے

حکم پر اس کی ٹیم نے بار کو چاروں طرف کھیرے
میں لیا تھا۔ باقی کی ٹیم میمبر اس کے ساتھ اندر
داخل ہوئی تھی۔۔ اینٹرس پر موجود گارڈ جو اسلحہ
کے ساتھ کھڑا تھا۔

در خزنئی خانزدہ نے اسے اپنا آئی ڈی کارڈ دکھا کر اپنے
ساتھی کو اشارہ کرتے اسے اسی وقت حراست میں

لیا۔ اس کی جگہ در خزئی خانزادہ کا ایک اہلکار وہاں
کے گارڈ جیسے یونیفارم میں ملبوس کھڑا ہو گیا تھا۔
تاکہ باہر سے آنے والے کسی بھی پر سن کو شک نہ ہو
۔ گارڈ کی اولہ بدلی کی گئی تھی۔ در خزئی خانزادہ اور
اس کے اہلکار اپنی پسٹل کو چھپاتے اندر داخل ہوئے
تھے۔ در خزئی خانزادہ اپنی پسٹل پینٹ میں اڑ سے

اپنی شرٹ کے اندر کیے ہوئے تھا۔ چیکنگ پر اب
ان کا ہی گارڈ تھا۔ تو انھیں یہ اسلحہ اندر لے جانے
میں کوئی مسئلہ نہیں ہوا تھا۔

در خزئی خانزادہ اندر داخل ہوا تو اندر رنگ و کا
سیلاب اٹھا ہوا تھا۔ لڑکیاں چھوٹے چھوٹے نازیا
لباس میں کرسیوں اور میزوں کے گرد بیٹھی

سگریٹ کافی پی رہی تھیں۔

ایک طرف کاونٹر پر مشروب بھی دیا جا رہا تھا وہ کونسا
مشروب تھا وہ اسی لمحے سمجھ چکا تھا۔

ایک طرف فلور پر لڑکے لڑکیاں ڈانس کر رہے
تھے۔ درخزئی خانزادہ نے سب پر ملامتی نگاہ ڈالی
تھی۔ زیادہ تر یہاں ینگ لڑکیاں تھیں۔ جو اچھے

گھروں سے معلوم ہوتی تھیں۔ مگر ان پر شاید ان
کے گھر والوں کا کنٹرول نہیں تھا یا پھر آج کے دور
میں باپ بھائی اتنے بغیرت ہو چکے تھے کہ اپنی بہن
بیٹیوں کو اتنی آزادی دی ہوئی تھی۔

در خیزی نے اپنے پینٹ سے سگریٹ لائٹر جلا کر
لبوں سے لگاتے سگریٹ کا دھواں چھوڑا۔ وہ

سگریٹ نہیں پیتا تھا مگر اس ماحول میں ایڈجسٹ
کرنے کے لیے وہ سگریٹ پی رہا تھا۔ اس کی شرٹ
کی پاکٹ میں لگے پن کے کیمرے میں اس بار کی
ایک ایک چیز کی ریکارڈنگ کی جا رہی تھی۔
اسی لمحے اس کا فون وائبریٹ ہوا تھا۔ اسی فون کال کا
در خیزی خانزادہ کو انتظار تھا۔ اس کا خاص بندہ بہت

پہلے سے اس بار کے اندر موجود تھا۔
در خزئی خانزادہ نے اپنی پینٹ کی پاکٹ سے فون
نکالتے یس کرتے کان سے لگایا۔
سر!! یہ بار ہماری سوچ سے دو ہاتھ آگے ہے۔ بار
کی جس لڑکی نے ہمیں ساری انفامیشن دی تھی۔ وہ
مجھے خفیہ راستے سے بسیمینٹ لے کر گئی ہے۔ سر

بار کے اندر ہی جسم فروشی کا دھند ہوا رہا ہے۔۔ میں
ساری سچویشن اپنے پن کے کیمرے میں ریکارڈ کر
چکا ہوں۔ در خزنئی کے ٹیم میمبر نے فون پر اطلاع
دی۔۔

گڈ! اب یہ بتاؤ کتنی دیر میں ان سب پر raid ڈالی
جاسکتی ہے۔ بہت بے تاب ہو رہا ہوں ان سالوں کو

ڈنڈا گھسانے کو۔ در خزئی نے لب بھی نہ چتے ہوئے
سنجیدگی سے پوچھا تھا۔ دوسری طرف سے ہنسی کی
آواز سنائی دی تھی۔ اس کا ٹیم میمبر سید ہارون شاہ
در خزئی خانزادہ کی باتوں اور اس کے کام سے بہت
متاثر تھا۔ بہت دیر بعد ایسا افسر دیکھا تھا جو کسی
سے ڈرتا نہیں تھا۔

ڈنڈا گھسانے کو۔ در خزئی نے لب بھینچتے ہوئے
سنجیدگی سے پوچھا تھا۔ دوسری طرف سے ہنسی کی
آواز سنائی دی تھی۔ اس کا ٹیم میمبر سید ہارون شاہ
در خزئی خانزادہ کی باتوں اور اس کے کام سے بہت
متاثر تھا۔ بہت دیر بعد ایسا افسر دیکھا تھا جو کسی
سے ڈرتا نہیں تھا۔

سر تھوڑی دیر تک بس۔۔ سر یہاں بہت بڑی
ہستیاں بھی ہیں معروف ماڈلز۔۔ اپنے اہلکار ہارون
شاہ کی اطلاع پر در خزئی نے لب بھینچے تھے۔
کوئی ماڈل ہو یا کسی پی ایم کا بیٹا۔۔ آج سب کو رگڑا
لگے گا اور ایسا رگڑا لگے گا یہ لوگ منہ دکھانے کے
قابل نہیں رہیں گے۔ کسی بھی بغیرت کو چھوڑنا

نہیں ہے۔ در خزئی خانزادہ فون پر دبی آواز میں غرایا
تھا۔

جی سر! اس کا اہلکار ہارون شاہ نے ہنستے ہوئے جواب
دیا۔

اور ہماری خواتین پولیس اہلکار یہاں پر موجود ہیں۔
ان کی کیا لوکیشن ہے۔ در خزئی نے چاروں طرف

نظریں دوڑائے پوچھا تھا۔
جی سر فلک نہ کریں چاروں طرف ہیں۔ ہارون نے
سنجیدگی سے جواب دیا۔
ٹھیک ہے کو ایک raid ڈالنے کی تیاری کرو۔
در خزئی حکم دیتا فون کر چکا تھا۔
در خزئی آگے بڑھا تو اس کی ٹیم کی پولیس ور کرنے

آگے بڑھ کر اسے اشارہ کیا تھا۔ در خزئی نے بھی
ہاتھ کا اشارہ کیا تھا۔

در خزئی خانزادہ نے اس لمحے اپنی پسٹل نکالتے چھت
پر فائر کیا۔

بار میں ہڑ بنگ مچی تھی۔ شور و غل کا طوفان اٹھا تھا۔
کوئی اپنی جگہ سے نہیں ہلے گا جو بھی ہلا اسے گولی مار

دی جائے گی۔ یہاں پولیس کی ریڈ پڑ چکی ہے۔۔
در خزنئی چاروں طرف نظریں دوڑاتا دھاڑا۔
در خزنئی کی باقی ٹیم بھی اندر داخل ہوتے اندر موجود
سب کو گھیرے میں لے کئے تھے۔ پولیس اہلکار
جو ماڈرن لباس میں تھیں وہ بھی چاروں طرف پسل
پکڑے پھیل چکی تھیں۔

ان سب کے پاس جو کچھ ہے ان کو اپنے قبضے میں
لے لو ان کے موبائل پر س سفید پڑیاں۔۔ ایوری
تھنگ جو بھی مزاحمت کرے ان کے گال تھپڑوں
سے لال کر دو۔۔ اور اپنے پاکٹس میں موجود
کیمرے کو آن رکھو۔۔ جو کچھ برا مدہو ان کی بھیانک

شکلوں کو کیمروں میں قید ضرور کرنا۔
چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔۔ تم سب کے کرتوت
ہمارے کیمروں میں محفوظ ہو چکے ہیں۔ کوئی بھی
اب پولیس کی حراست سے بچ نہیں سکے گا۔ نہ کوئی
ماڈل نہ کوئی پی ایم شی ایم کا بیٹا۔ در خیزی خانزادہ ایک
اور فایر کرتا دھاڑا تھا۔

اور سب سن لو تم لوگ!! تم سب ایسے ہی یہاں
سے جاؤ گے کوئی اپنا چہرہ نہیں چھپائے گا۔ باہر ہم
لوگوں سے بھی اوپر تم سب کے باپوں کو بلایا ہے۔
باہر میڈیا آچکا ہے۔ تم سب کو میڈیا کور کرتے
تمہارے چہروں کو بھی دنیا کے سامنے ایکسپوز کیا
جائے گا۔ کسی کی عزت نہیں رکھی جائے گی۔

در خزنئی خانزادہ نام ہے میرا!! بہت مبینی فطرت
ہے میری نہ سیدھا دکھتا ہوں نہ سیدھا ہوں۔۔ میرا
اصول ہے ناپوچہ نہ کچھری سیدھا نکاؤنٹر۔ یعنی
ڈائریکٹ اوپر کی فلائیٹ۔
در خزنئی خانزادہ سب کو دیکھتے استہزائیہ لہجے میں
بولاتھا

اس کی ٹیم میمبر گہرا مسکراتی تھی۔
چھوڑو مجھے!! میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔ کسی لڑکی
کی چیختی آواز سنائی دی تھی۔ وہ مسلسل چیخ رہی
تھی۔۔۔ در خزئی نے مڑتے ہوئے اس آواز کی
تعاقب میں اپنی پولیس اہلکار کو دیکھا در خزئی نے
اسے اشارہ کیا تھا۔ پولیس اہلکار نے در خزئی خانزادہ کا

اشارہ سمجھتے اس لڑکی کے چہرے پر زور دار تھپڑ
دے مارا تھا۔ وہ لڑکی گال پر ہاتھ رکھتے بری طرح
لڑکھڑائی تھی۔ اس کی حالت دیکھتے وہاں موجود
باقی لڑکیاں جو شور کر رہی تھیں۔ خاموش ہوئی
تھیں۔ د

در خزئی اپنی گردن سہلاتے مسکراتے ہوئے اس

لڑکی کی حالت دیکھنے کے لیے آگے بڑھا۔ اس کی
آنکھیں بے یقین ہوئی تھیں۔ اس بار کی چھت اور
دیواریں دھڑادھڑا اس پر گریں تھیں۔ وہ سفید جنیز
پر سفید شارٹ شرٹ میں ملبوس تھی۔ جس پر وہ
بلیک شادر لیدر جیکٹ پہنے ہوئے تھی۔ وہ اپنے
سرخ گال پر ہاتھ رکھے ساکت سی کھڑی تھی۔

در خزئی کی سرخ آنکھوں میں وحشت سی اتری
تھی۔ وہ یہاں نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ اس کی بیوی
نہیں ہو سکتی تھی وہ اس کی عنائتہ نہیں ہو سکتی تھی۔

رمز عشق

تحریر نور آصف

قسط 2 part 154

چھوڑ مجھے!! میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔ کسی لڑکی کی
چینٹی آواز سنائی دی تھی۔ وہ مسلسل چیخ رہی تھی۔
در خزئی نے مڑتے ہوئے اس آواز کی تعاقب میں

اپنی پولیس اہلکار کو دیکھا۔ در خزئی نے اسے اشارہ کیا
تھا۔ پولیس اہلکار نے در خزئی خانزادہ کا اشارہ سمجھتے
اس لڑکی کے چہرے پر زوردار تھپڑ دے مارا تھا۔ وہ
لڑکی گال پر ہاتھ رکھتے بری طرح لڑکھرائی تھی۔
اس کی حالت دیکھتے وہاں موجود باقی لڑکیاں جو شور
کر رہی تھیں۔ خاموش ہوئی تھیں۔

در خزئی اپنی گردن سہلاتے مسکراتے ہوئے اس
لڑکی کی حالت دیکھنے کے لیے آگے بڑھا۔ اس کی
آنکھیں بے یقین ہوئی تھیں۔ اس بار کی چھت اور
دیواریں دھڑا دھڑا اس پر گریں تھیں۔ وہ سفید جنیز
پر سفید شارٹ شرٹ میں ملبوس تھی۔ جس پر وہ
بلیک شادر لیڈر جیکٹ پہنے ہوئے تھی۔ وہ اپنے

سرخ گال پر ہاتھ رکھے ساکت سی کھڑی تھی۔
در خزئی کی سرخ آنکھوں میں وحشت سی اتری
تھی۔ وہ یہاں نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ اس کی بیوی
نہیں ہو سکتی تھی وہ اس کی عنائے نہیں ہو سکتی تھی۔
در خزئی خانزادہ کے بھاری مضبوط قدم لڑکھڑائے
تھے۔

در خزئی خانزادہ اپنے بھاری قدموں سے چلتے عنائے
کے مقابل آیا۔ آنکھیں بے یقین تھی تو دل و دماغ
بھی ماننے سے انکاری تھا۔

در خزئی کو دیکھ کر عنائے کی رنگت زرد ہوئی تھی۔
در خزئی خانزادہ کی آنکھوں میں سرخ ڈورے
تیرتے دیکھ کر خوف سے عنائے کے قدم لڑکھڑائے

تھے۔ در خزئی خانزادہ کی آواز سنتے وہ پہچان چکی تھی
کہ وہ در خزئی خانزادہ ہے۔ جب اس نے اپنا
انٹرڈیوس کروایا تھا تب تو کوئی شک نہیں رہا تھا۔ اور
اب تو وہ سامنے حقیقت کا روپ دھارے کھڑا تھا۔
کوئی شک بچا ہی نہ تھا۔ اس کے سامنے اس کا شوہر

در خزئی خانزادہ اپنی تمام تر وجاہت کے ساتھ کھڑا
تھا۔

وہ گال پر ہاتھ رکھے کانپتے ہوئے در خزئی خانزادہ کو
دیکھ رہی تھی۔ قدم زمین کا ساتھ چھوڑ رہے تھے۔
آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا۔ خانزادوں کا
خوف اس کے دل و ماغ پر سوار تھا۔ اسے اندازہ نہ تھا

در خزئی خانزادہ سے یوں آ منسا منسا ہو گا۔ اب تو دل
سو کھے پتے کی مانند کانپ رہا تھا۔

عنایتیہ نے اپنے گال سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے در خزئی کو
دیکھتے ہچکی لی تھی۔ اس کے گال پر انگلیوں کا نشان
دیکھ کر در خزئی خانزادہ نے اپنے نچلے لب کو بے
دردی سے دانتوں تلے پیوست کیے کچلا۔

تم ویسی لڑکی نہیں ہو تو کیسی ہو؟! یہاں موجود ہر
لڑکی یہی کہے گی کہ وہ ایسی نہیں ہے۔ اگر وہ ایسی
نہیں ہے تو اس مشہور بدنام بار میں کیا کر رہی ہو؟؟
تم سب کا یہاں موجود ہونا ہی اس بات کا ثبوت ہے
تم کیسی لڑکیاں ہو۔

اب جو بھی سیٹیلیشن دینی ہو۔ میڈیا کے سامنے
دینا۔ اپنے ان مکروں چہروں کے ساتھ اور یہ سب
باتیں اپنے گھر والوں کو کہنا جو تم لوگوں کی ضمانت
کرنے آئیں گے۔ اور ضمانت بھی ہونا مشکل ہے۔
جس کے پاس ڈر گزرا ہوا ہو کہ وہ تو کیا لمبے عرصے
کے لیے جیل میں۔۔ افسر رانیہ نے سب کو دیکھتے

استھزائیہ مسکراتے ہوئے در خزئی خانزداہ پر نگاہ ڈالی
۔ جس کے کام اور پر سنیلٹی سے بہت زیادہ مرعوب
تھی۔ اتنے عرصے بعد نڈر اور ایماندار افسر دیکھا تھا
جسے نہ خریداجا سکتا تھا نہ ڈرایا جاسکتا تھا۔

مم۔۔ میں۔۔ ایسی۔۔ لڑکی۔۔ نہیں۔۔ ہوں۔۔۔
سچ۔۔ میں۔۔ عنائے نے بھیگی گھٹی گھٹی آواز میں
بھکی لیتے در خزئی خانزادہ کو دیکھتے یقین دلانے کی
کوشش کی تھی۔ در خزئی خانزادہ عنائے کی آنکھوں
میں آنسو دیکھتے اور اس کی بھیگی آواز پر اپنے بال ایک
ہاتھ میں مٹھی میں دبوچے افیت کی انتہا پر تھا۔

آنکھوں میں کرب و حسرت کے سرخ ڈورے
تیرے تھے۔

انسپکٹر سائرہ!! سب سے پہلے اس لڑکی کی اچھی
خاصی تلاشی لے لو۔ جو شریف بننے کا زیادہ نائٹک
کر رہی ہے۔ اندر لے جا کر اس کا ایک ایک کپڑہ اتار
کر تلاشی لو۔ افسر رانیہ نے عنایتیہ کو گھورتے لفظ

چبائے تو در خزئی خانزادہ کی آنکھوں میں خون سا اتر
تھا۔

کوئی آگے نہیں بڑھے گا کوئی آگے نہیں بڑھے گا!!
کوئی ہاتھ نہیں لگائے گا اس لڑکی کو۔۔۔ در خزئی
خانزادہ کی سر دھواڑ پر اس کی ٹیم حیرانگی سے در خزئی
خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔

عنائے اب نظریں جھکائے کرسی کی سطح پر ہاتھ
جمائے ہوئے اپنے بدن پر کپکپاہٹ پر قابو پانے کی
ناکام سعی کر رہی تھی۔ در خزئی خانزادہ کی دھاڑ پر
اس کا دل جیسے اچھل کر حلق میں آیا تھا۔
در خزئی خانزادہ نے عنائے کو خون اتری آنکھوں سے
گھورتے ہوئے اپنی سرخ آنکھیں دوا نگلیوں سے

مسلیں۔

انسپیکٹر سائرہ آپ اس لڑکی کو لے کر اندر جائیں !!
اس سے معلومات میں خود لوں گا۔ مجھے پورا یقین ہے
اس اس لڑکی کے پاس بہت معلومات ہیں۔ در خزنہ
خانزادہ نے عنائتہ کو سرخ آنکھوں سے دیکھتے لفظ
چبائے تھے۔

عننائیہ نے ڈبڈبائی آنکھوں سے در خزئی کو دیکھتے اپنے
بدن کی ارتعاش پر قابو پایا۔
آفیسر رائنہ اور باقی ٹیم میمبر نے نا سمجھی سے در خزئی
خانزادہ کی طرف دیکھا۔ وہ کیا کہہ رہا تھا آخر وہ اسی
ایک لڑکی سے تفتیش کرنے کا کیوں خواہشمند تھا؟!
جو چہرے سے کافی معصوم لگ رہی تھی۔

سنا نہیں کیا کہہ رہا ہوں؟! اس لڑکی کو الگ کر و سب
سے!! در خزنئی خانزادہ کی سر د دھاڑ ایک بار پھر سے
اس بار میں گونجتے سب کو الرٹ کر گئی تھی۔
یس سر!! آفیسر رانیہ نے مودبانہ انداز میں کہتے
انسپیکٹر سایہ کو اشارہ کیا۔ اس نے آگے بڑھتے
عنائیہ کی کلائی کو سختی سے اپنی گرفت میں لیا۔ اس کی

سخت گرفت پر عنائیہ کے لبوں سے سسکی برآمد ہوئی
تھی۔

مم۔۔۔ مجھے۔۔۔ جانے۔۔۔ دو۔۔۔ عنائیہ کے لبوں
سے کھٹی آوازیں برآمد ہوئیں۔ در خزنئی خانزادہ کے
خوف سے اس کی سانسیں حلق میں گھٹ رہی تھیں۔
وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ وہ جانتی تھی۔

ورنہ یہ سچویشن اس کے لیے کوئی اتنی بڑی نہ تھی۔
کلبز بار میں پولیس کی raid پڑتی رہتی ہے۔ وہ
امریکہ سے آئی تھی وہ جانتی تھی اور پولیس ماینر سی
تفتیش کر کے چھوڑ دیتی ہے۔۔ مگر مقابلہ در خیزی
خانزادہ تھا جو ایس پی ہی نہیں اس کا شوہر تھا۔ وہ اسے
اس حلیے میں اور یہاں دیکھ کر اسے بہت بری سزا

دے گا وہ جانتی تھی۔ وہ ان خاندانوں کو اچھی طرح
جانتی تھی۔ سفاکیت بے رحمی ان خاندانوں میں
کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

اور در خزنائی خاندان سب سے اوپر کی چیز تھا۔ جو غلطی
سے بھی غلطی معاف نہیں کرتا تھا۔ اور وہ اس کا وہ
سفاک بے رحم روپ دیکھ بھی چکی تھی جس نے

صرف جھوٹ بولنے پر اپنے اہلکار کی ٹانگوں میں
گولیاں دے ماری تھیں۔

در خزئی خانزادہ عنایتیہ کے لبوں سے سسکی سنتے
جبرے بھینچتے ہوئے اپنی ایک ٹانگ وہاں پڑی
کر سی پر رکھتے اپنے کف کے بٹن کھولتے ہوئے
انھیں کہنیوں کی طرف فولڈ کرنے لگا تھا۔ چہرہ ضبط

سے طیش و الم سے سرخ پڑ رہا تھا۔ جبرے بری طرح
بھینچے تھے۔ گردن ہاتھوں کی نیلی ابھری وینز بھی
صاف نمایاں ہو رہی تھیں۔ وہ ایک ٹانگ کرسی پر
رکھے اپنی گھنی بئیر ڈکواٹلیوں سے سہلاتے ہوئے
غیر مرئی نقطے کو گھور رہا تھا۔
بار میں اس وقت گھمبیر خاموشی چھائی تھی۔ ساری

ٹیم در خزئی خانزادہ کے عجیب و غریب رویے کو دیکھ
رہی تھیں۔ جو جتنا اس کلب پر raid ڈالنے کے
لیے ایکساٹڈ تھا۔ اتنا ہی اب وہ عدم دلچسپی دکھا رہا تھا۔
اس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی اور سرخی تھی۔ اتنے
دنوں سے در خزئی خانزادہ کے ساتھ کام کر رہے
تھے مگر اتنا سنجیدہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ تو مسکراتے

ہوے مجرموں کی ہڈی پسلی ایک کرنے والوں میں
سے تھا۔

افیسر رائنہ! یہاں کھڑے ہوے ایک ایک انسان کی
تلاشی لیں اور کوئی بھی یہاں سے بچ کر نہیں جائے
گا۔ در خزنئی خانزادہ سختی سے آرڈر دیتے اس کمرے
کی جانب بڑھا جہاں عنائیہ کو لے کر گیا تھا۔

افیسر رانیہ اور باقی ٹیم میمبر کے دماغوں میں عجیب
سے سوال ابھرے تھے۔ در خزی اس لڑکی پر
کیوں اتنا فوکس کر رہا تھا؟! کسی کو سمجھ نہیں آ رہا تھا۔
وہ لڑکی معصوم تھی یہ اس کے چہرے کی معصومیت
اور اس کے چیخنے چلانے سے ہی پتہ چل گیا تھا۔

۔ در خزنئی تیز تیز قدموں سے کلب کے احاطے میں
بنے طویل کوریڈور سے گزرتے ایک طرف بنے
مختلف کمروں کی طرف بڑھاتا تھا۔ جس کمرے میں
عنائیہ تھی کھلے دروازے سے آتی سسکیوں کی آواز
پر وہ بے تاب سے اپنے بھاری بوٹوں کی دھمک کے
ساتھ اندر داخل ہوا۔ عنائیہ صوفے کی سطح پر سر

رکھے ہوئے بری طرح سسک رہی تھی۔۔ در خزئی
کے اندر داخل ہونے پر عنایتیہ اپنی سسکیوں پر اسی
لمحے قابو پا گئی تھی۔۔ دل کی دھڑکنیں خوف سے
منتشر ہوتے رکی تھیں۔

آپ جائیں یہاں سے اس کو میں دیکھتا ہوں۔
در خزئی کے حکم پر انسپکٹر سائرہ حیران ہوئی تھی۔

کسی بھی لڑکی سے تفتیش کے دوران میل افیسر کے
ساتھ ایک فی میل اہلکار یا افیسر کا ہونا ضروری تھا۔ وہ
اس لڑکی سے کسی صورت اکیلے میں تفتیش نہیں کر
سکتا تھا۔

?Didn't you hear what i said

انسپیکٹر سائرہ کو وہاں جمے دیکھ کر در خزنئی خانزادہ
حلق کے بل دھاڑاٹھا۔ اس کی دماغ کی اس وقت
نسیں پھٹ رہی تھیں۔ اس کی بیوی اس کی عنائت
یہاں اس حلیے میں آخر کیا کر رہی تھی؟؟۔ کیا وہ
ڈر گز سپلائے کرتی تھی؟؟
انسپیکٹر سائرہ در خزنئی کی دھاڑ پر اثبات میں سر ہلاتی

ہوئی جلدی سے وہاں سے چلی گئی۔
در خزنئی خانزادہ نے جلدی سے کمرے کا دروازہ اندر
سے لاک کیا تھا۔ دروازہ اندر سے لاک ہونے پر
انسپیکٹر سائرہ کے قدم ایک پل کے لیے رکے
تھے۔ دوسرے لمحے وہ تیز تیز قدموں سے اپنی
ساتھی میمرز کی طرف بڑھ گئی تھی۔

ٹانگ رکھے اپنی پیشانی کو انگلی سے سہلاتے ہوئے
عنائیہ کے گال کو سرخ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔
جواب دو!! کیا کر رہی ہو یہاں؟؟ در خزئی خانزادہ
اس کی طرف دیکھے پوری قوت سے دھاڑا۔
عنائیہ خوف سے اچھلتے اب پھوٹ پھوٹ کر رودی
تھی۔

در خزنئی خانزادہ پیچھے کو ہوتے اپنے منہ پر ہاتھ
پھیرتے کمرے میں اب چکر لگا رہا تھا۔
عنائیہ چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر چیخ چیخ کر رونے لگی
تھی۔

عنائیہ !! فار گاڈ سیک مجھے بتاؤ! تم یہاں پر کیا کر رہی
ہو؟؟ باہر میڈیا کھڑا ہے۔ میری پوری پولیس ٹیم

باہر کھڑی ہے۔ در خزئی بال مٹھیوں میں جکڑے چیخا
تھا۔

در خزئی خانزادہ کے چلانے پر عنائتہ کار و ناتو تھم چکا
تھا مگر اس کی سسکیوں میں مزید اضافہ ہوا تھا۔
در خزئی خانزادہ نے جھنجھلاتے ہوئے اپنی شرٹ کے
اوپری بٹن بھی کھول دیے تھے۔ در خزئی کے بال

اس کی پیشانی پر بکھرے تھے۔ استین کہنیوں تک
فولڈ تھے۔ شرٹ کے کئی بٹن کھلے ہوئے تھے وہ
پینٹ سے نکلی ہوئی تھی۔ رنگت اور آنکھیں سرخ
تھیں۔ وہ اس وقت اپنے حلیے سے پولیس والا نہیں
بلکہ کوئی موالی غنڈا لگ رہا تھا۔ اس کی کم عمر بیوی
اسے پاگل کر چکی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ کیا

کرے؟؟۔ اگر وہ کم عمر نہ ہوتی اس کے گال
تھپڑوں سے لال کر دیتا۔ در خیزی نے جبرے
بھینچتے بے بسی سے اسے دیکھا۔ اگر وہ کم عمر نہ ہوتی
پھر بھی۔۔ پھر بھی۔۔۔ وہ اس عورت پر ہاتھ اٹھا سکتا
تھا کیا؟؟ جو اس کی محرم تھی۔ اس کے نکاح میں
تھی۔ جس کی ہتھیلیاں وہ احترام میں چوم چکا تھا۔

اس عورت پر کیسے ہاتھ اٹھا سکتا تھا؟! جس کی عزت
وہ اپنی مورے کی طرح کرتا تھا۔ اس کی زندگی میں
برسوں بعد کوئی عورت آئی تھی۔ کوئی رشتہ آیا تھا
اس کی تذلیل کیسے وہ کر سکتا تھا؟؟۔ مگر اس کا یہاں
ہونا اس کے اندر طیش و اشتعال کے بارود دھکائے
ہوئے تھا۔ مگر اس کی خانزادہ فطرت اس کے اندر کا

مرد کہہ رہا تھا مقابل کے بنجے ادھیڑ کر رکھ دے۔ وہ
اسے اس مقام پر لا کھڑا کر چکی تھی وہ اس پر ہاتھ
اٹھانے کا سوچ رہا تھا۔ اور یہ بات اس کی روح گھائل
کر رہی تھی۔۔۔ وہ تو اس کے اٹھارہ کے ہونے کے بعد
اسے مکمل طور پر اپنی دسترس میں لینے کے بعد اس
سے اتنا پیار کرنا چاہتا تھا جتنا کبھی کسی نے نہ کیا ہو۔

یہاں پر خود پرزن مریدی کا ٹیگ بھی لگ جاتا اسے
گوارا تھا۔ وہ مقابل کو اتنا مان اتنی محبت دینا چاہتا تھا۔
در خزئی خانزادہ نے اسے روتے ہوئے دیکھ کر بازو
سے اپنی سرخ بھیگی آنکھیں مسلیں۔ سر پھرادر خزئی
خانزادہ جو کسی سے نہیں ڈرتا تھا۔ جس سے مجرموں
سے سچ نکلوانے کے لیے کسی لائی ڈٹیکٹو مشین کی

ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ بڑے سے بڑا مجرم
در خزئی خانزادہ کے ایک تھپڑ سے اپنی پینٹ گیلا کر
دیتا تھا۔ وہ آج رو رہا تھا کیوں رو رہا تھا؟؟ وہ سمجھ نہیں
پا رہا تھا۔ سامنے بیٹھی لڑکی اس کے لیے بہت اہمیت
رکھتی تھی۔ اگر وہ اسے زندگی میں کسی مقام پر کھو
دے گا تو کیا بچے گا اس کی زندگی میں؟؟

نہ مورے بھی نہ بہن بھی نہ بابا تھا۔ اب کیا بیوی بھی
نہیں رہے گی؟؟۔ در خزئی خانزادہ نے رخ پلٹے
اپنے سرخ بھیگے چہرے پر اپنے دونوں ہاتھ
پھیرے۔

در خزئی نے گہرا سانس لیتے اپنی بھیگی آنکھیں اپنے
بازو سے مسلیں۔ کچھ بھی ہو جائے وہ اس لڑکی کو کسی

حال میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اگر وہ غلط بھی
تھی۔ وہ مجرم بھی تھی۔ اسے وہ کسی کو تکلیف
پہنچانے نہیں دے سکتا تھا۔ اس کے ہوتے ہوئے
کوئی اسے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا تھا۔ اس کی عزت
جان نام یہاں تک جس ڈیوٹی جس نوکری سے اسے
خود سے بھی زیادہ محبت تھی۔ وہ بھی چلی جائے گوارا

تھا۔ مگر وہ اس لڑکی پر کوئی آنچ نہیں آنے دے سکتا
تھا۔ در خزنئی خانزادہ اپنی سرخ آنکھیں اپنے بازو سے
رگڑتے ہوئے عنائیہ کی طرف بڑھتے اس کے
قدموں میں پنچوں کے بل بیٹھتے اس کے چہرے
سے اس کے ہاتھ ہٹا گیا تھا۔
عنائیہ نے بھیگی ہر اسماں نظروں سے اسے دیکھتے ہچکی

لی۔

در خزئی خانزادہ کرب سے عنایتیہ کے نشان زدہ گال
پر نرمی سے اپنا چوڑا ہاتھ رکھ گیا تھا۔ جس نے اسے
تھپڑ مارا۔ در خزئی خانزادہ کا دل کر رہا تھا اس عورت
کی جان لے لے۔

برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ اس کے گال پر کسی کے

مارے کئے تھپڑ کا نشان دیکھ کر اس کی رگوں میں
دوڑتا خون لاوے کی طرح ابل رہا تھا
تم فکر مت کرو!! تمہیں کوئی ہاتھ بھی نہیں لگائے
گا۔ جب تک در خزئی خانزادہ زندہ ہے۔ عنائت پاشا پر
کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ در خزئی نے نرمی سے کہتے
اس کے عارض پر بہتے آنسو اپنے انگوٹھے کے پوروں

سے صاف کیے۔

عنایتیہ حیرانگی سے بے یقینی سے اس خانزادہ کو دیکھ
رہی تھی۔ جس کی آنکھوں کی سرخی میں وحشت
کرب تھا۔ مگر وہ اس سے اتنی نرمی سے بات کیوں کر
رہا تھا آخر؟؟ وہ تو اس کے تھپڑوں کا انتظار کر رہی
تھی۔

در خزنئی خانزادہ نے اس کے پاس پڑاپوس اٹھا کر اس
کی زپ کھولتے اس کی تلاشی لی۔ اس کے اندر
پاسپورٹ اور کلکٹس دیکھ کر وہ سر نفی میں ہلاتے
کرب سے مسکرایا تھا۔ آنکھیں پھر سے شدت سے
بھگی اٹھی تھیں۔

تمہیں خود کو عنائتہ پاشا کہنا پسند ہے تو میرے لیے تم

آج سے عنائے پاشا ہو۔ در خزئی سراٹھاتے اس کی
بھگی آنکھوں میں دیکھتے زخمی سا مسکرایا تھا۔
دوسرے پل وہ یہ بات کہتے اپنا سر جھکا گیا تھا۔ اپنی
کہی بات اس کا دل چیر گئی تھی
وہ اس کے قدموں میں پنچوں کے بل بیٹھے سر
جھکائے اپنے اندر اٹھتی طغیانی پر قابو پار ہا تھا۔

آنکھوں کی سرخی کی حدت بڑھتی ان کی نمی میں
آضافہ کر رہی تھی۔ وہ سر جھکائے اپنی آنکھوں کو
انگلیوں سے بے دردی سے مسل گیا۔ وہ اس ایک
پل میں جو فیصلہ لے چکا تھا وہ اس کے سینے سے دل
نکال چکا تھا۔ مگر وہ لے چکا تھا۔ رشتے شاید در خزنئی
خانزادہ کے لیے بنے ہی نہ تھے۔ اپنی زندگی کے سترہ

سال اس نے ہر رشتے کے بغیر تنہائی میں گزار دیے
تھے۔ اگر اس کی باقی زندگی بھی گزر جاتی تو کیا
مضائقہ تھا۔ دھڑکنیں تھوڑی رکنی تھیں۔ مگر اس کی
دھڑکنیں رک رہی تھیں۔ دل پہلو سے نکل رہا تھا۔
صوفی پر جما ہاتھ شدت سے لرز رہا تھا۔
در خیزی خانزادہ نے نظریں اٹھائے عنایت کی طرف

دیکھا جو اسے بھیگی گلابی آنکھوں سے سسکتے ہوئے
دیکھ رہی تھی۔

تھوڑے بھرے ہیں ہم
تھوڑے سے خالی ہیں
تم بھی ہوا الجھے سے
ہم بھی سوالی ہیں

کچھ تم بھی کورے ہو
کچھ ہم بھی سادے ہیں
در خزئی خانزادہ مدھم آواز میں بولتے ہوئے عنائیہ
کی طرف دیکھتے زخمی سا مسکرایا۔ عنائیہ نے الجھن
بھری نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔
در خزئی نے اٹھتے ہوئے کمرے میں چاروں طرف

نظریں دوڑائیں۔ وہ جلدی سے واش روم کی طرف
بڑھاتا تھا۔ کوئی کھڑی کوئی ایسی جگہ جہاں سے وہ
عنائیہ کو لے کر نکلنا چاہتا تھا۔

باہر میڈیا تھا۔ اس کی ٹیم تھی وہ عنائیہ کو تفتیش سے
بچا نہیں سکتا تھا۔ باہر موجود کسی بھی لڑکی نے عنائیہ
کے خلاف بیان دے دیا تو وہ اسے بچا نہیں سکتا تھا۔

اس پر بہت بچے مقدمہ دائر ہونا تھا۔ وہ ایک رات
بھی تھانے میں گزارے وہ کیسے ایسا ہونے دے سکتا
تھا۔ اس کی بیوی اس کی عزت تھانے میں رہے۔ یہ
خانزادہ غیرت گوارا نہیں کر رہی تھی۔ مقابلہ تو جان
سے زیادہ پیاری تھی۔

واش روم میں ایک روشن دان تھا۔ جو بہت چھوٹا
تھا۔ جس سے وہ لوگ باہر نہیں جاسکتے تھے۔
در خزئی نے کمرے میں آکر کمرے میں موجود گلاس
ونڈوسے باہر جھانکا۔ اس طرف اس کا کوئی اہلکار کھڑا
نہیں تھا۔ اس کی آدھی سے زیادہ ٹیم بار کے اندر
تھی۔ فرنٹ پر میڈیا تھا۔ اس لیے اب چاروں

طرف پولیس موجود نہ تھی۔ اگر یہ گلاس ونڈو کھل جاتی۔ وہ عنایتیہ کو یہاں سے باآسانی سے نکال سکتا تھا۔

در خزئی نے وہ گلاس ونڈو کھولنے کی کوشش کی جو کھل ہی نہیں رہی تھی۔ عنایتیہ صوفے سے کھڑی ہوتی در خزئی خانزادہ کو پریشانی سے دیکھ رہی تھی۔ وہ

آخر کیا کرنا چاہ رہا تھا؟؟؟

وہ گلاس ونڈو دیوار میں نصب تھی۔ مگر اس کا کوئی
لاک نہیں تھا۔ وہ صرف خوبصورتی کے لیے نصب
تھی۔

در خزنئی خانزادہ نے پوری قوت سے اپنے آہنی ہاتھ کا
مکہ بنا کر اس ونڈو پر دے مارا۔ مگر شیشے پر ایک آنچ

نہیں آئی تھی۔۔ در خزئی خانزادہ نے اب پہلے سے
بھی زیادہ قوت سے اس شیشے پر مکہ مارا تھا۔ اب کی
بار وہ شیشہ تڑختے در خزئی کے ہاتھ کوزخمی کر چکا تھا۔
عنائے لبوں پر ہاتھ رکھے اپنی چیخ گھونٹ چکی تھی۔
در خزئی خانزادہ نے اس کمرے میں رکھی کرسی اٹھا
کر اس گلاس ونڈوپر پوری قوت سے دے ماری تھی

۔ گلاس ونڈو کا گلاس ٹوٹ چکا تھا کالج کی کتنی کرچیاں
در خیزی کے چہرے پر آ کر لگی تھیں۔

عنایتیہ لبوں پر ہاتھ رکھے پیچھے کی طرف اپنے قدم
بڑھاتی اس جنونی خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔ جو بے حد
جنونی تھا۔ اس کی جنونیت کچھ الگ تھی۔ کچھ الگ سی
تھی۔ سب خانزادوں سے الگ جنونیت۔۔۔۔۔

یہ اس کے اپنے گال سے کرچی صیجج کر نکالنے میں
اندازہ ہوا تھا۔ جس کو شاید درد تک نہیں ہوا تھا۔ وہ تو
بکھرے بالوں بکھرے حلیے زخمی ہاتھوں سے اس
گلاس ونڈو پر رہ جانے والے کانچ کے ٹکڑے کو اب
جڑھ سے اکھاڑ رہا تھا۔

عنائیہ اپنے لبوں پر ہاتھ جمائے اس خانزادہ کو دیکھے جا

رہی تھی۔ جسے کسی چیز کی پرواہ نہیں تھی۔
چلو!! وہ جلدی سے عنائے کی طرف بڑھا۔
عنائے پتھرائی کیفیت میں اسے دیکھ رہی تھی۔
در خزئی اسے پتھرائی کیفیت میں دیکھ کر اس کا ہاتھ
اپنے زخمی ہاتھ میں جکڑے اپنی طرف کھینچ چکا تھا۔
وہ اس کی گرفت میں کھنچتی گئی تھی۔ عنائے کی بھیگی

نگاہیں اپنے ہاتھوں پر تھیں۔ جو در خزئی کی گرفت
میں خون سے رنگ چکا تھا۔ عنائے نے اس کی چوڑی
پشت دیکھتے ہچکی لی۔ در خزئی کے ہاتھ سے خون زمین
پر ٹپک رہا تھا۔

یہاں سے نکلتے اس بار کی بیک سائیڈ سے ہم دونوں
نکل جائیں گے۔ میں تمہیں فرنٹ سے سب کے

سامنے لے جاسکتا ہوں۔ مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔۔
مگر باہر میڈیا ہے۔ وہ ہم دونوں کو پوری کورٹیج دے
گا۔ تم بے پردہ ہو یہ مجھے گوارا نہیں۔ درختی کی بات
پر عنایتیہ نے اپنے حلیے پر نگاہ ڈالی تھی۔ وہ اپنی فٹنگ
والی شارٹ شرٹ اور جینز کو دیکھ کر زمین کی اتھاہ
گہرائیوں میں دھنسی تھی۔

!! یہ چادر مت سرکنے دینا جان! پٹھانوں کا خون بس
یہاں آکر کھولتا ہے۔ یہاں مت ستانا باقی ساری
باتیں سہ لوں گا!!

در خزئی خانزادہ کے لفظ یاد کرتے وہ اپنا نچلا لب بے
دردی سے دانتوں تلے کاٹ گئی تھی کہ خون کی بوند
لبوں پر آٹھہری تھی۔ آخر کیا سلوک کرنے والا تھا یہ

پٹھان اس کے ساتھ۔۔ اس نے اس کی چوڑی پشت
کو دیکھتے سوچتے ہچکلی لی۔

یکدم دروازے کے لاک پر باہر سے فائر ہوا تھا۔
عنائیہ چیختے ہوئے در خزئی خانزادہ کے چوڑے سینے
میں سمائی تھی۔

در خزئی خانزادہ بند دروازے کی طرف دیکھتے اپنے

منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے عنائے کو خود سے دور کر گیا
تھا۔

افیسر رانیہ کے اندر داخل ہونے پر در خیزی خانزادہ
نے نظریں جھکائے اپنی پچھلی گردن سہلائی

? Whts happening there

افیسر رانیہ نے استہزائیہ مسکراتے ہوئے اپنی پسٹل

در خزئی خانزادہ پر تانی۔ کمرے میں ٹوٹی کھڑکی عنائتہ
کو در خزئی کی بانہوں میں دیکھتے وہ سب سمجھ گئی تھی
۔ بند کمرے میں کیا چل رہا تھا۔ ایس پی در خزئی
خانزادہ اندر کم عمری لڑکی کے ساتھ رنگ رلیاں منا
کر بھاگ رہا تھا۔

عنائتہ نے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے پیچھے کی طرف

قدم بڑھائے تھے۔

Don't move i will shoot you

افیسر رانیہ نے لفظ چباتے ہوئے عنائے کی طرف اپنی
پسٹل کا رخ کیا۔

عنائے کے قدم اسی لمحے رکے تھے۔

Hands up

افیسر رانیہ عنایتیہ پر پسل تانے غرائی تھی۔
عنایتیہ نے در خزی کو دیکھتے روتے ہوئے اپنے ہاتھ
اوپر کیے۔

تمھاری تلاشی میں خود لوں گی۔ تمھارا ایک ایک کپڑا
اتارتے ہوئے۔ اور تمھارے جسم کے حصوں کو

چھوتے ہوئے تمہیں ننگا کرتے ہوئے مجھے کوئی
فرق نہیں پڑے گا۔ لگتا ہے مسٹر در خزئی خانزادہ
تمہیں ننگا کرتے چھوتے ہوئے اپنے حواص کھو چکے
ہیں۔

Just shut up just shut up
ورنہ تمہیں کیسے خاموش کروانا ہے یہ در خزئی

خانزادہ اچھی طرح جانتا ہے اور بکو اس مت کرنا اس
کے متعلق۔ در خزنئی غراتے ہوئے آگے بڑھتے
افیسر رانیہ کے مد مقابل آیا تھا۔ اس کے الفاظ اپنی
بیوی کے لیے کے اس کی دماغ کی رگیں پھڑکا چکی
تھیں۔

How sir

رانیہ در خزئی خانزادہ کی سرخ آنکھوں میں تمسخراتی
نگاہوں سے دیکھتے ہوئے جو ابا غرائی۔

مجھے لگا تھا آپ ایک ایماندار نڈرافیسر ہیں۔ مگر میں
غلط تھی۔ اس بند کمرے میں کچھ ہی منٹوں میں لگتا
ہے یہ آپ کو اپنے بدن کی گرمی دے کر آپ کو
ٹھنڈا کر چکی ہے جو اسے آپ یہاں سے یوں بھگا

رہے تھے۔ افسر رانیہ در خزئی خانزادہ کی آنکھوں
میں دیکھتے طیش اولم سے چیخی
تم اپنی لمٹس کر اس کر رہی ہو۔ بھولومت تم میرے
انڈر کام کر رہی ہو۔ اس وقت میں تمہارا افسر
ہوں۔ در خزئی خانزادہ عناسیہ کو اپنے ہاتھ اوپر کیے
ہوے دیکھتے جبرے بھینچتے بمشکل خود پر ضبط کیے

بولاتھا۔ مگر افسر رانیہ کے لفظوں نے اس کا خون
رگوں میں بھڑکا دیا تھا۔ جس کی وجہ سے رگوں میں
دوڑتا خون بھڑک رہا تھا۔ مگر اپنی بیوی کی وجہ سے وہ
خود پر ضبط کیے ہوئے تھا۔

ایک لڑکی کی خوبصورتی کم عمری دیکھ کر آپ نے اپنی
ڈیوٹی سے غدار ی کر دی۔ نہ میں آپ کو اپنا سرمانتی

ہوں نہ میں آپ کے آرڈر زمانے کی پابند رہی
ہوں۔ افسر رانیہ در خزئی خانزادہ کو دیکھتے طنزیہ بولی

در خزئی پھولتی رگوں کے ساتھ اسے سرد سرخ
آنکھوں سے دیکھ رہا تھا
کیا پشکش کی اس لڑکی نے آپ کی رکھیل بننے کو تیار

ہو گئی ہے یا پھر آپ کے بینک بیلنس کو
millions میں لے جانے کی ڈیل ہوئی ہے۔
بکواس بند کرو اپنی تم!! بیوی ہے یہ میری۔ بیوی ہے
یہ میری!! در خزئی خانزادہ حلق کے بل دھاڑتے
ہوے افسر رانیہ کی گردن اپنی آہنی گرفت میں
دبوچتے ہوئے اسے دیوار کے ساتھ لگا گیا تھا۔

اگر تم نے ایک لفظ اور میری بیوی کے متعلق کہا
تمہارے دماغ میں اپنی پسٹل کی تمام گولیاں اتار
دوں گا۔ اور تم۔ جانتی ہو میں یہ کر سکتا ہوں در خزئی
اس کی گردن خطرناک حد تک دبو چے اپنی پینٹ
سے پسٹل نکالتے دوسرے ہاتھ سے اس کی پیشانی پر
رکھ گیا۔

افیسر رانیہ خود کو چھڑاوانے کی تگ و دو د میں ہلکان ہو
رہی تھی۔ در خزی خانزده کی وحشی گرفت سے اس
کی رنگت خطرناک حد تک سرخ ہوئی تھی۔ وہ چاہ کر
بھی خود کو چھڑوا نہیں پائی تھی۔ وہ کسی بھی مرد کو دو
منٹ میں اس کی اوقات یاد دلا کر اسے چت سکتی

تھی۔ مگر مقابل ایک سرا پھرا پہاڑی خان تھا۔ جس
کے آہنی ہاتھ کی گرفت سے چھڑوانا اس کے لیے
ناممکن تھا۔

در خزئی خانزادہ کی باتوں پر عناسیہ پیچھے کو ہوتے دیوار
میں سمائی تھی۔ آنکھوں سے اشک رواں کا سیلاب
جاری تھا۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ ابھی ابھی اوپر کیے

ہوے تھی۔

در خزنئی خانزادہ سر پھر اخانزادہ ہے دنیا کی ہر عورت
کی عزت کیسے کی جاتی ہے؟! وہ نہیں جانتا کیونکہ اس
کے پاس عورت جسا کوئی رشتہ تھا ہی نہیں۔۔۔ جو
اسے بتاتا کہ عورت کی عزت کیسے کی جاتی ہے۔ مگر
جس عورت کی عزت وہ کرتا ہے صرف اس کی بیوی

ہے۔ ایک لفظ اور میری بیوی کے متعلق کہا زبان
کھینچ کر ہاتھ میں پکڑا دوں گا اور گردن دھڑ سے الگ
کردوں گا۔ میری بیوی کے متعلق کچھ بھی کہا۔
در خزئی نے اپنی خون اتری آنکھیں رانیہ کی اہلی
آنکھوں میں گاڑتے پھولتی رگوں کے ساتھ ایک
ایک لفظ چباتے ہوئے ایک جھٹکے سے اس کی گردن

کو اپنی گرفت سے آزاد کیا تھا۔ افسر رانیہ اپنی گردن
کو جکڑے زمین پر گھٹنوں کے بل گری بری طرح
کھانستے ہوئے اپنی سانسیں بحال کر رہی تھی۔
ہاتھ نیچے کر واپس!! در خزئی عنائیہ کو سرخ آنکھوں
سے دیکھتے ہوئے چلایا۔ عنائیہ سمجھتے ہوئے جلدی
سے اپنے ہاتھ نیچے کر گئی تھی۔

در خزئی خانزادہ گہرے سانس لیتے سرخ آنکھوں
سے عنائیہ کو دیکھ رہا تھا۔ جو ہچکیوں سے روتے
ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔

ہے یہ دل یہ میرا
مجھے ہر دم یہ پوچھتا
کیوں ہے مجھے تجھ سے اتنی وفا

کہ تیری حسرت ہر ہے خواہش سے
بڑھ کر مجھے

کیوں نام تیرا ہی لیتی زبان
ساتھی تیرا بن جاؤں کیوں ہے یہ جنون
ہر آنسو تیرا پی جاؤں اور دے دوں سکون

در خزنی گہرے سانس لیتے اپنی بازو سے اپنی سرخ
آنکھیں مسلتے عنائیہ کو دیکھ رہا تھا جو اپنے منہ پر ہاتھ
رکھے روتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔

در خزنی خانزادہ اپنی پسٹل پینٹ میں اڑتے ہوئے
ہوئے عنائیہ کی طرف بڑھتے اس کی کلائی دپوچتے
کھڑکی کی طرف بڑھا۔ اس سے پہلے وہ کھڑکی سے

باہر کو دتا۔

افیسر رانیہ زمین سے اپنی پسٹل اٹھاتے ان دونوں پر
تان چکی تھی۔ دیوار میں نصب کچھ کانچ کے ٹکڑوں
میں رانیہ کا نظر آتا عکس دیکھتے وہ عنایتیہ کو اپنی مضبوط
بانہوں میں قید کرتے جھکاتھا رانیہ کی پسٹل سے ٹکلی
گولی در خزئی کے بازو پر آکر لگی تھی۔

عنائے چہنختے ہوئے سمیتے ہوئے در خزئی خانزادہ کے
چوڑے سینے میں مزید شدت سے سمائی تھی۔
در خزئی نے دانت پر دانت پیوست کیے ہوئے
گہرے سانس لیتے بازو میں اٹھتے درد کو براشت کیا
تھا۔

میں آپ کی طرح ڈائیلاگ بازی نہیں کرتی سر!!

لیکن ایک بات بتادوں میں اپنے پرو فیشن پر جان
دیتی ہوں۔

اگر یہاں سے ایم پی شیم پی آئے کا پیٹا بیٹی بچ کہ نہیں
جاسکتا تو یہ لڑکی بھی نہیں جاسکتی۔ اسے بھی اپنا چہرہ
باہر میڈیا کو دیکھنا پڑے گا۔ اسے بھی اسی ہی طرح
یہاں سے جانا پڑے گا۔ اس کلب میں جیسے ہر لڑکی

جائے گی۔

آپ اپنے ایمان کا سودا اپنے کسی رشتے کی وجہ سے کر
سکتے ہیں۔ مگر میں نہیں کروں گی۔ میرے نزدیک
آپ کی اوقات صفر ہے۔ اپنی بیوی کو بچانے کے لیے
آپ ہمارے پولیس ڈیپارٹمنٹ پر داغ لگانا چاہتے
ہیں۔ میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ آپ یہاں

بزدلوں کی طرح منہ چھپاتے بھاگ نہیں سکتے۔
افیسر رانیہ زمین سے اٹھتی پسل در خزی پر تانے
غرائی تھی۔

دیکھتا ہوں میرے ہوتے میری بیوی کو کوئی کیسے
ہاتھ لگا سکتا ہے؟؟ کیسے اس کا چہرہ میڈیا دکھا سکتا
ہے؟؟ در خزی اپنی پسل پینٹ سے نکالتے افسر

رانیہ پر تانے غرایا۔

اس لڑکی کو میرے حوالے کر دے سر!! ورنہ میں
آپ پر گولی چلا دوں گی۔ اب کی بار میرا نشانہ آپ کا
سینہ ہو گا۔ آپ جانتے ہیں میری اکیڈمک ریکارڈ میں
بیسٹ شوٹر ہوں۔ میرا نشانہ کبھی چونکتا نہیں ہے

Drop the gun

رانیہ در خزئی کو کودھمکی دیتے ہوئے چیخی تھی۔
آپ نے میرے بارے میں ایک اور بات نہیں جانی
افیسر رانیہ !!

در خزئی خانزادہ ایک سر پھراافیسر ہے جس کا دماغ
کب پھر جائے وہ نہیں جانتا۔ جس پر میرا نشانہ چلتا
ہے اس کی سانسیں سینے میں پھڑپھرا جاتی ہے۔ اسے

تو میری گولی ہچکلی لینے کا بھی موقع نہیں دیتی۔
اپنے پروفیشن پر در خزئی خانزادہ سے بڑھ کر کوئی
جان دینے والا نہیں۔ مگر جب بات اس کی بیوی پر آ
جائے تو اسے کوئی پیارا نہیں۔۔ تمھارے اور پوری
دنیا کے سامنے اپنی بیوی کو لے کر جاؤں گا۔ تم لوگ
دیکھتے رہ جاؤ گے۔ در خزئی مسکراتے ہوئے اپنی پسٹل

سے نشانہ لیتے ہوئے رانیہ کے ہاتھ میں پکڑی پسل
پر چلا گیا۔

رانیہ کے ہاتھ سے وہ پسل چھوٹ کر زمین پر گرا تھا۔
اس سے پہلے رانیہ آگے بڑھتی در خزئی خانزادہ نے
عنائیہ کو خود سے الگ کرتے ہوئے آگے بڑھتے
ہوئے وہ پسل زمین سے اٹھاتے ہوئے کھڑی سے

دور پھینکی تھی۔ وہ عناسیہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے تیزی
سے کھڑکی کی طرف بڑھا۔

آپ ایسا نہیں کر سکتے؟؟ افسر رانیہ حلق کے بل
چیخی تھی۔ دوسرے پل رانیہ نے اپنی جیب سے
واکی ٹاکی نکالتے آن کیا۔

اس کلب کو پچھلے گیٹ سے اپنے گھیرے میں لے

لو۔ ایس پی در خزئی خانزادہ کسی صورت یہاں سے
نکل نہ سکیں۔

Quick Now thats my order

رانیہ حلق کے بل چینی تھی۔
در خزئی خانزادہ نے رکتے ہوئے جبرے بھینچتے
رانیہ پر نگاہ ڈالی۔

سر!! جانیے سب کے سامنے سے اپنی بیوی کو لے
کر! دیکھتی ہوں اس سر پھرے خانزادہ میں کتنی
ہمت ہے۔ رانیہ استھزائیہ مسکراتے ہوئے در خزئی
خانزادہ کے مقابل آئی تھی۔

میرے نزدیک آپ ایک بزدل دو نمبر اپنی باتوں پر
قائم نہ رہنے والے انسان ہیں۔ آپ جیسا انسان اپنے

پروفیشن سے بھی سنسر تھا ہی نہیں۔ آپ بھی باقی
افیسر کی طرح نکلے سر!! وہ بھی تو آپ کی طرح مجبور
ہیں۔ کسے اپنی جان کی پرواہ! کسے اپنے بیوی بچوں کی
پرواہ!! کسے اپنی نوکری کی پرواہ۔ کیا فرق ہے آخر
ان افیسرز اور اس سر پھرے در خزنی خانزادہ
میں؟!۔ اگر آپ سچے ایماندار نڈر افیسر ہوتے۔ اپنی

بیوی کا ایمانداری سے ٹراہیل کرتے۔ مگر نہیں کوئی
فرق نہیں۔ ایس پی در خزنئی خانزادہ ایک ڈرپوک
انسان ہے جس نے اپنی بے شرم بیوی کے لیے اپنی
وردی کا سودا کر دیا۔

قسم سے ایمان اٹھ گیا میرا ایمانداری سے۔ رانیہ
تمسخراتی لہجے میں بولتے ہنسی تھی۔

در خزنئی خانزادہ رانیہ کی کسی بھی بات کا جواب دیے
بغیر پاس کھڑی عنائتہ کا ہاتھ اپنے مضبوط گرفت میں
جکڑے باہر کی طرف بڑھا
تم نہیں جاسکتے مسٹر در خزنئی خانزادہ۔ میں تمہیں
نہیں جانے دوں گی۔ افسر رانیہ چھٹی ہوئی در خزنئی
اور عنائتہ کے پیچھے آئی تھی۔

در خزنئی خاموشی سے سنجیدہ سرخ چہرے کے ساتھ
عنائیہ کی کلائی جکڑے تیز تیز قدموں سے چل رہا
تھا۔ عنائیہ اس کی مضبوط گرفت میں کھنچتی ہوئی جا
رہی تھی۔ بھیگی نگاہیں اس کی چوڑی دپشت سے
ہوتے اس کے خون سے داغدار بازو پر تھیں۔ وہ اس
کے بازو سے نکلے خون کو دیکھتے ایک ہاتھ اپنے لبوں

پر جمائے اپنی سسکیاں روکے ہوئے تھی۔ وہ کلب
کی اس طویل ڈیوری سے تیز تیز قدموں سے گزر رہا
تھا۔

رک جاؤ مسٹر در خزئی!! تم یہاں سے نہیں جاسکتے۔
۔ رانیہ پاگلوں کی طرح چیختے ہوئے ان دونوں کے
پیچھے آرہی تھی۔

کلب کے حال میں آتے در خزئی کی ٹیم نے یہ منظر
حیرانگی سے دیکھا تھا۔

در خزئی خانزادہ جس لڑکی کو اندر لے کر گیا تھا۔ اس کا
ہاتھ تھامے سنجیدہ سپاٹ چہرے کے ساتھ آگے بڑھ
رہا تھا۔ اس کا زخمی۔ بازو زخمی ہاتھ اس کا بکھرا حلیہ
سب کے لیے پریشانی اور الجھن کا باعث تھا۔

Sp Drakhzai khanzada
should not able to leave
!!frome here !!sorround him

رانیہ نے اپنی ٹیم کو گرجتے ہوئے حکم دیا تھا۔
در خزئی خانزادہ بنار کے چلتا جا رہا تھا۔ تمام ٹیم میمبر
خاموش تھے کوئی آگے نہیں بڑھا۔ سب در خزئی

خانزدادہ کی بے حد عزت کرتے تھے۔ اور ڈرتے
بھی تھے۔

سنا نہیں کیا کہا ہے میں نے؟؟ افسر رانیہ ہدیانی چیختی
تھی۔۔ کلب میں گھمبیر خاموشی چھائی تھی۔ کوئی
نہیں آگے بڑھا تھا تمام ٹیم میمبر سٹل کھڑی تھی۔۔
کلب کا ہر فرد خاموش سا کھڑا تھا۔

تم بزدل ہو در خزئی خانزادہ!! میں تمہیں چھوڑوں
گی نہیں تمہیں اوپر تک جواب دینا پڑے گا۔ وعدہ
ہے یہ افسر رانیہ کا تمہارے جسم پر یہ وردی نہیں
رہے گی۔ رانیہ نے پاس کھڑے ایک اہلکار سے پسٹل
چھینتے در خزئی کے ٹانگوں کے اطراف میں یکے بعد
دیگرے کئی فائر کیے تھے

۔ عنائے چیمٹی ہوئی رکی تھی۔ در خزنئی خانزادہ بنار کے
عنائے کا ہاتھ پکڑے کلب سے باہر نکل آیا تھا
آہسہ۔۔۔ افسر رانیہ نے چیمٹی ہوئے وہ پسل زمین
پردے ماری تھی۔۔

وہ بھاگتے ہوئے کلب سے باہر آئی تھی۔۔ جہاں تمام
میڈیا جمع تھا۔ افسر رانیہ گہرے سانس لیتے در خزنئی

خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔

در خزئی خانزادہ سب کے درمیان سے گزرتا عنائے
کی کلائی جکڑے اب تیزی سے وہاں سے گزرتے
اپنی گاڑی کی طرف رہا تھا۔ میڈیا دھڑا دھڑا تصاویر
لیتے در خزئی اور عنائے پر اپنے کیمرے فوکس کیے
ہوئے تھا۔ یہ کیا صورتحال تھی۔ میڈیا نہیں جانتا

تھا۔ کچھ صحافی کو در خزئی خانزادہ کا پتہ تھا۔ وہ لوگ
آگے بڑھتے در خزئی خانزادہ کے مقابل آتے اپنا
مایک اس کے آگے کر گئے تھے۔

سریہ کون ہیں؟؟ اور آپ کا ان کے ساتھ کیا رشتہ
ہے؟؟ یہ اندر کیا کر رہی تھیں۔ آپ کو گولی کیسے
لگی؟؟۔ مختلف سوالات کے انبار میڈیا دھڑ دھڑا

پوچھ رہا تھا۔

در خزئی خانزادہ بنا کسی کی طرف دیکھے سپاٹ چہرے
کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ لمحہ بالمحہ عنائتہ پر اس کی
گرفت مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔۔ عنائتہ نظریں
جھکائے اس کے حصار میں کھینچتی جا رہی تھی۔۔ کچھ
صحافیوں نے بھاگتے ہوئے دوڑ تک در خزئی پر

کیمرے فوکس کرتے اس کے پیچھے بھاگے تھے۔ مگر
در خزئی بنا کوئی جواب دیے سپاٹ سرخ چہرے کے
ساتھ عنائیہ کی کلائی جکڑے آگے بڑھ رہا تھا۔ عنائیہ
روتے ہوئے نظریں جھکائے ہوئے اس کے ساتھ
بڑھتی اس کے بھاری قدموں کا ساتھ دے رہی تھی

-

میڈیا بہت کچھ دونوں کے بارے میں کہتے ہیں
رانیہ کی طرف بڑھی تھی۔ سارا ماجرا سننے کے
لیے۔

افیسر رانیہ در خزئی کی چوڑی پشت کو دیکھتے میڈیا کی
کسی بھی بات کا جواب دیے اندر بڑھ گئی تھی۔
در خزئی خانزادہ کلب کے باہر کھڑی اپنی گاڑی کا

دروازہ کھولتے عنائتہ کو اگلی سیٹ پر دھکیلتے ہوئے
اندر بے دردی سے پٹختا تھا۔ عنائتہ سسکتے ہوئے سیٹ
پر گرتی اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا گئی تھی
در خیزی خود ڈر لیونگ سیٹ کی طرف بڑھتے گاڑی
میں بیٹھتے گاڑی زن سے چلائے وہاں سے بھگا کر گیا
تھا۔

آہستہ۔۔۔۔۔ آریان خانزادہ اپنے بال مٹھیوں میں
جلڑے چیخا۔ زر مش اس کی چنچیں سنتے پیچھے کو ہوتی
کھسکنے لگی۔ سامنے کھڑے انسان کی نگاہیں اس
خطر نک بھیڑیے سے زیادہ خوفناک تھیں جو اس پر

گاڑھے ہوئے تھا۔ آریان خانزادہ تیزی سے زر مش
کی طرف بڑھا وہ اسے چھوڑنے والا نہیں تھا جو اس
سے اس کا midnight چھین چکی تھی۔۔
زر مش اسے خود کی طرف بڑھتے چیتے ہوئے
پتھریلی زمین پر پیچھے کی طرف کھسکی تھی۔ دوسرے
لمحے زر مش اپنی ہمت مجتمع کرتے زمین سے اٹھتے

اس کے مخالف سمت بھاگنے لگی۔

آریان خانزادہ اس کی طرف بڑھتے اسے کلائی سے
بے دردی سے جکڑے اپنی طرف کھینچ گیا۔
زر مش اس کے چوڑے سینے میں آسمائی تھی
مم۔۔۔ مجھے۔۔۔ جانے۔۔۔ دو۔۔۔ ت۔۔۔
تمہیں۔۔۔ خدا۔۔۔ کا۔۔۔ واسطہ۔۔۔ زر مش اس کی

شرٹ مٹھیوں میں جکڑے التجائیہ لہجے میں بولی۔
جانے دوں گا تمہیں!! تمہارے ناپاک وجود کو میں
یہاں رکھنا بھی نہیں چاہتا مگر تمہیں یہاں رکھ کر تم
سے اپنے اس ہر درد کا حساب لوں گا جو مجھے حاکم خان
اور رائینہ نے دیا۔

آج تم مجھ سے میرا مڈ نائٹ چھین چکی ہو!! تمہیں

اب میری پناہوں میں رہ کر اس سب کا حساب دینا
پڑے گا۔

آریان خانزادہ اسے کندھوں سے جھنجوڑتے پاگلوں
کی طرح چیخا تھا۔ midnight کی جدائی اسے
پاگل کر رہی تھی۔

مم میں نے نہیں چھینا۔ تت تم نے اس پر خود کو گولی

چلائی تھی۔ زر مش نے ٹوٹے لہجے میں بولتے ہوئے
اس کی شرٹ پر اپنی مٹھیوں کی گرفت مضبوط کرتے
ہوئے خود کے قدموں کو زمین پر جمے رہنے کا سہارا
دیا تھا۔ ورنہ قدم تو کب سے زمین کا ساتھ چھوڑ رہے
تھے۔

میں نے گولی چلائی۔۔ مگر وجہ تم بنی۔ کیوں آئی ادھر

تم؟؟ کیوں نکلی تم حویلی سے۔۔؟؟ آریان خانزادہ
سرد لہجے میں غراتے ہوئے اپنی شرٹ پر جمی اس کی
مٹھیوں کی گرفت پر اپنی گرفت مضبوط کرتے اس
کے لڑکھڑاتے قدموں کو سہارا دیا تھا۔
مجھے یہاں نہیں رہنا مجھے جانے دو پپ پلینز۔
زر مش کے کپکپاتے لب ایک بار پھر اس سے التجا کر

رہے تھے۔ مقابل کا جو روپ دیکھ بیٹھی تھی۔ اس کا
رواں رواں اب آریان خانزادہ کے خوف سے کانپ
رہا تھا۔

ڈر لگ رہا ہے تمہیں؟؟ تمہیں مجھ سے ڈر لگ رہا
ہے۔ آریان خانزادہ اس کے بال مٹھیوں میں
دبوچے غراتے ہوئے ہنسا۔

زر مش نے ہچکی لیتے اثبات میں سر ہلایا تھا۔
آریان خانزادہ دہشت کا دوسرا نام ہے۔ آج تمہیں
بتاؤں گا تم نے میرا وہ روپ دیکھا ہی نہیں جو میں
تمہیں دکھانا نہیں چاہتا تھا۔ مگر تم نے مجبور کیا ہے
میں تمہیں اپنا وہ روپ دکھاؤں۔ تم نے میرے
midnight کو چھینا۔ تمہیں سزا تو مل کر رہے

گی۔ آریان خانزادہ بر فیلے لہجے میں بولتے اس کی
بھاری اعصاب مزید بھاری کرتے منجمند کر چکا تھا۔
رگوں میں دوڑتا خون منجمند کر چکا تھا۔ وہ اب کونسا
اپنا روپ دکھانا چاہتا تھا۔ اتنی دہشت تو وہ اپنے لیے
اس کے دل میں بٹھا چکا تھا۔
آریان خانزادہ اس کی کلائی بے دردی سے کھینچتے

ہوے ڈھلوان کی طرف بڑھا۔
زر مش اس کی بے درد گرفت میں کھینچتی جا رہی
تھی۔ ڈھلوان پر چڑھتے وہ بری طرح لڑکھرائی تھی
اس نے اتنی بری طرح اسے کھینچا تھا وہ گھسٹتی ہوئی
اس کے ساتھ آگے بڑھی تھی۔
مم مجھے معاف کر دو!! مجھے جانے دو۔ زر مش اس

کی چوڑی پشت دیکھتے خوفزدہ ہوتے حلق کے بل
چیخنی تھی۔ اس کی خوفناک بلند چیخ پہاڑوں سے
تھر تھراتے اس تک واپس پلٹی تھی۔

وہ لوگ اب سیدھی جگہ پر تھے آریان خانزادہ بنا
رکے بہت تیز قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا۔
آہہ۔۔۔ زر مش کی چیخ بلند ہوئی تھی۔ زر مش

آستین کسی کانٹے دار جھاڑی میں ابھی تھی۔ جونہ
صرف کا بازو زخمی کر چکی تھی بلکہ اس اس کی آستین
اور اگلہ گلہ کا حصہ کانٹوں میں الجھتا چاک کر گیا تھا۔
آریان کے کھینچنے پر اس کی فرائی کا کچھ حصہ آگے
سے پھلتا کانٹوں کی ٹہنی میں الجھتا تھا۔ اور اس کے
بازو سے خون جاری ہوا تھا۔ زر مش کی بلند

سسکاریاں بلند ہوئی تھیں۔ آریاں خانزادہ نے ایک
بار بھی مڑ کر پیچھے نہیں دیکھا تھا۔ زر مش کا اگلے
گلہ کے فراک کا کچھ حصہ چاک ہوتا اس کے بدن کی
گہرائیوں کو واضح کر گیا تھا۔
زر مش اپنی حالت دیکھتے کرب سے آنکھیں میچتے اس
کے ساتھ کھینچتی جا رہی تھی۔

آریان خانزادہ جنگل میں بنے ایک بیسیمنٹ کی
طرف بڑھا۔ زر مش کی اب خوف سے سانسیں رکی
تھیں۔ وہ دھڑ دھڑا سڑھیاں اتر رہا تھا۔ زر مش
لڑکھڑاتی ہوئی اس کے ساتھ سڑھیاں اتر رہی تھی۔
بیسمنٹ میں داخل ہوتے خوف سے زر مش کی
سانسیں اکھڑی تھیں۔

اس بیسمنٹ میں بہت بڑا حال تھا۔ جہاں صرف ایک
کرسی پڑی تھی۔

آریان خانزادہ اسے کلائی سے جکڑے اس کرسی پر بیٹھ
گیا۔ زر مشخوفہ نگاہوں سے آریان خانزادہ کو
دیکھ رہی تھی۔ جو اسے سرد خالی خالی نگاہوں سے
دیکھ رہا تھا جس کی آنکھوں میں دہشت کے علاوہ کوئی

جذبہ نہ تھا۔

آریان خانزادہ اس کی کلاسیاں کرسی کے بازو پر رکھتے
انھیں handcraft سے جکڑ گیا۔ اس کے
دونوں کلاسیاں جکڑی جا چکی تھیں
زر مش کی خوف سے آواز بند ہو چکی تھی۔ وہ کیا کرنا
چاہتا تھا وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔

کہا تھا تمہیں اپنے خونخوار جانوروں سے ملاؤں گا۔
midnight تو بالکل خطرناک نہیں تھا۔ آریان
خانزادہ کرسی کے بازو پر ہاتھ جماتے ہوئے جھکتے
ہوئے اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں اپنی سبز
آنکھیں گاڑھ گیا۔ جن آنکھوں سے اسے شدید
نفرت تھی۔ اس کا بس چلتا ان ہیزل گرے آنکھوں

کو نوچ ڈالتا۔

زر مش خوفزدہ نگاہوں سے اب شل اس کی
آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

تمہارے معصوم چہرے کی طرف دیکھوں تو تم پر
بے حد ترس آرہا ہے۔ مجھے بلا کی معصومیت ہے
تمہارے چہرے پر آریان نے جھکتے ہوئے اس کے

گالوں پر ملاہمت سے ہاتھ پھیرا۔ زر مش پیچھے کو
ہوتی کرسی میں سمائی تھی۔

کیا ہوا میرا لمس برا لگ رہا ہے؟؟ ساحر خان کو بلاؤں
کیا؟؟ آریان خانزادہ زر مش کی آنکھوں میں خوف
اور نفرت دیکھتے تمسخراتے لہجے میں مسکراتے ہوئے
بولا۔

وہ مرچکا ہے۔ زر مش کرسی میں سمائے آریان خانزادہ
کی آنکھوں میں دیکھتے شدت سے رودی تھی۔
زر مش کی بات پر آریان خانزادہ کا بلندہ بانگ قہقہہ
برآمد ہوا تھا۔

کس پر مرا تمھاری خوبصورتی پر۔۔ آریان خانزادہ
اس کے نقوش کو گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے

بولا۔

زر مش شدت سے رودی تھی۔

بلا کی معصوم نہیں بلکہ تم بلا کی خوبصورت ہو۔

آریان خانزادہ نے گھمبیر آواز میں بولتے ہوئے اس

کے نقوش پر اپنی پر تپش سانسیں بکھیری تھیں۔

زر مش اذیت سے اپنی آنکھیں میچ گئی تھی۔ مقابل

کی سائیں نہیں آگ تھیں جو اس کی روح جھلسا رہی
تھیں۔

تم سر سے پیر تک قیامت ہو!!! مگر تمہارے چہرہ بے
حد خوبصورت ہے۔ آریان خانزادہ نے اب اپنی انگلی
اس کے نشان زدہ گال پر پھیری۔

زر مش آنکھیں میچتے ہوئے بری طرح تھر تھرائی

تھی۔

تمہارے پھول جیسے گال کا حشر لگاڑنے کا مجھے بہت
افسوس ہے۔۔ مگر کیا کروں تم نے بات ہی ایسی کی
تھی۔ دل تو کر رہا تھا تمہارا گال اپنے دانتوں سے کچل
ڈالوں۔ آریان خانزادہ کی بات پر زرمش نے
خوفزدہ ہوتے پیٹ سے آنکھیں کھولتے سر نفی میں

ہلایا۔

آریان اس کے آنکھیں کھولنے پر گہرایا مسکرایا تھا۔
اگر میں تمہارے گال کو دانتوں سے کاٹتا تو یقین کرو
میں اتنے خوبصورت گالوں کو صبح تک اپنے دانتوں
میں دبائے رکھتا۔ آریان خانزادہ کتنا جنونی ہے تم
ابھی نہیں جانتی۔ مگر میری یہ جنوینت اس لڑکی کے

لیے ہوگی جو صرف میری ہوگی۔ جس پر آج سے
پہلے کسی مرد نے اپنی چھاپ نہیں چھوڑی ہوگی۔
آریان خانزادہ کو تو وہ لڑکی چاہیے جس نے کبھی خود کو
بھی نہ چھوا ہو۔ سمجھ رہی ہوں ناں میری بات !!
آریان خانزادہ کے ذومعنی اشارے پر وہ کرب سے
آنکھیں میچ گئی۔

آنکھیں کھولو۔ وہ اس پر جھکے دھاڑا تھا۔
زر مش نے پٹ سے آنکھیں کھولتے اسے سسکتے
ہوے دیکھا۔

تمہیں لگتا ہے تم مظلوم ہو۔ آریان خانزادہ نے چبھتے
لہجے میں سوال کیا۔

آریان خانزادہ کے سوال پر اس نے ڈرتے ہوئے سر

لفی میں ہلایا تھا۔

گڈ صبح جواب!! مظلوم تو آریان خانزادہ ہے۔۔

صرف آریان خانزادہ۔۔ میری کہانی میں صرف

مظلوم آریان خانزادہ ہے

اور تم ظالم! جس نے میرا midnight مجھ سے

چھینا۔

اب میں تم سے ممھاری سانسیں چھینوں گا قطرہ
قطرہ۔

آریان خانزادہ نے پر سرایت سے مسکراتے ہوئے
کہا۔

سانسیں دو طرح سے کھینچی جاتی ہے۔ ایک طریقہ
تھیں پتہ ہوگا بہت بار ساحر خان نے تمھاری

سائیں چنچی ہوگی۔۔ آریان خانزادہ نے اسے بے
باکی سے آنکھ ماری۔

زر مش آریان خانزادہ کی بات پر اپنا منہ دوسری
طرف پھیر گئی تھی

میری طرف دیکھو!! دیکھو میری طرف۔ آریان
خانزادہ دھاڑا تھا۔ زر مش ڈرتے ہوئے اپنی ہیزل

گڑے آنکھیں آریان کی سبز آنکھوں میں گاڑھیں۔
زندگی میں کبھی تمھاری سانسیں اس طرح نہیں
کھینچوں گا۔ تمھارے یہ گلاب ہونٹوں کو آریان
خانزادہ چھونے سے پہلے مرنا پسند کرے گا۔ آریان
نفرت امیز لہجے میں بولتے غرایا۔
جب تک تم یہاں ہو تمھاری سانس کسی اور طریقے

سے کھینچوں گا۔ اب دیکھو میں کیا کرتا ہوں۔
آریان خانزادہ بیچھے ہوتے استھزاسیہ لہجے میں بولا
تھا۔

سامنے دیکھتے زر مش کی سانسیں سینے میں اٹکی
تھیں۔ وہ سچ میں اس کی سانسیں نکال چکا۔

ارحام خانزادہ ابھی ابھی حویلی میں داخل ہوا تھا۔
اسے آج صبح ہی ایک میٹنگ کے سلسلے اسلام آباد جانا
پڑا تھا۔

پریذے اس ٹائم سو رہی تھی وہ اسے ملے بغیر ہی چلا
گیا تھا۔ اب وہ فلائیٹ لے کر حویلی آیا تھا۔
اس وقت وہ بلو جینز پر بلو شرٹ میں ملبوس تھا جس پر

بلو کيجول کوٹ پہنے ہوئے تھا۔
وہ تيز تيز قدموں سے حويلی داخل ہوا تھا۔ بیوی اور
بیٹی کو دیکھنے کے لیے بے تاب ہو رہا تھا۔ وہ اپنے
بھاری قدموں سے پریدے کے کمرے کی طرف
بڑھا۔ اس کے قدم ر کے تھے دوسرے پل وہ تيز تيز
قدموں سے پریدے کے کمرے کی طرف بڑھا۔

حور پر پیدے کے کمرے کے دروازے پر کھڑی رو
رہی تھی۔

کیا ہوا ہے؟؟ ارحام خانزادہ نے پریشانی سے پوچھا۔
حور کی آنکھیں گلابی اور متورم تھی۔ اس کے لبوں
سے ہچکیاں برآمد ہو رہی تھی جس کا مطلب تھا وہ
کافی دیر سے رو رہی ہے۔ وہ اس وقت سیلو کلر کے

اس کے شیشوں والے اس کے فیورٹ فرائڈ میں
ملبوس تھی۔۔ سلکی بال کمر پر بکھرے تھے۔۔ شال
ایک کندھے پر لہرا رہی تھی۔
ارحام خانزادہ کو دیکھتے حور نے جلدی سے گڑ بڑاتے
ہوئے اپنی شال سر پر اوڑھی۔
کیا ہوا ہے رو کیوں رہی ہو؟؟؟ ارحام نے اس کے گال

پر ہاتھ رکھتے نرم لہجے میں پوچھا۔
ارحام خانزادہ کے لہجے کی نرمی پر حور اس کے ہاتھ پر
اپنا ہاتھ رکھے آنکھیں میچے روپڑی تھی۔
کیا ہوا ہے؟؟ ارحام نے اب غصے سے سرد لہجے میں
پوچھا تھا
ارحام!! پریذے مجھ سے صبح سے ناراض ہے۔ وہ

میرے لیے دروازہ نہیں کھول رہی۔ حور نے
ہچکیوں سے بتایا۔

کیا مطلب پریدے نے صبح سے دروازہ نہیں کھولا۔
ارحام بری طرح پریشان ہوا تھا۔ نہیں اس نے کھولا
تھا دروازہ۔ وہ باہر

بھی آئی تھی مگر مجھ سے بات نہیں کی۔ مجھے ایک

مرتبہ روم سے باہر نکالا اور اب میرے لیے دروازہ
نہیں کھول رہی۔ ارحام میں مرجاؤں گی۔ میں
پریذے کے بنا نہیں رہ سکتی۔ حور کی بات پر ارحام
طیش والہ سے اپنے جبرے بھینچ گیا۔
پریذے کے بنا نہیں رہ سکتی تم اور جو تمہارے پیٹ
میں جان پل رہی ہے اس کا کیا؟؟ تم صبح سے ایسے ہی

رور ہی ہو۔ ارحام خانزادہ حور کی بات اور اس کی
حالت پر بھڑک اٹھا تھا۔
اس جان سے کہیں زیادہ مجھے اپنی بیٹی پیاری ہے۔ اور
یہ سب صرف آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔ کیا تھا آپ
صبح پر یزے سے مل کر چلے جاتے۔ وہ آپ کی ہر
بات مانتی ہے۔ آپ کے ایک بار کہنے پر اس کی

رور ہی ہو۔ ارحام خانزادہ حور کی بات اور اس کی
حالت پر بھڑک اٹھا تھا۔

اس جان سے کہیں زیادہ مجھے اپنی بیٹی پیاری ہے۔ اور
یہ سب صرف آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔ کیا تھا آپ
صبح پر یزے سے مل کر چلے جاتے۔ وہ آپ کی ہر
بات مانتی ہے۔ آپ کے ایک بار کہنے پر اس کی

مجھے پتہ ہے کیسے پر یزے کو ڈیل کرنا ہے۔ میں نے
اسے ہمیشہ ہر صورت میں بڑوں کی عزت کرنا سکھایا
ہے۔ آج وہ اپنی ماما کو دروازے پر کھڑا کیے رلا رہی
ہے۔ کل وہ اس سے بھی بڑا کچھ کرے گی۔ یہ بات
مجھے بالکل پسند نہیں آئی۔ ارحام کی سخت سرد آواز پر
حور کا دل ہتھیلی پر دھڑکا تھا۔

مجھے پتہ ہے کیسے پر یزے کو ڈیل کرنا ہے۔ میں نے
اسے ہمیشہ ہر صورت میں بڑوں کی عزت کرنا سکھایا
ہے۔ آج وہ لہنی ماما کو دروازے پر کھڑا کیے رلا رہی
ہے۔ کل وہ اس سے بھی بڑا کچھ کرے گی۔ یہ بات
مجھے بالکل پسند نہیں آئی۔ ارحام کی سخت سرد آواز پر
حور کا دل ہتھیلی پر دھڑکا تھا۔

ارحام چھوٹی ہے وہ۔ میں خود اپنے پاپا کو گھنٹوں باہر
کھڑا کرتی تھی وہ تو رات رات بھر دروازے پر
کھڑے رہتے مجھے مناتے تھے۔

Listen hoor

پریذے اس حویلی کی بیٹی ہے میرے کچھ اصول ہیں
۔ تمہیں ایسا لگتا میں اپنی بیٹی سے پیار نہیں کرتا۔ مجھے

لگتا ہے میں سلطان شاہ سے بھی زیادہ اپنی بیٹی سے
پیار کرتا ہوں۔ مگر نہ میں سلطان شاہ ہوں اور نہ
پرینڈے حور! پرینڈے کو پرینڈے رہنے دو اور مجھے
ارحام خانزادہ رہنے دو۔ ارحام نے سنجیدگی سے کہتے
زور سے دروازہ کھٹکھٹایا تھا۔
اسی لمحے پرینڈے دروازہ کھول چکی تھی۔

ارحام کو دیکھتے اب وہ نظریں جھکائے کھڑی تھی۔
پریذے!! حور نے بھیگی آواز میں اسے پکارا۔
ڈونٹ!! ارحام نے سختی سے کہتے حور کو خاموش
رہنے کو کہا۔

ارحام نے پنچوں کے بل بیٹھتے پریذے کے ہاتھ
تھامتے اس کی جھکی نظروں کو دیکھا۔

مجھ سے ناراض ہیں آپ؟؟ ارحام نے سنجیدگی سے
پوچھا۔

پریذے نے نظریں جھکائے سر نفی میں ہلایا تھا۔
تو پھر یہ کیا طریقہ آپ کی مامادروازے پر کھڑی آپ
کو پکار رہی ہیں۔ آپ دروازہ نہیں کھول رہی تھیں۔
میں نے آپ کو بتایا تھا ماما کی اسلام میں کیا عزت

ہے۔ ماما کے قدموں میں اللہ نے جنت رکھی ہے۔ ماما
کے احترام میں ان کی ہتھیلیاں چومتے ہیں اور آپ
اپنی ماما کے ساتھ یہ سلوک کر رہی ہیں۔ ارحام کے
سنجیدہ لہجے پر پریدے کی ٹھوڑی اب سینے سے لگ
چکی تھی۔

حور کی آنکھوں سے شدت سے گرم سیال بہا تھا۔

اس نے شال سے اپنی ناک رگڑتے پچکی لی تھی۔
ارحام نے حور کی پچکی لینے پر اسے سرد نگاہوں سے
دیکھا۔ پر یذے سے زیادہ وہ بچپنا دکھاتی تھی۔
ارحام کی سرد نظر پر حور نے جلدی سے اپنے
عارض پر بہتے آنسو ہتھیلی سے آنسو صاف کیے۔
میں جانتا ہوں آپ ہم دونوں سے ناراض ہیں۔ ہم

نے آپ کی برتھڈے خراب کی۔۔ ماما پاپا کا کوئی حق
نہیں پہنچتا تھا ایسا کرنے کا۔ مگر غلطی انسانوں سے
ہوتی ہے۔ ماما پاپا سے بھی ہو گئی۔ اس لیے پاپا آپ
سے سوری کرتے ہیں۔ یقیناً ماما سوری کر چکی ہوں گی
۔ اور جب کوئی سوری کرتا ہے ایک اچھا انسان ہے وہ
سوری ایکسیپٹ کرتا ہے۔۔ ارحام نے پریدے کی

سینے سے لکی ٹھوڑی کو انگلیوں سے اوپر کرتے اس کی
آنکھوں میں جھانکا۔ وہ اب معصومیت سے ارحام کو
دیکھ رہی تھی

سوری بیٹا!! ارحام نے مسکراتے ہوئے اپنے دونوں
کانوں کو ہاتھ لگائے تھے۔ پریدے ارحام کو دیکھتے
اسی لمحے کھلائی تھی۔

احور ارحام کی حرکت اور پرینڈے کی کھلکھلاہٹ پر
روتے ہوئے ہنسی تھی۔

میری پیاری بیٹی! ارحام خانزادہ پرینڈے گود میں
اٹھاتے کھڑا ہوا۔

پرینڈے نے ارحام کے گال پر کس کرتے ہوئے حور
کو دیکھا تھا۔

چلیں ماما کو کس کریں۔ ورنہ وہ جیل میں ہو کر پھر سے
رونا شروع کر دیں گی۔ ارحام حور کے بھیگے چہرے کو
دیکھتے شرارتی لہجے میں بولا تو پرینڈے منہ پر ہاتھ
رکھے ہنسی تھی۔

حور نظریں جھکائے خفت سے مسکرائی۔
کس کریں بیٹا!!! ماما آپ کے چکر میں پا پا سے ناراض

ہو جائیں گی۔ آپ کے چکر میں ماما کو ڈانٹ دیا ہے
اب پاپا ڈر رہے ہیں آپ کی ماما سے۔۔ ارحام نے حور
کو گہری نگاہوں سے دیکھتی بہت نرمی سے حور کے
گال پر چپکی لٹ کان کی پیچھے اڑ سی۔۔
پریذے آپ کے پاپا کبھی ماما سے ڈر جائیں یہ ہو ہی
نہیں سکتا۔ کیونکہ انھیں اپنا سوگ بہت پیارا ہے۔

جسے انہوں نے خراب نہیں ہونے دینا۔ حور ارحام
کو دیکھتے شعلہ بار لہجے میں بولی تو ارحام کا بلند و بانگ
قہقہہ بلند ہوا تھا۔

پریذے بھی ارحام کی ہنسی پر اونچا اونچا ہنسنے لگی تھی۔
کس کریں بیٹا ماما کو۔ ارحام نے حور کے نروٹھے
چہرے کو دیکھتے بمشکل اپنی مسکراہٹ روکی تھی۔

پریذے نے حور کی طرف جھکتے اسے کس کی۔
حور نے مسکراتے ہوئے پریذے ارحام سے لینا
چاہی۔

کیا کر رہی ہو؟؟ دماغ ٹھیک ہے۔ ارحام نے سختی سے
پریذے کو سینے سے لگایا تھا۔
کیا ہوا۔؟؟ حور نے ارحام کو الجھن بھری نگاہوں

سے دیکھا تھا۔

بتانا ہوں اچھی طرح تمہیں آج رات سمجھاؤں گا۔
جو الفاظ ابھی تھوڑے دیر پہلے بولے اس کی
وضاحت بھی چاہیے۔ ارحام پر یزے کو سینے سے
لگائے پر یزے کے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ حور
ارحام کی بات پر پریشانی سے لب کاٹتے ہوئے اندر

داخل ہوئی تھی۔

ارحام پر یزے کو بیڈ پر لٹائے گد گدی کرنے لگا۔ حور
دوسری سائیڈ پر بیٹھ کر پر یزے کو ہنستا دیکھ کر ہنس
رہی تھی

ارحام نے مسکراتے ہوئے گہری نگاہ حور پر ڈال۔ ی
جوارحام کی گہری گرم نگاہ پر بے سرخ ہوتے رخی

سے نگاہیں پھیر گئی تھی۔ حور کے نگاہیں پھیرنے پر
ارحام کا بلند و بانگ قہقہہ برآمد ہوا تھا۔ ارحام کے
قہقہے پر پریدے کی ہنسی کی جلت رنگ گو نجی تو حور بھی
چہرے پر دونوں ہاتھ رکھے ہنس پڑی تھی۔۔ حور کو
ہنستادیکھ کر ارحام کا بلند و بانگ قہقہہ ایک بار پھر سے
گو نجا تھا۔

شاید تھکن زدہ مسافت ختم ہو چکی تھی یا اب شروع
ہوئی تھی وہ نہیں جانتا تھا مگر سفر ختم ہو چکا تھا۔ لیکن
آبلہ پانی کا سفر ابھی بھی باقی تھا جو شاید اسے کاٹنا ہی
تھا۔

عنائیہ گاڑی کے دروازے کے ساتھ لگی بیٹھی تھی۔
وہ راستے بھر اس ایس پی سر پھرے خانزادہ پر ایک

نگاہ نہیں ڈال سکی تھی۔ کیوں وہ نہیں جانتی تھی؟؟ وہ
جب جب درد سے کراہتا تو عناسیہ کو اپنے دل میں
شدید درد اٹھتا محسوس ہوتا تھا۔ وہ اپنے دل کو مٹھیوں
میں جکڑنے لگتی تھی۔ اس سر پھرے ایس پی کا درد
آخر اسے اپنی روح میں کیوں اترتا محسوس ہو رہا تھا؟؟
وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

ابھی بھی اس کے کراہنے پر وہ اپنے دل کو مٹھی میں
جکڑے ہوئے تھی۔

در خزنئی خانزادہ اپنی گاڑی کا دروازہ کھول کر اترتے
عنایتیہ کی طرف بڑھا جو سیٹ پر بیٹھی نظریں جھکائے
ہوئے تھی۔

عنائیہ کی طرف کا اس نے دروازہ کھولا وہ خوف سے
دوسری طرف کھسکی تھی۔ دل پہلو میں شدت سے
اس سر پھرے خانزادہ کے خوف سے بھی شدید لرز
رہا تھا وہ اس کے ساتھ برا سلوک کر سکتا تھا آخر حق جو
رکھتا تھا۔

در خزئی خانزادہ نے دروازہ کھولتے ہوئے اسے کلائی
سے جکڑے کھینچتے ہوئے باہر نکالا۔ وہ گھسٹتی ہوئی باہر
آئی تھی۔ مزاحمت کرنے کا وہ حق کھو چکی تھی۔ مگر
مقابل اس پر ابھی تک ہر قسم کا حق رکھتا تھا جو غلطی
اس سے آج سرزد ہو گئی تھی۔ وہ شاید اب زیادہ ہی
حق رکھتا تھا۔ در خزئی خانزادہ اس کی کلائی جکڑے

داخلی دروازے کی طرف بڑھا۔ اس نے پلٹتے ہوئے
گیٹ پر کھڑے گل خان کو ایک نظر دیکھا تھا۔
در خزئی خانزادہ کے دیکھنے پر وہ گڑ بڑاتے ہوئے
نظریں پھیر گیا۔ در خزئی کی نظروں کے تعاقب میں
دیکھتے عنائے سرخ ہوتے شرمندگی سے نظریں جھکا
گئی تھی۔ گل خان کے ادھر دیکھنے پر در خزئی خانزادہ کو

زمین میں نگاہیں گاڑھے دیکھ کر عنایتیہ کی آنکھوں
سے موتی ٹوٹ کر عارض پر گرے تھے۔
اسے آج ایک بات کی سمجھ آئی تھی۔ عورت اپنے
شوہر سے نفرت بھی کرتی ہو تب بھی اس کی جھکی
نظریں براشت نہیں کر سکتی۔ وہ اسے ہمیشہ سراٹھا کر

چلتا ہوا دیکھنا چاہتی ہے۔ اس کے جھکے کندھے جھکی
نگاہیں عورت کے دل پر تازیا نے کاوار کرتے ہیں۔
وہ بھی نگاہیں اسی کی وجہ سے جھکی ہوں تو عورت اندر
سے ٹوٹ کر کئی حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ اتنی
سی عمر میں آج یہ حقیقت جان کر وہ اندر سے مر رہی
تھی۔ اسے سر پھرے خانزادہ کی جھکی نظریں اسے

اندر سے مار رہی تھیں۔ وہ خود بھی نظریں اٹھانے کے
قابل نہ رہی تھی۔

در خزنئی خانزادہ اس کی کلائی بے دردی سے کھینچتے
آگے بڑھا۔ داخلی لکڑی کا بھاری دروازہ اندر سے
لاک تھا۔

عنایتیہ نے ذر در نگلت سے در خزی کی طرف دیکھا۔ وہ
نہیں چاہتی تھی کہ اس کا تماشہ سب کے سامنے
لگے۔ جو باتیں ابرش کو سننی پڑیں وہ اسے بھی سننی
پڑیں۔ زحلے کو ان تکلیف دہ باتوں سے دوبارہ سے
گزرنا پڑے۔ اسے سمجھ آ گیا تھا۔ اس کا یہ اقدام نہ
صرف در خزی بلکہ زحلے اور آہل کی بھی نظریں جھکا

دیتا۔ اس نے یہ تو نہیں چاہا تھا اس کی ماں کو اس کی وجہ
سے ان تکلیف دہ ذلت بھری باتوں سے گزرنا
پڑے۔۔ وہ جانتی تھی در خزنئی خانزادہ کبھی اس کا
لاونج میں تماشہ نہیں لگائے گا۔ اس حویلی کے کسی
بھی خانزادہ نے اپنی عورت کا تماشہ کبھی بھی سب
کے سامنے نہیں لگایا تھا۔ زار ان بھی تو ہمیشہ ابرش کو

پروٹیکٹ کرتے آیا تھا۔ در خزئی خانزادہ عناسیہ کی زرد
رنگت دیکھتے پھیکا سا مسکرایا۔

تم میری نظریں جھکانے کا باعث بن سکتی ہو۔ مگر
وعدہ ہے یہ در خزئی خانزادہ کا تمہیں میری وجہ سے
نظریں جھکانی نہیں پڑیں گی۔ در خزئی عناسیہ کو دیکھتے

استھزائیہ لہجے میں بولتے ہوئے مدھم سا مسکرایا
تھا۔۔۔

رعنائیہ نے درخزئی خانزادہ کی بات پر زخمی نگاہوں
سے اسے دیکھا۔ اس کے طنز برداشت نہیں ہو رہے
تھے۔

وہ مسکراتے ہوئے اپنی پینٹ سے کچھ تلاش کرنے
لگا۔ ایک ہاتھ میں ابھی ابھی اس کی کلائی جکڑی ہوئی
تھی۔ عنائتہ حیرانگی سے اسے پینٹ کے پاکٹس میں
کچھ تلاش دیکھ رہی تھی۔ اس رف سے بکھرے حلے
خون آلود چہرے خون آلود شرٹ اور درد ہو کر ب

چہرے پر سجائے وہ جانے کیوں اس کے دل میں اتر رہا
تھا۔ وہ بہت غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔

در خزئی خانزادہ نے پینٹ سے سگریٹ اور لائٹر نکال
کر سگریٹ لبوں میں دبائے لائٹر آن کرتے سگریٹ
سلگاتے گہرا کش لیا عنائتہ حیرانگی سے اسے دیکھ رہا
تھی۔ وہ اپنی پینٹ کی پاکٹ میں سگریٹ اور لائٹر

تلاش کر رہا تھا۔ اور وہ کب سے سکریٹ پینے لگا
تھا؟؟۔ وہ تو سکریٹ نہیں پیتا تھا۔ در خیزی نے
سکریٹ کے گہرے کش لیتے دھواں فضا میں
چھوڑتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا لایٹر دورا چھالا۔
او۔۔ یہ کیا کیا میں نے؟؟ اس کی ضرورت تو اب پڑتی
رہے گی۔ وہ مدھم مدھم آواز میں خود سے کہتے داخلی

دروازے کے پاس بنے دو تین سٹیپ سے تیزی سے
نیچے اتر اٹھا۔ عنائیہ اس کے ساتھ لڑکھڑاتی ہوئی نیچے
آئی تھی۔ اس نے اس کی کلائی نہیں چھوڑی تھی۔
اس کی تو اب ضرورت پڑتی رہے گی۔ درخزئی خانزادہ
نے جھکتے ہوئے وہ لائٹر اٹھاتے ہوئے پینٹ میں
واپس ڈالا۔

عنائے بغور اس کی حرکتیں دیکھ رہی تھی۔ وہ جیسے
اپنے حواس میں نہیں لگ رہا تھا۔ وہ پھر سے تیزی
سے سٹیپ چڑھا تھا۔ عنائے اس کے ساتھ کھنچتی ہوئی
اوپر گئی تھی۔ وہ اس کی کلائی چھوڑ ہی نہیں رہا تھا۔
در خزئی نے ہاتھ میں پکڑی ایک پن سی داخلی
دروازے کے لاک میں گھمائی تو وہ لاک کلک سے

کل گیا تھا۔ عنائیہ کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں
تھیں۔

دو نمبر خاندانہ بھی ہوں میں!! صرف سر پھرا تھوڑی
ہوں۔ ایس پی دو نمبری میں بھی مشہور ہے۔ وہ کہتے
ہوئے اونچا سا قہقہہ لگا گیا تھا۔ عنائیہ کو اس کے
قہقہوں پر عجب سی وحشت سی محسوس ہو رہی تھی

وہ اس کی کلائی جکڑے داخلی دروازہ کھولتے ہوئے
اندر داخل ہوا۔ وہ اس کی کلائی اتنی سختی سے جکڑے
ہوئے تھا کہ عنایتیہ کو اپنی کلائی ٹوٹتی محسوس ہو رہی
تھی۔ درد کی شدت سے عنایتیہ کے لبوں سے
سسکاری بلند ہوئی۔ اس کی بلند ہوتی سسکاری پر

در خزئی خانزادہ کے بھاری قدم رکے تھے۔
دوسرے لمحے وہ سر جھٹکتے تیز تیز قدموں سے آگے
بڑھنے لگا۔ وہ لاونج میں خود کا تماشاہ بننے نہیں دیکھ
سکتا تھا۔ اس وقت رات گہری ہو چکی تھی۔ سب
اپنے اپنے گرم کمروں میں سو رہے تھے۔ وہ نہیں
چاہتا تھا حویلی میں کسی کو بھی اس معاملے کی بھنک

پڑے۔ وہ زنان خانے کے لاونج سے اپنے بھاری
قدموں کی دھمک لیے عنائے کو کلائی سے تقریباً کھینچتے
ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ عنائے اپنے
لبوں سے نکلتی سسکاریوں پر بمشکل قابو پائے ہوئے
تھی۔ اس سر پھرے ایس پی کی سخت گرفت اپنی
نازک کلائی پر برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

۔ کدم وہ راستے میں رکھی خوبصورت سی اوپچی سی
گول ڈیکوریشن کے لیے رکھی گئی ٹیبل سے ٹکرا گئی
تھی۔۔ وہ اس ماربل سے بنی ٹیبل سے بہت بری
ٹکرائی تھی۔ عنائتہ کے لبوں سے چیخ برآمد ہوئی تھی۔
در خزنئی خانزادہ کے بھاری قدم رکے تھے۔ دوسرے
پل وہ بے رحم بنا بنا پیچھے مڑے بغیر اسے بے دردی

کے کھینچتے آگے بڑھ گیا تھا۔ وہ ماربل سے بنی میز زمین
پر گرتے رات کے سناٹے کو چیر گئی تھی۔ ابرش جو
بلیک فال گاؤں پر نائیٹ پر اپنی گرم شال اوڑھے
ہوئے سڑھیاں اتر رہی تھی۔۔۔

عنائتہ کو دیکھتے وہ تیز تیز قدموں سے سڑھیاں اترنے
لگی۔ اسے ٹیبل پر گرتے ہوئے وہ دیکھ چکی تھی۔ اور

در خزنی جیسے اسے گھسیٹ کر لے کر گیا تھا۔ وہ یہ بھی
دیکھ چکی تھی۔ وہ پاگلوں کی طرح کئی سڑھیاں ایک
ساتھ پھلانگتے ہوئے نیچے آئی تھی۔۔۔ لاونج کے
سفید فرش پر وہ خون کے قطرے دیکھ چکی تھی وہ خون
دیکھتے اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا تھا۔
عنا۔۔۔ عنائیہ!! اس کے لبوں سے ٹوٹ کر اس کا

نام ادا ہوا

آخری سٹیپ پر پر وہ لڑکھڑائی تھی۔ اس کا پاؤں کا
انگوٹھا سیڑھی کے سٹیپ سے بہت بری طرح ٹکرایا
تھا۔ وہ درد سے کراہتے منہ کے بل گری۔۔۔ درد کی
شدت سے اس کی آنکھوں میں شبِ نیم اتری تھی۔ وہ
اپنے درد کی پرواہ کیے بغیر پاگلوں کی طرح بھاگتے

ہوے در خزئی کے کمرے کی طرف بڑھی۔ جو
مہمان خانے کے بنے کمروں سے آگے گرز ایک الگ
ساپورشن آتا تھا۔ جہاں بنے کمروں میں مردوں کو
ٹھہرایا جاتا تھا۔ جس کی ایک سائیڈ مردانے کی بھی
طرف آتی تھی۔

در خزئی خانزادہ اپنے کمرے کا دروازہ کھولتے اندر

داخل ہوتے عنائیہ کو اچھوت کی طرح خود سے دور
دھکیل گیا تھا۔ عنائیہ زمین پر گھٹنوں کے بل جا
گری تھی۔

در خزنئی خانزادہ نے ڈریسنگ مرر کی طرف بڑھتے
اپنی شرٹ اتار کر دور اچھالی۔ ڈریسنگ مرر میں دیکھتے
ہوئے اس نے ڈرار سے چھوٹی سی قینچی نکالتے ہوئے

اس چینی کی مدد سے اپنے بازو سے گولی نکالنے کی
کوشش کی۔ چینی اس کے مضبوط ہاتھ میں تھرتھرا کر
رہ گئی تھی۔ زخم گہرا تھا۔ اس میں سے درد کی
کھیس اٹھ رہی تھیں۔

عنائی یہ دیکھتے زمین سے اٹھتی تیزی سے اس کی
طرف بڑھی۔۔۔ درخزئی یہ کیا کر رہے ہیں؟؟

عنائے اس کے قریب جاتے ہوئے ہذیانی چیخا بھی۔
وہ مرر میں دیکھتے ہوئے سپاٹ چہرے کے ساتھ اس
قینچی کی نوک سے گولی نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔
بہت سخت ٹریننگ لی ہوئی ہے میں نے۔ کرنے دو
مجھے !! اگر یہ گولی نہیں نکالوں گا یہ اندر ہی ناسور بن
جائے گی میرے لیے۔ وہ سرد سپاٹ لہجے میں بولتے

اس پیچی سے اپنے زخم والی جگہ پر سلن کو ہلکا سا کاٹ
کیا تھا تاکہ گولی نکالنے کی جگہ بنائی جاسکے۔ درد کی
شدت سے وہ اپنے جبرہ شدت سے بھینچے ہوئے
گہرے سانس لے رہا تھا۔

درد خیزی کے دل کی دھڑکنیں تک عنائیہ کو محسوس ہو
رہی تھیں۔ وہ کتنی تکلیف میں یہ اس کے چہرے سے

بخوبی عیاں تھا۔

در خزئی!! عنائیہ نے ی اس کے زخمی بازو کو جکڑے
روتے ہوئے اسے التجائیہ نگاہوں سے اسے دیکھتے یہ
کرنے سے منع کیا تھا۔

کرنے دو خود کو تکلیف دوں گا تو تمہیں تکلیف نہیں
پہنچا سکوں گا۔ ورنہ تمہاری سانسیں کھینچ لوں گا۔

خانزادوں کا خون ہے میرے اندر! عورت جتنی
مرضی معصوم ہو پاک ہو مگر اس کی عورت اس کی
عزت پر آنچ کے آنے کا سبب بنے وہ اس عورت کی
بوٹی بوٹی کرنا چاہتا ہے۔ جیسے میرے شریانوں میں
بھڑکتا خون کہہ رہا ہے۔ تمھاری بوٹی بوٹی کر کے
چیل کوؤں کو کھلا دوں۔ وہ اپنا ہاتھ اس کی گردن پر

رکھے اسے بے دردی سے دیوار کے ساتھ لگا گیا۔
عنایتیہ سسکتے ہوئے زخمی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا
تھی۔۔ جو بے حد نرمی سے اس کی گردن دبوچے
ہوئے تھا۔ مگر اس کا سانس بری طرح پھول رہا تھا
جس سے صاف ظاہر تھا وہ اس کی سانسیں بند کرنا
چاہتا ہے مگر کر نہیں پا رہا۔

آہہ۔۔۔۔۔ در خزئی اس کی گردن سے ہاتھ ہٹاتے
ہوے چیختے ہوئے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گیا۔ ہاتھ
میں پکڑی قینچی زمین پر دے ماری تھی۔
بز دل ہوں میں!! در خزئی خانزادہ بز دل ہے۔ وہ
صرف باتیں کرنا جانتا ہے۔ وہ نہ تمہیں کچھ کہہ سکتا

ہے نہ خود کے زخموں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر سکتا
ہے۔ در خزئی خانزادہ اپنے بال نوچتے ہوئے حلق بل
چیخا تھا۔

عنائیہ اسے چیختے ہوئے دیکھتے ہوئے دیوار میں سمائے
منہ پر ہاتھ رکھتے اونچا اونچا رونے لگی تھی۔
اندر سے آتی چیخوں اور رونے کی آواز سنتے ابرش کا

دل بری طرح لرزا تھا۔ وہ کمرے کا دروازہ کھول کر
ایک جھٹکے سے اندر داخل ہوئی تھی۔۔
در خزئی خانزادہ ابرش کو اندر داخل ہوتے دیکھتے زمین
سے اپنی خون آلود شرٹ اٹھاتے ہوئے سپاٹ
چہرے کے ساتھ پہننے لگا۔
ابرش دیوار کے ساتھ لگی عنائے کی طرف بڑھی۔ جو

ابرش کو دیکھتے اپنے آنسو بے دردی سے ہتھیلیوں سے
صاف کر رہی تھی۔

کیا ہوا ہے عنائیہ میری جان؟؟ ابرش نے تڑپتے
ہوے اس کے بہتے آنسو دیکھتے اس کا چہرہ تھاما تھا۔
کچھ نہیں آپی!! عنائیہ نے اپنا نچلا لب کاٹتے ہوئے
سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ نظریں در خزئی خانزادہ کی

طرف تھیں۔ جو اپنی سرد سپاٹ چہرے کے ساتھ
شرٹ کے بٹن بند کر رہا تھا۔ ابرش کے آنے پر اس کا
چہرہ پہلے سے زیادہ سرد و سپاٹ ہوا تھا۔ آنکھوں کی
سرخی نے بھی بڑھتے حدت اختیار کی تھی۔
کچھ نہیں ہوا تو تم رو کیوں رہی ہو؟ تمہاری آنکھیں
سو جی کیوں ہیں میری جان؟؟ اور تمہیں چوٹ تو

نہیں لگی لہیں!! خون۔۔۔ خون۔۔۔ باہر خون تھا۔
ابرش بھگے لہجے میں بولتے ہوئے اس کا چہرہ اس کی
گردن اس کے بازوؤں کو اپنے کانپتے ہاتھ سے چھو
رہی تھی۔

کچھ نہیں ہوا آپ!! عنائیہ بھگے لہجے میں بولتے جھنجھلا
گئی تھی۔ گلابی پن اختیار کرتی سوچی متورم آنکھیں

تو صرف در خزئی خانزادہ پر مکی تھیں۔ جوا برش کے
کمرے میں آنے کے بعد اب رخ پلٹے کھڑا تھا۔ عنائتہ
کی بھیگی آنکھیں اس کی چوڑی پشت پر جم گئی تھیں۔
اس کی سفید شرٹ بیک سے بھی خون الود ہو چکی
تھی۔

کیوں کچھ نہیں ہوا؟؟ یہ انسان تمہیں کیسے بے دردی
ا

سے ہسیٹتے ہوئے لایا تھا۔ کیا کیا ہے اس نے
تمہارے ساتھ؟؟ ابرش در خزئی کی چوڑی پشت
دیکھتے چیخی تھی۔

آپی!! عنائیہ نے بے بسی سے بھگے لہجے میں ابرش کو
پکارا۔

کیا کیا ہے تم نے میری بہن کے ساتھ؟ ابرش اسی

لمحے در خزنئی کی طرف بڑھتے اس کے مقابل آتے
ہوے اب چیخی تھی۔

آپی!! عنائے دیوار میں سماتے ہوئے اسے پکارتے بے
بے بسی سے رودی تھی۔ وہ کتنی جذباتی تھی وہ جانتی
تھی۔

وہ آپ کی بہن نہیں بیوی ہے میری!! بیوی ہے

میری!! در خزنئی طیش و الم سے بھڑکتے ہوئے ابرش
سے بھی زیادہ شدت سے چیخا تھا۔ ابرش نے عنائیہ کی
حویلی سے نکلنے میں مدد کی۔ ابرش کو دیکھتے اس کا دماغ
تڑخ کر جیسے دو حصوں میں تقسیم کر ہو رہا تھا۔ وہ
زاران خانزادہ کی عورت تھی وہ اس دوستی کی خاطر
خود پر قابو پائے ہوئے تھا۔ ورنہ جو جو اس کی بیوی کا

اس اڈے پر پہنچنے کا سبب بنا تھا۔ وہ اسے موت سے
بدتر سزا دینا چاہتا تھا۔

بیوی ہے مگر زبردستی کی!! یہ نکاح دھوکے سے ہوا
تھا۔ میں اور میری بہن اس نکاح کو نہیں مانتے سنا تم
نے ایس پی!! ایک بار بولا تھا تھا تم سے یوں یوں میں
یہ طلاق کرواؤں گی۔ ابرش نے لفظ چباتے ہوئے

در خزئی کی آنکھوں کے آگے چٹکیاں بجائی تھیں
در خزئی اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے
استہزائیہ ہنساتھا۔

آپی!! عنائیہ اسے مدھم آواز میں پکارتے شدت سے
رودی تھی۔ آواز حلق میں گھٹ رہی تھی۔ یہی
باتیں تو وہ آج ابرش سے کر چکی تھی۔ مگر اب اپنی

ہی کی ہوئی باتیں ابرش کے منہ سے اسے پتہ نہیں
کیوں چھ رہی تھیں۔ سب سے برہ کر جیسے وہ
در خزئی خانزادہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی
اس پر غرار ہی تھی۔ اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔
دھوکے سے ہوا یا زبردستی سے یہ نکاح۔۔ لیکن یہ
نکاح ہو چکا ہے۔ اب تمھاری بہن میری ہو چکی ہے۔

میں نے بھی کہا تھا کیسے طلاق کرواؤ گی۔ جواب دو
مجھے۔ در خزنئی طیش والہ سے بھڑکتے ہوئے حلق کے
بل دھاڑاٹھا تھا۔ یہ تو طے تھا وہ ایک ہی رشتے کی
عزت کرتا تھا وہ اس کی بیوی کے علاوہ کوئی نہیں ہو
سکتا تھا۔

عنائے اس کی دھاڑ پر لرزتے ہوئے دیوار میں سمائی

تھی۔

ابرش بھی مقابل کی دھاڑ اور اس کی خون اتری
آنکھیں دیکھتے سہمی سی تھی۔

زاران جو آج ایک میٹنگ کے سلسلے میں لاہور گیا ہوا
تھا۔ وہ ابھی فلائیٹ لے کر حویلی داخل ہوا تھا۔
مردانے میں قدم رکھتے درخزئی کے کمرے سے آتی

آوازوں پر وہ پریشان ہوتے در خزئی کے کمرے کی
طرف بڑھا

کمرے کا دروازہ کھولتے اس کی رنگت طیش و اشتعال
سے سرخ ہوئی تھی آنکھوں میں خون اتر ا تھا۔
ابرش کھلے بالوں کے ساتھ اپنے وجود پر اپنی شال
اچھی طرح لپیٹے ہوئے فل گاؤن نائیٹی میں در خزئی

کے مقابل کھڑی تھی۔۔ در خزئی خانزادہ کی دھاڑ پر
اس نے ابرش کو سمیتے ہوئے پیچھے ہوتے دیکھا تھا۔
زاران خانزادہ بے یقین ہوا تھا۔ رات کے تین بجے
اس پہر میں اس کی بیوی اس کے دوست کے کمرے
میں نائیٹ گاؤن کھلے بالوں کے ساتھ کھڑی تھی۔
یہ اس کی رگوں میں دوڑتے خون کو بھڑکا چکا تھا۔

در خزئی خانزادہ کا چننا وہ اپنی بیوی پر برداشت نہیں کر
سکا تھا۔ رنگت میں اس وقت طیش و الم کی سرخیاں
دوڑی تھیں۔

ابرش زار ان خانزادہ کو دیکھ کر فق رنگت کے ساتھ
کئی قدم پیچھے ہوئی تھی۔ وہ کھلے بالوں کے ساتھ
نایٹ گاؤن کے ساتھ در خزئی خانزادہ کے سامنے

کھڑی تھی۔ زار ان خانزادہ کہاں برداشت کرتا تھا
اسے کمرے کے باہر اس طرح کے حلیے میں؟؟ ابرش
زار ان خانزادہ کو دیکھتے گہرا سانس لیتے اپنی شال سینے
سے مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔
در خیزی خانزادہ زار ان کو خون اتری نم زدہ نگاہوں
سے دیکھ رہا تھا۔

کیا ہو رہا ہے یہاں؟؟ زار ان خانزادہ ابرش پر قہر بار
نگاہ ڈالتے ہوئے در خزئی خانزادہ کی نم زدہ کرب میں
ڈوبی وحشت بھری آنکھوں میں اپنی سرد آنکھیں
گاڑھ گیا تھا۔

وہ اس کی خون آلود شرٹ اور اس کی دگرگوں حالت
نظر انداز کر گیا تھا۔ اسے نظر آیا تھا تو صرف مقابل

کا اپنی بیوی پر چلانا۔ اپنی بیوی کی تذلیل وہ کسی قیمت پر
برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ جس طرح وہ چلایا تھا اور
ابرش سمیتے ہوئے پیچھے ہوئی تھی۔ وہ منظر زار ان کی
آنکھوں میں کنکر بن کر چھ رہا تھا۔

یہاں ایس پی در خزئی خانزادہ کے منہ پر جوتے مارے
جارہے ہیں۔ تم بھی اپنی بیوی کا ساتھ دیتے ایس پی

در خزنئی خانزادہ کامنہ لال کردو!! در خزنئی خانزادہ
زار ان خانزادہ کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے
استہزائیہ انداز میں بولتے ہوئے رخ پلٹے اپنی آستین
کہنیوں تک فولڈ کرنے لگا۔
عنائیہ دیوار میں سمائے نظریں جھکائے ہوئے تھی۔
اسے احساس ہو رہا تھا وہ سامنے کھڑے انسان کی

عزت ہے۔ یہ حلیہ کسی طور پر بھی زار ان خانزادہ کے
سامنے مناسب نہیں ہے۔ در خزئی زخمی سی شکوہ
کناں نگاہیں عنائے پر گاڑھے ہوئے تھا۔ جو در خزئی کی
زخمی نگاہوں پر وہ اس کی طرف دیکھتے بے بسی سے رو
دی تھی۔

زار ان خانزادہ نے جبرے بھینچتے ہوئے اس کا زخمی

باز واس کی دگرگوں حالت دیکھی تھی۔ زار ان نے
دیوار میں سمائے روتی ہوئی عنائے اپنی خون اشام
نگاہیں گاڑھیں۔ آج اسلام آباد میں کیا ہوا؟؟۔ وہ
سب نیوز چینل اور سوشل میڈیا پر دیکھ چکا تھا۔ عنائے
حویلی سے اکیلی اسلام آباد چلی گئی اور اس بار میں آخر
کیا کر رہی تھی۔ وہ سب دیکھتے زار ان کی رگوں میں

بھی دوڑتے خون میں ابال اٹھ رہے تھے۔ اگر عنائیہ
اس کی اپنی بہن ہوتی تو اس وقت وہ اس کے سینے میں
شاید گولیاں تو ضرور اتار دیتا۔

زاران کی خونخوار اور بے اعتبار نگاہیں خود پر پڑتے
محسوس کرتے عنائیہ اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپائے
سکتے ہوئے رو دی تھی۔ سب کی ایسی ہی بے اعتبار

نگاہوں کا ابھی اسے سامنا کرنا پڑنا تھا۔ مگر جóz حمی
شکوہ کناں نگاہیں در خزنئی خانزاده کی اپنے وجود پر
گڑھے محسوس کر رہی تھی وہ اسے آج پاتال کی
گہرائیوں میں گراتی محسوس ہو رہی تھیں۔
بند کرو یہ رونا سسکنا ورنہ آج میں اپنی جان لے لوں
گا۔

در خزنئی خانزادہ دھاڑتے ہوئے آگے بڑھا تھا۔
ڈریسنگ پر رکھا شوپیس اٹھا کر زمین پر پوری قوت سے
دے مارا تھا۔

عنایتیہ منہ پر ہاتھ رکھے چیختے ہوئے دیوار میں سمائے
شدت سے لرزا ٹھی تھی۔

How can he speak to my

sister like that especially
since she is only 16 how can
he talk to like that in front of
.both of us

ابرش نے زارا ان کے مقابل آتے گھرے سانس
بھرتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے بے یقینی سے بھیگے

لہجے میں سوال کیا۔

زاران نے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے در خزئی خانزادہ کو
دیکھا۔ ڈریسنگ ٹیبل پر دونوں ہاتھ جمائے جھکے
ہوئے مرر میں اپنی سر دسرخ آنکھیں گاڑھے ہوئے
تھا۔

بولیں جواب دیں مسٹر خانزادہ!! یہ کیسے میری بہن

لہجے میں سوال کیا۔

زاران نے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے در خزئی خانزادہ کو
دیکھا۔ ڈریسنگ ٹیبل پر دونوں ہاتھ جمائے جھکے
ہوئے مرر میں اپنی سر دسرخ آنکھیں گاڑھے ہوئے
تھا۔

بولیں جواب دیں مسٹر خانزادہ!! یہ کیسے میری بہن

سے ایسے سلوک کر سکتا ہے؟؟۔ آپ نے یہ نکاح

کروایا تھا ناں!!!

یہ کیسے میری عنایت سے ایسے بات کر سکتا ہے۔ اس پر
چلا سکتا ہے۔

??How can he do this

ابرش زاران کی آنکھوں میں دیکھتے بھگے لہجے میں

سوال کرتے سر لفی میں ہلاتے اس کی شرٹ مٹھیوں
میں جکڑ گئی۔

تم کمرے میں جاؤ میں تم سے آکر بات کرتا ہوں
ہمممم!! زار ان نے اس کے ہاتھوں سے اپنی شرٹ
چھڑواتے ہوئے اس کی ٹھوڑی نرمی سے دوا انگلیوں
سے چھوتے نرم لہجے میں کہتے اسے سرد بر فلی نگاہوں

سے اسے تنبیہ کرتے ہوئے اسے جذباتی پن دکھانے
سے منع کیا تھا۔

نومسٹر خانزادہ!! نومسٹر خانزادہ!! نہیں کمرے میں
چل کر آپ مجھ سے بات نہیں کریں گے۔ آپ مجھے
دھمکائیں گے۔ میں اس حلیے میں ایس پی کے سامنے
کھڑی تھی اپنی سو کالڈ غیرت دکھاتے مجھے سزا دیں

گے۔ ابرش کے بات پر زاران کی آنکھوں کی سرخی
بڑھی۔

Let me the clear first Mr
khanzada

آنکھیں لال کرنے کی ضرورت نہیں۔ ابرش انگشت
شہادت اٹھائے بھیگے لہجے میں بولتے زاران کے

قریب ہوئی۔

سزا دینے کا مطلب یہ نہیں ہمیشہ بیوی پر ہاتھ اٹھایا جائے۔

محبت کرنے والی بیوی کے لیے سزا اس کے شوہر کا دیا ہوا طعنہ بھی ہوتا ہے اس کی اعتنائی بھی ہوتی ہے۔
اس کا نظر انداز کرنا بھی ہوتا ہے۔

**In romance, crossing every"
limit and not considering
your wife's emotions, then
turning away and going to
sleep is also a form of**

punishment. Showing your
".wife that she is just a need
(رومانس میں ہر حد سے گزر کر اپنی بیوی کے اموشنز
کا خیال نہ کرنا اور پھر رخ پلٹ کر سو جانا بھی سزا ہوتی
ہے۔ یہ شو کروانا کہ بیوی صرف تمہاری ضرورت
ہے)

ابرش نے زاران کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑتے
انگلش ایسٹ میں اس کے قریب ہوتے اس کے
کان میں جھکتے مدھم سرگوشی کی تھی۔
زاران نے اس کی سرگوشی پر اپنی مٹھیاں بھینچتے
بمشکل خود پر قابو پایا تھا۔ رنگت تانبے سے بھی زیادہ
سرخ ہوئی تھی۔

مسٹر خانزادہ آپ نے ایس ایس پی سے میری عنائت کا
نکاح کروایا!!! دیکھ لیا آپ نے اس کا نتیجہ!! 27
سالہ مرد خون میں لت پت اپنی شرٹ خون سے
رنگین کیے ایک سولہ سالہ لڑکی پر چیخ رہا ہے۔ کیونکہ
اس ایس پی خانزادہ کے پاس نکاح کی صورت میں
پر مٹ موجود ہے میری بہن پر چلانے کا۔ ابرش نے

استھزاسیہ لہجے میں در خزئی خانزادہ کو دیکھتے کہا جوا بھی
بھی ڈریسنگ ٹیگ کو جکڑے مرر میں کسی غیر مرئی
نقطے پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔

ابرش کمرے میں جاؤ۔ میں آکر بات کرتا ہوں۔
زاران نے جبرے بھینچتے در خزئی کو دیکھا جس کی
کنڈیشن ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔ گولی اس کے بازو

میں کافی دیر سے پیوست تھی۔ وہ چار گھنٹے کی
ڈرائیونگ بھی کر کے آیا تھا۔ اس کے چہرے سے
عییاں تھانہ بازو کی چوٹ برداشت ہو رہی تھی نہ دل
پر لگی چوٹ برداشت ہو رہی تھی۔ اس کی کنڈیشن
بہت خراب لگ رہی تھی۔
مسٹر خانزادہ! اپنے دوست کے زخموں سے رستاخون

اس کی کی آنکھوں میں اتر خون آپ سے برداشت
نہیں ہو رہا۔

مگر میرے لیے یہ نارمل بات ہے۔ مم میں اس حویلی
میں آکر بہت خون خرابہ گولیوں کا کھیل دیکھ چکی
ہوں۔ آپ خانزادے یہ برداشت کر لیں گے۔ بہت
بہت سخت جان ہیں آپ لوگ۔۔ یہ ایس پی بھی

برداشت کر لے گا۔ مگر جو آپ خانزادے ہم
عورتوں کے اموشنز کے ساتھ کھیلتے ہیں ان کا کیا؟؟
اس ایس پی کا خون میں لت پت ہونا اس کی سرخ
آنکھیں!! یہ سب دیکھتے میری کم عمر معصوم بہن کے
دل پر کیا قیامت گزر رہی ہوگی۔ کیا آپ سمجھ سکتے
ہیں؟!

میرے باپ پاشا کی چیخ و پکار کیا کم تھی ہمارے لیے
کہ آپ خانزادے بھی ہم پر چغیں گے چلائیں گے
کیونکہ ہمارا کوئی نہیں۔۔ ابرش کی باتوں پر زارا نے
گہرا سانس لیتے منہ پر ہاتھ پھیرتے چھت کی طرف
دیکھتے خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔ وہ کسی صورت
در خیزی کے سامنے اپنی بیوی پر چلا نہیں سکتا تھا۔

آپی بس کر دیں۔!! عنائیہ اسے مدھم آواز میں
پکارتے دیوار میں سماتے ہوئے بے بسی سے رو رہی
تھی۔ در خزنئی خانزادہ اس کے قریب ہی کھڑا تھا۔
جس کے باعث اس کے لبوں سے آواز نہیں نکل پا
رہی تھی۔ وہ خوفزدہ سی اسے دیکھتے اس کے بازو سے
رستے خون کو دیکھ رہی تھی جس سے بہتا خون اس کی

دھڑکنیں روک رہا تھا۔

یہ ایس پی میری بہن کو کلائی سے گھسیٹتے ہوئے لایا۔
وہ ٹیبل پر ہیٹ کے بل گری تھی۔ یہ پھر بھی اسے بے
دردی سے گھسیٹتے ہوئے لایا۔ اس نے یہ بھی خیال
نہیں کیا کہ عنائیہ ابھی بہت کم عمر ہے۔ کیسے خیال
ہوتا اس ایس پی کو؟!۔۔ اسے تو صرف اتنا پتہ تھا وہ

نکاح کر کے عنائیہ پر اپنا سو کالڈ حق رکھتا ہے۔
نہیں ہے یہ کم عمر نہیں ہے یہ معصوم !! نہیں ہے یہ
معصوم۔۔ در خزئی خانزادہ ٹیبل پر مکہ مارتے ہوئے
دھاڑا۔

عنائیہ اس کے دھاڑنے سے زیادہ اس کی بات پر
شدت غم سے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا گئی تھی

نہیں ہے یہ معصوم!! دھوکہ دے کر مجھے چھوڑ کر جا
رہی تھی۔ کیسے یہ معصوم ہو سکتی ہے؟؟ کیسے یہ کم عمر
ہو سکتی ہے؟؟ درخزئی عنائتہ کے چہرے پر استہزائیہ
نگاہیں گاڑھے اب آہستگی سے بولتے اپنے بازو کو جکڑ
کیا تھا۔ جہاں اٹھتے درد نے اسے بلبلائے پر مجبور کر دیا

تھا۔ بازو بری طرح سمجھانے لگا تھا۔
زاران نے یہ دیکھتے اس کی طرف تیزی سے بڑھتے
اس کا زخمی بازو تھاما۔ در خزنئی اب اس بازو کو موو
بھی نہیں کر ٹھیک سے نہیں کر پارہا تھا۔
پاس نہ آنا میرے!! ہاتھ نہ لگانا مجھے!! تو میرا دوست
نہیں ہو سکتا۔ تو میرا دوست نہیں ہے۔ وہ اپنا بازو

ایک جھٹکے سے چھڑواتے کئی قدم پیچھے ہوا تھا۔
میں نے کیا کیا ہے؟؟ زار ان نے اسے دیکھتے حیرانگی
سے پوچھتے اپنے سینے پر انگلی رکھی۔
یہ تو پوچھ اپنے آپ سے؟؟ در خیزی نے گہرا سانس
لیتے نم لہجے میں پوچھا۔
یہی تو پوچھ رہا ہوں تجھ سے میں نے کیا کیا؟؟ کیا جرم

ہوا مجھ سے؟؟ زارا ان کے گلے میں کلٹی سی ابھر کر
معدوم ہوئی تھی۔۔ اس کے رشتوں میں در خزنئی
خانزادہ رہ گیا تھا جس نے ہر چیز کا موذرا الزام اس کو
نہیں ٹھہرایا تھا۔ مگر آج وہ بھی ٹھہرا رہا تھا۔

یہ تو اپنے آپ سے پوچھ زارا ان؟؟ یہ تو اپنے آپ سے
پوچھ کیا جرم ہوا تجھ سے؟!۔۔ در خزنئی نے اپنے بازو

کو جکڑتے دانت پر دانت جمائے درد سے بلبلا تے
ہوئے گہرے سانس لیے۔

کیا کیا ہے میں نے؟؟ بتاؤ مجھے ایس پی!! کیا کیا ہے
آخر میں نے؟؟ میں نے عناسیہ کا نکاح تجھ سے کروایا یا
پھر یہ تجھے اس بار میں ملی اس میں بھی میرا
قصور۔۔۔۔۔

خبردار خبر ارتو نے ایک لفظ بھی کہا!! جان لے لوں گا
تیری!! در خزی خانزادہ طیش والم سے دھاڑتے
ہوے زار ان کے جبرے پر مکہ پوری قوت سے مکہ مار
کیا۔

ابرش تیزی سے زار ان کی طرف بڑھی تھی۔
زار ان اپنے ہونٹ سے نکلا خون انگوٹھے سے صاف

کرتا برش کو سرد سرخ نظروں سے تنبیہ کرتے
ہوئے آگے بڑھنے سے روک گیا تھا۔
زاران کی سرد نظر پر وہ اپنے قدم پیچھے بڑھا گئی تھی۔
بیوی ہے میری! ایک لفظ نہیں سنوں گا اس کے
لیے!! نہیں کہے گا تو وہ لفظ جسے سن کر میں مر
جاؤں!! ساری دنیا کے لبوں سے یہ سب کچھ شاید

سن لوں! مگر اپنوں کی زبان سے نہیں سن سکوں گا۔
در خزئی زخمی لہجے میں بولتے اپنی خون آلود آستین
سے اپنی نم آنکھیں رگڑ گیا تھا۔

نکاح کروانے والا ارے تو ہوتا کون ہے؟ در خزئی
خانزادہ زار ان کو طنزیہ نگاہوں سے دیکھتے پھنکارا۔
یہ نکاح ہونا ہی تھا تو سبب نہ بنتا کوئی اور بن جاتا یہ نکاح

ہونا ہی تھا۔ در خزئی خانزادہ نے دانت پر دانت
جمائے گہرے سانس لیے۔۔

تم سب پاگل ہو سب پاگل ہو۔ جو میرے رب کے
فیصلے کو سمجھ نہیں سکے۔۔ نہ تم نہ تمہاری بیوی نہ
میری بیوی!! در خزئی خانزادہ اب تلخی سے ہنساتھا۔
عنایتیہ نے کرب سے سسکی لی تھی وہ سمجھ گئی تھی آج

ہی تو جھی بھی۔

تم لوگوں کے پاس رشتے ہیں۔ اس لیے بہت باتیں
کرنا آتی ہیں۔ میں رشتوں کے معاملے میں غریب
ہوں اس لیے لفظوں کے معاملے میں بھی غریب
ہوں۔ دو نمبری پولیس میں کرنی آتی ہے۔ مجرم
کے منہ سے سچ کیسے نکلوانا مجھے پتہ ہے۔ اپنے افسروں

کو اپنے ہی اشاروں پر کیسے چلانا ہے یہ بھی در خزنئی
خانزادہ کو پتہ ہے۔ وہ اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے
بولتا تھا۔ مگر اپنے ہی رشتوں کے ساتھ کیسے کھیلنا ہے
یہ مجھے نہیں پتہ !! مجھے صرف یہ پتہ ہے !! جس کے
پاس ماں ہوتی ہے اس کے پاس جنت ہوتی ہے۔ جس
کے پاس بہن ہوتی ہے اس کے پاس ہر خوشی ہوتی

ہے۔ جس کے پاس بھائی ہوتا ہے اس کی طاقت ڈبل
ہو جاتی ہے۔ جس کے پاس باپ ہوتا ہے اس کے
پاس غم نہیں ہوتا۔ جس کے پاس بیوی ہوتی ہے اس
کا پیار اس کی وفا ہوتی ہے وہ دنیا کا سب سے امیر شخص
ہوتا ہے اور جس کے پاس کچھ نہیں ہوتا وہ در خزن
خانزادہ ہوتا ہے۔ وہ در خزن خانزادہ ہوتا ہے۔ وہ

گہرے سانس لیتے ہنستے ہوئے بولا تھا۔

عنایتیہ نے تڑپتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھا تھا اسے لگ رہا
تھا آج وہ تڑپ کر مر جائے گی۔ اس انسان کی ہنسی کی
آواز مزید اس کی سماعتوں میں سنائی دی وہ اپنے حواس
کھو دے گی۔ وہ اب اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔
مجھے تو اتنا پتہ ہے نکاح ہو جائے لڑکی کم عمر ہو یا بڑی

عمر کی وہ نکاح کے بعد اپنے مرد کی عزت ہر خوشی بن
جاتی جاتی ہے۔ وہ اس کی عزت کا وارث بن ہے جاتا
ہے۔ وہ اس کی ملکیت بن جاتی ہے۔۔۔ مگر مجھے نہیں
پتہ تھا اس نکاح کے بعد مجھے ہر کسی کو جو بدمعاش ہونا
پڑے گا۔۔۔

تو بتا مجھے !! اسے بہن کہا تھا تم نے۔ در خیزی نے

زاران کو دیکھتے عنائے کی طرف اشارہ کیا۔
زاران خاموشی سے لب بھینچے اس کی طرف دیکھ رہا
تھا۔

اس کا ٹوٹا زخمی لہجہ اس کا پور پور زخم بھرا وجود زار ان
کو کچھ کہنے ہی نہیں دے رہا تھا۔ جو کچھ آج اس کے
ساتھ ہوا۔ وہ اس کا درد سمجھ رہا تھا۔

مجھے بتا بھی جو لفظ تو اس کے لیے بولنے لگا تھا تو کیا اپنی
بہن عابیر کے لیے بولتا۔ در خزئی نے زار ان کی
آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے تلخی سے سوال کیا۔
میری بہن کا نام مت لینا!! زار ان عابیر کا نام سنتے
در خزئی کو دیکھتے غصے سے گرج اٹھا تھا۔ عابیر کا نام بھی
وہ در خزئی کے لبوں سے برداشت نہیں کر سکا تھا۔ وہ

مر کر بھی اپنی بہن کو اس کلب میں سوچ نہیں سکتا تھا

-

برا لگا تیری بہن کا نام لیا ناں۔۔ کیونکہ وہ تیری سگی
بہن ہے زار ان!! مان لے تیری بہن صرف وہ ہے۔
جس کے لیے تو ایسے بھڑک سکتا ہے۔ جس کے بر
ایکٹ پر تیری نظر ہو سکتی ہے۔ اسفندیار خان ایک

اچھا انسان ہے۔ پھر بھی تیری ایک حس اپنی بہن کی
طرف رہتی ہوگی۔ تو اپنی بہن سے کبھی غافل نہیں ہو
سکتا۔

مجھے بتا کیا وہ ایسے حلیے میں اس حویلی سے نکل سکتی
تھی۔ درخزئی نے عنائے کی طرف اشارہ کرتے
ہوئے زار ان سے تلخ لہجے میں سوال کیے۔

زاران نے اس کے سوال پر اپنی ہلکی لھنی بیرڈ پر ہاتھ
پھیرتے اپنی نگاہیں اپنے چمکتے بوٹوں پر گاڑھیں۔
جیسے بھی یہ نکاح ہوا۔ یہ کم عمر ہے یا عمر میں بڑی ہے
۔ مگر ہے یہ میری بیوی!!! میں چاہتا تو رخصتی کر سکتا
تھا۔ اسے اپنے ساتھ رکھ سکتا تھا۔ مگر تجھ پر اعتبار کیا۔
اس حویلی کے ہر انسان پر اعتبار کیا۔ اپنی عزت اپنی

امانت آپ لوگوں کے حوالے کی۔ یہ حفاظت کی
میری عزت کی میری امانت کی۔ یہ اکیلی امریکہ جا
رہی تھی۔ اور آپ میں سے کسی کو پتہ ہی نہیں تھا۔
سب گرم کمروں میں آرام کر رہے ہیں۔ اس کے
ساتھ کچھ بھی برا ہوتا کون ذمہ دار ہوتا۔ رخنہ
خانزادہ نے چیتے ہوئے سوال کیا۔

زاران عنائیہ کے امریکہ جانے والی بات پر حیران
تھا۔

تم ہوتے ذمہ دار ایس پی۔۔ تم ہوتے ذمہ دار۔۔
ابرش در خزئی کے مد مقابل آتے ہوئے بولی تھی۔
ابرش۔۔۔ زاران نے سختی سے اسے تنبیہ کی۔
کیسے اس نکاح کو تم نکاح مان سکتے ہو جس میں لڑکی کی

امادگی ہی نہ ہو!!! ایک سولہ سال کی لڑکی کو اپنے نکاح
میں لے کر تم اس پر حق ملکیت کیسے جتا سکتے ہو؟؟
تمہیں اپنے خدا پر اتنا یقین تھا تو یہ بھی یقین رکھتے کہ
عنائتہ ہر حال میں تمہاری ہی رہے گی۔

رشتوں کا ترسنے والا در خزئی خانزادہ نے اپنے ہی
رشتے کا مذاق اڑایا۔ اپنی ہونے والی بیوی کو امو شنلی

ایسکپلویت کروا کر نکاح نامے پر سائن کروائے۔۔
آج اگر یہ یہاں سے جا رہی تھی تو اس میں بھی قصور
تمہارا تھا۔ تم نے اس کے پاس کوئی راستہ ہی نہیں
چھوڑا تھا۔ اگر تمہیں ایک وفادار محبت کرنے والی
بیوی چاہیے تھی تو سوات کی کسی لڑکی سے نکاح
کرتے۔ وفا بھی ملتی اور اس لڑکی کی قربت بھی ملتی۔

جس کے لیے تم جیسا خانزادہ یقیناً ابھی تک ترس رہا
ہے۔

ابرش در خزئی خانزادہ کی آنکھوں میں دیکھتے ایک
ایک لفظ پر زور دیتے بولی تھی۔
در خزئی خاموشی سے سرد سرخ نگاہوں سے اسے دیکھ
رہا تھا۔

ابرش! زار ان نے اسے بازو سے سختی سے جکڑے
اپنے مد مقابل کرتے ہوئے اب وارن کیا تھا۔
مسٹر خانزادہ کمرے میں چل کر آپ کی ڈانٹ آپ کا
غصہ سہ لوں گی۔ مگر آج مجھے اس ایس پی کو بتانے
دیں وہ سچ جس سے شاید اس کی آنکھیں کھل جائے۔
بتانے دیں زبردستی کے رشتوں میں کھی محبت کی

پردان نہیں چڑھتی۔ بتانے دیں مسٹر خانزادہ!!
میری بہن سے اس نے اس کا حق چھینا ہے جو خدا اور
اس کے رسول نے اسے دیا کہ نکاح سے پہلے بیٹیوں
کی مرضی معلوم کر لو۔ ان کی مرضی کے بغیر ان
سے عقد نہ کرو۔ یہ تو کہیں نہیں آیا ناں مسٹر
خانزادہ کہ اپنی بہن بیٹی کو اپنے احسانوں تلے دباتے

ان سے نکاح کی حامی بھرواؤ۔ ابرش نے زحیٰ
نگاہوں سے زار ان کو دیکھتے بھگے لہجے میں اسے بھی
بہت کچھ بتایا تھا۔ زار ان اپنی آئی بروانگی سے مسلتے
ہوے جھنجھلایا تھا۔

ایس پی میری بہن اس حویلی سے گئی۔ اس میں
تمھاری غلطی تھی۔ وہ تم جیسے دو نمبر والے پولیس

ان سے نکاح کی حامی بھرواؤ۔ ابرش نے زحیٰ
نگاہوں سے زار ان کو دیکھتے بھگے لہجے میں اسے بھی
بہت کچھ جتایا تھا۔ زار ان اپنی آئی بروانگی سے مسلتے
ہوے جھنجھلایا تھا۔

ایس پی میری بہن اس حویلی سے گئی۔ اس میں
تمھاری غلطی تھی۔ وہ تم جیسے دو نمبر والے پولیس

والے انسان کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ جس کے
قول و تضاد میں فرق ہو۔ ہم امریکہ سے آئے ہوئے
لوگوں میں تم پاکستانیوں کی طرح جھوٹ ریاکاری
نہیں ہوتی۔ اگر تم اسے جانے دیتے وہ تمہارے
سامنے جاتی۔ مگر اپشن ہی نہیں چھوڑا تم نے ایس
پی۔ ابرش در خیزی کی سرخ آنکھوں میں جھانکتے

ہوے استھزنیہ مسکرائی تھی۔
اگر تم اتنے ہی رشتوں کے تقدس کا خیال کرتے ہو تو
ابھی اسی وقت عنائیہ کو آزاد کرو۔
بس۔۔۔ بس۔۔ ایک لفظ اور نہیں۔ در خزی خانزادہ
یقدم دھاڑا تھا۔
در خزی۔ زار ان ابرش کو پیچھے کرتے در خزی کے

مقابل آیا۔

تیرے اور میرے بیچ آج سے سب ختم!! ہر رشتے کا
لحاظ آج سے ختم۔۔ ہر رشتے کے لیے تڑپ آج سے
ختم!! درختی خانزادہ آج سے صرف اپنے لیے جیے
گا۔۔ سب ختم۔۔ اب کمیں سی چیز کا لحاظ نہیں کروں
گا۔ وہ گہرے سانس لیتے بولا

اپنی بیوی کو بتا ہم خانزادہ ہیں۔ ہم جو رشتہ قائم کرتے
ہیں اسے مرتے دم تک نبھاتے ہیں۔ امیر یکن نہیں
جو آج ایک کے ساتھ کل کسی اور کے ساتھ۔!! ہم
اپنی عزت پر جان دینے والے ہیں۔ اسے بتا میرے
اندرا اس کے باپ پاشا جیسی فطرت نہیں جو اپنی بیوی
کو اس لیے بے پردہ کرتا تھا۔ کیونکہ وہ اپنی ہی اولاد کا

خرچہ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اس لیے اپنی عورت کو جگہ
جگہ کام کرواتا تھا۔ جو دو نمبر عورتیں گھیر لاکر ان کے
ساتھ زنا کرتا تھا۔

میں در خزنئی خانزادہ ہوں۔ امریکہ میں ہوتا ہو گا ایک
سے نکاح دوسرے کے ساتھ بھاگ جانا یہاں نہیں
ہوتا۔ در خزنئی خانزادہ طیش والہ سے غرایا۔

عننائیہ منہ پر ہاتھ سختی سے رکھے سر لفی میں ہلاتے
ہوے روپڑی تھی۔ وہ اس کے باپ کے متعلق یہ
سب کہے گا اسے امید نہیں تھی۔۔ اسے در خیزی کے
لفظوں سے تکلیف پہنچی تھی۔ اس کے باپ پاشا کے
کمائے ہوئے گناہوں کا بوجھ وہ لوگ آج بھی اٹھا
رہے تھے۔

ابرش بھی بھیکی نگاہوں سے لرزتے ہوئے در خزئی کو
دیکھ رہی تھی۔ اتنا سچ تو کبھی زار ان خانزادہ نے نہیں
بولتا تھا جتنا در خزئی بول چکا تھا۔ اور یہ سچ کتنا تکلیف دہ
تھا یہ وہی جانتی تھی۔

تو لمٹس کر اس کر رہا ہے وہ بھی میری حویلی میں
کھڑے ہو کر! زار ان نے ابرش کے لرزتے وجود کو

دیکھتے در خزئی کو وارن کیا۔ اس کی بیوی لکٹی جذباتی
تھی وہ یہ سب برداشت نہیں کر پائے گی۔ مگر
در خزئی کی بری حالت اسے جیسے باندھے ہوئے تھی
۔۔ وہ کیا کہتا آخر زخم خوردہ انسان کو۔۔ جس کا پور پور
زخموں سے بھرا تھا۔

لمٹس میں نے نہیں تیری بیوی نے کر اس کیں۔ آج

جو کچھ عنائتہ کے ساتھ ہوا اس کی ذمہ دار تیری بیوی
ہے۔ عنائتہ کو حویلی سے بھگانے والی تیری بیوی۔ اس
کے ڈیپارچر پیپر ز پر زحلے آہل اس کے
signature تھے۔ کیا سارے عنائتہ کو یہاں
سے بھگانے میں ملوث تھے یا تیری بیوی نے سب کو
دھوکہ دے کر سائن کروائے۔ اس کی کلکٹس سب

کچھ تیری بیوی نے کروائی۔ پوچھ اپنی بیوی سے اس
نے حویلی میں رہتے ہوئے اکیلے کیسے کیا کیا؟! کس
نے تیری بیوی کا ساتھ دیا۔ پوچھ اپنی بیوی سے کیا اس
سب میں آہل نے اس کا ساتھ دیا۔

دوست ہے میرا تو پوچھ اپنی بیوی سے میری عزت
کے ساتھ اس نے ایسا کیوں کیا؟؟ کیوں میری عزت

کے کھلواڑ کیا۔ ایک نکاح کرنے کی اتنی بڑی سزا مجھے
کیوں دے رہی تھی۔۔

در خزئی کے سوالوں پر زاران نے سر دبے یقین
نگاہیں ابرش پر گاڑھیں۔ اسے تو لگا تھا عنائتہ اسلام
آباد گئی ہے وہ بھی اپنی مرضی سے؟؟ وہ امریکہ جا
رہی تھی۔ وہ بھی ابرش کی سپورٹ سے۔۔ زاران

خانزادہ کا وجود زلزلوں کی زد میں آیا تھا۔ ابرش نے
گہرے سانس لیتے نظریں جھکائیں۔
تو نہیں پوچھ سکتا ٹھیک ہے میں آہل زحلے آنٹی دا جی
کو بلوا کر پوچھ لیتا ہوں۔ در خیزی تیزی سے دروازے
کی جانب بڑھا۔
نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ مم۔۔۔ میں۔۔۔ نے۔۔۔ یہ۔۔۔

سب۔۔۔کک۔۔کیا۔۔میں۔۔نے۔۔یہ
سب۔۔۔کچھ۔۔۔کروایا۔۔آہل۔۔۔ماما۔۔۔کسی
۔۔۔کو۔۔۔کچھ۔۔۔نہیں۔۔پتہ۔۔۔مم۔۔۔
میں۔۔۔۔۔نے۔۔۔امریکہ میں اپنے neighbour
میں رہنے والے لڑکے کو بلایا کہ میرا فرینڈ تھا۔ اس کو
فون کر کے پاکستان بلوایا تھا۔ پلیز آہل ماما کو انوالو

مت کرو۔ ان کا کوئی قصور نہیں۔ ابرش نے
لرزتے لبوں سے گھبراتے ہوئے کہا۔ زحلے کی
نظریں جھکیں وہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ سمیع
اللہ خان کیسے کیسے زحلے اور انھیں ذلیل کرتا وہ اس
بے عزتی سے نہیں گزرنا چاہتی تھی
در خیزی خانزادہ ہنستے ہوئے دیوار پر مکہ مار گیا تھا۔

زاران خاموشی سے ابرش پر بے یقین زخمی نگاہیں
گاڑھے ہوئے تھا۔

تعلق چاہے امریکہ سے ہو یا پاکستان سے عزت پر وار
سب کا ایک جیسے ہوتا ہے۔ زحلے آنٹی اور آہل کو سب
کے جوابات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ آپ کی نظریں
جھک گئیں ہیں۔ کیونکہ اپنے رشتوں پر آنچ آپ

برداشت نہیں کر سکتیں۔ اس طرح در خزئی خانزادہ
کیسے اپنی عزت پر آنچ برداشت کر سکتا ہے۔ در خزئی
نے زخمی لہجے میں بولتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل کی
طرف بڑھتے اپنی گاڑی کی چابی اٹھائی تھی۔ عنائے
نے خوفزدہ نگاہوں سے در خزئی خانزادہ کے ہاتھ میں
پکڑی چابی دیکھی تھی۔

در خزئی نے عنائیہ کو دیکھتے اس کے گرد دیوار پر اپنے
دونوں ہاتھ محصور کرتے اس کی بھیگی نگاہوں میں
دیکھا۔

ہے مائی لٹل سوین!! جارہا ہوں میں۔ اب تمہیں
یہاں سے بھاگنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب کبھی
در خزئی خانزادہ تم پر اپنا حق نہیں جتائے گا۔ نہ دو

نمبر پولیس والا ہوں نہ دو نمبری رشتوں میں بھی
کی۔ تم سے نکاح کے بعد دو نمبر پولیس والا بھی بن گیا
اور دو نمبر کریکٹر لیس بھی۔ تم نے وردی پر داغ
لگایا تمھاری بہن نے کردار پر۔۔۔ اب یہاں سے جانا
ہو اتو کسی جیکسن کی مدد مت لینا!! مجھے بتا دینا خود
چھوڑ کر آؤں گا تمھیں۔ وہ عنائتہ کے اطراف میں

ہاتھ جمائے اس کے چہرے پر سللتی سالیں چھوڑتے
ہوئے سرد لہجے میں بولتے پیچھے ہوتے تیز تیز
قدموں سے کمرے سے نکل گیا تھا۔
زاران اسی لمحے رخ پلٹتے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں
پھیر گیا تھا۔ وہ اس سے نگاہیں ملانے کے قابل نہ رہا
تھا۔

ابرش زار ان کے سر دچہرے کو ایک نظر دیکھتے عنائے
کی طرف بڑھی۔

عنائے اسی لمحے منہ پر ہاتھ رکھتے بھاگتے ہوئے واش
روم میں داخل ہوتی دروازہ بند کرتے دروازے کے
ساتھ ٹیک لگائے زمین پر دو زانو بیٹھی گھٹنوں میں منہ
چھپائے سک سک کر رو پڑی تھی۔

زاران کمرے سے نکلتا دروازہ دھاڑ سے بند کر گیا تھا۔
ابرش دروازے کی دھاڑ پر لرزتے ہوئے بیڈ پر بیٹھتی
گہرا سانس لیتے خود پر قابو پایا تھا۔

رمز عشق

تحریر نور آصف

قسط 1 part 157

آریان خانزادہ بھاری قدموں سے حویلی داخل ہوا تھا۔
وہ پچھلے دو گھنٹوں سے اونچے نیچے پہاڑوں اور بڑے
بڑے پتھروں پر ایکسر سائز کر کے آیا تھا۔ سردی کی

شدت ابھی بھی بہت زیادہ تھی۔ مگر وہ اس سردی میں
بھی پسینے میں شرابور تھا۔ پچھلے دو گھنٹوں میں اس نے
بہت ہیوی ایکسرسائز کی تھی۔ وہ بھاگتے ہوئے حویلی
کے گیٹ سے اندر داخل ہوا۔ کارپورچ بھی اس نے
بھاگتے ہوئے عبور کیا تھا۔ داخلی دروازہ وہ اپنی ٹراوڑ
سے چابیاں نکال کر لاک کھولتے اندر داخل ہوا۔

آج سے پہلے اس نے بھی اپنی حویلی کو اس طرح لاک
نہیں کیا تھا۔ ڈرنا اس کی فطرت میں نہیں تھا۔ اپنے
گردگار ڈز کی فوج رکھنا اسے سخت ناپسند تھا۔ گیٹ پر
چوکیدار تک رکھنا اسے پسند نہیں تھا۔ وہ اچھی طرح
جانتا تھا وہ حویلی سے اب کبھی بھاگنے کی کوشش نہیں
کرے گی۔ مگر پھر بھی وہ حویلی لاک کر کے گیا تھا۔ وہ

کوئی رسک نہیں لے سکتا تھا۔ جانتا تھا وہ رات سے
اس کی دہشت سے کافی خوفزدہ ہو گئی تھی۔
بلکہ اس نے تو رات سے اب تک آنکھیں تک نہیں
کھولی ہوں گی۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا جب تک وہ اسے
نہیں کہے گا وہ آنکھیں نہیں کھولے گی۔

کوئی رسک نہیں لے سکتا تھا۔ جانتا تھا وہ رات سے
اس کی دہشت سے کافی خوفزدہ ہو گئی تھی۔
بلکہ اس نے تو رات سے اب تک آنکھیں تک نہیں
کھولی ہوں گی۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا جب تک وہ اسے
نہیں کہے گا وہ آنکھیں نہیں کھولے گی۔

وہ اس کی حالت یاد کرتے مسکراتے ہوئے حویلی کے
اندرداخل ہوا تھا۔ اس وقت وہ بلیک سینڈ وا اور بلیک ہی
ٹراو زر میں ملبوس تھا۔

آریان خانزادہ تیز تیز قدموں سے اپنا ناشتہ بنانے کی
غرض سے کچن میں داخل ہوا۔
کچن کی حالت دیکھتے وہ لب بھینچ گیا تھا

۔ وہ لب جھینچتے ہوئے فرتج کی طرف بڑھا۔ آریان
خانزادہ فرتج سے ویجٹیل فش مٹن کے سٹیک
سلایس نکالتے ہوئے الیکٹرک برنر کی طرف بڑھا تھا
۔۔ ایپرن باندھتے ہوئے وہ کٹنگ بورڈ پر بہت مہارت
سے سبزیاں کاٹ رہا تھا۔ مٹن اور فش کے سٹیک وہ
ماینر سے olive oil میں فرائے کر رہا تھا۔

تھوڑی دیر میں وہ اپنا ناشتہ تیار کر چکا تھا۔ فریج سے
جوس کی بوتل نکال کر ڈائیننگ ٹیبل کی طرف بڑھا
کچن کی حالت دیکھتے اس کے نقوش کے زوایے ایک
بار پھر سے تنے تھے۔ کچن میں ہر جگہ کانچ بکھرا
تھا۔ کھانے پینے کی چیزیں تک فرش پر بکھریں
تھیں۔

اپنے بچن میں وہ اپنے شیف کا قدم رکھنا بہت مشکل
سے برداشت کرتا تھا۔ اس کا ہائی کوالیفائیڈ شیف جسے
وہ لاکھوں روپے تنخواہ کے دیتا تھا وہ بہت احتیاط سے
اس بچن میں کام کرتا تھا۔

اپنی چیزوں کو لے کر وہ بے حد پوزیسیو اور جنونی تھا۔
چاہے وہ اس کا ورڈز روب ہو اس کی حویلی ہو یا پھر اس

کی گاڑی وہ اپنی چیز پر کسی کا حق برداشت نہیں کر سکتا
تھا۔ بے جان چیزوں کے معاملے میں وہ بے حد جنونی
تھا۔ اور یہی حال رشتوں کے معاملوں میں تھا۔ اپنی مام
شاؤمہ کو لے کر وہ بے حد پوزیسو تھا۔ جنون کی حد تک
محبت کرتا تھا ان سے۔

آریان خانزادہ نے غصے سے اپنی چوڑی ہتھیلی سلیب پر
مارتے ہوئے اپنے اندر اٹھتے ابال پر قابو پانے کی ناکام
سعی کی۔

اس لڑکی کا وجود اس کے لیے سوائے نفرت کے سوا
کچھ نہیں تھا۔ برسوں پہلے حاکم خان اور رائینہ کی وجہ
سے اس نے چار چار رشتوں کو کھویا تھا۔ اور کل رات

وہ راینہ اور حاکم خان کی بیٹی کی وجہ سے اپنے
midnight کو کھو چکا تھا۔

آہہ۔۔۔ آریان خانزادہ سلیب پر پوری قوت سے ہاتھ
مارتے ہوئے چیخا تھا۔ حساب تو دینا پڑے گا میرے
midnight کی موت کا۔ تمہارے عورت اور
نازک ہونے کا میں خیال نہیں کروں گا۔ آریان

خانزادہ ڈائینگ ٹیبل پر ہاتھ مارتے غراتے ہوئے غصے
سے ناشتے کی ٹرے دور کھسکنا کچن سے باہر نکل آیا تھا

-

زر مش نے آنکھیں کھولتے ہوئے کمرے میں چاروں
طرف نظریں دوڑائیں۔ وہ اپنے چکراتے سر کو تھامتی

ہوئی اٹھ کر بیٹھی تھی۔

!! اب خاموشی سے سو جاؤ۔۔ مجھے نہ تمہاری سسکیوں

کی آواز آئے نہ رونے کی۔۔ اگر چاہتی ہو کہ میں کل

صبح تک تمہارے کمرے میں قدم نہ رکھوں تو تمہاری

آنکھیں کھلنی نہیں چاہیے !!

آریان خانزادہ کی آواز سماعتوں میں سنائی دی تھی۔ اس
نے خوفزدہ نگاہوں سے کمرے میں نظریں دوڑائیں۔
سلائیڈنگ ونڈو سے پہاڑوں پر اتری روشنی صاف
دکھائی دے رہی تھی۔ رات کا ایک ایک منظر اس کی
نگاہوں کے سامنے آیا تھا۔

لالا!! وہ منہ پر ہاتھ رکھتے ٹھٹی ٹھٹی آواز میں رو دی
تھی۔ وہ پھر سے نہ آجائے۔ زر مش نے بیڈ سے اٹھتے
جلدی سے کمرے کے دروازے کی طرف بڑھتے
اسے اندر سے لاک کیا۔ وہ دروازے کے ساتھ لگی
کافی دیر تک منہ پر ہاتھ رکھے اپنی سسکیاں روکتی رہی
تھی۔

وہ۔۔۔م۔۔۔مجھے۔۔۔اپنے۔۔۔خونخوار۔۔۔
جانوروں۔۔۔کے۔۔۔آگے پھینک۔۔۔دے۔۔۔
گا۔۔۔م۔۔۔میری۔۔۔وجہ۔۔۔سے۔۔۔اس۔۔۔
کا۔۔۔وہ بھیڑیا۔۔۔اس۔۔۔کا۔۔۔
midnight۔۔۔مر۔۔۔کیا۔۔۔وہ مم۔۔۔
مجھے۔۔۔نہیں۔۔۔چھوڑے۔۔۔گا۔۔۔وہ۔۔۔اپنے۔۔۔

ٹانگیر کے۔۔۔ آگے۔۔۔ ڈال دے۔۔۔ گا۔۔۔ وہ۔۔۔

مم۔۔۔ مجھے۔۔۔ چیر۔۔۔ پھاڑ۔۔۔ دے۔۔۔ گا۔۔۔

زر مش۔۔۔ منہ پر ہاتھ رکھے کھٹی کھٹی آواز میں

بدحواسی میں بول رہی تھی۔

کک کیا کروں؟؟ کک کیسے ادھر سے نکلوں؟؟

زر مش نے خوفزدہ ہوتے اس عالیشان کمرے کو دیکھا

تھا۔

لالا۔۔۔ مجھے بچالیں!!! اس وحشی درندے سے! مم
مجھے اس کے پاس نہیں رہنا۔ مم مجھے آپ بے شک
گولی مار دینا۔ مگر مجھے اس bloodythirst
beast کے پاس نہیں رہنا۔ زر مش کا نپتے ہوئے
ہذیانی چیخ۔

!! چخنامت !! ورنہ تمھیں اپنے خونخوار جانوروں کے
آگے ڈال دوں گا۔ بہت دنوں سے بھوکے ہیں۔ وہ
پلک جھپکتے تمھیں چیڑ پھاڑ دیں گے !!
آریان خانزادہ کی آواز پھر سے سماعتوں میں خوفناک
دھاڑ کی طرح سنائی دی۔ زر مش نے خوفزدہ ہوتے

منہ پر ہاتھ رکھا تھا۔ دوسرے پل وہ اپنے وجود کو
پاگلوں کی طرح ٹٹولتے جھاڑنے لگی۔

اسے خود پر اس خوفناک بھیڑیے کا لمس محسوس ہو رہا
تھا۔ جب وہ اس پر چھلانگ لگاتے جھپٹا تھا۔ زرمش
ہذیبانی انداز میں خود کے وجود کو جھٹک رہی تھی۔ کبھی
خود پر پچھوری گنتا محسوس ہوتا کبھی وہ خوفناک بھیڑیا خود

پر بھپٹتے محسوس ہوتا۔ وہ اپنی پھٹی ہوئی آستین چاک
ہوا گلہ بے دردی نوچتی مزید چاک کر گئی تھی۔

دوسرے لمحے زر مش بھاگتے ہوئے واش روم کی
طرف بڑھی۔

شاور کا ٹیب کھولتے وہ شاور کے نیچے کھڑی ہوئی۔

خوبصورت لیبن میں بنے جدید روف اینڈ وال شاہور
کے نیچے کھڑی اب وہ کانپتے ہوئے بھیگ رہی تھی۔
مگر ابھی تک وہ اپنے وجود پر ان سب کا لمس محسوس کر
رہی تھی۔

ریک میں رکھے شیمپو کی بوتل اٹھاتے وہ کانپتے ہاتھوں
سے کھولتے ہوئے وہ آدھی سے زیادہ اپنے بالوں پر

انڈیل کئی تھی۔۔ وہ اب روتے ہوئے اپنے لھنے سلی
بالوں میں شیمپو کا مساج کر رہی تھی۔۔ وہ ہی شیمپو کی
جھاگ وہ اپنی گردن اپنے بدن پر لگا رہی تھی۔۔ اپنے
بدن کے ہر حصے پر اسے اپنے بدن پر
bloodthirstwolf اور
bloodthirstbeast کا خونخوار وحشی لمس

محسوس ہو رہا تھا۔ زر مش نے کانپتے ہاتھوں سے باڈی
واش ٹریک سے پکڑتے اب پوری بوتل اپنے بدن پر
ڈالی۔۔ وہ پوری باڈی واش خود پر گرا کر بوتل خالی
کرتے اسے زمین پر پوری قوت سے دے مارا تھا۔
اپنے فرائیڈ کی زپ کھولتے وہ فرائیڈ کندھوں سے
کھسکائے نیچے گرا چکی تھی۔۔ شاہور کے نیچے کھڑی وہ

ریک سے مختلف پروڈکٹ اٹھاتے اپنے بدن پر انڈیلتے
وہ اپنے بدن کو اچھی طرح رگڑ رہی تھی۔ اسے اپنے
جسم پر اس bloodthirstbeast کا لمس نہیں
چاہیے تھا۔ جس سے شدید نفرت کے سوا اسے کچھ
محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

آریان خانزادہ نے زر مش کے کمرے کے دروازے
کا ہینڈل پکڑتے گھمایا۔ دروازے کو لا کڈ دیکھ کر اس کا
خون بھڑک اٹھا تھا۔ وہ اس کی اجازت کے بغیر کیسے
کمرے کا دروازہ لاک کر سکتی تھی۔ وہ بیڈ سے اٹھی
کیوں آخر؟؟ اس کی دہشت وہ بھول گئی کیا۔۔ پتہ

نہیں وہ زر مش خان پر جیسے اپنا حق سا سمجھنے لگا تھا وہ
چاہتا تھا جیسے وہ سانسیں بھی اس سے مرضی سے لے۔
آریان خانزادہ نے غصے سے پوری قوت سے دھڑ دھڑ
دروازہ بجایا۔

زر مش واش روم میں لٹکا پنک کمر کا پیروں تک آتے
باتھ روب گاؤن پہنتے ہوئے کمرے میں آئی ہی تھی

کہ آریان خانزادہ کی آواز سماعتوں میں سنائی دی تھی

--

دروازہ کھولو!! اگر میں نے خود دروازہ کھولا تو میں جو
کروں گا تمھاری سوچ ہے۔ آریان خانزادہ دروازہ
بجاتے غرایا

زر مش نے لرزتے ہوئے بند دروازے کو دیکھا تھا۔
باتھ لینے سے وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔ آریان
خانزادہ کی آواز سنتے وہ مزید شدت سے لرزنے لگی
تھی۔

دروازہ کھولو!! وہ دروازہ پر مکہ مارتے ہوئے دھاڑا تو
زر مش نے اس کی دھاڑ پر سمجھتے ہوئے جلدی سے

آگے بڑھتے دروازہ کھولا۔

تمھاری ہمت کیسے ہوئی دروازہ بند کرنے کی؟؟ وہ
غراتے ہوئے زر مش کی طرف بڑھتے اسے بازو سے
جکڑتے ہوئے اسے خود کے قریب کر گیا تھا۔

وہ۔۔۔ مم۔۔۔ میں۔۔۔ مم۔۔۔ میں۔۔۔ شاو۔۔۔ لے۔۔۔
رہی۔۔۔ تھی۔۔۔ زر مش کے کپکپاتے لبوں نے

آریان خانزادہ کی آنکھوں میں دیکھتے وضاحت دینے کی
کوشش کی۔

آریان خانزادہ نے اس کی بات پر اس پر نگاہ ڈالی وہ بری
طرح چونکا تھ۔ اوہ پنک کلر کے ہاتھ روب گاؤن میں
ملبوس تھی۔ کمر تک سلکی براؤن بال گیلے اس کے
شانوں پر بکھرے تھے۔۔۔ بدن سے بہت مختلف

باڈی پر وڈ کٹ کی بہت تیز خوشبو آرہی تھی۔۔ شاہ اور
لینے سے چہرے پر سرخیاں سی گھلی تھیں۔۔ گال بے
تحاشا سرخ ہو رہے تھے۔ صاف معلوم ہو رہا تھا اس
نے فیس واش سے رگڑ رگڑ کر اپنا چہرہ واش کیا ہے۔۔
اتنی سخت سردی میں پہاڑوں میں رہنے والی لڑکیوں
کی طرح اس کے گال سردی کی وجہ سے سرخ اور کھر

درے معلوم ہو رہے تھے۔ بلکہ اب جیسے خون دہکا
رہے تھے۔

جب وہ اسے ملی تھی تو ان گالوں پر ملائیت تھی۔
آریان خانزادہ کی نگاہیں ایک بار پھر سے اپنے مارے
کے تھپڑ کے نشان پر آن ٹھہری تھی۔ گال سرخ تھا
مگر اس کی انگلیوں کی چھاپ ابھی بھی گہری تھی۔

گہری بے حد گہری تھی۔ وہ بہت گہری نگاہوں سے
اس نشان کو دیکھ رہا تھا۔

اس نے اپنا وہ گال بہت بری طرح سے رگڑا تھا۔
کیونکہ اس گال پر دوسرے گال سے کہیں زیادہ زیادہ
سرخی تھی۔

آریان خانزادہ اس کے گال کا حشر دیکھتے استہزائیہ

مسکراتے ہوئے اس کا جبرہ دبوج گیا۔ اس نے اس کا
دیا گیا بے رحم نشان مٹانے کی کوشش کی پتہ نہیں
کیوں سلگ اٹھا تھا۔

زر مش خوف سے اسے دیکھتے اس کی سینڈو جکڑ گئی۔۔
خود کو چھڑوانے کی کوشش نہیں کی تھی۔۔۔ نہ وہ کر
سکتی تھی وہ اس کے سامنے کھڑی رہ سکے یہ مشکل تھا وہ

کہاں اس کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ زر مش کی نگاہیں اس
کے ایس اس کے پھولے ہوئے بازوؤں پر تھیں۔
جس کے ایس بہت نمایاں ہو رہے تھے۔ اس نے
کبھی ایسی باڈی نہیں دیکھی تھی۔ وہ دیو ہیکل معلوم
ہوتا تھا۔

اس گال سے میرے مارے ہوئے تھپڑ کا نشان مٹا رہی

کھی کیا؟؟ آریان خانزادہ نے اس کے گال پر سرخی
دیکھتے غراتے ہوئے پوچھا۔

نن۔۔۔ نہی۔۔۔ مم۔۔۔ نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ تو۔۔۔
زر مش نے سر نفی میں ہلاتے معصومیت سے جواب
دیا۔

تو پھر اس گال پر یہ سرخی کہاں سے آئی؟؟۔۔ میرا دیا ہوا

نشان کیسے چھپا؟؟ آریان خانزادہ نے اس کے جبرے
کو سختی سے دبوچا۔

مم۔۔ مجھے۔۔ نہیں۔۔ پتہ!! زر مش کھٹی کھٹی آواز
میں رودی تھی۔

سچ بتاؤ!! ورنہ جانتی ہوناں مجھے۔ آریان خانزادہ نے
اسے بازوؤں سے جھنجھوڑتے ہوئے برقیلے لہجے میں

غراتے ہوے دھمکی دی۔

ہاں۔۔۔ مٹانے۔۔۔ کی۔۔۔ کوشش۔۔۔ کی۔۔۔ تھی۔۔۔
مگر۔۔۔ نہیں۔۔۔ مٹا۔۔۔ زر مش اس کی سینڈ و جکڑتے
ہوے نچلا ہونٹ باہر نکالتے روتے ہوے بولی تھی۔
کیوں مٹانے کی کوشش کی؟؟ آریان خانزادہ نے اس
کی بات پر طیش و الم میں پوچھا۔

مم۔۔ مجھے۔۔ خود۔۔۔۔۔ سے۔۔۔۔۔ آپ۔۔ کی۔۔
خوشبو۔۔ آتی۔۔ ہے۔۔۔۔۔ اپنے۔۔۔۔۔ گال پر آپ۔۔
کے۔۔ مارے۔۔ ہوئے۔۔۔۔۔ تھپڑ۔۔ کے۔۔
نشان۔۔۔۔۔ سے۔۔۔۔۔ مم۔۔ مجھے۔۔۔۔۔ نفرت۔۔
ہے۔۔۔۔۔ مجھے۔۔ خود۔۔۔۔۔ سے۔۔۔۔۔ نہ۔۔۔۔۔ آپ۔۔ کی
خوشبو۔۔ چاہیے۔۔ نہ اپنے۔۔۔۔۔ بدن پر۔۔۔۔۔ کوئی۔۔

نشان۔۔ زر مش نے ٹوٹے لہجے میں بولتے ہوئے ہچکی
لی تھی۔ رات سے وہ مقابل کی اتنی وحشت اس پر
چھائی تھی وہ اسے تم سے آپ کہنے لگی تھی۔
نفرت ہے تمہیں مجھ سے؟؟ آریان خانزادہ نے اس
کی سہمی ہیزل گرے میں دیکھتے قہقہہ لگایا
زر مش نے اس کے قہقے سے خوفزدہ ہوتے ہچکی لیتے

نشان۔۔ زر مش نے ٹوٹے لہجے میں بولتے ہوئے ہچکی
لی تھی۔ رات سے وہ مقابل کی اتنی وحشت اس پر
چھائی تھی وہ اسے تم سے آپ کہنے لگی تھی۔
نفرت ہے تمہیں مجھ سے؟؟ آریان خانزادہ نے اس
کی سہمی ہیزل گرے میں دیکھتے قہقہہ لگایا
زر مش نے اس کے قہقے سے خوفزدہ ہوتے ہچکی لیتے

اثبات میں سر ہلایا۔ مقابل کے قہقروں سے اس کی جان
جاتی تھی۔

کتنی نفرت ہے مجھ سے اتنی ہی نفرت ہے جتنی مجھے تم
سے ہے۔ آریان خانزادہ نے اس کے خوبصورت
معصوم نقوش پر سلگتی نگاہیں گاڑتے ہوئے نفرت
امیز لہجے میں پوچھا۔

زر مش نے اس کی بات پر اسے شل خوفزدہ ہوتے
دیکھا۔ وہ کیا جواب دے اسے سمجھ نہیں آیا تھا۔
جواب دو کتنی نفرت ہے مجھ سے؟؟ آریان خانزادہ
دھاڑا

بب۔۔۔ بہت۔۔۔ نفرت۔۔۔ ہے۔۔۔ زر مش
نے بری طرح لرزاتے ہوئے جلدی سے ایک ہی

سانس میں بتایا۔

اتنی نفرت ہے کہ تمہارا دل کر رہا ہے کمرے کے ٹیبل

پر رکھا واز اٹھا کر میرے سر پر دے مارو۔ آریان خان

نے ٹیبل پر رکھے واز کی طرف اشارہ کیا۔

نن نہیں۔۔۔ زر مش۔۔۔ نے روتے ہوئے اس واز

کو دیکھتے سر نفی میں ہلایا تھا۔

جھوٹ مت بولو!! یہی دل کر رہا ہے ناں وہ واز
میرے سر پر مار کر مجھے زخمی کر کے میری پناہوں سے
بھاگ جاؤ۔ آریان خان کی آواز سرد بر فیلی ہوئی تھی

ہاں!! زر مش نے تیزی سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔
اس کے ہاں پر آریان خان زادہ کا گرج دار قہقہہ گونجا۔

ایسا نہیں ہو سکتا میری مرضی کے بغیر یہاں کوئی چڑیا
بھی پر نہیں مار سکتی۔ تم اب تب ہی یہاں سے جاسکو گی
جب میں چاہوں گا۔ آریان خانزادہ سر دلہے میں
بولتے اپنی نفرت امیز نگاہیں اس کی بھیگی خوفزدہ
ہیزل کرے آنکھوں میں گاڑھ گیا۔ جس کی رنگت
شدت گریہ سے گلابی ہو رہی تھیں۔

بہت نفرت ہے سمجھیں مجھ سے؟؟ آریان خانزادہ اس
کا جبرہ پھر سے شدت سے دبوچ گیا۔
ہے نفرت ہے بہت ہے۔۔ زر مش کھٹی کھٹی آواز میں
بولتے ہوئے دبی آواز میں چیخی۔ اس کی انگلیاں
جبرے میں دھنستی محسوس ہو رہی تھیں۔

گڈ!! یعنی کہ ہم دونوں کو ایک ہی جتنی نفرت ہے
ایک دوسرے سے۔۔ آریان خانزادہ پر سرایت سے
مسکرایا تھا۔

زر مش نے اس کی آنکھوں میں پر اسرایت دیکھتے
خوف سے اپنی ہچکی روکی تھی۔۔ وہ جب جب
پر سرایت سے مسکراتا تھا۔ اس کی دہشت عروج پر

ہوتی تھی۔

پتہ ہے مجھے تم سے کتنی نفرت ہے؟! آریان خانزادہ

نے اس کا جبرہ چھوڑتے سوالیہ انداز میں اس کی

آنکھوں میں جھانکا۔ اب نظریں بھٹک کر اس کے

جبرے کے اطراف پر تھیں۔ جہاں اس کی انگلیوں

کے نشان تھے۔ وہ سچ میں بے حد نازک تھی۔ وہ اس

کے سرخ و سفید نقوش کو دیکھتے سوچتے ہوئے جبرے
بھینچ گیا تھا۔ کسی عورت کی ناز کی سے پہلی مرتبہ واسطہ
پڑا تھا۔ اپنے مرد دشمنوں کے ساتھ وہ سلوک کرتا تھا
کہ ان کی روح کانپ جاتی تھی اسے تو چھونے کی دیر
ہوتی تھی وہ شدت سے کانپنے لگتی تھی۔
زر مش نے آریان کے سوال پر ہچکی لیتے ہوئے سر نفی

میں دائیں بائیں جانب ہلایا تھا
زر مش کے معصومیت سے سر نفی میں ہلانے پر اس
نے اونچا قہقہہ لگایا۔ زر مش کانپتے ہوئے اس کی سینڈو
مزید مضبوطی سے جکڑ گئی تھی۔۔ آریان خانزادہ کو
اس کی دل کی دھڑکنیں اپنے سماعتوں میں سنائی دی
تھی۔ وہ اتنی شدت سے اس سے خوف کھا رہی تھی

میں بتاؤں گا سمجھیں جب تک تم یہاں ہو سمجھیں پتہ
چلے گا۔ آریان خانزادہ زرمش حاکم خان سے کتنی
شدت سے نفرت کرتا ہے۔ اتنی نفرت کرتا ہے جتنی
اس روئے زمین پر کسی نے کبھی کسی سے نہیں کی ہوگی
۔ آریان خانزادہ اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں
دیکھتے چبھتے لہجے میں بولتے اسے دونوں بازوؤں سے

جکڑ گیا۔ وہ بری طرح کپکپا رہی تھی۔ وہ اسے نہ تھامتا
وہ گر جاتی۔

اگر تم ایک اچھے کریکٹر کی لڑکی ہوتی تو آریان خانزادہ
پھر بھی تم سے نفرت کرتا!! کیونکہ تم رائینہ خان اور
حاکم خان کا گند اخون ہو۔ تم نے ثابت کیا تم میں
واقعی میں رائینہ خان کا خون ہے تبھی تو اپنے یار کے

ساتھ کتنی ہی راتیں کالی کر چکی ہو۔ وہ سرد نفرت امیز
لہجے میں بولتے اس کا جبرہ دبوچ کیا تھا۔ مقابل معصوم
ہر گز نہ تھی صرف نازک تھی۔

ویسے کتنی راتیں کالی کر چکی ہو؟؟ آریان خانزادہ اس کا
جبرہ دبوچتے اس کے نقوش پر سلگتی سانسیں چھوڑتے
پھنکارا۔

اس کے ہتک امیز سوالات پر زرمش کی آنکھوں سے
موتی ٹوٹ کر شدت سے برسنے لگے۔

بتاؤ؟؟ آریان خانزادہ اس کے بہتے آنسو دیکھتے دھاڑا۔
دو تین چار پانچ۔ چھ سات آٹھ نو دس۔ وہ ہچکی لیتے
کھٹی کھٹی آواز میں بول رہی تھی۔ آریان خانزادہ
نفرت سے اس کا جبرہ چھوڑ چکا۔

زر مش او ندھے منہ بیڈ پر گری۔

کیا رہ بارہ تیرہ چودہ پندرہ سولہ سترہ وہ بیڈ پر او ندھے
منہ گری ہچکیوں سے بول رہی تھی۔

آریان خانزادہ اسے سلگتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔
پوری رات۔ پورا دن ساری زندگی کا وننگ کرتی
رہوں گی۔ مگر پھر بھی کہوں گی میں نے ان میں سے

زر مش اوندھے منہ بیڈ پر گری۔

کیا رہ بارہ تیرہ چودہ پندرہ سولہ سترہ وہ بیڈ پر اوندھے
منہ گری ہچکیوں سے بول رہی تھی۔

آریان خانزادہ اسے سلگتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔
پوری رات۔ پورا دن ساری زندگی کا وننگ کرتی
رہوں گی۔ مگر پھر بھی کہوں گی میں نے ان میں سے

ایک رات بھی کسی مرد کے ساتھ کالی نہیں کی۔ میں۔
زر مش۔۔۔ خان۔۔۔ ہوں۔۔۔ ایک خانزای۔۔۔ مم۔۔
میں۔۔۔ نے۔۔۔ کسی۔۔۔ کے۔۔۔ ساتھ۔۔۔ رات۔۔۔ کالی
نہیں۔ کی۔۔۔ وہ بیڈ شیٹ مٹھیوں میں جکڑے سسکتے
ہوے بول رہی تھی۔

آریان خانزادہ اس کی طرف بڑھتے اسے کندھے سے

جلٹے سیدھا کرتے اسے بازو سے جلٹے اپنے
مقابل پھر سے کھڑا کر گیا تھا۔

تمہارا کریکٹر لیس ہونا راہینہ خان اور حاکم خان کا خون
ہی ہونا کافی ہے۔ تم ساری زندگی بھی کاؤنٹنگ کرتی
رہو گی میں تم پر کبھی یقین نہیں کروں گا۔

اور تمہیں اپنے بدن پر میرے دیے کئے نشان سے

نفرت ہے۔ کیسا رہے گا اگر میں تمہارے بدن کے
پور پور پر اپنا لمس چھوڑتے ہوئے تمہیں اوپر سے نیچے
تک گہرا نیلا کر دوں؟؟ آریاں خان کے سوال پر
زر مش نے فق رنگت سے اس کی طرف دیکھا۔
فکر نہ کرو میرے اندر فارس خان اور شاذمہ خان کا
خون ہے۔ تمہیں کبھی نکاح کے بغیر نہیں چھوؤں گا۔

وہ استہزائیہ لہجے میں بولتے ایک ایک لفظ چبا گیا۔
مگر حقیقت تو یہ ہے کہ آریان خانزادہ تم سے نکاح
کرنے کے بعد بھی تمہیں چھوے گا نہیں۔ وہ اس پر
تمسخراتی نگاہیں گاڑھے اونچا قمقمہ لگا گیا۔
زر مش نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھتے سسکی لی۔
مگر ایک حقیقت تو یہ بھی ہے کہ میں تم سے نکاح

کروں گا کیوں؟! آریان خانزادہ اسے چھوڑتے ہوئے
اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پر سوچ انداز میں بولا۔
زر مش اس کے چھوڑنے پر بری طرح لڑکھرائی تھی۔
سیدھی کھڑی رہو!! آریان خانزادہ اسے گھورتے
حکمیہ لہجے میں غرایا۔

زر مش نے اپنی کپکپاہٹ پر قابو پاتے ہوئے پیچھے کی

طرف قدم بڑھاتے دیوار میں سمائے اپنے قدم زمین
پر مضبوطی سے جمائے تھے۔

حاکم خان اور رائیہ خان سے بدلہ لینے کے لیے میں
کبھی بھی تم سے نکاح نہیں کروں گا۔ کبھی نہیں
چاہے کچھ بھی ہو جائے آریان خانزادہ مس خان سے
نکاح نہیں کرے گا۔

آریان خانزادہ اس عورت سے نکاح کرے گا۔ جو
صرف اس کے لیے بنی ہو!! جسے کسی مرد نے کبھی
نظر بھر کر بھی دیکھا نہ ہو۔ وہ اسے گہری نگاہوں
سے دیکھتے بولا۔ زر مش اس کی نگاہ اور اس کی بات پر
اپنے ہاتھ روب گاؤں کو سینے سے جکڑتے نگاہیں جھکا
گئی تھی۔

زر مش کے نظریں جھکانے پر آریان خانزادہ کے لبوں
سے فلک شگاف قمقہ بلند ہوا تھا۔

سچ پوچھو مس خان!! تم خوش قسمت ہو کہ آریان
خانزادہ تم سے نفرت کرتا ہے۔ بد قسمت تو وہ لڑکی
ہوگی جو میرے لیے بنی ہوگی۔ کیونکہ آریان خانزادہ
اپنی چیزوں کو لے کر کتنا جنونی ہے۔ ابھی تمہیں

اندازہ ہی نہیں ہے۔ آریان خانزادہ اس کے دونوں
اطراف میں ہاتھ جمائے اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے
مسکراتے ہوئے بولا۔

تم سچ میں خوش قسمت ہو کہ آریان خانزادہ اتنی
شدت سے تم سے نفرت کرنے کے باوجود کبھی تم
سے نکاح نہیں کرے گا۔ میں حاکم خان حیدر خان

سے بدلہ لینے کے لیے بھی تم سے نکاح نہیں کروں گا
- تم سے بدلہ میں کسی اور طریقے سے لوں گا۔ جب
تمہیں تمہاری حویلی چھوڑوں گا اور تمہارے لالا اور
حاکم خان سے معصومیت سے کہوں گا کہ تمہاری بیٹی
مجھے سڑک پر ملی تھی اور یہ اتنے دنوں سے میرے
ساتھ رہ رہی تھی۔ معذرت کروں گا کہ مجھے آپ کی

حویلی کا پتہ نہیں معلوم تھا اور بہت معصوم بن کر
کہوں گا کہ مس خان کو اپنی حویلی کا پتہ بھول چکا تھا
یہاں تک کہ آپ سب کا نام بھی بھول چکی تھی۔
اس لیے مجبور آ مجھے اسے اپنی حویلی رکھنا پڑا۔ جہاں تن
تنہا صرف میں رہتا ہوں۔ مگر کچھ دنوں سے آپ کی
بیٹی میری تنہائی کی غمگسار سا تھی بنی ہوئی تھی۔ پتہ ہے

پھر کیا ہوگا۔ آریان خانزادہ کی باتوں پر وہ اسے شل
بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

کیا ہوگا؟؟ اس کے رکنے پر زر مش نے سسکی لیتے
استفسار کیا۔

پھر حاکم خان اور حیدر خان تمھاری قبر کھودیں گے۔
ہو سکتا ہے تمھیں گولیوں سے تمھارا سینہ چھلنی کرنے

کے بعد تمہیں دفنادیں یا پھر تمہیں زندہ دفنادیں۔

اس دن آریان خانزادہ کا بدلہ پورا ہو جائے گا۔ آریان
خانزادہ کی آنکھوں میں یکدم خون اتر اٹھا۔ زر مش
روتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔

گیارہ سال کی عمر میں نے چار چار قبریں کھودیں تھیں۔
برسوں بعد حاکم خان کو بھی کسی اپنے کی قبر کھودتے

دیکھوں گا تو آریان خانزادہ کے سینے میں دہکتی آگ کو
سکون ملے گا۔ آریان گہرے سانس لیتے اسے خون
اتری آنکھوں سے دیکھتے گر جا۔

زر مش آنکھیں میچتے ہوئے اس کی گرج پر اپنے لبوں
پر ہاتھ جما گئی تھی۔ اس کی خون اتری آنکھیں اس کے
ریڑھ کی ہڈی سننا چکے تھے

آریان خانزادہ اب گہرے سانس لیتے اس کے گال کو
دیکھ رہا تھا جہاں اس کے مارے کئے تھپڑ کا نشان سرخی
کے نیچے چھپا ہوا تھا۔

آریان خانزادہ اس کی کلائی جکڑے واش روم کی
طرف بڑھا۔

زر مش اس کی سخت گرفت میں کانپتے ہوئے کھینچتی

چلی گئی تھی... وہ اسے واش روم کیوں لے کر جا رہا
تھا۔ وہ بری طرح ہراساں ہوئی تھی۔

آریان خانزادہ نے واش روم میں داخل ہوتے اسے
سلیب پر پٹخا وہ اوندھے منہ سلیب پر گرتے سلیب
دونوں ہاتھوں سے جکڑ گئی تھی۔ اب وہ سلیب
جکڑے کانپتے ہوئے مر رہی نظر آتا آریان خانزادہ کا

عکس دیکھ رہی تھی

آریان خانزادہ نے اسے مرر میں دیکھتے فیس واش کی
بوتل واش بیسن میں پٹخی۔ زر مش نے کانپتے ہوئے
مرر میں نظر آتے آریان خانزادہ کے عکس کو دیکھتے
سسکی لی۔ پتہ نہیں اب وہ کیا سزا دینے والا تھا۔

اس فیس واش سے اپنا چہرہ دھوتے میری انگلیوں کا

نشان مٹاؤ!! آریان خانزادہ کے حکم پر زر مش نے
اسے بھیگی خوفزدہ نگاہوں سے دیکھا۔

مٹاؤ!! آریان خانزادہ مرر میں دیکھتے غرایا۔ زر مش
نے فیس واش کی بوتل کھولتے فیش واش لیتے اپنے
گال پر لگاتے اس نشان کو رگڑتے کانپتے ہاتھوں سے
ٹیپ کھولتے ہوئے پانی کے چھینٹے مارے۔

نشان جوں کاتوں دیکھتے زر مش نے روتے ہوئے
دوبارہ سے فیس واش بوتل سے لیتے اپنے گال پر رگڑا
تھا۔ پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے وہ رو پڑی تھی۔
نشان جوں کاتوں تھا مگر سرخی بڑھی تھی۔ آریان
خانزادہ کا عکس مرر میں دیکھنے کے بعد اس نے ایک بار
کانپتے ہاتھوں سے فیس واش اپنے گال پر لگایا۔ پانی

کے پھینٹے مارتے ہوئے اس کی آنکھوں کے بہتے گرم
سیال میں اضافہ ہوا تھا۔ آریان۔ خانزادہ کی انگلیوں
کی چھاپ ویسے ہی تھی۔

آریان خانزادہ اس کے پیچھے کھڑے مرر میں نگاہیں
گاڑھے اسے سرد نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ زرمش نے
کانپتے ہاتھوں سے اچھا خاصہ فیس واش لیتے اپنے گال

پر لگایا۔ اسے بے دردی سے رگڑا تھا۔ پانی کے پھینٹے
مارتے ہوئے وہ بے بسی سے رو دی تھی۔ وہ پاگلوں کی
طرح فیس واش ہاتھوں پر لیتے گال پر لیتے اسے
رگڑتے اپنا چہرہ پانی سے دھور ہی تھی۔ وہ اس کے پیچھے
کھڑا اسے بغور سرد سپاٹ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔
زر مش کانپتے ہوئے فیس واش بوتل سے نکالتی اپنے

گال پر رگڑتی اپنے گال پر پھینٹے مارتی۔ مگر نشان ویسے
ہی دیکھتے وہ رونے لگ جاتی تھی۔ نہ فیس واش ختم ہو
رہا تھا نہ نشان مٹ رہا تھا نہ اس وحشی درندے کو ترس
آ رہا تھا۔

پوری بوتل ختم ہونے کے بعد بھی وہ نشان ویسے ہی
تھا۔ گال اب لہو چھلکانے لگا تھا۔

آہستہ۔۔ زر مش چیتے ہوئے وہ بوتل مر پر پوری
قوت سے مارتے ہوئے ہڈیانی رودی تھی۔۔ وہ سلیب
جکڑے اب چنیں مار مار کر پاگلوں کی طرح رو رہی
تھی۔

ایک بات یاد رکھنا آریان خانزادہ کی نفرت کی طرح یہ
نشان بھی پکا اور گہرا ہے۔ میرے دل میں تمہارے

لیے نفرت بہت گہری ہے جو بھی نہیں جاسکتی۔ چاہے
سورج مشرق سے بجائے مغرب سے نکل آئے۔ ہاں
یہ نشان تب تک تمہارے گال پر رہے گا جب تک
آریان خانزادہ چاہے گا۔ آئندہ یہ نشان مٹانے کی
کوشش کی تو قسم کھاتا ہوں خدا کی میں تمہارے گالوں
پر اپنی وحشت کے ایسے نشان چھوڑوں گا تم مٹا نہیں

سکوگی۔ خدا کی قسم کھائی ہے اس لیے علطی سے بھی
اس نشان کو نہ مٹانا ورنہ اس بار اس گال پر اپنے دانت
گاڑھ کر تمہارا گال کچل ڈالوں گا۔ اریان خانزادہ اسے
بازو سے جکڑے سیدھا کرتے اس کے دونوں اطراف
میں سلیب پر ہاتھ جماتے اسے سر دلچے میں وارن کیا۔
زر مش نے خوف سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ شدید

چکر آنے پر وہ آریان خانزادہ کی سینڈ و دونوں ہاتھوں
میں جکڑ گئی تھی۔

آریان بھی اسے مضبوطی سے بازو سے جکڑ گیا تھا۔ وہ
اس کی سینڈ و جکڑے اپنے چکراتے وجود کو سنبھالتے
اس کے سینے سے آن لگی تھی۔

آریان خانزادہ اسے خود سے اسی لمحے دور کرتے

سلیب کے ساتھ لگا گیا۔ زر مش نے آنکھیں کھولتے
آریان خانزادہ کو دیکھا تھا وہ اسے سرد سرخ آنکھوں
سے دیکھ رہا تھا وہ اس کے اب اگلے حکم کی منتظر تھی۔
میرے کچن میں قدم نہیں رکھو گی تم؟؟ ناز و تمہارے
لیے تین ٹائم کھانا اپنے گھر سے بنا کر پہنچا دے گی۔
تمہیں کچھ بھی کھانا ہوا اسے بتاؤ گی۔ میرے کچن میں

بمھارے لیے کھانا نہیں بنے گا نہ تم وہاں قدم رکھو گی
سمجھی تم۔

جن سے نفرت ہو ان کا وجود ان کی خوشبواریان
خانزادہ کو اپنے قریب بھی برداشت نہیں۔ مقابل کی
بدن سے اٹھتی خوشبو اس کی سانسوں میں گھل رہی
تھی۔ آریان خانزادہ کو اس کے جسم سے اٹھتی خوشبو

سے بھی نفرت محسوس ہوئی تھی۔۔ آج تک کسی
عورت کی ایسی خوشبو اس نے سمیل نہیں کی تھی۔۔
کوئی عورت کبھی اتنے قریب ہی نہیں آئی تھی۔
آئندہ میرے کچن میں غلطی سے بھی قدم نہ رکھنا
سمجھی تم!

۔ آریان خانزادہ نے اس کے چکراتے وجود کو دیکھتے

اس کا بازو جکڑے اسے سختی سے وارن کیا۔
زر مش نے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔
آریان خانزادہ اس کا بازو چھوڑتے دروازے کی طرف
بڑھا۔

مم۔۔۔ مجھے۔۔۔ پہننے۔۔۔ کے۔۔۔ لیے۔۔۔ کچھ۔۔۔
دے۔۔۔ دو۔۔۔ ساتھ۔۔۔ شال۔۔۔ بھی۔۔۔

پلیز۔۔۔۔۔ زر مش کی بھیگی لہجے کی التجا پر اس کے
بھاری قدم رکے تھے۔۔
اس نے پلٹے ہوئے زر مش کو دیکھا۔ زر مش اپنا ہاتھ
رو ب سینے سے جکڑ گئی تھی۔
وہ۔۔ فراک۔۔ کل۔۔ پھٹ۔۔ گیا۔۔ تھا۔ اب۔۔
گیلا۔۔ ہو۔۔ چکا۔۔ ہے ورنہ۔۔ میں۔۔۔

وہی۔۔۔ پہن۔۔۔ لیتی۔ زر مش نے آریان خانزادہ کو
دیکھتے ٹوٹے لفظوں سے التجا کی تھی۔ وہ باتھ روب
گاؤن میں اس کے سامنے نہیں رہنا چاہتی تھی اس لیے
اس سے خوفزدہ ہوتے ہوئے بھی وہ التجا کر گئی تھی۔
آریان خانزادہ کی نگاہیں واش کیبن کی زمین پر پڑے
اس کے فرائک اور پرائیویٹ چیزوں پر پڑی تو اس کا

چہرہ سرخ ہوا تھا۔ آریان خانزادہ کی نگاہوں کا مرکز
دیکھتے زر مش خفت سے زمین میں جیسے سمائی تھی۔
اس کمرے کی وارڈروب میں کپڑے لٹکے ہیں۔ جو بھی
تمھیں چاہیے ہوا! جو دل کرتا ہے پہن لو۔ وہ سرد
سپاٹ لہجے میں کہتے دروازہ کھولتے اسی لمحے باہر نکل
کیا تھا۔

بہارے خان نے اس وقت بلیک کلر کی بے حد
خوبصورت نائیٹ میں ملبوس تھی۔ جو سیلولیس نیٹ کی
ڈیلی کیٹ نائیٹ تھی جو گھٹنوں سے نیچے تک آتی تھی۔
اس پر اس نے بلیک کلر کا نیٹ کا فل گاؤن پہنا ہوا تھا۔
اپنے گھنے سلکی بالوں میں برش کرتے ہوئے بہارے

نے مرر میں خود کو دیکھتے خود پر پر فیوم چھڑکا۔ اس بلیک
نایٹی میں اس کا شعلہ جواں بدن بے قیامت ڈھارہا
تھا۔ ہونٹوں پر لپ سٹک لگاتے ہوئے اس کے ہاتھ
کپکپا رہے تھے۔ شہرام خان آج ایک ہفتے سے اسے
انگور کیے ہوئے تھا۔ وہ کمرے میں ہوتے ہوئے بھی
اس کی طرف نہیں دیکھتا تھا۔ کمرے میں ہوتا تو بہرام

سے سارا وقت کھیلتا رہتا۔ اس کا فیڈر بنانے سے لے
کر اس کے کپڑے چینیج کرنے تک کا ہر کام خود کرتا
تھا۔ رات کو جتنی بار اٹھتا وہ خود فیڈر بنا کر اسے پلا کر
سلاد دیتا تھا۔ وہ اس سے ناراض پچھلے ایک ہفتے سے
صوفے پر سو رہی تھی۔ مگر شہرام خان نے اسے ایک
بار منایا نہیں تھا۔ کچھ دن برداشت کرنے کے بعد وہ

صوفے پر سوتے ہوئے ساری ساری رات روتے
ہوئے گزار رہی تھی۔ شہرام خان کی بے اعتنائی
ناراضگی اسے کے دل کو آرے کی طرح چیر رہی تھی۔
وہ اسے اگنور کر رہا تھا اس کی جان سولی پر لٹکی ہوئی تھی
۔ دو دن تو وہ شہرام کے سامنے سپاٹ چہرے کے ساتھ
اجڑے گندے سے لباس میں پھرتی رہی تھی۔ شہرام

خان کی توجہ اپنی طرف نہ پا کر اور اس کا بیڈ پر اس کے
بغیر سونے پر وہ پاگل ہو گئی تھی جیسے !!

وہ ایک رات صوفے پر ایک لمحہ سکون سے نہیں سوئی
تھی۔۔ ساری ساری رات وہ کروٹے بدلتے گزار دیتی
تھی۔ شہرام خان کے جب مدھم خراٹے گونجتے تو وہ
بے آواز شدت سے پھوٹ پھوٹ کر رو دیتی تھی۔

شہرام کی اگنورنس پر وہ فل تیار ہو کر کمرے میں رہنے
لگی تھی۔ اس کے فیورٹ فراکس پہن کر لایٹ سا
میک اپ بھی کر لیتی تھی۔ مگر شہرام خان نے قسم کھا
لی تھی وہ اس کی طرف دیکھے گا نہیں!!
وہ تو اس کے بغیر ایک پل نہیں رہ سکتا تھا۔ ساری رات
اسے اپنی بانہوں میں قید کر کے تو یہی جتا تا تھا وہ اس

کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مگر اب تو اس کا وجود ایسے اگنور
کیے ہوئے تھا۔ جیسے وہ ہے ہی نہیں۔۔

اس کی ایک ہفتے کی بے اعتنائی بہارے کے حواس
چھین چکی تھی۔ وہ اپنے پیٹ میں موجود بچے کا خیال
خود سے بھی زیادہ کرنے لگی تھی۔ شہرام خان کی ایک
ہفتے کی بیگانگی اس کی بے اعتنائی وہ سہہ نہیں پار ہی

تھی۔ اگر اس بچے کو کچھ ہو جاتا تو وہ شہرام خان کی
ناراضگی بے رخی کیسے سہتی۔ جو دھمکی اس نے دی تھی
وہ تو اسے اندر سے زخمی کر چکی تھی۔ شہرام کو وہ کسی
صورت کسی دوسری عورت کے سائے کے قریب
بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ ایک ہفتہ اس کے
قریب نہیں آیا دل میں وہم اتنی شدت سے ستانے

لگے تھے اسے لگتا تھا وہ پاگل ہو جائے گی۔ اس کی
شرٹس کی سمیلز اس پر کسی لڑکی کے بال ڈھونڈنے لگی
تھی۔ رات کو اٹھ اٹھ کر اس کا موبائل چیک کرنے لگی
تھی۔ وہ جانتی تھی شہرام خان اس سے محبت کرتا ہے۔
وہ اس سے بیوفائی نہیں کرے گا اب کبھی۔۔
مگر اپنے دل کا کیا کرتی جو شہرام خان کی بے پناہ وجہ

پر سنلیٹی سے ڈرتا تھا۔ وہ کتنا بااثر تھا کسی بھی لڑکی کا وہ
خواب ہو سکتا تھا

کسی دوسری عورت کو اس کے شہرام سے پھر سے
محبت نہ ہو جائے۔ وہ پھر سے کسی اور عورت کا عشق
نہ بن جائے۔ وہ یہ سوچ سوچ کر ذہنی اذیت کی انتہا
پر تھی۔ تکلیف دہ سوچیں اسے اندر سے تل تل مار رہی

تھیں۔

آج اس نے خود سے لڑتے ہوئے یہ نائیٹی زیب تن کی
تھی۔ بہرام کو وہ آج اپنی مورے کے پاس سلا کرائی
تھی۔ اب اپنا حلیہ دیکھ کر وہ خفت و شرم سے سرخ پڑ
رہی تھی۔۔ شہرام خان کے سامنے کیسے جائے گی۔
ناراض نہ ہوتا یہ نائیٹی پہنا اس کے سامنے بڑی بات نہ

تھی۔ اسے خوش کرنے کے لیے وہ بہت بار اس سے
بھی شارٹ اور رویکنگ نائٹیز پہن چکی تھی۔ مگر آج
وہ ناراض تھا۔ عجیب سی شرم آرہی تھی۔ دل ہتھیلی پر
جیسے دھڑک رہا تھا۔

بہارے نے مرر میں دیکھتے اپنے نیٹ کے گاؤن کی
ڈوری کس کر باندھی۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر بہارے کا دل زور سے دھڑکا
تھا۔

شہرام خان نے کمرے میں داخل ہوتے اپنا کوٹ اتار
کر صوفے پر اچھالا۔ اب وہ سنجیدگی سے اپنے کف کے
بٹن کھول رہا تھا۔ بہارے گہرے سانس لیتے مرر میں
دیکھتے اپنے بالوں میں برش کر رہی تھی۔

شہرام نے اپنی شرٹ اتارتے ہوئے بیڈ پر اچھالی تھی۔
اپنی پینٹ سے بیلٹ نکالتے اس نے بیڈ پر پھینکی تھی۔
اور سنجیدگی سے وہ واش روم کی طرف بڑھ گیا۔
واش روم کا دروازہ بند ہونے پر بہارے نے اپنے
لرزتے وجود پر بمشکل قابو پایا تھا۔ آنکھوں سے آنسو
لڑیوں کی صورت میں عارض پر گرے تھے۔ وہ اسے

نایٹی میں بھی اگنور کر کے چلا گیا تھا۔ یہ تو ہو نہیں سکتا
اس پر نظر نہ پڑی ہو۔ اور سمجھ نہ سکا ہوا اتنی شارٹ
نایٹی اس نے کس لیے پہنی تھی۔ وہ اتنا بے حس ہو گا
اسے اندازہ نہ تھا یا پھر وہ تھا ہی اتنا بے حس وہ ہی سمجھ نہ
سکی تھی۔ کیوں بھول گئی تھی یہ وہی ظالم شہرام خان
ہے۔ جسے اپنی ایگو سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے۔ جس نے

دو مہینے مجھے بے اعتنائی کی سزا سنائی تھی۔ بلکہ بے وفائی
کی مار ماری تھی۔۔۔ اسے کیوں نظر آئے گی میری محبت
تڑپ؟؟ یہ میرے بغیر رہ سکتا ہے۔ اسے میری قربت
کی ضرورت نہیں کہ اسے کچھ دن نہیں ملے گی تو اس
کی سانسیں رک جائیں گی
۔ یہ جھوٹی باتیں تو شہرام خان قربت کے درمیان کرتا

ہے۔ اور میں پاگلوں کی طرح اس کی ہر بات پر یقین کر
کے اس کی محبت پر اترانے لگتی ہوں۔ بہارے نے
روتے ہوئے برش مرر میں دے مارا تھا۔ شہرام خان
مرد ہے جسے میرے جذبات کی کیا پرواہ؟؟ اسے کیا
پرواہ میں اس سے کتنی محبت کرتی ہوں۔ اسے کیا پرواہ
اس کی بے اعتنائی ناراضگی میری سانسیں روکتی ہے

اس کی تھوڑی روکتی ہیں۔۔۔ وہ تو رہ سکتا ہے میرے
بغیر!! بہارے نے روتے ہوئے اپنے بالوں کو
جوڑے کی شکل میں سمیٹا۔
اب کبھی نہیں دوں گی اسے اپنی قربت! ہاتھ جوڑ کر
قدموں میں بیٹھ کر بھی معافی مانگے گا اسے میری
ضرورت ہے پاس نہیں آنے دوں گی۔ بہارے نے

روتے ہوئے اپنے کان میں پہنے ہوئے ہیرے کے
ٹاپس مر رہے ہیں غصے سے مارے۔

شہرام خان کے بچے پالوں گی۔ ان کی ماں بنا کر رکھنا
چاہتا ہے ناں اب صرف اس کے بچوں کی ماں بن کر
رہوں گی۔

اب کبھی بیوی کا کوئی فرض نہیں بناؤں گی۔ بھاڑ میں

جائے شہرام خان!!! بہارے نے روتے ہوئے لٹو
باکس سے لٹو پکڑتے اپنے ہونٹ رگڑے۔
شہرام واش روم سے شرٹ لیس سفید ٹراؤزر پہنے باہر
آیا تھا۔ اپنے گیلے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے
اس نے گہری نگاہ بہارے پر ڈالی۔ اس کی گوہر
افشانیاں وہ واش روم سے باہر آتے سن چکا تھا۔ بڑی

مشکل سے اس نے اپنے امڈتے قہقے پر قابو پایا تھا۔
اس کی برہنہ بیک اور اس نایٹی میں دیکھ کر شہرام خان
کو اپنے حواص صلب ہوتے محسوس ہوئے تھے۔
انگ انگ بہارے کی قربت کے لیے مچلنے لگا تھا۔
جواں جذبوں نے شدت سے بیدار ہوتے اس کے
اندر طغیانی مچاتے اسے اپنی بیوی کے لیے پاگل کر دیا

تھا۔

اتنے دنوں سے اسے اگنور کر رہا تھا مگر آج وہ چاہ کر بھی
نہیں کر پارہا تھا۔

بہرام کہاں ہے؟؟ شہرام خان نے صوفے پر بیٹھتے
سگریٹ لائٹر سے جلاتے ہوئے لبوں میں دبائے
بہارے کو اوپر سے نیچے بے باکی سے دیکھتے بظاہر

سنجیدگی سے پوچھا۔

مورے کے پاس ہے لاتی ہوں !! بہارے نے سپاٹ
لہجے میں کہتے ہوئے اپنی شال بیڈ سے اٹھاتے ہوئے
اچھی طرح خود پر لپیٹتی۔

اس بیہودہ ناپیٹی کو پہن کر بہرام کو لینے جاؤ گی۔ شہرام
کی سرد آواز پر بہارے کے دروازے کے پاس قدم

رکے تھی۔

بہرام کے بغیر تمھاری سانسیں بند نہ ہو جائیں اس لیے
چینج کیے بغیر اسے لینے جارہی تھی۔ بہارے نے رکتے
ہوئے اپنی بھیگی آواز پر قابو پاتے بھڑ بھڑ جلتے کہا۔
وہ تو تمھیں اس ناپیٹی میں دیکھ کر بھی میری سانسیں
رک رہی ہیں تو کیا میری سانسوں کے لیے تم یہ ناپیٹی

اپنے تن سے اتار کر میری لیپ پر بیٹھ جاؤ گی کیا؟؟
شہرام کی بات پر بہارے کی رنگت سرخ قندھار ہوئی
تھی۔

بہارے نے بھیگی نگاہوں سے اسے دیکھا وہ بہت گہری
نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔
کبھی بھی نہیں میں یہ چیپ ایکٹ نہیں کروں گی۔

تمہیں خوش کرنے کے لیے تو بھی نہیں کروں گی۔
تمہیں صرف اپنے بچے پیارے ہیں تو ٹھیک ہے اب
میں صرف تمہارے بچوں کو پالوں گی۔ اب تم ہر
سال بچہ پیدا کرو۔ میں تم سے کچھ نہیں کہوں گی۔ میں
سمجھ چکی ہوں اپنا مقام تمہاری زندگی میں !! تم صرف
ایک خان ہو شہرام خان ظالم شہرام خان جھوٹے

شہرام خان۔۔ جسے صرف بچے پیدا کرنے کا شوق

ہے۔

آئندہ کبھی بھی مجھ سے یہ مت کہنا تم میری قربت
میرے بغیر نہیں رہ سکتے۔ بہارے نے شبینہ لہجے میں
بولتے ہوئے اپنے آنسو بے دردی سے اپنے عارض
سے صاف کیے۔

ہر سال بچہ پیدا کرنے کے لیے سمیں میری گود میں
بیٹھنا ہی پڑے گا میری بہارے!! ورنہ بچہ کیسے آئے
گا۔ شہرام نے اپنی مسکراہٹ دبائے بہارے پر گہری
نگاہ ڈالی۔ اس طرح روتے ہوئے وہ اس کے لیے
ترپتی شہرام کو اپنی روح میں اترتی محسوس ہو رہی تھی

-

بہت سے طریقے ہیں شہرام خان!! مجھے دوسری
شادی کی دھمکی تو دے چکے ہو۔ ہو سکتا ہے دوسری
بیوی سے پیدا کرنا چاہتے ہو۔ بہارے نے
روتے ہوئے شال سے اپنی سرخ ناک اور عارض
رگڑے۔ اس کی یہ دھمکی اس کے اندر ابھی تک آگ
لگائے ہوئے تھی۔ اس نے یہ سات دن کتنی ٹینشن

لی تھی وہ وہی جانتی تھی۔

شہرام سگریٹ ایش ٹرے میں بجھاتے ہوئے بہارے
کی طرف بڑھا جو نظریں جھکائے روتے ہوئے اپنے
عارض اور ناک بار بار شال سے رگڑ رہی تھی۔
شہرام نے اس کے قریب جاتے ہوئے اس کی شال
نرمی سے اتارتے ہوئے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے

ہوے اسے اپنے قریب کیا۔ بہارے غصے سے اس
کے سینے پر دونوں ہاتھ رکھ گئی تھی۔۔
میری بہارے!! اور کتنا تڑپاؤ گی ایک ہفتہ کم ہے جو
آج رات بھی مجھے خود کے لیے تڑپاؤ گی۔ شہرام نے
اس کے وجود پر بے باکی سے نگاہیں گاڑتے ہوئے
گھمیر لہجے میں کہتے اس اپنے قریب کرتے اس کی کان

کی لو پر لب رکھے۔ تم تڑپ رہے تھے۔
شہرام !! تم تورات آتے ساتھ سو جاتے تھے۔
تمہارے خراٹے بتاتے تھے۔ تم کتنا ٹھکے ہوتے تھے۔
بہارے نے اسے دونوں ہاتھوں سے دوردھکیلتے بھڑ
بھڑ جلتے شکوہ کیا۔
تھکاوٹ اتارنے والی صوفی پر سوئی ہوتی تھی تو میں

بیچارہ کیا کرتا سونا ہی تھا۔ شہرام نے لب دانتوں تلے
دبائے کہا۔ بہارے کار و نا کر لانا اسے بہت حظ دے رہا
تھا۔ کبھی کبھی وہ اپنی ایسی جنونیت دکھاتی تھی۔
یہی فرق ہے مرد عورت میں شہرام خان!! مجھے
تمہاری قربت نہیں چاہیے ہوتی تھی۔ اس ایک ہفتہ
میں تمہاری ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ مگر پھر

کب نظر انداز کیا میری بہارے؟؟ جب سے تم
ناراض ہوئی ہو صرف آج ہاسپٹل گیا ہوں۔ ورنہ ایک
ہفتہ حویلی میں گزارا ہے اپنی بہارے اور بہرام کے
پاس۔

تو صبح کر لو شہرام خان!! ناراض تم ہوئے تھے میں
نہیں اور ایک ہفتہ تم نے اپنے بیٹے بہرام کے پاس

گزارا ہے میرے پاس نہیں۔ میری طرف تو دیکھا
بھی نہیں۔۔ بہارے نے بھڑ بھڑ جلتے سلگتے لہجے میں
کہا تو شہرام خان کا برجستہ قہقہہ گونجا تھا۔
اس ایک ہفتے میں اپنی بہارے کو تو ہی دیکھا ہے۔ پہلے
دو دن میری بہارے سر دچہرے کے ساتھ ایک ہی
پہیل رنگ کے فراق میں الجھے بکھرے بالوں کے

گزارا ہے میرے پاس نہیں۔ میری طرف تو دیکھا
بھی نہیں۔۔ بہارے نے بھڑ بھڑ جلتے سلگتے لہجے میں
کہا تو شہرام خان کا برجستہ قہقہہ گونجا تھا۔
اس ایک ہفتے میں اپنی بہارے کو تو ہی دیکھا ہے۔ پہلے
دو دن میری بہارے سر دچہرے کے ساتھ ایک ہی
پہیل رنگ کے فراق میں الجھے بکھرے بالوں کے

ساتھ پھرتی رہی۔ پھر میری بہارے میرے پسندیدہ
فراک پہنے میک اپ کرتے میرے ارد گرد منڈلاتی
تھی۔ اور آج تو حد ہی کر دی یہ نائیٹ پہن لی تاکہ مجھے
چاروں شانے چت کر دیا جائے۔ اور دیکھو ایسا جال
پھینکا میں کہیں کا نہیں رہا شہرام گھمبیر آواز میں بولتے
اپنے ہاتھوں کی بے باکی دکھاتے گہری شررات کر گیا

تھا۔ بہارے اس کی بے باک حرکت پر سرخ ہوئی
تھی۔ شہرام نے مسکراتے ہوئے مزید بے باکی دکھائی
تو بہارے کا سانس پھولا تھا۔

تم یہ سب دیکھتے محسوس کرتے بھی مجھ سے ناراض
رہے۔ مجھے منایا نہیں۔۔ میرے بغیر رہ سکتے ہو تم؟ جو
ہر روز رات کو میرے قریب آتے ہوئے سرگوشیاں

کرتے ہو کہ میرے بغیر ایک پل نہیں رہ سکتے۔ میں
ناراض ہوتی ہوں تمہاری جان نکل جاتی ہے وہ سب
جھوٹ بولتے ہو تم۔۔ بہارے شکوہ کناں لہجے میں
کہتے اس سے دور ہوئی تھی۔۔ وہ ایک ہاتھ سے اس پر
مکمل حق جتا رہا تھا۔ اب شہرام کا ہاتھ بہت بے باکی
سے کمر پر سرایت کرتا اپنا حق جتا رہا تھا۔

بہارے کے دور ہونے پر شہرام اسے گود میں اٹھائے
بیڈ کی طرف بڑھا۔ بہارے خاموشی سے اسے دیکھ
رہی تھی۔ وہ کہاں مزید اس سے ناراض رہنے والی تھی
وہ تو اسے صرف نخرے دکھا رہی تھی
شہرام اسے بیڈ پر لٹائے اس پر جھکا۔
بہارے میری جان!! میں تمہارے بغیر نہیں رہ

سکتا۔ تمہارا شہرام خان کمھاری ناراضکی نہیں
برداشت کر سکتا۔ مگر تم میرے بچے کو مارنے کا سوچ
بھی سکتی ہو۔ یہ بات میرے اندر تمہارا غصہ ختم نہیں
کر پار ہی تھی۔ سچ پوچھو تمہاری کہی ہوئی بات میرے
لیے سزا تھی اس لیے تمہیں سزا دے رہا تھا۔ تاکہ تم
آئندہ ایسا کبھی سوچ بھی نہ سکو۔

میں وعدہ کرتا ہوں اس بچے کے بعد ہم تیسرا بچہ نہیں
لے گے۔ مجھے ایک بیٹی دے دو!! مجھے اور بچے نہیں
چاہیے۔ میرے لیے میری بہارے کی صحت سب
سے پہلے۔

اس کے بعد پھر بچہ آگیا تو۔ بہارے نے شہرام کے
برہنہ سینے پر انگلی پھیرتے ہوئے ڈبڈبائے لہجے میں

پوچھا۔

دوسرے بچے کے بعد پکا پکا انتظام کر لوں گا۔ شہرام
نے جھکتے ہوئے بے تابی سے اس کی گردن پر دھکتے
لب رکھے۔

کیا انتظام شہرام؟؟ بہارے نے اس کے سینے پر دونوں
ہاتھوں کا دباؤ ڈالتے ہوئے اسے دور کرتے پوچھا۔

شہرام کی بے تابیاں وہ محسوس کر چکی تھی۔ اتنے دن
سے وہ اسے اگنور کر رہا تھا۔ اب وہ اتنی جلدی ماننے کا
آرادہ نہیں رکھتی تھی۔

اس بچے کے بعد تمہارے پاس نہیں آؤں گا۔ نہ پاس
آؤں گا نہ تیسرا بچہ ہو گا نہ تم ناراض ہو گی۔ اس لیے
میری بہارے یہی وقت ہے مجھے جی بھر کر میرے

ارمان پورے کرنے دو! شہرام نے بہارے کی حیران
آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سنجیدگی سے بولتے اپنے
ہاتھ سے اس کے بدن پر اپنا حق جتاتے ہوئے گہری
بھرپور شرارت کی تھی

کیا مطلب شہرام؟؟؟ بہارے نے شہرام کی بات پر جواباً
سنجیدگی سے استفسار کرتے اس کا ہاتھ بری طرح جھٹکا

مطلب یہ میری بہارے تمہیں میری ضرورت نہیں
محسوس ہوتی تم خود پر جبر کر کے صرف میری
ضرورت پوری کرتی ہو۔ مجھے سکون پہنچانے کے لیے
مجھے رات بھر برداشت کرتی ہو تو میرا بھی فرض بنتا
ہے تمہارا خیال کروں۔ اس لیے دوسرے بچے کے

بعد میں اپنے جذبوں پر کنٹرول کرتے تمھارے قریب
ہی نہیں آؤں گا۔ شہرام کی بات پر وہ مزید حیران ہوئی
تھی۔ اس کی آنکھوں میں سنجیدگی دیکھتے وہ روہانسی
ہوئی تھی۔ میرے قریب نہیں آؤ گے تو پھر کس کے
قریب جاؤ گے۔ بہارے نے روہانسی ہوتے شہرام
کے سینے پر زوردار مکہ مارات۔ شہرام کا چہرہ مزید

سنجیدہ اور ثپاٹ ہوا تھا۔

اپنے ہاتھوں کو کنٹرول کرو بہارے!! بیوی ہو بیوی بن
کر رہو!! مجھے مجبور مت کرو میں سخت قدم اٹھاؤں۔
اگر ابھی بھی تم نہیں چاہتی تمہارے قریب نہیں
آؤں گا۔ ویسے بھی تمہیں بہانہ چاہیے ہوتا ہے مجھ
سے دور جانے کا۔ مجھے بھی عادت ہو گئی ہے تم سے

دور رہنے کی۔ تمھارے قریب آنے سے بھی اب
میرے اندر کوئی جذبات نہیں ابھرتے۔ تم ٹھیک کہہ
رہی تھی اب تم میرے بچوں کی ماں بن کر رہو گی۔
بیوی کے کوئی حقوق پورے کرنے کی ضرورت نہیں
تمہیں۔ شہرام بہارے کی کلاسیوں پر دباؤ ڈالتے سلگتے
لہجے میں بولا تو بہارے کی آنکھوں کا گلابی پن بڑھتے

شدت اختیار کر گیا تھا۔ وہ بے یقین ہوئی تھی۔
سانسیں رکی تھیں۔

شہرام اسے سنجیدگی سے دیکھتے اس کے اوپر سے اٹھا۔
بہارے گہرے سانس لیتے چھت کو دیکھ رہی تھی۔
دوسرے لمحے اس نے بال مٹھیوں میں دبوچے۔
بہارے نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے شہرام کو دیکھا جو

صوفے پر اطمینان سے بیٹھا سگریٹ پیتے موبائل میں
کچھ سکروول کر رہا تھا۔

موبائل میں سکروول کرتے ہوئے اس کے مونچھوں
تلے عنابی لب مسکرا رہے تھے۔ وہ زلزلوں کی زد
میں شہرام کو دیکھ رہی تھی۔ وہ کیا کہہ کر گیا تھا وہ بے
یقین تھی۔ اسے اس حلیے میں دیکھ کر بھی اس کے اندر

کوئی جذبات کوئی پیاس نہیں جلی تھی۔۔ بہارے نے
خود کی طرف دیکھا۔۔ گاؤں کے نیچے نائیٹ میں اس کا
انگ انگ چھلک رہا تھا۔ وہ سچ میں کسی اور عورت میں
انوالو تھا کیا؟؟ بہارے نے تڑپتی جلتی نگاہوں سے
شہرام کو دیکھا جو موبائل میں ٹیکسٹ کرتے ہوئے گہرا
مسکرا رہا تھا۔

بہارے نے بہتی آنکھوں سے شہرام کو دیکھتے سر نفی
میں ہلایا تھا۔ وہ بیڈ سے اٹھتی تیزی سے شہرام کی
طرف بڑھی۔ پاگلوں کی طرح اس کے ہاتھ سے
موبائل جھپٹا۔

یہ کیا بد تمیزی ہے بہارے؟؟ شہرام نے کھڑے
ہوتے اسی لمحے موبائل اس کے ہاتھ سے اچکا تھا۔

کیا ہے اس موبائل میں جو تم مسکرا رہے ہو؟؟ تمہیں
میں نظر نہیں آرہی۔۔ بہارے نے چیختے ہوئے شہرام
کے سینے پر غصے سے پوری قوت سے مکے مارے۔
بہارے! شہرام اسے کلائی سے جکڑے صوفے پر بٹخ
کیا تھا۔

شہرام میں تمہاری جان لے لوں گی۔ بہارے روتے

ہوے صوفے سے اٹھی تھی کہ شہرام اسے دوبارہ
صوفے پر پٹختے اس پر حاوی ہوا۔

چھوڑ مجھے میں تمہاری جان لے لوں گی۔ تم کون
ہوتے ہو مجھے نظر انداز کرنے والے۔ بہارے نے
روتے ہوے اس کے سینے پر مکے مارتے ہوے اس کی
گردن نوچی۔ اس کی باتیں اس کا نظر انداز کرنا۔

موبائل کی طرف دیکھ کر مسکرا نا وہ اپنے حواس جیسے
کھو رہی تھی۔

میں کہاں نظر انداز کر رہا ہوں میری بہارے !!
محسوس کرو مجھے کیسے میں تمہیں محسوس کر رہا ہوں۔
شہرام نے اپنی ٹانگوں کا دباؤ اس پر شدت سے ڈالا تھا۔
دیکھو میری آنکھوں میں تم اس ناپیٹی میں کیسے میری

آنکھوں کی رنگت سرخ کر چکی ہو۔ وہ اس کی گاؤں کی
ڈوری کھینچ کر کھولتے اب بھاری آواز میں بولتے اس
کی گردن پر اپنے دہکتے لب رکھ گیا تھا۔
خود صوفے پر ہوتے وہ اب اسے اپنے اوپر کر گیا۔
بہارے بھیگی بے یقین نگاہوں سے اسے کانپتے ہوئے
دیکھ رہی تھی۔ شہرام کے بولے کئے لفظ اس کے اندر

شرارے دھکاتے اس کے وجود میں ہچکولے بھر چکے
تھے۔

سنو میری دل کی دھڑکن !! کتنی تیزی سے دھڑک
رہی ہیں۔ شہرام اس کی ہتھیلی چومتے ہوئے اس کا ہاتھ
اپنے سینے پر رکھ گیا۔

بہارے بھیگی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔

تھا۔ بہارے ابھی بھی اس کی گردن میں دانت
گاڑھے ہوئے تھی۔ شہرام کی گردن پر دانتوں کی نیلی
گڑھی بنا کر اس نے بھیگی گلابی آنکھوں سے شہرام کی
آنکھوں میں دیکھا۔ اب وہ بری طرح ہچکیاں بھر رہی
تھی شہرام کا مذاق اس کی جان نکال گیا تھا۔
اپنی حیثیت اپنا مقام کیوں نہیں سمجھی ابھی تک تم

میری بہارے؟؟ میرے بچوں کی ماں ہو تم۔ میرا
عشق ہو تم؟؟ تمہارے پاس نہیں آؤں گا تو تڑپ کر
مر جاؤں گا میں۔ بہت محبت کرتا ہوں تم سے۔ شہرام
اس کی گردن پر سلگتی لبوں کا لمس چھوڑتے ہوئے
گھمبیر آواز میں بول رہا تھا۔
یہ باتیں صرف اس ٹائم ہی تمہیں یاد آتی ہیں۔ ایک

ہفتہ مجھے نظر انداز کیا ہے میری طرف دیکھا تک نہیں
۔۔ صرف اپنے بیٹے کو ہی دیکھتے تھے۔ تم مجھ سے زیادہ
بہرام سے محبت کرتے ہو۔ اب آنے والے بچے سے
کرو گے۔ بہارے اس کی گردن پر اپنے دیے گئے
نشان پر انگلی پھیرتے بھگے لہجے میں بول رہی تھی۔ اس
کے نظر انداز کرنے کا غم وہ بھول ہی نہیں پار ہی تھی

تم سے کروں گا صرف تم سے کروں گا تم کہو گی تو ان
کی طرف دیکھوں گا بھی نہیں۔۔ شہرام بھاری آواز
میں بولتے اس کی سٹریپ میں انگلیاں پھنساتے نائیٹ
کندھے سے نیچے کھسکا گیا۔

میرے بچوں کو اگنور کیا جان سے مار ڈالوں گی
تمہیں۔ بہارے اس کے سینے پر مکہ مارتے ہوئے

غرائی۔۔

بہارے کی بات پر شہرام کا قہقہہ بلند ہوا۔۔
کبھی یہ صرف میرے بچے ہو جاتے ہیں۔ کبھی صرف
تمہارے تم ڈیسا ٹیڈ کر لو کمہارے میرے یا پھر
ہمارے۔۔ شہرام کے لب نرمی سے گردن سے نیچے
نرمی سے پرواز کرتے نیچے کی طرف سرکتے اب نیٹ

کی نائیٹ کے اوپر سے اس کے پیٹ کو نرمی سے چھو
رہے تھے۔

بہارے گہرے سانس لیتے آنکھیں میچ گئی تھی۔
شہرام بے حد نرمی سے اس کے پیٹ کو لبوں سے
چھوتے اس کی پنڈلیوں پر نرمی سے لب رکھتے اس کے
پروں پر اپنے سلگتے لب رکھے تھے۔ بہارے کی

شہرام!! مجھے ڈانٹ دینا مجھ پر چلا لینا مجھے بے اعتنائی کی
مار مت مارا کرو۔ ورنہ سچ میں کسی دن تمہاری جان
لے لوں گی۔ بہارے اس کے اوپر آتے اس کی گردن
کے نشان پر غصے سے دانت گاڑھ گئی تھی۔
شہرام نے آنکھیں میچتے اس کا بے دردی وار سہا تھا۔
کیا کہا تھا شہرام یہ ناپیٹی ریمو و کر کے تمہاری لیپ پر

بیٹھ جاؤں تو تمھاری سائیں رک جائیں گی۔ بہارے
اس پر جھکتے ہوئے اس کی مونچھوں پر لب رکھتے اسے
مدہوش آنکھوں سے دیکھتے پوچھا۔

ہاں جان نکل جائے گی میری!! شہرام خان گھمبیر آواز
میں بولتے اسے شدت سے خود کے ساتھ لپٹا گیا۔

سے لپٹ رہی تھی

حیدر خان اپنے ہوٹل کے کمرے میں بیڈ پر شرٹ
لیس اونڈھے منہ لیٹے ہوئے تھا۔ ایک بازو بیڈ سے
نیچے لٹکا ہوا تھا۔ زمین پر خالی بوتلیں پڑیں تھیں۔ جن

کازہر وہ پچھلے تین دنوں سے اپنے اندر اتار رہا تھا۔ ابھی
بھی وہ مدہوش سا جیسے ہر غم سے بے نیاز پڑا تھا۔ کوئی
رشتہ اس کے پاس نہ تھا جس سے اپنا غم مٹاتا اس وقت
اپنی خانم کی ضرورت تھی جس کے پاس وہ جا نہیں سکتا
تھا۔ زر مش کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ اپنے گناہوں کی
وجہ سمجھتا تھا۔ جو اس نے فرشتے کے ساتھ کیا اسے لگتا

تھا آج اس کی بہن کے ساتھ اس کی ہوئی نا انصافیوں
اس کے ظلم کی وجہ سے ہو۔ اوز گل کو جانوروں کی
طرح مارا اسے طلاق دے کر حویلی سے نکالا۔ اب
اپنا وہ ظلم بھی یاد آ رہا تھا۔ خدا کو حاضر ناظر جان کو دو
عورتیں اپنے عقد میں لیں م۔ گرا انصاف دونوں کے
ساتھ نہ کر سکا۔ اوز گل کی بیوفائی معاف کر دیتا فرشتے

کے ساتھ نا انصافی نہ کرتا تو شاید خدا اس پر رحم کھاتے
اس کی بہن کی تکلیفیں کم کر دیتا۔ وہ کہاں تھی کس
حال میں تھی وہ بھی پتہ نہ لگا سکا تھا۔

وہ اپنے ہر طرح کے رسورسز استعمال کر چکا تھا مگر
زر مش کو نہیں ڈھونڈ سکا تھا۔ زر مش جہاں سے
غائب ہوئی وہاں کوئی کیمرہ نہیں تھے۔ وہ راستہ بھی

جنگل کی طرف جاتا تھا۔ اس دن وہاں سے کوئی گاڑی
کوئی ذی روح کو گزرتے نہیں دیکھا تھا۔

جتنا ہو سکا وہ آس پاس علاقوں میں سرچ اپریشن کروا
چکا تھا۔ حاکم خان کا سختی سے حکم تھا۔ حویلی سے باہر
زر مش کی گمشدگی کی کانوں کان خبر نہ ہو۔ پچھلے تین
دن سے نہ حویلی میں کوئی ملازمہ اندر داخل ہوئی تھی۔

نہ حویلی کی کوئی عورت باہر کئی تھی۔۔ اوزلہ کے پاس
سے موبائل تک لے لیا گیا تھا۔ مگر وہ تب سے حویلی
ہی نہیں گیا تھا۔

موبائل وایبریٹ ہونے پر حیدر حاکم خان نے مندی
مندى سرخ آنکھیں کھولتے سائیڈ ٹیبل سے فون
اٹھاتے کان سے لگایا۔ نمبر دیکھتے وہ جلدی سے اٹھ کر

بیٹھا۔

بولور وہاب!! حیدر خان بے تابی سے بولا۔
حیدر!!! جس علاقے میں تم نے سرچ اپریشن کرنے
کو کہا وہاں آریان خانزادہ کی بہت بڑی حویلی بھی ہے۔
۔ جہاں ہم نے ابھی تک سرچ اپریشن نہیں کیا۔
کیا مطلب کیوں نہیں کیا۔ حیدر خان صوفے سے

اٹھتے اپنے دوست ڈی آئی جی روہاب خان سے گرجتے
ہوئے بولا۔

کام ڈاون حیدر خان!! آریان خانزادہ ریسنٹلی امریکہ
سے آیا ہے۔ وہ ایک عام انسان نہیں ہے بہت بڑا آدمی
ہے جس کی حویلی کی تلاشی ہم کسی صورت نہیں لے
سکتے۔۔ روہاب خان نے سنجیدگی سے کہا۔

حیدر حاکم خان سے کون بڑا آدمی ہو سکتا ہے کیا!؟۔ یہ
سوات اس کا نہیں میرا ہے۔۔ اس کی حویلی کا تم ہر
صورت سرچ اپریشن کرو گے۔۔ مجھے میری بہن ہر
قیمت چاہیے۔۔ حیدر خان سرخ آنکھوں سے غرایا
تھا۔

حیدر!! وہ امریکن سٹی زن ہے۔۔ وہ کیل فور نیا کا بہت

بڑا ریسلر ہے۔۔ جو کہ کافی مشہور ہے۔ اس کا ایک
بیان میڈیا پر ہماری وردیاں اتار سکتا ہے اور تمھاری
عزت کی دھجیاں اڑا سکتا ہے۔ تم نہیں چاہتے تمھاری
بہن کی گمشدگی کا کسی کو پتہ چلے۔۔ ایسے میں پورے
سوات میں یہ خبر پھیل سکتی ہے۔۔ مجھے نہیں لگتا
تمھاری بہن ادھر ہو سکتی ہے۔ آریان خانزادہ کوئی اوپر

کی چیز ہے اس کے بارے میں جہاں تک مجھے پتہ چلا
ہے وہ یہ ہے۔ کہ وہ کوئی ایجنٹ وغیرہ ہے۔۔ میں
شیور نہیں ہوں۔ مگر ایسے انسان کی حویلی میں چھاپہ
کیسے ڈالا جاسکتا ہے۔ روہاب کی بات پر حیدر خان غصے
سے مٹھیاں بھینچ گیا تھا۔

میں کچھ نہیں جانتا ہر صورت اس آریان خانزادہ کی

حویلی کی تلاشی لو۔ اگر تم نہیں لوگے میں اپنے گارڈز
کے ہمراہ اس کی حویلی کی تلاشی لوں گا۔ میں اپنی
بہن کو تلاش کرنے دنیا کے ہر کونے تک جاؤں گا۔ وہ
آریان خانزادہ اور اس کی حویلی حیدر خان کے لیے کوئی
معنی نہیں رکھتی۔ حیدر خان گرجتے فون بند کرتے
پوری قوت سے زمین پر مارتے توڑ چکا تھا۔

زر مش میری جان!! تمھارا لالا تمھیں ڈھونڈ کر رہے
گا۔ تمھارے لالا سے بہت غلطیاں ہوئیں۔ اب
تمھیں کبھی نہیں تنہا چھوڑوں گا۔ تم کہیں بھی ہوئی
تمھیں ڈھونڈ نکالوں گا۔ ایک بار مل جاؤ تمھارا لالا
تمھیں اپنے سینے سے لگا کر رکھے گا۔ ہوا کو بھی تمھیں
چھونے نہیں دوں گا۔ حیدر خان چھت کی طرف

دیکھتے چیخا تھا۔ دوسرے لمحے وہ بیڈ سے اٹھا۔ بری
طرح لڑکھڑایا تھا۔ زمین پر پڑی خالی بوتل سے اس کا
پاؤں ٹکرایا تھا۔ شراب کی خالی بوتل دیکھتے اس نے
کمرے میں رکھی اپنی باقی بوتلیں تلاش کیں۔ سامنے
ٹیبل کی طرف بڑھتے اس نے ایک بوتل اٹھاتے اسے
کھولتے منہ سے لگائی۔ سامنے لگے مرر میں دیکھتے وہ

ہنساتھا پھر بے تحاشا ہنستا چلا گیا تھا۔
تمھاری کوئی اوقات نہیں حیدر حاکم خان!! یہ خدا نے
تمھیں بتایا ہے۔۔ بہت کہتے تھے حیدر حاکم خان
سوات کے ہوٹلوں کا مالق ہے۔ آج دیکھو تم کیا ہو؟؟
کیا حیثیت ہے تمھاری؟!۔ وہ شیشے میں دیکھتے زخمی سا
ہنساتھا۔۔

اپنے رشتوں کی ناقدری کی۔ خدا نے بہن دی۔ مگر
اس کی حفاظت نہ کر سکا۔ جب چھوٹی تھی لالا لالا
کرتی پھرتی تھی تمہیں اس ترس نہیں آیا۔ خدا نے
معصوم فرشتہ صفت بیوی دی اس کے ساتھ کیا کیا تم
نے؟؟۔ اچھا کیا خدا نے تمہارے ساتھ۔ تم سے
سب رشتے چھین لیے۔ دیکھنا تم جیسے کمزور انسان کو

درا ب زرا ب بھی چھوڑ جائیں گے۔۔ حیدر گہرے
سانس لیتے بوتل پوری منہ میں انڈیل گیا تھا۔ میرے
درا ب زرا ب۔۔ وہ بوتل زمین پر مارتے ہوئے چیخا
تھا۔۔

میری خانم!! وہ بال مٹھیوں میں جکڑے چھت کی
طرف دیکھتے چیخا تھا۔ زر مش! وہ بال مٹھیوں میں

جلڑے ہذیانی چیخ رہا تھا۔

خانم خانم وہ دل پر ہاتھ رکھتے اب رو پڑا تھا۔

ضرورت ہے تمھاری آرہا ہوں تمھارے پاس!!! آج

منع مت کرنا ورنہ تمھارا خان مر جائے گا۔ وہ

لڑکھڑاتی زبان میں بولتے بیڈ کی طرف بڑھا۔ اپنی

شرٹ اٹھا کر پہنی تھی۔۔

اگر پاس آنے سے منع کرو گی تو حیدر حاکم خان وہ
تمہارے ساتھ کرے گا یاد کرو گی تم؟ میری ہو تم!!
تمہارا وہ تل بھی میرا ہے آج رات تمہارا تل بنے گا
حیدر خان کے ہر غم کا علاج۔۔ حیدر لڑکھڑاتی زبان
میں بولتا کمرے میں پڑی گاڑی کی چابی کی طرف بڑھا

تھا۔ وہ چابی اٹھائے ہوٹل سے باہر نکل آیا تھا۔

-

رمز عشق

تحریر نور آصف

قسط 2 part 157

آریان خانزادہ اس کا ہاتھ پکڑے تیز تیز قدموں سے
جنگل داخل ہوا تھا۔ زر مش اس کے ساتھ بھاگتی ہوئی
برستے آسمان کو دیکھ رہی تھی۔ بارش کی شدت سے

اسے لگ رہا تھا آج یہ بارش اس کی جان لے کر رہے
گی۔ ٹھنڈی برفیلی ہوائیں اس کی ہڈیوں کو سنسناتے
اسے کپکپانے پر مجبور کر رہی تھیں۔

آریان خانزادہ اسے جنگل کی گیلی مٹی پر بے دردی سے
دھکیل گیا۔ وہ گھٹنوں کے بل زمین پر گری تھی۔
زر مش لبوں پر ہاتھ جمائے بری طرح سسک پڑی۔

آریان خانزادہ اپنے بوٹوں کی دھمک سے آگے بڑھا

—

آریان !! زرمش خوفزدہ ہوتے اسے پکار بیٹھی تھی۔
وہ اسے اس خوفناک جنگل میں چھوڑ کر جا رہا ہے۔ وہ
بری طرح گھبرائی تھی۔ برستی بارش اور بجلی کی چمکتی

کڑکتی کڑک میں یہ جنگل اس دن سے بھی زیادہ
خوفناک لگ رہا تھا۔

آہستہ۔۔ یکدم اس کے لبوں سے دلخراش چیخ برآمد
ہوئی تھی۔ وہ ہر اسماں ہوتے پیچھے کو ہوتی دلخراش
چیخیں مار رہی تھی۔ اس کے پاس midnight کی
لاش پڑی تھی۔

دوسرے لمحے زر مش زمین سے اٹھتے اپنی پوری
فوس لگاتے بھاگتے ہوئے آریان خانزادہ کی طرف
بڑھتے اس کے مقابل آتے اس کا مضبوط بازو جکڑ گئی
تھی۔

آر۔۔۔یان!! آر۔۔۔یان! آر۔۔۔یان۔۔۔۔۔وہ
ہچکیاں لیتے اس کی آستین کو جکڑے ہوئے اس کا نام

ٹوٹے لفظوں سے پکار رہی تھی۔

آریان خاموشی سے سپاٹ سر دنگا ہوں سے اسے دیکھ
رہا تھا۔

آر۔۔۔ یا۔۔۔ ن آر۔۔۔ یا۔۔۔ ن۔۔۔ اس نے پھر سے
اسے ہچکیوں سے پکارا۔ وہ اس سے پہلے اتنا نہیں ڈری
تھی۔ جتنا وہ آج ڈر رہی تھی اس کے حلق سے آواز

نہیں نکل رہی تھی۔

آریان۔۔۔۔۔اد۔۔۔۔۔ھر۔۔۔۔۔mid۔۔۔۔۔night

ہے۔۔۔وہ۔۔۔خونخو۔۔۔۔۔ار۔۔۔۔۔مڈ۔۔۔۔۔

نایٹ۔۔۔زر مش نے مڈ نایٹ کی طرف انگلی سے

اشارہ کرتے خوف سے ہچکی لی۔۔

ہاں تو؟؟ آریان خانزادہ نے اپنی آستین فولڈ کرتے

ہوے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔ وہ اپنی سرد بریلی نگاہیں
اپنے چمکتے بوٹوں پر گاڑھے ہوئے تھا۔ مقابل کا خود
سے زیادہ کسی اور سے اس طرح ڈرنا اسے پسند نہیں
آیا تھا۔ اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں اسے صرف
ایک ہی ذی روح کا ڈر خوف دیکھنا تھا اور وہ تھا صرف
آریان خانزادہ bloodthirstbeast

آریان خانزادہ نے اس کے لرزتے وجود کو قہر بار
نگاہوں سے گھورا۔

تو؟؟؟ زر مش نے ہچکی لیتے کپکپاتے ہوئے
midnight کی لاش کی طرف دیکھا تھا۔
جب مجھ سے بات کیا کرو تو صرف میری طرف دیکھا
کرو۔ وہ اسے بازو سے جکڑے اپنے قریب کر گیا تھا۔

وہ۔۔ وہ۔۔ mid. . . . night ہے۔

زرمش نے اسے روتے ہوئے ایک بار پھر سے بتانے
کی کوشش کی۔ اب کی بار وہ اس کی آنکھوں میں ہی
دیکھ رہی تھی۔

ہاں وہ midnight ہے دیکھ چکا ہوں۔ اس کی قبر
کھدوانے کے لیے تمہیں یہاں لایا ہوں۔ آریان

خانزادہ کی بات پر اس کی آنکھوں میں پہلے سے زیادہ
ڈر اور سراسیمگی پھیلی تھی

مم۔۔۔ میں۔۔۔ نہیں۔۔۔ میں۔۔۔ اس۔۔۔ کی۔۔۔

قبر۔۔۔ نہیں۔۔۔ کھودوں گی۔

زر مش روتے ہوئے ہذیانی چیخنی۔۔۔

خبردار میرے سامنے آواز اونچی ہوئی ٹیٹوا (حلق)

دبا دوں گا مھارا۔ وہ اس کی گردن پر ہاتھ کا دباؤ ڈالتے
غرایا۔

زر مش نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے خوف سے سر
اثبات میں ہلایا۔

آریان خانزادہ نے اسی لمحے اس کی گردن کو آزاد
کرتے اسے گھسنے درخت کے تنے کے ساتھ پٹخا۔ وہ

ہچکیوں سے روتے ہوئے درخت کے تنے میں سمائے
مڈ نائٹ کی لاش کو دیکھتے اپنے دونوں ہاتھ لبوں پر
جمائے ہوئے تھی۔

وہ اس کے قریب ہوتے اس کے اطراف میں درخت
کے تنے پر ہاتھ جمائے اسے محصور کر گیا تھا۔
وہ درخت کے تنے میں سمائے اب اسے خوفزدہ

نگاہوں سے ہچکیاں لیتے دیکھ رہی تھی۔۔ بارش تیز
سے تیز سے ہوتی جا رہی تھی۔۔ بجلی کی کڑک بھی
مزید خوفناک ہوتے جا رہی تھی۔

Thats good my frightened
lamb

وہ اس کی خوفزدہ آنکھوں میں دیکھتے استہزائیہ

مسکرایا تھا۔ ایسے مجھ سے خوف کھاتے ہوئے تم مجھے
بہت خوبصورت لگتی ہو۔ صرف مجھ سے خوف
کھاتے ہوئے۔ آریان خانزادہ اس کی ہیزل گرے
آنکھوں میں نفرت سے دیکھتے گہرا مسکرایا تھا۔
اب بولو کہ تم midnight کی قبر کھودو گی۔
آریان خانزادہ نے اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں

دیکھتے ایک ایک لفظ چباتے علم دیا۔
زر مش درخت میں سماتے ہوئے روتے ہوئے
ہچکیاں لیتے اسے دیکھے جارہی تھی۔ مڈ نائٹ ہو یا یہ
وحشی درندہ اسے دونوں سے خوف آتا تھا۔
بند کرو یہ ہچکیاں !! وہ اس کے ایک طرف مکہ مارتے
ہوئے غرایا۔ زر مش چیختے ہوئے منہ پر ہاتھ جماتے

دیکھتے ایک ایک لفظ چباتے حکم دیا۔
زر مش درخت میں سماتے ہوئے روتے ہوئے
ہچکیاں لیتے اسے دیکھے جارہی تھی۔ مڈ نائٹ ہو یا یہ
وحشی درندہ اسے دونوں سے خوف آتا تھا۔
بند کرو یہ ہچکیاں !! وہ اس کے ایک طرف مکہ مارتے
ہوئے غرایا۔ زر مش چیختے ہوئے منہ پر ہاتھ جماتے

ہوے اپنی ہچکیاں روک کئی تھی۔
بولو کہ تم مڈنائٹ کی قبر کھودو گی۔ آریان خانزادہ نے
اس کے لبوں سے ہاتھ ہٹائے برقیلے لہجے میں حکم دیا۔
تت۔۔ تم۔۔ midnight۔۔ کی۔۔ قبر۔۔
کھو۔۔ دو۔۔ گی۔۔ زر مش ٹوٹے لفظوں سے بولی تو
آریان خانزادہ کا اس کی بات پر بلندو۔ بانگ قہقہہ گونجا

تھا۔

زر مش اس کے قہقے پر اس سے مزید خوفزدہ ہوتے

درخت میں سمائی تھی

حرکتیں تمھاری معصوم لڑکیوں کی طرح ہیں۔

پہاڑوں کی ایسی معصوم لڑکی جس نے پہاڑوں اور

چشموں کے علاوہ کچھ دیکھا ہی نہیں۔ مگر تم تو بہت

کچھ دیکھ چکی ہو۔ مجھے بھی دیکھ چکی ہو۔ آریان خانزادہ
نے ذو معنی انداز میں اسے بے باکی سے آنکھ ماری۔ وہ
اس کی بات کی ذو معنی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے
خفت سے زمین میں گڑھی تھی۔ وہ اسے اس دن کا
طعنہ دے رہا تھا جس دن اس نے اسے چھپ کر
کپڑے بدلتے دیکھا تھا۔

بولو میں مڈ نائیٹ کی قبر کھودوں گی۔ وہ اس کا جبرٹہ
دبو چتے ہوئے اس کا چہرہ اوپر اٹھاتے ہوئے اس کی
ہیزل گرے آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھ گیا۔
میں۔۔۔ مڈ۔۔۔ نائیٹ۔۔۔ کی۔۔۔ قبر۔۔۔ کھو۔۔۔
دوں۔۔۔ گی۔۔۔ وہ کھٹی کھٹی آواز میں بمشکل بولی
تھی۔

ایسے نہیں جیسے چیختے ہوئے کہا تھا کہ میں مڈ نائٹ کی
قبر نہیں کھودوں گی۔ ویسے ہی چیختے ہو لو کہ میں
مڈ نائٹ کی قبر کھودوں گی۔ آریاں اس کا جبرہ
چھوڑتے خانزادہ حکمیہ لہجے میں غرایا۔
میں مڈ نائٹ کی قبر کھودوں گی۔ زر مش نے بمشکل
آواز نکالی تھی۔

ایسے نہیں جیسے چیختے ہوئے کہا تھا کہ میں مڈ نائٹ کی
قبر نہیں کھودوں گی۔ ویسے ہی چیختے ہو لو کہ میں
مڈ نائٹ کی قبر کھودوں گی۔ آریاں اس کا جبرہ
چھوڑتے خانزادہ حکمیہ لہجے میں غرایا۔
میں مڈ نائٹ کی قبر کھودوں گی۔ زر مش نے بمشکل
آواز نکالی تھی۔

آریان خانزادہ کے سر دنگا ہوں سے گھورنے پر
زر مش بری طرح رو دی تھی۔ اس کی آواز نہیں نکل
رہی تھی وہ چیختی کیسے؟؟
چیخ کر بولو۔ آریان حلق کے بل دھاڑا۔
میں مڈ نائٹ کی قبر کھودوں گی۔ وہ اس کی دھاڑ پر
لرزتے ہوئے اپنی پوری قوت لگا کر چیختی تھی۔

بولتی رہو!! آریان خانزادہ نے اس کے کپکپاتے وجود
کو دیکھتے غراتے ہوئے حکم دیا۔
میں مڈ نائٹ کی قبر کھودوں گی۔ زر مش اب پہلے سے
بھی زیادہ حلق کے بل چیخی تھی
آریان خانزادہ اسے دیکھتے آگے کی بڑھا۔
زر مش اس کی چوڑی پشت کو دیکھتے خاموش ہوئی

تھی۔

وہ جتنا اس وحشی درندے سے خوفزدہ تھی اس سے
کہیں زیادہ اس خوفناک جنگل سے خوفزدہ تھی۔
اس وحشی درندے کی سزائیں قبول تھیں مگر اس
جنگل میں تنہا رہنا نہیں قبول تھا۔

آریان۔۔ وہ آریان خانزادہ کو دور جاتے دیکھتے حلق

کے بل چینی تھی۔۔ وہ پھر سے بھاگتے ہوئے اس کی
طرف بڑھی

رک جاؤ وہیں پر!! آریان خانزادہ نے پیچھے مڑے
بغیر سر دلچے میں حکم دیا تھا۔

م۔۔ میں۔۔ اس۔۔ جنگل۔۔ میں۔۔ خوف۔۔ سے
۔۔ مر۔۔ جاؤں۔۔ گی۔۔ مجھے۔۔ چھوڑ۔۔ کر۔۔

مت۔۔ جاؤ۔۔ زر مش اس کا حکم نظر انداز کرتے
بھاگتے ہوئے اس کے طرف بڑھتے اس کی شرٹ
بازو سے مٹھی سے جکڑتے چیختے ہوئے التجا کی۔
عنقریب میں تمہارے پور پور میں اپنا ایسا ڈر ایسا خوف
بھردوں گا کہ تمہیں اس جنگل سے اتنی وحشت
نہیں آئے گی۔۔ جتنی آریان خانزادہ کے نام سے

آئے گی۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے نفرت امیز
نگاہوں سے استہزائیہ لہجے میں بولا۔

مم۔۔ میں۔۔ تت۔۔ تم۔۔ سے۔۔ بہت۔۔ ڈرتی۔۔
ہوں۔۔ سچ۔۔ میں۔۔ کبھی۔۔ کسی۔۔ سے۔۔ اتنا۔۔
نہیں۔۔ ڈری۔۔ مجھے۔۔ ان۔۔ سبز۔۔
آنکھوں۔۔ سے۔۔ کبھی۔۔ محبت۔۔ تھی۔۔ مگر۔۔

آج۔۔ ان۔۔ آنکھوں۔۔ سے۔۔ خوف۔۔ آتا۔۔
ہے۔۔ تت۔۔ تم۔۔ مم۔۔ میرے۔۔ لیے۔۔
blood thirst beast ہو۔۔ تت۔۔ تم۔۔
کہو۔۔ گے۔۔ مم۔۔ میں۔۔ سانس۔۔ لینا۔۔ بھی۔۔
بند کر۔۔ سکتی۔۔ ہوں۔۔ حکم۔۔ دے۔۔ کر۔۔
دیکھو۔۔ زر مش اپنی گردن پر ہاتھوں کا دباؤ ڈالتے

اپنی سانس اندر کی طرف کھینچتے سانس بند کر چکی تھی۔
اب وہ اس کی طرف دیکھے سانس بھی نہیں لے رہی
تھی۔ آریاں لب بھینچے اسے سرد نگاہوں سے دیکھ
رہا تھا۔ وہ سچ میں سانسیں روکے ہوئے تھی۔ برستی
بارش میں بھسکتے ہوئے وہ سانس نہیں لے رہی تھی
۔۔ خود کی سانسیں روکنے پر اس کی رنگت اب سرخ

ہو رہی تھی۔

سانس لو۔۔۔ آریان خانزادہ لب بھینچتے اسے بازو
سے جکڑے غرایا۔

زر مش نے اسی لمحے اس کے حکم پر اپنی سانس باہر
چھوڑتے گہرے گہرے سانس لیے تھے۔ آریان
خانزادہ غصے سے اسے خود سے دور جھٹک گیا تھا۔ وہ

گردن پر ہاتھ رکھے بری طرح کھانسنے لگی تھی۔۔
دیکھا۔۔۔ مم۔۔۔ میں۔۔۔ سانس۔۔۔ روک۔۔۔ سکتی۔۔
ہوں۔۔۔ مگر۔۔۔ اس۔۔۔ جنگل۔۔۔ میں۔۔۔ نہیں۔۔
رکوں۔۔۔ گی۔۔۔ آپ۔۔۔ کے۔۔۔ پیچھے۔۔۔ آؤں
۔۔۔ گی۔۔۔ میں۔۔۔ اس۔۔۔ جنگل۔۔۔ میں۔۔
نہیں۔۔۔ رکوں۔۔۔ گی۔۔۔ کبھی۔۔۔ نہیں۔۔۔

زر مش روتے ہوئے ضدی لہجے میں اس کی آستین
جکڑتے ہوئے سسکیوں سے بولی۔

میرے پیچھے آئی تو سچ میں تمھاری جان لے لوں گا۔
میں تمھاری سانسیں ایسے نہیں کھینچوں گا۔ بلکہ
مڈنایت کے ساتھ تمھاری قبر بنا کر تمھاری سانسیں
بند کر دوں گا۔ آریان خانزادہ کی سرد غراہٹ پر وہ

اس کی آستین چھوڑتے ہوئے پیچھے ہوئی تھی۔
دھمکی بہت ہی جان لیوہ تھی۔

یہیں کھڑی رہو!! اور چیخ چیخ کر بولو!!

I m afraid of Aryaan
khanzada

آریان خانزادہ نے اس کا بازو دبوچتے ہوئے اسے

برفیلے لہجے میں حکم دیا۔

I m afraid of Aryan
khanzada

زڑ مش اپنی گردن گھماتے مڈ نائٹ کی طرف دیکھتے
اپنی پوری قوت لگاتے حلق کے بل چیخی تھی۔
آنکھیں بند کر کے بولتی رہو چیخیں رکنی نہیں چاہیے!

چیرنے والی سردی کی پرواہ بھی نہ خوفناک بجلی کی
کڑک کی۔۔ وہ اس کی قبر مڈ نائٹ کے ساتھ کھودے
گا یہی ایک خوف اسے بری طرح ڈرا رہا تھا۔ وہ سردی
سے کپکپاتے مسلسل چیختے ہوئے یہ لفظ دہراتے جا
رہی تھی۔

آریان اسے سرد گہری نگاہ سے دیکھتے آگے بڑھ گیا

تھا۔ دور تک اس کی سماعتوں میں زر مش کے لفظ پڑ
رہے تھے۔ وہ حلق کے بل چیختے ہوئے مسلسل یہ لفظ
پکار رہی تھی۔

I m afraid of Aryaan
khanzada

I am afraid of Aryaan

khanzada

تقریباً دس منٹ بعد آریان خانزادہ اس کے سامنے تھا
وہ ابھی بھی آنکھیں میچے بے حد اونچی آواز میں یہی
لفظ دہرا رہی تھی۔ وہ ایک پل نہ رکی تھی نہ آواز کی
مدھم ہوئی تھی۔ جنگل میں موجود تہہ خانے میں
اترنے تک اس کی آواز اسے اپنی سماعتوں میں سنائی

دے رہی تھی۔ صرف تہہ خانے میں اس کی آواز
سنائی نہیں دی تھی۔ دو سیکنڈ میں وہ مطلوبہ چیزیں لے
کر باہر تھا۔ اس دس منٹ میں کچھ سیکنڈ مقابل کے
لفظ اس کی سماعتوں کو سنائی نہیں دیے تھے۔ ورنہ اس
دس منٹ میں مسلسل اس کی چیخیں سنائی دیتی رہی
تھیں۔

I am afraid of Aryaan
khanzada

وہ حلق کے بل چیخنی تو آریان خانزادہ ہاتھ میں پکڑے
کھدائی کرنے والے اوزار زمین پر پھینکتے اس کی
طرف بڑھا
اپنی طرف بڑھتے وحشی درندے کی قدموں کی

بھاری دھمک کی آواز پر وہ سسکیاں بھرتے آنکھیں

i m afraid of aryan میچے

khanzada چیختے ہوئے پکارتے ہوئے پیچھے کی

طرف قدم بڑھا رہی تھی۔

یکدم آسمانی بجلی کڑکی تھی۔ بجلی کی کڑک اتنی خوفناک

اور دل دہلا دینے والی تھی پورا جنگل لرزا اٹھا تھا۔ وہ

چینتے ہوئے اس کے چوڑے سینے میں آن سمائی تھی۔

I m afraid of Aryaan
khanzada

اب وہ اس کے سینے میں سمائے لرزتے لبوں سے یہ
لفظ دہرا رہی تھی۔ اس کی سینے میں بجتی دھڑکنیں
تک آریان خانزادہ کو اپنے سینے میں بجتے محسوس ہو

رہی تھی۔ وہ اپنے نازک ہاتھ اس کی چوڑی کمر کے
گرد لپیٹے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ آریان خانزادہ نے
گہرا سانس لیتے جبرے بھینچے تھے۔ صنف مخالف میں
یہ پہلی لڑکی تھی جو اس کے اتنے قریب آئی تھی۔
جس کے سینے میں بجتی دھڑکنوں تک کو وہ محسوس کر
چکا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا جس لڑکی سے وہ

شدت سے نفرت کرے گا وہ یوں اس کے بدن کا
حصہ بن کر اس سے لپٹے گی۔ وہ اسی لمحے اسے خود
سے الگ کر گیا تھا۔ آریان کے جھٹکنے پر وہ بری طرح
لڑکھڑائی تھی۔ اس سے پہلے وہ گرتی آریان خانزادہ
اس کی کلائی تھام گیا۔
بجلی کی چمک پر اس کے نقوش واضح ہوئے تھے۔

سردی سے کپکپاتے اس کے گلابی ہونٹ اب نیلے پڑ
رہے تھے۔ اس کے گال پر اس کے تھپڑ کا نشان پھر
سے واضح ہو رہا تھا۔ عارض پر اب سرخی کی بجائے
سردی کی وجہ سے نیلا ہٹ تھی جس میں اس کی
انگلیوں کا نشان واضح ہو گیا تھا۔

آریان خانزادہ کی بے تحاشا کھردریاں انگلیاں بے

اختیار اس نازک سی عورت کے گال کو چھو کئی تھیں۔
یہ نشان آخر کب جائے گا۔ وہ لب بھینچے اس کے گال
کو نرمی سے اپنی انگلیوں سے چھوتے سوچنے پر مجبور ہو
گیا تھا۔ اس نے اتنی بے دردی سے اسے تھپڑ مارا تھا۔
اس کا تھپڑ بہت جان لیوہ تھا یا مقابل بہت نازک
تھی۔ آریان خانزادہ نے جبرے بھینچتے اس کے

نازک وجود کو دیکھا۔ سیاہ گیلا فراک اس کے قیامت
بدن کے ساتھ چپکا ہوا تھا۔ اس کے کندن دھمکتے
نشیب و فراز بھی عیاں ہو رہے تھے۔
کبھی اس کے گال پر اپنا دیا گیا نشان بری طرح چبھتا
کبھی اس نشان کو دیکھتے اس کی روح کو تسکین ملتی
تھی۔ وہ نشان نہ اس کے گال پر گوارا تھا۔ اور نہ ہی یہ

نشان وہ مٹائے یہ گوارا تھا۔ جو سوغات درد مقابل کو
وہ دے چکا تھا وہ چاہتا تھا وہ اب کبھی خود سے دور نہ
کرے۔

I m afraid of Aryaan
khanzada

وہ آنکھیں میچے ابھی بھی یہ لفظ دہراتے ہلکان ہو رہی

تھی۔ آواز اب مدھم مدھم ہو گئی تھی۔ سسکیوں کی رفتار
زیادہ ہو گئی تھی۔ وہ سردی سے ٹھٹھرتے کانپتے
ہوئے لفظ دہرا رہی تھی۔ مقابل پر ابھی بھی اسے رحم
نہیں آیا تھا یہ برستی بارش اسے اس پر رحم کھانے بھی
نہیں دے سکتی تھی۔ اس برستی بارش میں جو چیخیں
اسے سنائی دے رہی تھیں۔ وہ مقابل کی چیخوں سے

کیکپاہٹ بڑھی تھی۔

I m afraid of Aryaan
khanzada

وہ خوفزدہ ہوتے پھر سے شدت سے حلق کے بل
چینتی تھی۔

آنکھیں کھولو!! وہ گینتی سے زمین پر پوری قوت سے

ضرب لگاتے چیخا تھا۔

زر مش نے اسی لمحے آنکھیں کھولی تھیں۔ مقابل کو
دیکھتے وہ خوف سے منہ پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔ وہ
شرٹ لیس تھا۔ اس کی باڈی دیکھ کر وہ لرز کر رہ گئی
تھی۔ پہلے بھی اسے شرٹ لیس دیکھا تھا مگر اس کی
باڈی ایسی تھی وہ آج پہلی بار غور سے دیکھ رہی تھی۔

ایسی باڈی اس نے نی وی پر ریسلرز کی دیکھ رہی تھی۔
اس کے سینے پر کتنے لیبرز تھے گنے نہیں جاسکتے تھے۔
اس کا سینہ اچھا خاصہ چوڑا تھا۔ بازو اچھے خاصے
پھولے ہوئے تھے جن میں نیلی رگیں واضح تھیں۔
زر مش اسے دیکھتے مزید خوفزدہ ہوئی تھی۔۔۔ وہ
اس کے مقابلے بے حد نازک تھی۔

آریان خانزادہ اپنی پوری فورس لگائے زمین پر ضربیں
لگا رہا تھا۔ اس کے سلکی گیلے بال اس کی پیشانی پر
بکھرے تھے۔ وہ اس وقت واقع میں کوئی وحشی
درندہ معلوم ہو رہا تھا۔ اس کے زمین پر ضرب لگانے
سے اندازہ ہو رہا تھا وہ بہت طاقتور ہے۔
زر مش منہ پر ہاتھ جمائے اسے خوفزدہ نگاہوں سے

دیکھ رہی تھی۔

ادھر آکر قبر کھودو میرے ساتھ!! آریان نے پلٹتے
ہوئے اسے قہر بارنگا ہوں سے گھورتے ہوئے حکم
دیا۔ زر مش اثبات میں ہچکیاں بھرتے ہوئے کانپتے
ہوئے اس کی طرف بڑھی۔ وہ کچھ ہی لمحوں میں اچھی
خاصی زمین کھود چکا تھا۔

زر مش روتے ہوئے ہچکیاں بھرتے مڈ نائیٹ کو کن
اکھیوں سے دیکھتے لرز رہی تھی۔ مڈ نائیٹ کی لاش
سے اسے بے حد خوف محسوس ہو رہا تھا۔ اتنا زندہ
مڈ نائیٹ نے اس کے اوسان خطا نہیں کیے تھے۔ جتنا
مرا ہوا مڈ نائیٹ دیکھ کر وہ خوفزدہ ہو رہی تھی۔
آریان نے پوری قوت سے زمین پر ضرب لگاتے

اپنے پاس کھڑی زر مش کو دیکھا جو مڈ نائٹ کو دیکھ کر
خوفزدہ ہوتے ہچکیاں لے رہی تھی۔

آریان لب بھینچے اسے بازو سے جکڑتے اپنے دوسری
طرف کر گیا تھا۔

کیا کہا تھا تمہیں کہ تمہاری آنکھوں میں صرف
آریان خانزادہ کا خوف ہونا چاہیے؟!۔ پھر کیوں

خوفزدہ ہو رہی ہو؟؟ مر چکا ہے وہ تمہیں کچھ نہیں
کہہ سکتا۔ مگر اب تم اسے دیکھ کر کانپی بھی میں تمہیں
اسی قبر میں مڈ نائٹ کے ساتھ دفن کر دوں گا۔ وہ
اس کا جبرہ دبو چتے غرایا۔ یہ تو طے تھا اس لڑکی کی
آنکھوں میں وہ کسی ذی روح کا ڈر خوف بھی برداشت
نہیں کر سکتا تھا۔ اسے ان ہیزل گرے آنکھوں میں

خوفزدہ ہو رہی ہو؟؟ مر چکا ہے وہ تمہیں کچھ نہیں
کہہ سکتا۔ مگر اب تم اسے دیکھ کر کانپی بھی میں تمہیں
اسی قبر میں مڈ نائٹ کے ساتھ دفن کر دوں گا۔ وہ
اس کا جبرہ دبو چتے غرایا۔ یہ تو طے تھا اس لڑکی کی
آنکھوں میں وہ کسی ذی روح کا ڈر خوف بھی برداشت
نہیں کر سکتا تھا۔ اسے ان ہیزل گرے آنکھوں میں

صرف اپنا ڈر دیکھنا تھا اور اتنی شدت سے دیکھنا تھا کہ
ان آنکھوں میں کوئی اور رنگ سرخی نہ دکھے صرف
آریان خانزادہ کے ڈر خوف و ہشت کے سوا!!
زر مش نے اثبات میں سر ہلاتے اس کے بازو پر ہاتھ
رکھتے اس کی سبز آنکھوں میں دیکھتے اسے بہتے
آنسوؤں سے یقین دلانے کی کوشش کی وہ اس کے

سوالسی سے خوفزدہ نہیں ہوگی۔ اب اس کی آواز
نہیں نکل رہی تھی۔ آریان اسے خود سے دور جھٹکتے
زمین کھودنے لگا۔ زر مش بمشکل اپنے قدموں کے
سہارے کھڑی آریان خانزادہ کو زمین کھودتے دیکھ
رہی تھی

کھودو زمین۔۔ وہ زمین پر ضرب لگاتے ایک بار پھر

سے اسے دیکھتا چیخا تو زرمش کپکپاتے ہوئے زمین پر
گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں سے
اس کی کھودی ہوئی جگہ سے مٹی نکال کر سائیڈ پر رکھنے
لگی۔ آریان خانزادہ نے لب بھینچتے ہوئے رکتے
ہوئے اسے دیکھا تھا۔ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھے اپنے
نازک ہاتھوں سے تھوڑی تھوڑی مٹی اٹھاتے دوسری

طرف رکھ رہی تھی۔

اس سے کھودو!! آریان خانزادہ نے گینتی اس کے
سامنے پھینکی۔ زر مش نے لرزتے ہوئے اسے دیکھا
تھا۔

اٹھو!! آریان خانزادہ اس کی ہیزل گرے آنکھوں
میں دیکھتے غرایا۔ زر مش نے اسے ڈبڈبائی نگاہوں

سے دیکھتے وہ لپنتی اٹھائی تھی۔ جو اس سے اٹھانا مشکل
ہو رہی تھی۔۔ زر مش نے روتے ہوئے اسے دونوں
ہاتھوں سے بمشکل ہی گینتی اٹھائی۔ اس نے بمشکل
اپنی پوری قوت لگاتے ایک ضرب زمین پر لگائی۔ مگر
زمین کی ایک انچ مٹی وہ اکھاڑ نہ سکی تھی۔ الٹا وہ ہانپ
کر رہ گئی تھی۔

اس نے روتے ہوئے بے بسی سے آریان خانزادہ کو
دیکھا۔

کھو دو!! وہ بے حسی سے غرایا۔

آہسہ۔۔۔ زر مش نے چیختے ہوئے اپنی پوری قوت
لگاتے ہوئے گینتی سے ضرب لگائی۔ اس بار بھی وہ
کامیاب نہ ہو سکی تھی۔ اب وہ بہت بری طرح ہانپ

رہی تھی۔ لیتتی بہت بھاری تھی وہ تو پوری طرح اٹھا
بھی نہیں پار ہی تھی۔

دکھاوا اپنے ہاتھ!!! آریان خانزادہ نے اس کا ہاتھ نرمی
سے پکڑے اس کی ہتھیلی سہلائی۔ زر مش کی کرب
میں دڈو بی ہچکیاں جنگل میں گونج رہی تھی۔ مقابل
کیا کرنے والا تھا؟! وہ نہیں جانتی تھی وہ صرف

مسکراتے ہوئے اس کی ہتھیلی اپنی انگلیوں سے سہلارہا
تھا۔ اس کی نرمی سے وہ زیادہ خوفزدہ ہوتی تھی جب
جب وہ نرمی برتنا تھا اس کی آنکھوں کی پراسراریت
بڑھ جاتی تھی۔

Oh my frightened lamb

تمہارے ہاتھ تو بہت نرم و نازک ہیں۔ بے حد نرم

اور خوبصورت۔۔ ایک گیارہ سال کے بچے سے بھی
زیادہ نرم و نازک!! ہے ناں۔ وہ اس کی ہتھیلی
سہلاتے اس کی خوفزدہ آنکھوں میں جھانکتے ہوئے
مسکرایا۔

زر مش نے نفی میں سر ہلاتے اسے روتے ہوئے
دیکھا۔

گیارہ سال کے ہاتھ یہ کینتی اٹھا کر زمین کھود سکتے ہیں
تم کیوں نہیں ہاں؟؟ وہ اس کا ہاتھ بے دردی سے
دباتے غرایا۔ مم میں کھودتی ہوں۔ زر مش نے ٹوٹے
لفظوں سے اس سے فریاد کی۔

کھودی گی تو تم ہی!!! اس تاریک جنگل برستی بارش اور
چمکتی بجلی میں ایک خوبصورت لڑکی زمین کھودتی کیسے

لگتی ہے یہ خوبصورت منظر آریان خانزادہ تھوڑا نہ
مس کرے گا۔ آریان مسکراتے ہوئے زمین پر لیٹے
اپنے دونوں بازو اب اپنے سر کے نیچے باندھ گیا تھا۔
زر مش نے خوفزدہ ہوتے آریان کے قریب
مڈنایت کی لاش دیکھی تھی۔
آریان خانزادہ زمین پر لیٹے مسکراتے ہوئے اسے دیکھ

رہا تھا۔

کھود و میرا خو فردہ میمنہ !! وہ اسے کانپتے ہوئے دیکھ کر
آنکھیں جھپکتے ہوئے مسکراتے ہوئے بولا۔

زرمش روتے ہوئے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ اسے

bloodthirst اور bloodthirstwolf

beast میں کوئی فرق نہیں لگ رہا تھا۔ فرق یہ تھا

ایک میں سانسیں تھیں ایک میں نہیں تھی۔۔ اسے
دونوں سے ہی وحشت محسوس ہو رہی تھی۔
کھودو۔۔ وہ دھاڑا تھا۔ زر مش اس کی دھاڑ سے چیختے
ہوئے گینتی اٹھائے زمین کھودنے لگی۔ اس کے
حواس اب جیسے کھور ہے تھے۔۔ مگر وہ اپنے قدموں
کے سہارے کھڑی تھی۔

وہ اسے اس قبر میں مڈ نائٹ کے ساتھ نہ ڈال دے
یہی ایک ڈر اسے ابھی تک ہوش دلائے ہوئے تھا۔
آہہ!! زر مش نے چیختے ہوئے زمین پر ضرب لگائی۔
وہ سسکتے ہوئے گینتی سے زمین پر ضربیں لگا رہی
تھی۔ مگر ایک انچ بھی وہ زمین نہ کھود سکی تھی۔ اس
سے ضرب لگ ہی نہ رہی تھی۔ نہ وہ گینتی اٹھا پار ہی

تھی۔

آریان خانزادہ اپنے سر کے نیچے دونوں بازو باندھے
ہوئے اسے دیکھتے قہقہے لگا رہا تھا۔ اس کے قہقہوں سے
خوفزدہ ہوتے زر مش لرزتے ہوئے اپنی پوری
کوشش کر رہی تھی۔

آہہ۔۔ اس نے چیختے ہوئے ضرب لگائی۔۔ مگر ناکام

ہوتے ہوئے وہ لپیتی زمین پر پھینکتے کھٹنوں کے بل
بیٹھتے آسمان کی طرف دیکھتے اب چنچیں مارنے لگی
تھی۔

اس برستی بارش تاریک جنگل میں ایک کی چنچیں
دلسوز چنچیں اور ایک کے خوفناک قہقہے گونج رہے
تھے۔ نہ چنچیں رک رہی تھیں نہ خوفناک قہقہے۔

زر مش کی دلسوز چیخوں پر یکدم اس کے قہقہے ر کے
تھے۔ اب وہ خاموشی سے اسے سرد نگاہوں سے دیکھ
رہا تھا۔ زر مش آسمان کو دیکھتے ابھی بھی مسلسل چیخ
رہی تھی آریان خانزادہ زمین سے اٹھتا گھٹنوں کے بل
بیٹھتے اس کا جبرہ دبوج گیا۔ خبردار!! تم چیخی ایک
چیخ نہ نکلے تمھاری۔ وہ اس کا جبرہ دبوجتے بھوکے

درندے کی مانند غرایا۔

مم۔ میں۔۔ نہیں۔۔ کھود۔۔ سکی۔۔ زمین۔۔ کک
کیا کروں میں؟! تمہارا خوف مجھے مار رہا ہے۔ اگر میں
چینچی نہ تو میرا دل پھٹ جائے گا۔ میں خوف سے مر
جاؤں گی۔ اگر میں مر گئی تم مجھے اس مڈ نائٹ کے
ساتھ اس قبر میں ڈال دو گے۔ اس کے ساتھ ایک قبر

میں مجھے نہیں رہنا۔ وہ اس کے سینے پر ہاتھ رکھے
ہدیائی چینی تھی۔۔ خوف اتنا شدت اختیار کر گیا تھا کہ
اس کی ہدیائی چنیں بلند ہو رہی تھیں۔

چینا مت !! وہ اس کے بال دبو چتے غرایا۔۔ میرے
سامنے آواز مت نکالنا۔ وہ گہرے سانس لیتے اس کی
ہیزل گرے آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ وہ دونوں ایک

دوسرے کی آنکھوں میں ڈالے ہوئے تھے۔ دونوں
آنکھیں جھپک نہیں رہے تھے۔

وہ یکدم ایک جھٹکے سے اس کے بال چھوڑتے زمین
سے اٹھاتھا۔ گینتی اٹھا کر زمین کھودنے لگا۔

زر مش گھٹنوں کے بل بیٹھی ساکت سی کھودی ہوئی
زمین کو دیکھ رہی تھی۔ وہ کافی دیر سے زمین کھود رہا

تھا۔ زر مش زمین کی گہرائی دیکھ کر حیران ہو رہی تھی
وہ اتنی گہری زمین کیوں آخر کھود رہا تھا؟! اے یکدم وہ
گینتی زمین پر بیٹھتے بیلچے اٹھا کر کھودی ہوئی مٹی
دوسری طرف ڈالنے لگا۔ زر مش گھٹنوں کے بل
بیٹھی ساکت سی یہ سب دیکھ رہی تھی۔ آریان
خانزادہ نے یہ کام کرتے ہوئے مڈ نائٹ کی لاش

اٹھائی۔ زر مش چیتے ہوئے ایک بار پھر سے منہ پر
ہاتھ جما گئی تھی۔ آریان مڈ نایت کو کھڑے میں
پھینکتا اس پر مٹی ڈالنے لگا۔ زر مش بری طرح کانپتے
ہوئے آریان خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔ مڈ نایت کو
مٹی کے اندر دبتے دیکھ کر اس کی سانسیں بحال ہو
رہی تھیں۔ اس وحشی درندے نے اسے مڈ نایت

کے ساتھ نہیں ڈالا تھا۔ وہ اب بر سکون تھی۔ اب وہ
ہنسنے لگی تھی۔ آریان نے رکتے ہوئے اسے ہنستے
ہوئے دیکھا تھا۔ وہ روتے ہوئے ہنس رہی تھی۔ اب
وہ اپنے آنسو آستین سے صاف کرتے اپنے نازک
ہاتھوں میں تھوڑی تھوڑی مٹی بھرتے ہوئے
مڈنائٹ کے اوپر ڈال رہی تھی۔ اور یہ کام وہ بہت

تیزی سے کر رہی تھی۔

آریان لب بھینچے اسے دیکھتے اپنا کام کرنے لگا۔

مڈنائٹ پر مٹی ڈال کر اس کی قبر بناتے اس نے

زر مش کی طرف دیکھا جواب پر سکون سی بہت

خاموشی سے مڈنائٹ کی قبر دیکھ رہی تھی۔

آریان خانزادہ نے اوزار پھینکتے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں

سے صاف کرتے اپنی سرخ آنکھیں دوا نگلیوں سے
مسلیں۔

بارش اب رک گئی تھی۔ ٹھنڈی برفیلی ہواؤں نے
شدت اختیار کی تھی۔ وہ گہرے سانس لیتے ہوئے
اب مڈ نائٹ کی قبر کو دیکھ رہا تھا۔

چلو!! آریان کی سرد برفیلی آواز پر اس نے نظریں

اٹھائے آریان خانزادہ کو دیکھا تھا۔ وہ سٹل سی آریان
خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اب وہ
اپنے حواس میں نہیں ہے۔

آریان خانزادہ اسے ساکت نگاہوں سے دیکھتے پا کر
جبرے بھینچتے اسے بازو سے جکڑے کھڑا کرتے
اپنے مقابل کھڑا کر گیا تھا۔ زر مش نے اسے بھیگی

گلابی نگاہوں سے دیکھتے اپنے چکراتے سر کو دونوں
ہاتھوں سے جکڑا۔

وہ اسے گہری نگاہ سے دیکھتے بازو سے جکڑے حویلی کی
طرف بڑھنے لگا۔

زرمش اس کے حصار میں اس کے ساتھ خاموشی سے
چل رہی تھی۔ مقابل کے بھاری قدم آہستگی سے

آگے بڑھ رہے تھے۔ اس لیے اس کے نازک قدم
اس کا ساتھ دے پارہے تھے۔ ورنہ کہاں آسان تھا
اس کے قدموں کا ساتھ دینا۔ وہ شاید اس پر رحم کھا
کر بہت آہستگی سے چل رہا تھا۔ اس سے چلنا بہت
مشکل ہو رہا تھا۔ اگر وہ اس کی کلائی نہ تھامے ہوتا تو وہ
یقیناً گر جاتی۔

داخلی دروازے کی طرف آتے آریان خانزادہ نے
دروازے کے سائیڈ پر لگے سٹم پر ایک بٹن دبایا تھا۔

Introduce your self

سٹم سے نسوانی انگلش ایسنٹ میں آواز گونجی تھی۔

Aryaan khanzada

آریان خانزادہ کی آواز پر زرمش نے اس کی طرف

چونکتے ہوئے دیکھا۔

Show your face

مشین سے ابھرتی آواز پر آریان خانزادہ نے
دروازے پر لگے کیمرے کی طرف نگاہ کی۔ دروازہ
خود بخود کھل گیا تھا۔

زر مش حیرانگی سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔

سمجھیں کیا لگتا ہے تمہارا یہاں سے جانا اتنا آسان
ہے؟!۔ میں اپنی حویلی کا سارا سسٹم بدل چکا ہوں۔
اب نہ باہر سے کوئی اندر آ سکتا ہے نہ اندر سے باہر جا
سکتا ہے۔ یہ سسٹم صرف ناز و اور میری آواز پہچانتی
ہے اور ہم دونوں کا چہرہ!! میری غیر موجودگی میں
صرف ناز و اندر آ سکتی ہے۔ آریان اس کی حیران

آنکھوں میں جھانکتے پر سراریت سے مسکرایا تھا۔
اب تم ساری عمر میری پناہوں سے کہیں نہیں جا
سکتی۔ وہ اس کی ہیزل گرے آنکھوں کو دیکھتے گہرا
مسکرایا تھا۔ اوسوری جب تک میں نہ چاہوں۔ وہ لب
دانتوں تلے دبائے
مسکرایا۔ بہت جلد تو میں تمہیں خود چھوڑ کر آؤں گا۔

حیدر حاکم خان کے پاس !! آخر تمھاری قبر پر مٹی
ڈالنے کا فریضہ بھی سرانجام دینا ہے۔ آریان خانزادہ
بے رحمی سے مسکراتے اس کی کلائی جکڑے اندر
داخل ہو چکا تھا۔

وہ اسے کلائی سے جکڑے کمرے میں داخل ہوا۔
کمرے میں داخل ہوتے اس نے اسے بیڈ پر دھکیلا

تھا۔ زر مش اوندھے منہ بیڈ پر گری تھی۔ وہ کمرے
کی کبرڈ کی طرف بڑھا۔ ایک ڈریس نکالتے اس نے
زر مش کی طرف پھینکا۔ اسے ابھی پانچ منٹ میں پہنو
!! آریان خانزادہ نے حکم دیا۔
زر مش نے وہ ڈریس پکڑتے آریان خانزادہ کو دیکھا۔
کک کیسے پہنوں؟؟ تت تم کھڑے ہو یہاں !!

زر مش نے بیڈ سے اٹھتے بھیکے لہجے میں کہا۔
واش روم میں جا کر بدلو۔ آریان خانزادہ نے اس کی
معصومیت بھرے چہرے کو دیکھتے دانت پیسے تھے۔

زر مش اثبات میں سر ہلاتے واش روم کی طرف بڑھ
گئی تھی۔

پانچ منٹ بعد ہی وہ آریان کے سامنے تھی۔ الٹی گلابی
گرم شیشوں والے پٹھانی فراک میں وہ کھلے بالوں کے
ساتھ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ آریان نے یکدم
نظریں چرائیں تھیں۔ وہ پٹھانی فراک میں اپنی تمام تر
رعنائیوں کے ساتھ اس کے سامنے بری طرح
کپکپاتے ہوئے کھڑی تھی۔ وہ سردی سے بری طرح

نھڑ رہی تھی۔۔ اس الماری لٹکے ہوئے کپڑوں کے
گلے ڈیپ تھے۔ فراک اس کے بدن کے حساب سے
فٹنگ میں ہوتے تھے۔ جس فراک میں وہ اسے ملی
تھی وہ ڈھیلا ڈھالا سا تھا۔ مگر ان کپڑوں میں اس کا
انگ انگ واضح ہوتا تھا۔۔

آریان خانزادہ نے آگے بڑھتے ہوئے ڈرار سے

میڈیسن نکالتے پانی کا گلاس پکڑتے وہ میڈیسن اور پانی
اس کی طرف بڑھائی۔ جسے زر مش نے میکا کی انداز
میں پکڑتے وہ گولیاں پھانکی تھیں۔ وہ سمجھ گئی تھی
ایک طویل ترین تھکن زدہ افیت بھرا دن گزارنے
کے بعد رات کو اس وحشی درندے سے یہ گولیاں
کھانی ہی کھانی ہیں۔ ورنہ وہ شاید سو بھی نہ پاتی۔

تھوڑی دیر میں یہ دوا کھانے کے بعد اس کی سردی
اس کے بدن کی گرمایش سب ختم ہو جانا تھا۔
اب خاموشی سے سو جاؤ!! رونے اور سسکنے کی آواز نہ
تمھاری۔۔ وہ سرد انداز میں حکم دیتے بنا اس پر نظر
ڈالے لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔
زر مش بیڈ کی طرف بڑھتے تکیے پر سر رکھتے کمبل خود

پر لپیٹتے سختی سے آنکھیں میچ چکی تھی۔

حور سفید باتھ روب گاؤن میں ملبوس واش روم سے
باہر آئی۔۔۔ ارحام خانزادہ اس وقت ایکسر سائز کرنے
پہاڑوں پر گیا ہوا تھا۔

طرف بڑھا۔

حور دروازہ کھولو!! ارحام نے بمشکل خود پر قابو پاتے
ہوے دروازہ کھٹکھٹاتے نرمی سے کہا۔

ارحام!! دروازہ نہیں کھلے گا۔ مجھے نہ اتنی صبح اتنا ہیوی
ناشتہ کرنا ہے اور نہ رومانس!! حور نے غصے سے
بولتے ہوئے مر ر میں دیکھتے اپنے ہاتھ روب کا گاون

کی ڈوری کھولی۔ وہ روہان سے ہوتے اپنی ڈوری سے پھر
سے باندھ گئی تھی۔ پورے بدن پر ارحام کی شدتوں
کے نشان تھے۔ پیٹ کے علاوہ کوئی جگہ ایسی نہ تھی
جہاں اس کی لوباہٹ نہ ہو۔

پیٹ والا حصہ بھی صرف اپنے بچے کی وجہ سے چھوڑ
دیا ہے۔ ورنہ وہاں بھی اپنے دانت گاڑھ کر رہنے

تھے۔ حور اپنے خوبصورت بدن کا یہ حال دیکھ کر
روہا نسی ہوئی۔ وہ اس کا بے حد خیال رکھتا تھا۔ فروٹ
جو سبز دودھ گوشت ہر چیز اپنے ہاتھوں سے کھلاتا
تھا۔ رومانس کرنے کے بعد اس کے پورے بدن کا
مساج کرتا تھا۔ مگر رومانس کرنا اس نے نہیں چھوڑا
تھا۔ صرف وہ اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ اٹھک

پٹختا نہیں تھا۔ مگر رومانس وہ ویسے ہی کرتا تھا جیسے پہلے
کرتا تھا۔ رات بھر اس کے ساتھ لپٹا رہتا تھا۔ مجال
ہے اسے تکیے پر سر رکھنے دیتا ہو۔ ویسے ہی اپنے چٹانی
بدن پر سلاتا تھا۔ اپنا حصار بھی اس کے گرد مضبوط
رکھتا تھا۔ صرف یہ ہے کہ اس کے ذرا سا ملنے اور
کسمانے پر اس کی پیشانی نرمی سے چومتے پوچھتا کہ

اسے کوئی مسئلہ تو نہیں واش روم تو نہیں جانا بھوک تو
نہیں لگی۔۔ وہ روہانے ہوتے سر نفی میں ہلاتے اس
کے چٹانی سینے پر سر رکھے سونے کی کوشش کرنے
لگتی تھی۔

اف۔۔ یہ انسان ہے یا جن اتنا رومانس !! ہر ٹائم اس
انسان کو رومانس کرنا ہے اپنا حق لینا ہے۔ اور اس مسٹر

خان کو ایک ہی بچہ چاہیے۔ جس طرح رومانس کرتا
ہے ایک سال میں دس دس بچے آسکتے۔۔۔ حور
ڈریسنگ ٹیبل سے کریم اٹھاتے ہوئے بڑبڑاتے
ہوئے صوفے پر بیٹھتے اپنے گھٹنوں تھائیس پر کریم
لگانے لگی۔ جہاں ارحام کی دی ہوئی سوغاتیں پوری
آب و تاب سے چمک رہی تھیں۔

کیا کہہ رہی تھی جتنا رومانس میں کرتا ہوں ایک سال
میں دس بچے آجائیں۔ ارحام خانزادہ نے سنجیدگی سے
اس کا جبرہ نرمی سے دبوچتے اس کی آنکھوں میں
جھانکتے استفسار کیا۔

تو کیا نہیں کرتے رومانس!! حور نے اس کی سنجیدگی پر
روہانے ہوتے جواب دیا۔

ارحام کے نرم گرم لمس پر اور اس کی آنکھوں میں
نرمی دیکھتے حور مزید روہانسی ہوئی تھی۔۔ حور نے اسی
لمحے اس کے سینے پر زور سے کئی مکے مارے تھے۔
ارحام ہنستے ہوئے بہت نرمی سے اسے اپنے سینے میں
بھینچ گیا تھا۔

آئی ہیٹ یو ارحام!! حور ارحام کے سینے سے لگے

بھیگے لہجے میں بولی۔

بٹ آئی لو یو مائی لو! ارحام اسے مزید شدت سے خود
میں بھینچتے اس کے گیلے بالوں کی مہک اپنے اندر
اتارتے گھبیر آواز میں بولا تھا۔

حور کے گاؤں کی ڈوری ابھی تک کھلی ہوئی تھی۔ وہ
اسے شدت سے خود سے لپٹائے ہوئے اس کی ناز کی

محسوس کرتے بے خود ہو رہا تھا۔ ارحام کے ہاتھوں کی
بے باکیاں بھی بڑھ رہی تھیں۔ ارحام کی شرارتوں پر
حور کی سانسیں تیز ہو رہی تھیں۔

ارحام!! حور نے التجائی لہجے میں اسے پکارا۔
ارحام اسے گود میں اٹھائے صوفے کی طرف بڑھتے
صوفے پر لیٹے اسے بہت نرمی سے اپنے اوپر کر گیا

حور!! عابیر ہونے والی تھی!! میں تب چھوٹا تھا مگر
سمجھتا سب کچھ تھا مگر مورے نے پورے نو مہینے خود
کو ایسے کور کر کے رکھا ہمیں پتہ ہی نہیں چلا تھا۔ جس
دن عابیر آئی اس دن پتہ چلا سب کو۔
میں چاہتا ہوں میری حور کا بھی پتہ نہ چلے۔۔ پر یزے
کو بھی اس لیے بتانے سے منع کیا ہے میری جان وہ

بچی ہے۔ دس سوال پوچھے گی۔ سب کے سامنے بھی
پوچھے گی۔ بے چین رہے گی جب تک اس کا بھائی آ
نہیں جائے گا۔ جس دن اس کا بھائی آ گیا اس دن سب
کو پتہ چل جائے گا۔ 'ممم ارحام نے اس کی ٹھوڑی
نرمی سے پکڑے اسے رسائیت سے سمجھایا تھا۔
سمجھ گئی ارحام !!! اپ بچہ آنے کے بعد سب کو کہیے گا

یہ کسی سوفٹ ویر سے ڈاؤن لوڈ ہوا ہے۔ تب بھی
مت بتائیے گا کہ یہ بچہ میں نے پیدا کیا ہے۔ حور نے
بھڑ بھڑ جلتے روہانے ہوتے کہا۔

حور کی بات پر ارحام کا بلند و بانگ قہقہہ برآمد ہوا تھا۔
چچ۔۔ چچ یہ ابروڈ کی شہزادی سوات کے خان کے
چنگل میں کہاں پھنس گئی رحم آتا ہے مجھے اس پر۔۔

ارحام خانزادہ اس کار وہاں سا چہرہ دیکھتے شرارت سے
گو یا ہوا۔

سچ میں ارحام کبھی کبھی میں یہ سوچتی ہوں۔ حور نے
نچلا لب نکالتے گلابی آنکھوں سے اسے دیکھا
اچھا! ایسی بات ہے ارحام اسے نرمی سے اپنے نیچے
کرتے اس پر حاوی ہوا۔

کہا تھا یہ خان ساری زندگی تمھاری جان نہیں
چھوڑے گا۔ بھگتنا تو پڑے گا اس خان کو۔ اب رو کر
یا پھر آنسو بہا کر یہ خان تمھارے ساتھ لپٹے تمھاری
سانسیں کھینچتا رہے گا۔ رہنا تو اس خان کی پناہوں میں
ہی ہے۔ وہ اس کے کان کی لو پر زبان پھیرتے تمھاری
مدھوش کن آواز میں بول رہا تھا۔

مجھے اس غیرت مند سرخ آنکھوں والے خان کی
پناہوں سے کہیں نہیں جانا!! چاہے یہ خان میری
سانسوں سے لپٹا رہے۔ یا پھر میری دھڑکنوں سے۔
اس خان کی شدت سے مجھے عشق ہو گیا ہے۔ حور نے
آہستگی سے بولتے اس کے گلے میں با نہیں جمایل
کرتے خود کو ارحام کے حوالے کیا تھا۔

میری جان میری خوبصورت حور!! ارحام اس کی
گردن پر جھکتے اپنی جنون خیزیاں بکھیرنے لگا۔ تھوڑی
دیر میں وہ دونوں ایک دوسرے کے بدن کا حصہ بنے
ایک دوسرے میں گم تھے۔ آج کمرے کی جگہ
ڈریسنگ روم میں ان کی سانسوں کا خوبصورت رقص
گوںج رہا تھا۔

رمز عشق

تحریر نور آصف

قسط 2 part 158

مردانے میں اس وقت ارحام خانزادہ درید خان اربد
خان سمیع اللہ خان شہرام خان اسفندیار خان زاران
خانزادہ در خزئی خانزادہ اور آہل بیٹھے ہوئے تھے۔

در خزنئی خانزادہ ار حام خانزادہ اور زران کے سامنے
والے صوفے پر سفید شلوار قمیض پر براؤن مرانہ شال
اوڑھے ہوئے بیٹھے ہوا تھا۔ ار حام خانزادہ سفید شلوار
قمیض پر آف وایت مردانہ شال اوڑھے ہوئے تھا۔
زاران سیاہ شلوار قمیض پر سیاہ ہی شال اوڑھے ہوئے
تھا۔ اس وقت سب ہی شلوار قمیض میں ملبوس تھے۔

در خزنئی خانزادہ ار حام خانزادہ اور زرارن کے سامنے
والے صوفے پر سفید شلوار قمیض پر براؤن مرانہ شال
اوڑھے ہوئے بیٹھے ہوا تھا۔ ار حام خانزادہ سفید شلوار
قمیض پر آف وایت مردانہ شال اوڑھے ہوئے تھا۔
زاران سیاہ شلوار قمیض پر سیاہ ہی شال اوڑھے ہوئے
تھا۔ اس وقت سب ہی شلوار قمیض میں ملبوس تھے۔

سوائے آہل کے جو جینز پر بلو شرٹ پر بلو جرسی پہنے
ہوئے تھا۔

مردانے میں گھمبیر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ در خزنئی
اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں
پیوست کیے ہوئے اپنی نظریں اپنے چمکتے سیاہ بوٹوں پر
گاڑھے ہوئے تھا۔ اس کا ایک پاؤں مسلسل اظطرابی

انداز میں ہل رہا تھا۔ جس سے مردانے میں اس کے
بھاری بوٹ کی ٹک ٹک گونج رہی تھی۔ اس کی سفید
رنگت میں اس وقت شدید سرخیاں گھلی ہوئی تھیں۔
در خزئی میں نے فیصلہ لیا ہے۔ تمھاری اور عناسیہ کی
رخصتی کل ہی کر دی جائے۔ ارحام کی بھاری آواز

مردانے میں گو بجتی در خزنائی خانزادہ کے اظطراب میں
مزید اضافہ کر گئی تھی۔

اس وقت سب سنجیدہ چہروں کے ساتھ خاموش تھے۔
عنائیہ کے ساتھ جو کچھ ہوا کم۔ و بیش سب ہی واقف
تھے۔ شہرام خان اسفندیار خان زاران ارحام خان اور
آہل سب کو ہی پتہ تھا۔ سمیع اللہ خان درید خان اربد

خان اس حقیقت سے اب تک ناواقف تھے۔ حویلی
میں کسی نے بھی ایک دوسرے سے اس واقعے کے
متعلق استفسار نہیں کیا تھا۔ اور در خزنئی خانزادہ سے
استفسار کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس کے
چہرے پر پھیلا اضطراب اور سرخی اس بات کی گواہ تھی
وہ اس متعلق کسی سے کچھ سننے کا روادار بھی نہ تھا۔

نکاح ہو چکا ہے لالا!!! ار حستی کی ضرورت نہیں ہے۔
در خزئی خانزادہ نے نظریں جھکائے جواب دیا تو آہل
نے بے چینی سے پہلو بدلا تھا۔ وہ اب خود یہ چاہتا تھا کہ
عنائیہ در خزئی کے سنگ جلد سے جلد رخصت ہو
جائے۔ در خزئی کے انکار پر وہ پریشان ہوا تھا۔

کیا مطلب نکاح ہو گیا تو کیا رخصتی کی ضرورت
نہیں؟؟۔ نکاح کا مطلب ہی رخصتی ہوتا ہے۔ تم کیا
اب پیچھے ہٹ رہے ہو؟؟۔ ارحام کی آواز میں اب
سردپن نمایاں ہوا تھا۔

آپ کو کیا لگتا ہے لالا میں پیچھے ہٹ سکتا ہوں؟!۔
در خزئی خانزادہ نے سنجیدگی سے کہتے ارحام کی

آنکھوں میں اپنی سرخ آنکھیں گاڑھیں۔
نہیں ایس پی در خزئی خانزادہ کسی صورت پیچھے ہٹ
نہیں سکتا۔ وہ ایک خانزادہ ہے کچھ بھی ہو جائے جو
عورت اس کے نکاح میں ہے کسی صورت اس کی ذمہ
داری سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔ ارحام نے جواباً
سنجیدگی سے کہتے اسے بہت کچھ بتایا تھا۔

ارحام کے ایس پی کہنے پر وہ کرب سے مسکراتے
صوفے کی سطح پر سر رکھے اپنی سرخ بھیگی آنکھیں دو
انگلیوں سے مسل کیا۔

میں پیچھے نہیں ہٹ رہا لالا! مگر ابھی رخصتی نہیں
چاہتا۔ در خزئی نے سیدھے ہوتے سنجیدگی سے جواب

دیا۔

ابھی رخصتی کیوں نہیں ہو سکتی یہی تو پوچھ رہا ہوں۔
تمہیں اعتراض کیوں ہے؟؟ ارحام نے لب بھینچے
سنجیدگی سے سوال کیا۔

باقی سب خاموش تھے۔ سمیع اللہ درید خان اربد خان
زحلے کو ابھی تک معاف نہ کر سکے تھے۔۔ ابرش کی دو
مرتبہ حویلی چھوڑ کر جانے والی بات اور زار ان کا سب

کو اپنے معاملے سے سختی سے دور رہنے کا کہنے پر وہ ان
سب کے معاملوں سے حقیقتاً بھی دور ہو چکے تھے۔
وہ عمر میں ابھی چھوٹی ہے۔ در خیزی کے حلق سے
بمشکل ہی آواز نکلی تھی۔ وہ اسے کبھی رخصت
کروانے سے منع کرنے کے لیے ایسی تاویلیں گڑھے

گا اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اپنی آواز کھائی سے آتی
محسوس ہو رہی تھی۔

واٹ آجوک در خزئی؟۔۔ یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟؟
رخصتی نہیں کرنی سیدھی طرح انکار کر دو۔۔ وہ عمر
میں چھوٹی ہے یہ بات نکاح کرنے سے پہلے سوچنی
چاہیے تھی۔ اگر وہ عمر میں اتنی ہی چھوٹی ہے تو نکاح

ہے۔ اب وہ بمھاری ذمہ داری ہے اس کی عزت اس
کی زندگی کے محافظ ہو تم !!! ارحام در خزئی کے انکار پر
بھڑک اٹھا تھا۔ جو اسلام آباد میں ہوا وہ اب کسی
صورت عنائتہ کو در خزئی کے بغیر یہاں نہیں رہنے
دے سکتا تھا۔ در خزئی ہی اس پر کنٹرول کر سکتا تھا۔

کے لیے جلدی کیوں مچائی تم نے؟؟ اور چھوٹی سے کیا
مراد وہ بارہ سال کی ہے کیا۔؟! تمہیں پتہ ہونا چاہیے
کہ تم نے اپنی عورت کے ساتھ کیسے سلوک کرنا ہے
اسے کیسے رکھنا ہے؟۔ وہ عمر میں چھوٹی ہے مگر تم عمر
میں بڑے اور سمجھدار ہو۔ ایک مرد ہو تمہیں پتہ ہونا
چاہیے کہ وہ عمر میں چھوٹی ہے تو کیسے اسے ڈیل کرنا

وہ پڑھنا چاہتی ہے وکیل بننا چاہتی ہے۔ در خزئی نے
نظریں جھکائے کپکپاتے لبوں سے جواب دیا تھا۔
تم نہیں پڑھا سکتے کیا؟؟ تم اس کا خواب نہیں پورا کر
سکتے کیا؟؟ ارحام نے سنجیدگی سے مزید استفسار کیا۔
ایسی بات نہیں ہے لالا؟؟ در خزئی منہ پر ہاتھ پھیرتے
گہرا سانس لیتے بولا۔

دیکھو در خزئی!! یہ باتیں بے بنیاد ہیں جو تم کر رہے
ہو۔ وہ تمہارے نکاح میں ہے اسے صرف تمہارے
پاس رہنا چاہیے۔۔ تم اس کے شوہر ہو جو پروٹیکشن تم
اسے دے سکتے ہو۔ وہ ہم سب مل کر بھی نہیں دے
سکتے۔ کیونکہ اس کے محرم اس کے شوہر ہو تم۔ ارحام
خانزادہ کی بات پر در خزئی اپنا سانس باہر خارج کرتے

اپنی آستین کے کف کھولتے اوپر فولڈ کرنے لگا۔ وہ کیا
کہے اسے کچھ سمجھ ہی نہیں آرہا تھا۔
در خزنئی بھائی لالا ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ مجھے اور زاران
بھائی کو بھی اعتراض نہیں ہے۔ ہے ناں زاران
بھائی!!! آہل نے زاران سے تائید چاہی تھی۔ آہل کے

سوال پر زاران سنجیدہ چہرے کے ساتھ منہ پر ہاتھ
پھیرتے صوفے سے ٹیک لگا گیا تھا۔

سب زاران کی خاموشی پر حیران ہوئے تھے۔ شہرام
اور اسفندیار نے معجب نگاہوں سے اس کی طرف
دیکھا۔ جو صوفے سے ٹیک لگائے ٹانگ پر ٹانگ

جمائے اپنی بے پرواہیوں سے سہلاتے بالکل
خاموش تھا۔

زاران بھائی آپ کیا کہتے ہیں؟؟ آہل نے زاران کی
خاموشی اور سنجیدگی پر بے چینی سے دوبارہ اسے
مخاطب کیا۔

زاران خاموشی سے ابھی بھی اپنی لھنی بَیر ڈکو
سہلاتے غیر مرئی نقطے کو گھور رہا تھا۔

ارحام خانزادہ نے زاران کے لائٹسٹوڈ پر غصے سے اسے
گھورا تھا۔ آہل اب پریشانی سے زاران کو دیکھ رہا تھا جو
پہلے کبھی اس طرح ان کے کسی معاملے میں خاموش
نہیں ہوا تھا۔ مگر آج تو وہ اجنبیت کے ریکارڈ توڑے

ہوے تھا۔ زاران کی خاموشی اور سنجیدگی آہل پاشا کو
بہت بری طرح محسوس ہوئی تھی۔ ایک وہی تو تھا ان
کا اپنا۔ جو ہر معاملے میں ڈھال بن کر کھڑا ہوتا تھا۔
یہ میرا فیصلہ ہے عنائتہ کی رخصتی کل ہی ہوگی۔ اگر
در خزنئی تمہیں اعتراض ہے تو ابھی اٹھ کر یہاں سے
چلے جاؤ۔ دوبارہ تمہیں کبھی کسی چیز کے لیے فورس

نہیں کروں گا اور عنائے کی فکر نہ کرنا۔ اس کے لیے ہم
سب ہیں وہ ہم سب کی بہن ہے۔ ارحام نے خشک
لہجے میں اپنا فیصلہ سنایا تو مردانے میں گھبیر خاموشی
چھائی تھی۔

ٹھیک ہے لالا جیسا آپ کہیں۔ در خزی کی سپاٹ آواز
گو نجی تو مردان خانے میں پہلے سے بھی زیادہ گھمبیر

خاموشی چھائی تھی

ابرش کچن میں کھڑی برنر کے پاس کھڑی اپنے ہاتھ
سیک رہی تھی۔ گرم کچن میں بھی اس پر کپکپی سی
طاری تھی۔

وہ اس وقت بلیک کلر کی بے حد خوبصورت گرم
فراک میں ملبوس تھی۔ پشمینہ بے حد خوبصورت نفیس
قیمتی شال اس کے ایک کندھے پر ایک طرف ڈھلک
رہی تھی۔ براؤن چاکلیٹی سلکی بھگے خوبصورت بال
تازہ تازہ شیمپو اور کنڈیشنر سے دھلے ہوئے کمر پر
بکھرے تھے۔ جس میں سے پانی ٹپکتا اس کی گرم

بلیک فرائک کو بھگور ہاتھا۔

زاران پچھلے دو دن سے رات پھر سے حویلی سے باہر رہ
کر گزار رہا تھا۔ اس دن در خزنئی کے جانے کے بعد وہ
کمرے میں نہیں آیا تھا۔ وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ
نیچے وقت بتا کر کمرے میں آئے بغیر ہی چلا جاتا تھا۔ وہ
دو دن سے جلتی لکڑی کی مانند اندر سے سلگ رہی تھی

۔۔ دن میں کتنی بار شاور لیے رہی تھی۔ شاور کے نیچے
کھڑی ہو کر رو کر تھک چکی تھی۔ ابھی بھی اس کی
آنکھیں متورم اور گلابی تھی۔ وہ آج صبح سے حویلی میں
تھا۔ حویلی کے مردان خانے میں اس نے آج سارا
وقت گزار دیا تھا۔ مگر کمرے میں نہیں آیا تھا۔
کچن میں اس وقت دو ملازمین درخشاں اور عابیر

موجود تھیں۔ در خزئی خانزادہ کے آنے پر ارحام
خانزادہ نے آج بہت اچھا ڈنر تیار کرنے کو کہا تھا۔
مردانے میں صبح سے بیٹھک لگی تھی۔ حویلی کے
سارے مرد جمع تھے۔

عابیر ملازماؤں کے ساتھ کھانا تیار کر رہی تھی۔
بہارے بہرام اور دوسری پرکینینسی کی وجہ سے کچن

میں بہت کم قدم رکھتی تھی۔ شہرام کی بہت سختی
سے ہدایت تھی وہ کچن میں کسی صورت قدم نہیں
رکھے گی۔ ایک دو بار اسے کچن میں دیکھتے وہ اچھا خاصہ
ہنگامہ کھڑا کر چکا تھا۔ بہارے شہرام خانزادہ کی سختی
کی وجہ سے کچن میں قدم نہیں رکھتی تھی۔ ورنہ اس
سے اچھا کھانا کوئی نہیں بنا سکتا تھا۔ عابیر ملازماؤں کے

ساتھ مشکل سے ہی کام کروا رہی تھی۔ گوشت کی
سمیل سے اس کا جی متلارہا تھا۔ مگر ارحام کی وجہ سے
وہ کچن میں موجود تھی۔ ارحام نے ڈنر میں بہت
فرمائشیں کی تھیں۔ آج کا ڈنر وہ حویلی کی ملازماؤں پر
نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ دوسرا ارحام کسی بات کا حکم دے
دے وہ کبھی اس کی بات نہیں ٹال سکتی تھی۔ ارحام

نے اس سے خاص طور پر کچھ ڈشز کی فرمائش کی تھی۔
جو وہ اس کے ہاتھ کی بہت شوق سے کھاتا تھا۔ جب وہ
پندرہ سال کی تھی تب سے وہ نمکین گوشت بناتی تھی
جو ارحام خانزادہ اس کے ہاتھ کا شوق سے کھاتا تھا۔ اس
لیے اسفند کے گھورنے کے باوجود وہ کچن میں آگئی تھی

عابیر میں کوئی ہیلپ کر دوں؟؟ ابرش نے عابیر کی
طبعیت دیکھتے پوچھا تھا۔ وہ کتنی بار منہ پر ہاتھ رکھے
گہرے سانس لے چکی تھی۔ اور بار بار لیموں پانی
ملازمہ سے بنوا کر پی چکی تھی۔

نہیں بھابھی آپ کیا ہیلپ کریں گی؟؟ آپ کو تو کچھ
نہیں بنانا آتا۔ عابیر نے عام سے لہجے میں کہتے پتیلے میں

بچ چلا یا۔

میں بنادوں عابیر مجھے تو سب کچھ بنانا آتا ہے۔ حویلی
کے سب مردوں کے ذائقے کا بھی مجھ کو معلوم
ہے۔۔

ارحام لالا، شہرام لالا، اسفند لالا، در خزئی لالا اور
زاران کو کونسا کھانا پسند ہے۔ مجھے سب پتہ ہے۔

پلوشہ کچن میں داخل ہوتے بولی تھی۔ ابرش نے اپنی
گردن پر آگے ہاتھ پھیرتے گہرا سانس لیا تھا۔ اسے
یکدم کچن میں گھٹن سی محسوس ہوئی تھی۔
کردو ہیلپ پلوشہ!! تمھاری بہت مدد کی ضرورت
ہے۔ تم جب یہاں سے چلی جاؤ گی۔ مجھے تمھارا مدد
کرنا بہت یاد آئے گا۔ عابیر نے پلوشہ کو دیکھتے لب

پھیلائے مسکراتے ہوئے کہا۔
ابھی تو میں کہیں نہیں جا رہی؟؟ تمہیں یاد ہو گا بچپن
سے میں اپنی حویلی کم یہاں زیادہ رہی ہوں۔ اس حویلی
کو اپنی ہی حویلی سمجھتی آئی تھی۔ مگر قسمت کی ستم
ظریفی نے یہ حویلی اور کوئی بہت خاص مجھ سے چھین
لیا۔

پلوشہ ابرش کو دیکھتے کوئلے کی طرح سلکتے لہجے میں
بولی تھی۔ اس کی بھیگی زلفیں دیکھتے وہ بری طرح سلگی
تھی۔

بھابھی مجھے نہیں پتہ تھا لاآپ سے اتنی محبت کرتے
ہیں!! اسفند کی وجہ سے مجھے دن میں دو بار شاور لینا ہی
پڑتا ہے۔ مگر لاآپ کو بار بار شاور لینے پر مجبور کر

دیتے ہیں۔ عابیر ابرش کو دیکھتے ہسی کھی۔
عابیر کی بات پر کچن میں کھڑی درخشاں اور باقی
ملازمائیں سرخ ہوتی کھی کھی کرنے لگیں۔
عابیر خود اپنی بات پر خفت سے سرخ ہوئی تھی۔ پلو شہ
کو جلانے کے لیے اس نے خوا مخواہ یہ بات کہہ دی
تھی۔ جو اس کی نیچر نہ تھی۔ اسے زار ان اور ابرش کے

تیج پلوشہ بہت چبھتی تھی۔ پہلے بھی پلوشہ زاران اور
ابرش کے تیج آچکی تھی۔ اب وہ زاران اور ابرش کو
ایک دوسرے سے جدا نہیں دیکھ سکتی تھی۔
ابرش عابیر کی بات پر نم سامدھم سا ہنستی اپنی بھیگی
آنکھیں سختی سے ہتھیلی سے رگڑ گئی۔ وہ دو دن سے
کمرے میں ہی نہیں آیا تھا حق کیا لیتا وہ؟؟ ابرش کو اپنی

ٹکتا بھا بھی پر۔۔ تو ایسا میں ہمارا زار ان لالا کا کیا حالت
ہوتا ہو گا اپنا عورت کو دیکھ کر؟؟ کتنا بار تو ہم خود لالا کو
بھا بھی سے حق لیتا دیکھ چکا ہے۔ لالا تو جتنا بھا بھی سے
حق لے کم ہے۔ ہم کو پورا یقین ہے ادھر بھا بھی نہا کر
آتا ہو گا۔ ادھر لالا پھر سے بھا بھی کو نہانے والا کر دیتا
ہو گا۔ بلکہ ہم کو تو لگتا ہے لالا اور بھا بھی رہتا ہی غسل

خانے میں ہوگا۔ تاکہ کمرے سے غسل خانہ اور غسل
خانہ سے کمرے تک آنا جانا کا وقت بچ جائے۔
درخشاں پلوشہ کو جتنی نظروں سے دیکھتے اپنی بات
مکمل کرتے اونچی آواز میں ہنسی۔ اس کی بات پر کچن
میں مکمل خاموشی چھائی تھی۔ سب کو خاموش دیکھ کر
اب وہ خفت سے سرخ ہوتے کھیانی سی ہنسی۔

ہمارا مطلب تھا۔ لالا کو ادھر باورچی خانہ میں بھا بھی
کے ساتھ دیکھا تھا۔ پورا حق نہیں لے رہا تھا۔ بدن پر
کپڑا بھی موجود تھا۔ وہ تو لالا بھا بھی کا ساتھ صرف چھیڑ
خانیاں کر رہا تھا۔ درخشاں عابیر کو گھورتے دیکھتے
کھسیانی ساہنتے ہوئے وضاحت دیتے لب دانتوں تلے
دبا گئی تھی۔ وہ بھی پلو شہ کو صرف جلانا چاہتی تھی مگر

اب اسے احساس ہو رہا تھا وہ زیادہ ہی بول کئی ہے۔
عابیر نے گھور کر درخشاں کو دیکھتے غصے سے پتیلے میں
چمچ چلایا۔ ابرش خاموشی سے گہرے سانس لیتے جلتے
برنز کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی سانسیں گہری ہو رہی
تھیں

پلو شہ کا سرخ جلتا چہرہ دیکھ کر درخشاں کو دلی سکون ہوا

تھا۔ اب اسے اپنی کہی ہوئی باتوں پر کوئی شرمندگی
نہیں تھی۔ وہ پلوشہ کو مسکراتی نگاہوں سے دیکھتے
اب مزے سے دریا کی تازہ مچھلیوں کو کٹ لگاتے
صرف نمک مرچ کا مصالحہ لگا رہی تھی۔
زاران کمرے میں جائے گا تو اپنا حق لے گا ناں!! سچ
میں زاران ابرش کی خوبصورتی کی وجہ سے اب اپنا

کمرے میں ہی نہیں جانتا کہ لہیں اسے ابرش سے اپنا
حق نہ لینا پڑ جائے۔ اب اتنا حق لے گا تو اسے کمزوری
ہو جائے گی

۔ اس لیے آج کل وہ مردانے سے اپنے فارم ہاؤس اور
فارم ہاؤس سے مردانے تک کے چکروں میں رہتا
ہے۔

پلوشہ استہزائیہ مسکراتی نگاہوں سے ابرش کو دیکھتے
بولی۔ ابرش کا ہاتھ اسی لمحے جلتے برنر کو چھو گیا تھا۔
سس!! جلن کی لہر سے اس کے لبوں سے سسکاری
بلند ہوئی تھی۔ کچن میں ایک بار پھر سے گہری خاموشی
چھائی تھی عابیر نے پریشانی سے ابرش کو دیکھا جو
گہرے سانس لیتے سلیب کو دونوں ہاتھوں سے اب

جکڑ گئی تھی۔

دوسرے لمحے ابرش نے شلیف پر پڑا گلاس اٹھا کر پوری
قوت سے پلوشہ کے قدموں میں زمین پر دے مارا
تھا۔ وہ چھناکے سے ٹوٹ کر کانچ کی صورت میں کچن
کے فرش پر بکھرا تھا۔ پلوشہ چیختے ہوئے پیچھے کو ہوئی
تھی۔

آئندہ میرے اور زاران کے بارے میں تم نے ایک
لفظ بھی نکالا یہ گلاس زمین پر نہیں ٹوٹے گا اور اس کا بچ
کی کرچیاں تمہارے گال میں پیوست ہوں گی سمجھی
تم۔

And what i say i make sure
!!to do it

آئندہ میرے اور زاران کے بارے میں تم نے ایک
لفظ بھی نکالا یہ گلاس زمین پر نہیں ٹوٹے گا اور اس کا بچ
کی کرچیاں تمہارے گال میں پیوست ہوں گی سمجھی
تم۔

And what i say i make sure
!!to do it

ابرش پلوشہ کے مقابل آتی غرائی تھی۔
بھا بھی !! عابیر پریشانی سے ابرش کی طرف بڑھی۔
سمجھتی کیا ہو تم خود کو؟؟ کوئی سیلف ریسپیکٹ ہے
تمہارے اندر کہ نہیں۔ تھپڑ مار کر تمہیں زاراں نے
یہاں سے نکالا تھا۔ منہ تک نہیں لگانا تمہیں وہ !!
دیکھتا تک نہیں ہے تمہیں وہ۔ پھر کیوں یہاں پر کس

آس پر رکی ہوئی ہو تم یہاں؟؟۔ لگتا ہے اس بار دھکے
دے کر ہی تمہیں نکالے گا تو تمہیں تب ہی سمجھ
آئے گا۔ ابرش پھولتی سانس سرخ چہرے کے ساتھ
ایک ایک لفظ چباتے ہوئے بولی تھی۔ پلوشہ کی باتیں
اس کے اندر دہکتا تند و ردہ کاتے اس کے اعصاب
بھاری کر چکی تھی۔

میں یہاں تمھارا تماشاہ بنتا دیکھنے کے لیے رکی ہوئی
ہوں۔ عنائے کے نکاح پر پچھلی بار تماشاہ بنتا ہنسا رہ گیا
تھا۔ مگر اس بار عنائے کی رخصتی پر یقیناً تم بہت وایلا
کرنے والی ہو۔ آخر کار تمھارے شوہر تمھارے بھائی
اور تمھاری ماں نے عنائے کی رخصتی کی رضامندی جو
دے دی ہے۔ اس بار بھی تمھیں بغیر بتائے یہ فیصلہ

لے لیا گیا ہے۔ پلوشہ جوانی کا روائی کرتے کاٹ دار
لہجے میں بولی تو ابرش کے قدم ڈگمگائے تھے۔ رنگت
یکدم فق ہوئی تھی۔

کیا بکو اس کر رہی ہو تم؟؟ ابرش کی آواز میں ٹوٹے کانچ
کی کرچیوں کی چبھن تھی۔ آواز جیسے گلے میں گھٹی
تھی۔

بکو اس نہیں کر رہی؟؟ ابھی ابھی اپنے کانوں سے سن
کر آرہی ہوں۔ کل عناسیہ اور در خزئی کی رخصتی ہے۔
پلوشہ کے لفظ ابھی منہ میں تھے۔ ابرش اسی لمحے کچن
سے تیزی سے نکلتی مردانے کی طرف بڑھی۔
وہ اب تیز تیز قدموں سے مردانے کی طرف بڑھ رہی
تھی۔ شال اس کے ایک کندھے پر لہراتی زمین کو چھو

رہی تھی۔ گیلے بال اس کی کمر پر بکھرے تھے۔ وہ
فلنگ والے سٹائیش سے فرائک میں اپنی تمام تر
رعنائیوں سمیت مردانے کی طرف بڑھ رہی تھی۔
پلوشہ اسے پہلے ہی اپنی باتوں سے اندر تک دہکا چکی
تھی۔ عنائیہ کی رخصتی کا سن کر اس کے حواس سلب
ہو چکے تھے۔۔ وہ کسی قیمت اپنی کم عمر بہن کی رخصتی

اس ایس پی بھرپور مرد کے ساتھ نہیں ہونے دے
سکتی تھی۔ جس کی وجہ سے عنائے پچھلے دو دن سے
کمرے میں بند صرف رو رہی تھی۔ اس کے بارہاں
پوچھنے پر بھی اس نے کچھ نہیں بتایا تھا۔ اسے پورا یقین
تھا عنائے کو در خزنئی نے بہت بری طرح ہرٹ کیا
ہے۔ اب وہ رخصتی کروا کر اسے دن رات ہرٹ کرنا

چاہتا ہے۔ اپنی سوکالڈ مردانگی اس کی کم عمر بہن پر
نکالنا چاہتا ہے۔ زار ان اس کے گھر والے کیسے اس کے
بغیر عنائیہ کی رخصتی طے کر سکتے تھے۔ عنائیہ کا نکاح
طے کرتے وقت اس سے کسی نے پوچھا نہیں!!! آج
پھر اس کا بھائی ماں اور شوہر پھر سے ایک سائیڈ پر لگا
چکے تھے۔ یکدم اس کا پاؤں راستے میں رکھے ایک گملے

سے ٹکڑا گیا تھا۔ درد سے سسکاری اس کے لبوں سے
بلند ہوئی تھی۔ انگوٹھے کا ناخن ڈیجھوتا اس کی جان
لبوں پر سجا چکا تھا۔ وہ درد سے سسکاری لیتے زمین پر
بیٹھتی چلی گئی تھی۔ اب وہ اپنے انگوٹھے کو جکڑے
سسکیوں سے رو رہی تھی۔ پورے بدن پر لرزہ طاری
تھا۔

عنائیہ!! وہ شدت سے اسے پکارتی روپڑی تھی۔
نہیں ہونے دوں گی تمہارے ساتھ ظلم!! تم میری
جان کا ٹکڑا ہو!! تمہارے ساتھ ظلم نہیں ہونے دوں
گی۔ چاہے مجھے کسی بھی حد تک جانا پڑے۔ اس مسٹر
خانزادہ کے مقابل آنا پڑے۔ جسے میری ذرا پرواہ
نہیں۔۔ جسے صرف اپنی سوکالڈ انا پیاری ہے۔ نہیں

چھوڑوں گی اس مسٹر خانزادہ کو ہمارا مالق بن کر
ہمارے فیصلے کرتا پھرتا ہے۔ نہیں وہ میرا مالک۔ نہ میں
اس کی حق ملکیت ہوں۔ نہ ابرش پاشا اب اس سے وہ
جنونی پاگلوں کی طرح محبت کرتی ہے کہ اس کا ہر ظلم
برداشت کرے گی۔ ابرش نے روتے ہوئے اپنے
عارض پر بہتے آنسو اپنی ہتھیلیوں سے بے دردی سے

صاف کیے تھے۔

مسٹر خانزادہ اس بار تمہیں ابرش پاشا کی نفرت سے
پاش پاش ہونا پڑے گا۔ اب تمہارے سامنے میرا
عشق نہیں میری نفرت کھڑی ہوگی۔ جس کا مقابلہ تم
نہیں کر سکو گے۔ ابرش اپنے وجود میں اٹھتے درد پر قابو
پاتے ہوئے زمین سے بمشکل اٹھی تھی۔ گہرے

سانس لیتے اپنی آنکھیں ہتھیلیوں سے رگڑتے ہوئے
اس نے دیوار کو جکڑا۔ انگوٹھے کا ناخن بری طرح متاثر
ہوا تھا۔ درد نے جیسے پورے وجود کو جکڑ لیا تھا۔ اس
نے گہرے سانس لیے۔ جب جب اسے منسٹر درد دیتا
تھا۔ تب تب ہی اس کے بدن کے کسی نہ کسی حصے پر
چوٹ ضرور لگتی تھی۔ اس منسٹر کی وجہ سے پہلے بھی

کئی بار اس کا انگوٹھا متاثر ہوا تھا۔ دل کا درد اتنا شدید ہوتا
تھا کہ اس کا جسم کا حصہ بھی اسے چوٹ دینے میں پیچھے
نہیں رہتا تھا۔ اب دل کے ساتھ ساتھ اس کے
پورے وجود میں درد کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔
وہ اپنے انگوٹھے کے درد پر قابو پاتے بے حس بنی تیز تیز
قدموں سے چلتی مردانے کی طرف بڑھی۔

وہ مردانے کی رہداریوں سے گزرتے ہوئے مردانے
کے بڑے سے لاونج میں داخل ہوئی جہاں سب مرد
حضرات بیٹھک لگا کر بیٹھے تھے۔

مردانے میں موجود سب مرد اسے دیکھ کر حیران
ہوتے سرخ چہروں کے ساتھ نظریں جھکا کئے تھے۔
سمیع اللہ ابرش کو مردانے میں کھلے بالوں بغیر وجود

کے ڈھکے دیکھ کر اپنی لائٹھی پر دباؤ ڈالتے نظریں جھکا
کئے تھے۔ رنگت میں طیش اوالم کی سرخیاں چھائی
تھیں۔ درید خان ار بد خان کے چہرے بھی سرخ
تھے۔ ار حام خانزادہ اسفندیار خان شہرام خان در خزئی
خانزادہ نے کسی نے بھی ایک نظر اٹھا برش کو نہیں
دیکھا تھا۔ وہ سب نظریں جھکائے ہوئے تھے۔

مردانے میں گہری خاموشی چھائی تھی۔
مگر رنگت میں سرخیاں سب کی گھلی ہوئی تھیں۔ آہل
نے پریشانی سے ابرش کو دیکھتے اپنی سٹک کو کانپتے ہاتھ
سے جکڑتے ہوئے زار ان کو دیکھا۔ جس کی رنگت
سرخ قندھار ہوئی تھی۔ وہ خون اتری آنکھوں سے
مٹھیاں دبوچتے ابرش کو دیکھ رہا تھا۔ ابرش کو مردانے

میں اس حلے میں سب کے سامنے دیکھ کر اس کے
وجود میں آگ بھڑپا ہوئی تھی۔ گردن اور ماتھے کی
نیلی رگیں ظاہر ہوئی تھی۔ زار ان کی خون اتری
آنکھیں دیکھتے ابرش کے وجود پر اسی لمحے کپکپی طاری
ہوئی تھی۔ بہت عرصے بعد اسے اتنے غصے میں دیکھا
تھا۔ ایسی خون اتری آنکھیں دیکھی تھیں۔ ابرش نے

میں ھٹتی ھئی۔ قدموں نے زمین پر کھڑا رہنے سے
انکار کیا تھا۔ زار ان کی خون اتری آنکھوں سے اسے
شدید خوف محسوس ہوا تھا۔ وہ زار ان یاد آیا تھا جب
نکاح سے پہلے اس نے مردانے میں قدم رکھا تھا۔ تب
بھی اس کے چہرے اور آنکھوں میں ایسی ہی سرخی
چھائی تھی۔ اس کا مارا گیا تھپڑ یاد آیا تھا جو اس نے سب

کے سامنے مارا تھا۔ تھپڑ جتنا شدید تھا تزلزل کا احساس
اس سے بھی شدید تھا۔ بدن اور روح دونوں زخمی
ہوئے تھے۔ وہ زار ان کو اتنے اشتعال میں دیکھتے کئی
قدم پیچھے ہوتے اپنے عارض پر ہاتھ رکھ گئی تھی۔
زار ان جبرے بھینچتے صوفے سے اٹھتے اس کی طرف
بڑھتے اس کی کلائی جکڑے تیز تیز قدموں سے

مردانے سے نکل آیا تھا۔

ابرش اس کی فولادی گرفت میں گھسٹتے ہوئے اس کے

ساتھ بڑھ رہی تھی۔ شال ایک بار پھر سے اس کے

سر سے پھسلتی اس کے کندھے پر لہرا رہی تھی۔

زاران۔۔۔ مم۔۔۔۔۔ مجھے۔۔۔ شال۔۔۔

اوڑھنے۔۔۔ دو۔۔۔ ابرش نے اپنی شال سینے سے

جکڑتے ہوئے کپکپکاتے لبوں سے التجا کی۔

وہ اسے اسی لمحے دیوار میں پٹخ گیا تھا۔

ضرورت نہیں یہ چادر اوڑھنے کی۔ وہ اسے دیکھتے

غرایا۔

لک کیا مطلب؟؟ ابرش اسے اتنے غصے میں دیکھتے

روہا نسی ہوئی تھی

ضرورت نہیں یہ چادر اوڑھنے کی۔ وہ اسے دیکھتے
غرایا۔

لک کیا مطلب؟؟ ابرش اسے اتنے غصے میں دیکھتے
روہانسی ہوئی تھی
مطلب یہ جہاں یہ چادر تمہارے وجود پر ہونی چاہیے

تھی۔ جب وہاں نہیں تھی اب بھی رہنے دو!! اتار کر
پھینک دو اس پردے کو۔ زار ان ابرش کے وجود سے
ایک جھٹکے سے شال اتار گیا۔

زار ان!!! ابرش نے بے یقین ہوتے ارد گرد نگاہیں
دوڑائیں وہ لوگ اس وقت مردانے میں ہی تھے۔
مت دیکھو ایسے؟؟ میرے بھائی بابا بھی ادھر مر کر

بھی رخ نہیں کریں گے۔ جیسے لسی نے تمہیں نگاہ بھر
کر نہیں دیکھا بلکہ نظریں اٹھا کر نہیں دیکھا۔ اس
عزت کی وجہ سے وہ تمہیں دیتے ہیں۔ تمہاری عزت
وہ اس لیے نہیں کرتے کہ تم ایک عورت ہو۔ بلکہ اس
لیے کرتے ہیں تم میری عزت ہو!! زار ان نے ایک
ہاتھ اس کے ایک طرف رکھے دوسرا ہاتھ بے دردی

اپنے سینے پر مارا تھا
ابرش نے سسکتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔
مرد ہوتے ہوئے ان میں اتنی شرم لحاظ ہے۔ مگر
عورت ہوتے تم میں ذرا شرم لحاظ نہیں۔۔۔ زارا ان کی
بات پر ابرش تڑپ اٹھی تھی۔
یہ تـتـ۔۔۔ تم۔۔۔ آپ۔۔۔ کک۔۔۔ کیا کہہ رہے

ہیں؟؟۔ ابرش اس کی خون اتری آنکھوں میں دیکھتے
بھیگے لہجے میں بولی۔

کیا کہوں پھر بتاؤ مجھے؟؟ شرم و الحاض والی عورت!!
بتاؤ مجھے کیا کہوں تمہیں؟؟ وہ اس کے اطراف میں مکہ
مارتے دھاڑا تھا۔

مم۔۔۔ میں۔۔۔ آپ۔۔۔ سے۔۔۔ بات۔۔۔

کرنے۔۔ آئی۔۔ تھی۔ ابرش اسے اتنے غصے میں
دیکھتے منہ پر ہاتھ رکھتے رو پڑی۔

بات کرنے آئی تھی تم؟؟ یہ کونسا طریقہ تھا کہ اپنی
چادر ہی لینا بھول جاؤ تم؟؟ کب سے ہو میرے ساتھ
ہاں؟؟ ایک سال پہلے میرے نکاح میں آئی تم؟؟ جان
چکی ہو گی ہم پٹھانوں کو؟؟ نہیں برداشت کرتے ہم

اپنی عورتوں کے سر اور تن سے اتری چادر!! وہ اس پر
جھکے غرایا۔

زاران۔۔۔ ابرش اس کی خون اتری آنکھیں دیکھتے
شدت سے رو دی تھی۔

بتاؤ مجھے ابرش؟؟ اس کے علاوہ کیا ڈیمانڈ کی میں نے تم
سے؟! کیا پابندیاں لگائیں تم پر؟؟ تم آ جاتی مردانے

میں مگر اپنا تن اور سر ڈھک کر آتی۔ مجھ سے بات کرنی
تھی ناں تم نے تو کسی ملازمہ کے ہاتھ پیغام بکھواتی آ
جاتا میں؟؟ تم یوں اس حلیے میں آئی؟ جہاں میرے
بھائی بیٹھے تھے۔ میرے بابا میرے چچا میرے دادا
سب وہاں پر موجود تھے۔ تم پر پڑنے والی سب کی ایک
نظر پر میری نظریں جیسے ان کے سامنے اٹھنے کے

قابل نہیں رہیں۔ زار ان اس کی گلابی متورم آنکھوں
میں آنکھیں گاڑھے آنچ دیتے لہجے میں بولا تھا۔ ابرش
اس کی خون اتری آنکھوں میں دیکھتے رو رہی تھی۔ وہ
اتنا زیادہ ری ایکٹ کرے گا اسے اندازہ نہ تھا۔ مقابل
کی خون اتری آنکھیں اس کے رگوں میں دوڑتے
خون کو منجمد کر رہی تھیں۔

look at your self

زاران نے لفظ چباتے اس کے وجود کی طرف اشارہ
کیا۔

ابرش صرف سسکتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھ
رہی تھی۔

Look at your own existence

my Besharam wife

زاران نے اس کا جبرہ دبوچتے اس کا چہرہ ڈاؤن کیا تھا۔
ابرش اپنے گیلا بدن سے چپکا فراک دیکھ کر آنکھیں
میچ گئی۔۔

نہیں دیکھ سکی ناں خود کی طرف!! سوچو میں نے کیسے
برداشت کیا ہوگا۔ ہمیشہ تمہیں اپنی تکلیف اپنا خسارہ

نظر آیا۔ میں کیا سوچتا ہوں میں تمہارے جذباتی ایکٹ
سے کتنی تکلیف محسوس کرتا ہوں تم نے سمجھنے کی
کوشش ہی نہیں کی۔ سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی کہ
تمہیں بہزاد کے پاس دیکھ کر مجھے کیسا لگا۔
زاران !!! ابرش زاران کے منہ سے بہزاد کا نام سن کر
ہذیبانی چیخ اٹھی تھی۔ وہ مقابل کے لبوں سے یہ طعنہ

نہیں سن سکتی تھی۔

ہوئی تکلیف؟؟ مجھے بھی ہوتی ہے جب جب وہیل
سوچتا ہوں۔ جب وہ تمہارا ہاتھ پکڑ جنگل میں بھاگ رہا
تھا۔ میری بیوی اس وقت داغدار کپڑوں میں تھی۔۔
پورے کپڑے خون سے بھرے تھے یاد ہے ناں
تمہیں اپنی حالت؟؟ زار ان اس کے اطراف میں ہاتھ

مارتا غرایا۔

ابرش منہ پر ہاتھ جمائے سر نفی میں ہلاتے ہوئے اسے
دیکھ رہی تھی۔

وہ پوسٹر ز تمہارے۔ زار ان اپنے بال جکڑے اب نم
سی ہنسی ہنساتھا۔

جانتا ہوں تمہاری غلطی نہیں تھی اس میں !! وہ تب

کے تھے جب تم میرے نکاح میں نہیں تھی۔ مگر
میرے دل میں تو رہتی تھی ناں تب بھی۔ وہ اپنے سینے
پر مکے مارتے ہوئے بولا۔

بہت محبت کی ہے تم سے !! اتنی کہ تم سوچ نہیں سکتی
اتنی کہ تم سوچ نہیں سکتی۔ زاراں خانزادہ کی زندگی
میں آنے والی پہلی عورت تھی تم !! اپنی عورت کو لے

کے تھے جب تم میرے نکاح میں نہیں تھی۔ مگر
میرے دل میں تو رہتی تھی ناں تب بھی۔ وہ اپنے سینے
پر مکے مارتے ہوئے بولا۔

بہت محبت کی ہے تم سے !! اتنی کہ تم سوچ نہیں سکتی
اتنی کہ تم سوچ نہیں سکتی۔ زارا ان خانزادہ کی زندگی
میں آنے والی پہلی عورت تھی تم !! اپنی عورت کو لے

کے تھے جب تم میرے نکاح میں نہیں تھی۔ مگر
میرے دل میں تو رہتی تھی ناں تب بھی۔ وہ اپنے سینے
پر مکے مارتے ہوئے بولا۔

بہت محبت کی ہے تم سے !! اتنی کہ تم سوچ نہیں سکتی
اتنی کہ تم سوچ نہیں سکتی۔ زاراں خانزادہ کی زندگی
میں آنے والی پہلی عورت تھی تم !! اپنی عورت کو لے

کر یہی خیالات تھے میرے کہ وہ زار ان خانزادہ کا
جنون بنے گی۔ بچپن سے عادت ہے میری فطرت کہہ
لو! اپنی چیز کسی کے پاس برداشت نہیں کر سکتا۔
اسفند پر جان دیتا ہوں میں۔ مگر میری پنسل بھی وہ
استعمال کرتا تھا تو برداشت نہیں کرتا تھا۔ ایسا ہی
ہوں اپنی چیزوں کو لے کر میں پوزیسو!! سوچو

مکھارے بارے میں کتنا پوزیسو میں ہوں گا؟؟ زاران
نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے سوالیہ انداز میں زخمی
لہجے میں پوچھا۔

تم نہیں جان سکتی ابرش پاشا!! تم نہیں جان سکتی
کیونکہ تم نے زاران خانزادہ کی پوزیسو نہیں رہنے ہی
نہیں دی۔ ورنہ تمہیں زاران خانزادہ سات پردوں

مکھارے بارے میں کتنا پوزیسو میں ہوں گا؟؟ زاران
نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے سوالیہ انداز میں زخمی
لہجے میں پوچھا۔

تم نہیں جان سکتی ابرش پاشا!! تم نہیں جان سکتی
کیونکہ تم نے زاران خانزادہ کی پوزیسو نہیں رہنے ہی
نہیں دی۔ ورنہ تمہیں زاران خانزادہ سات پردوں

میں چھپا کر اپنے دل میں ایسے رکھتا کہ کسی مرد تو دور کی
بات عورت کی نظر بھی پڑنے نہ دیتا۔ زاراں کی بات
پر وہ اسے گلابی آنکھوں میں دیکھتے سر نفی میں ہلا گئی
تھی۔ وہ اس کے دل میں اب نہیں رہتی تھی وہ جانتی
تھی۔۔

مجھ جیسے انسان کے لیے یہ سب سہن کرنا کتنا مشکل ہو

گا۔ بھی سوچا تم نے کہ میں کیسے ان سات مہینوں میں
تل تل مرا۔ زار ان اپنے بال مٹھی میں دبو چے کرب
امیز لہجے میں بولا۔

آپ۔۔۔ سب۔۔۔ چیزوں۔۔۔ کے۔۔۔ ذمہ۔۔۔ دار
۔۔۔ تت۔۔۔ تم۔۔۔ تم۔۔۔ مجھے نہیں۔۔۔ ٹھہرا
۔۔۔ سکتے۔ جو کچھ ہوا اس میں میری کوئی غلطی نہیں

تھی۔ اگر تم مجھے یہاں رکھتے تو میں بھی سات پردوں
میں چھپ کر رہتی۔ ابرش نے اس کے دل کے مقام
پر انگلی رکھی۔

مگر۔۔۔ تم۔۔۔ آپ۔۔۔ نے۔۔۔ مجھے۔۔۔
یہاں۔۔۔ رکھا!! ابرش نے ٹوٹے لہجے میں بولتے اس
کا مضبوط ہاتھ جکڑتے اپنے کانپتے ہاتھ سے اس کی

ہیلی بند کی۔ اپنی بند مٹھی میں رکھا مسٹر خانزادہ تم
نے ابرش پاشا کو۔۔ جہاں سانس گھٹ گھٹ کر آتی
تھی۔۔ ابرش پاشا کو اگر سچ میں یہاں رکھتے آج یوں
ابرش پاشا پر چلانہ رہے ہوتے۔ ابرش کالج سے ٹوٹے
لفظوں سے بولتے زار ان کی سرخ آنکھوں میں اپنی
بھگی آنکھیں گاڑھ گئی۔

محبوب کی بند مٹھی کیا یاد دل کیا مس امریکہ؟؟ وہ اس
کی گلابی بھیگی آنکھوں میں دیکھتے استھزائیہ ہنسا۔

جس کو رہنا ہو وہ کہیں بھی رہ لیتا ہے۔ زاران
استھزائیہ لہجے میں بولتے ابرش کی گلابی آنکھوں میں
اپنی سرخ آنکھیں گاڑھ گیا۔

ابرش پاشا بھی ابرش خانزادہ بنی ہی نہیں۔ وہ کیار ہتی
زاران خانزادہ کے دل میں؟!۔ زاران خانزادہ اب
تلخی سے مسکرایا تھا۔

اگر دل میں نہیں رہتی نکال باہر کرو مجھے اور میری
بہن کو اس حویلی سے تاکہ عنایتیہ ایک اور ابرش پاشانہ
بنے۔ ہم بلڈی سک و مینز تم جیسے عظیم خانزادوں کے

لائق نہیں۔۔ دے دو بھرے جرگے میں طلاق ہم
دونوں بہنوں کو جیسے تمہارے عظیم لالانے
طلاق۔۔۔۔۔

ابرش!! زار ان نے چیختے ہوئے اپنا ہاتھ ہوا میں بلند
کیا۔۔ زار ان کا ہاتھ معلق ہوا ہاتھ اور اس کی گردن
اور پیشانی کی پھولتی رگیں دیکھ کر ابرش ہراساں

ہوتے دیوار میں سمائی تھی۔

زاران نے جبرے بھینچتے ہوئے اس کے کپکپاتے
وجود کو دیکھا تھا۔ دوسرے لمحے وہ اپنے ہاتھ میں پکڑی
شال اس کے وجود پر اچھی طرح اوڑھاتے اس کی کلائی
جکڑے تیز تیز قدموں سے مردانے سے ہوتا زنان
خانے کی طرف بڑھ گیا۔ زنان خانے میں اس وقت

سب موجود تھے۔ وہ سب کو نظر انداز کرتے ابرش کی
کی کلائی جکڑے سیڑھیاں چڑھتے اپنے کمرے کی
طرف بڑھ گیا تھا۔

کمرے میں داخل ہوتے دروازہ دھاڑ سے بند کرتے
ہوئے زار ان اسے بازو سے جکڑے صوفے پر دھکیل
گیا۔ اس سے پہلے ابرش صوفے سے اٹھتی وہ اپنا ایک

لھٹنے صوفے پر رکھتے اس پر جھکا۔

اب بتاؤ کیوں آئی تم مردانے میں کیوں آئی؟؟ زاران

اس پر جھکے اس کا جبرہ دبو چتے غراتے ہوئے پوچھا۔

تت۔۔۔ کک۔۔۔ کیسے۔۔۔ عنائیہ۔۔۔ کی۔۔۔ رخصتی۔۔۔ کا

فیصلہ تم لے سکتے ہو؟؟ ابرش نے زاران کی آنکھوں

میں آنکھیں گاڑھے جواب چاہا تھا۔

زاران اسے سرد نگاہوں سے دیکھتے تاسف سے سر نفی
میں ہلاتے اس کا جبرہ ایک جھٹکے سے چھوڑ گیا۔
ابرش پیچھے کو کھسکتی صوفی کے بازو کے ساتھ ٹیک لگا
گئی تھی۔

زاران اب منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنے اشتعال پر
قابو پاتے ہوئے کمرے کے وسط میں چکر لگا رہا تھا۔

میں جذباتی ہوں بلڈی سک وومین ہوں آپ کے
نزدیک؟؟ میں کھلے بالوں کے ساتھ مردانے میں
آئی۔ مگر تب جب اس پلوشہ نے مجھے بتایا کہ کس
طرح آپ سب نے میری عنایت کی رخصتی طے کر دی
ہے۔ کیا کرتی میں؟؟ عنایت کے ساتھ یہ ظلم ہونے
دوں۔ کیا مجبوری آگئی؟؟ جو میری سولہ سالہ اتنی کم

عمری بہن کی رخصتی کر رہے ہیں۔ اس در خزنئی خانزادہ
کے ساتھ!! کیونکہ اس کی جوانی نہیں سنبھل رہی۔
اور آپ سب خانزادوں کو اس کی ڈھلتی جوانی پر ترس آ
گیا ہے۔ جو میری کم عمر بہن کی رخصتی کروا رہے ہیں۔
وہ اب دن رات اس ایس پی کو بستر پر سہے گی؟؟۔
کیوں کر رہے ہیں عنائت کے ساتھ یہ ظلم۔ ابرش نے

زاران کو چکر لگاتے دیکھ کر ہذیانی انداز میں چیختے ہوئے
سوال کیے۔

تمہارے نزدیک رخصتی نکاح کا مقصد یہی ہے کہ مرد
عورت کی قربت؟؟ بستر پر ایک دوسرے کی
ضرورت؟؟ زاران نے رکتے ہوئے اسے قہر بار
نگاہوں سے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

ابرش زاران کے سوال پر صوفے سے اٹھتے زاران
کے مقابل ہوئی۔

مسٹر خانزادہ 23 سال کی ہوں میں !! 29 سال کے
آپ ہیں۔ مرد عورت کی اس بیسک نیڈز کو آپ سمجھ
کر انجان نہیں بن سکتے۔ مرد عورت سے نکاح اس
لیے نہیں کرتا کہ اسے ایک شوپیس کی طرح سجا کر

اپنے کمرے میں رکھ دے۔ مرد عورت سے نکاح
صرف اپنی جائز ضرورت پوری کرنے کے لیے کرتا
ہے۔ اپنی نسل بڑھانے کے لیے نکاح کرتا ہے۔ یہ
کوئی فلم یا ڈرامہ نہیں چل رہا جس میں نکاح میں ہوتے
ہوے بھی مسٹر ایس پی اپنی بیوی سے اپنا حق نہیں
لے گا۔ ایک کمرے ایک حویلی میں رہتے ہوئے وہ

اپنی بیوی کے قریب نہیں جائے گا۔ سنا ہو گا ایک غیر
محرم مرد عورت کے درمیان تیسرا شیطان ہوتا ہے۔
بھکنے پر آئے تو مرد غیر محرم عورت کو دیکھ کر بھکتے اپنی
ضرورت پوری کر لیتا ہے۔ تو مسٹر در خزئی خانزادہ
کیسے رہے گا اپنی جوان جہاں خوبصورت بیوی کے
بغیر !!! جس پر وہ حق رکھتا ہے۔

ایک رات نہیں نکال سکے گا وہ۔ میری بہن اپنے
خواب سب کچھ چھوڑ کر در خزنئی خانزادہ کو دن رات
سہے گی اور پھر اس کے بچے پیدا کرے گی۔ اور میری
طرح اسے بھی گھسٹتے ہوئے یہاں سے وہاں لا کر پٹنا
جائے گا۔ اور جس طرح آپ کی محبت صرف بستر پر
جاگتی ہے اس طرح وہ ایس پی بھی آدھی رات کے پہر

میری بہن کو اپنی بانہوں میں لیتے سانسوں سے مدھم
سرگوشیاں کرتے اس کی اہمیت جتائے گا۔ اور دن کی
روشنی میں وہ بھول ہی جائے گا اس کی بیوی اس سے کیا
چاہتی ہے؟! کیونکہ رات کو مرد بن کر تو وہ بستر پر
کمرے کی درودیوار ہلاتے اس پر اتنی مردانگی کی
دھاک بٹھا کر اسے باور کروا چکا ہو گا کہ وہ مرد ہے۔

اب عورت جیے یا مرے اسے کیا پرواہ؟؟ ابرش
زاران کے مد مقابل کھڑے ہوتے اس کی آنکھوں
میں آنکھیں ڈالے ایک ایک لفظ پر زور دیتے بولی
تھی۔

تمہارے نزدیک تم اور تمہاری بہن بہت مظلوم
ہو؟؟ عنایتیہ بہت کم عمر ہے۔ زاران نے ابرش کی

بھیلی آنکھوں میں دیکھتے آئی برواچکاتے استھزائیہ لہجے
میں استفسار کیا۔

کیا نہیں ہے وہ معصوم نہیں ہے وہ کم عمر؟؟ عنائیہ کی
جگہ عابیر ہوتی پھر بھی یہ سب کہتے؟۔ اس طرح اس
کی رخصتی کرتے۔ ابرش نے جواباً ہچکی لیتے استفسار
کیا۔

بھیلی آنکھوں میں دیکھتے آئی برواچکاتے استھزائیہ لہجے
میں استفسار کیا۔

کیا نہیں ہے وہ معصوم نہیں ہے وہ کم عمر؟؟ عنائیہ کی
جگہ عابیر ہوتی پھر بھی یہ سب کہتے؟۔ اس طرح اس
کی رخصتی کرتے۔ ابرش نے جواباً ہچکی لیتے استفسار
کیا۔

عابیر عنائے کی جگہ بھی ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ
عابیر میری بہن ہے اور عنائے تمھاری بہن!! زارا ان
کے استھزائیہ لہجے اور بات پر وہ سر نفی میں ہلاتے
زخمی ہنسی تھی۔

عنائے میری بہن نہیں ہے یہ بات تم نے کہی تھی اور
آج میں مانتا ہوں!! بہن صرف اپنی ہوتی ہے۔ عابیر

ہی میری بہن ہے جس کی رگوں میں وہ خون دوڑ رہا
ہے جو میری رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ اس لیے آج سے
ابھی سے میرا تمہارے بہن بھائیوں تمہاری ماں سے
میرا کوئی تعلق نہیں۔ زاراں سرد بر فیلے لہجے میں
بولتے ابرش کی آنکھوں کا گلابی پن کئی گنا بڑھا چکا تھا۔
بلکہ اس دن سے ہی جس دن تم نے عنایتیہ کو حویلی سے

بھگایا تھا۔ میں عنائے سے آہل سے زحلے پھوپھو پر اپنا
حق ختم کر چکا ہوں۔ جو کبھی میں تمھاری وجہ سے ان
پر اپنا حق گردانتا تھا۔ آج بھی مردانے میں بیٹھا میں
کسی بات میں نہیں بولا۔ آہل کی کسی بات کا جواب
نہیں دیا جب وہ مجھ سے عنائے کی رخصتی کے متعلق
استفسار کر رہا تھا۔

یہ سب کچھ ارحام لالا کے حکم پر ہوا ہے اور جس میں
زحلے پھوپھو عناسیہ آہل نے خود رضا مندی ظاہر کی
ہے۔ میں نے کسی سے کچھ نہیں کہا چاہو تو جا کر اپنے
بھائی اور اپنی ماں سے پوچھ لو۔ زار ان کے سپاٹ
اجنبیت بھرے لہجے پر ابرش نے گہرے سانس لیے
تھے۔ آنکھیں شدت گریہ سے گلابی ہوئیں۔

ارحام لالا کون ہوتے ہیں میری عنایتیہ کے بارے میں
فیصلہ لینے والے بولوہاں؟ اور آپ میری بہن کا نکاح
دھوکے سے کروا کر کیسے اب ہم سب پر سے اپنا حق
ختم کر سکتے ہیں۔ وہ اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے
پاگل ہوتے جیسے استفسار کر گئی تھی۔ اس کا اجنبیت
بھرا لہجہ اس کے اندر آگ بھڑکا گیا تھا۔ دل میں

اندھیوں کے جکڑ چلے تھے جیسے !!
تمہارے گھر والوں پر اپنا حق ختم کیا ہے تم پر نہیں کیا۔
نہ کبھی کروں گا۔ تم خود کو ابرش پاشا کہو یا بلڈی سک
وومین! رہو گی تو ہمیشہ مہری ہی !! جب جب ایسے خود
کو عیاں کرو گی ایسے ہی گھسیٹتے لاؤں گا۔ مگر اگلی بار تم
نے خود کو کسی بھی سچویشن میں عیاں کیا۔ گھسیٹتے

ہوے لا کر اس بند کمرے میں بکھارے ساتھ کیا
سلوک کروں اس کی گارنٹی میں نہیں دیتا۔ آئندہ میں
یہ چادر تن سے اتری نہ دیکھو۔ اس کمرے میں تم جیسے
چاہور ہو۔ چیخو چلاؤ مگر آئندہ تم ناپیٹی میں یا تسمیں
بغیر سر ڈھکے اس کمرے سے باہر دیکھا تو تم میرا وہ
غضب دیکھو گی جو آج تک چاہ کر بھی دکھا نہیں سکا۔

مگر ہر بار ایسا نہیں ہو گا یاد رکھنا۔ زار ان تشبیہ آواز میں
غرایا۔

کیا کرو گے مجھ سے لا تعلق ہو جاؤ گے؟؟ جیسے دودن
سے کمرے میں نہیں آئے یا پھر سات مہینے تک
لا تعلق ہو جاؤ گے۔ جیسے مجھے روتا بلکتا میرے گھر
پھینک آئے تھے۔ ابرش نے بھیگے لہجے میں استفسار

کیا۔

تم سے لا تعلق ہمیشہ اس لیے ہوا۔ کیونکہ جتنا غم و
اشتعال غصہ تم مجھے میرے اندر برپا کرتی ہو۔ اگر
غلطی سے بھی تمہارے قریب آ جاؤں تو تمہارا وجود
نہ رہے۔ تمہیں ہر ٹنہ کر دوں تم سے لا تعلق
ہونے کی وجہ ہمیشہ یہی رہی۔ مگر اب غلطی سے بھی تم

نے عطی کی مہار اوجود نہ بھی رہے کوئی عم نہیں۔
مگر زار ان خانزادہ کی عزت کو اب کچھ نہیں ہونا چاہیے
سمجھی تم!! زار ان برفیلے دھمکی امیز لہجے میں
پھنکارتے ہوئے اپنے بھاری قدموں کی بھاری دھمک
سے دروازے کی جانب بڑھا۔
آپ بھی ایک بات سمجھ لیں مسٹر خانزادہ!! عنائے کی

رہتی کسی قیمت نہیں ہوگی۔ آپ میری بہن کے
ساتھ نہ کھڑے ہوں مگر میں اپنی فیملی کو کبھی تنہا
نہیں چھوڑوں گی۔ میرا بھائی معذور ہے۔ بے بس سا
آپ سب خاندانوں کے درمیان بیٹھا تھا دیکھا میں
نے!! اس نے کیا فیصلہ لیا ہوگا؟؟ وہ تو مرعوب ہے
آپ خاندانوں کی دولت یہ بڑی شاندار سی حویلی اور

اس حویلی کے کارپورچ میں کھڑی قیمتی گاڑیوں کو دیکھ
کر!!

مگر میں نہیں ہوں مرعوب۔ میرے نزدیک دو ٹکے
کی بھی اوقات نہیں اس پیسے اس عیش و عشرت کی
میرے۔۔ اپنی بہن پر ظلم میں نہیں ہونے دوں گی۔
اب کی بار وہ کسی احسان تلے نہیں دبے گی۔ اسے کوئی

مجبور نہیں کر سکتا سمجھے آپ! ابرش کی باتوں پر وہ
مٹھیاں بھینچتے خود پر قابو پار ہاتھا۔
ابرش زاران کی چوڑی پشت کو بھیگی نگاہوں سے دیکھتے
واش روم کی طرف بڑھی۔ زاران اپنی شال گلے میں
جھٹکتے ہوئے اسی لمحے تیز تیز قدموں سے واش روم کی
طرف بڑھا

اس طرح نشہ اتارا جاتا ہے ایک نشئی کا جو ساری رات
شراب پی کر سو جاتا ہے۔ تمہارا نشہ اتر جائے یہ پانی
تمہارے سر پر بہنا ضروری ہے۔ زار ان اسے دونوں
بازوؤں سے جکڑے دیوار میں سمائے غرایا۔
جب نشہ دور ہو گیا تم کچھ سمجھنے کے قابل ہوئی تو مجھے
بتانا پھر تمہیں کچھ دکھاؤں گا۔ اسے دیکھتے ہی جھٹ

سے تم ہوش میں آ جاؤ گی۔ زار ان لفظ چباتے
استہزائیہ مسکرایا۔

ابرش گہرے سانس لیتے بھگتے ہوئے اسے دیکھ رہی
تھی دونوں پر روف شاور کا نیم گرم پانی گر رہا تھا۔
دیر نہیں کرنی چاہیے تمہیں دکھا ہی دینا چاہیے تاکہ
نشہ اتر جائے کمھارا۔ جو بن پے تم پر خماری طاری کر

در خزنئی خانزادہ جو خود کو ایماندار پولیس والا کہتے ہیں
جب بات اپنی بیوی پر آئی تو اپنی ہی وردی پر ہی داغ
لگانے کا باعث بن گئے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے
ایس پی در خزنئی خانزادہ کیا خود بھی اس گھناؤنے کام
میں ملوث ہیں؟؟۔ کیا وہ یہ سب کچھ اپنی کم عمر
خوبصورت بیوی سے خود کرواتے ہیں؟!۔ سکریں پر

ایک نیوز رپورٹر بے رحمی سے تجزیہ کر رہی تھی۔ ایک
طرف درحزئی اور عنائت کی فوٹیج چل رہی تھی۔ جب
وہ گولی لگے بازو کے ساتھ زخمی اسے کلائی سے پکڑے
اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔
ابرش بے یقینی سے یہ سب دیکھتے منہ پر ہاتھ رکھے
ہوئے تھی۔

زاران میں سچ کہہ رہی ہوں
میرا یقین کریں میری بہن
ایسا نہیں کر سکتی ہم لوگ امریکہ
میں رہے ہیں بہت برے
حالات تھے مگر شراب یہ
سب کچھ نہیں کیا مم میں

عنائیہ۔۔ ماڈ۔۔ ڈریسنگ۔۔ ضرور۔۔ کرتی۔۔
تھیں۔۔ مگر۔۔ ڈرنک۔۔ ڈرگز۔۔ بوائے۔۔
فرینڈ۔۔ نہیں۔۔ تھے۔۔ آپ۔۔ سے۔۔ پہلے۔۔
تو۔۔ کسی۔۔ مرد۔۔ نے۔۔ میرا۔۔ ہاتھ۔۔ تک۔۔
نہیں۔۔ پکڑا۔۔ تھا۔۔ عنائیہ۔۔ بھی۔۔ ایسی۔۔
ہے۔۔ بہت۔۔ معصوم۔۔ ابرش نے ٹوٹے لفظوں

سے بولتے ہچکیاں بھرتے زار ان کی شال مٹھیوں میں
جلڑے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔
نہیں آ رہا یقین وہ بار میں بیٹھی تھی کیسے یقین کروں
اس پر؟؟ زار ان خانزادہ بے رحمی سے بولا۔
کیوں نہیں کر سکتے وہ آپ کی بھی بہن ہے؟۔ ابرش
روتے ہوئے چیخی تھی۔ وہ میری بہن نہیں ہے بہت

بار تم جتا چکی ہو۔ اور مجھے بتاؤ تم مجھے یوں لسی عورت
کے پاس تن تنہا کمرے میں دیکھو تو کیا مجھ پر یقین کرو
گی۔ زار ان کی بات پر وہ گہرے سانس لیتے اس کی
شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔ وہ کیا کہنا چاہتا تھا وہ
سمجھ نہیں سکی تھی۔

بہت بار تم پلوشہ ستارہ کو لے کر مجھ پر الزام لگا چکی ہو۔

ستارہ کے ساتھ کافی شاپ پر بیٹھے دیکھ کر تم نے اس
کے ساتھ میرا فیر بنا دیا۔ پھر تم میرے پیچھے پارٹی میں
چلی آئی اور کہا مجھے منہ مارنے کی عادت ہے۔
کیونکہ جو تم نے دیکھا اور پھر وہی سوچا جو تم سوچنا
چاہتی تھی۔ مجھے تم نے کیا ستارہ کے ساتھ محبت بھری
جیٹ کرتے ہوئے دیکھا یا پھر intimate ہوتے

دیکھا بتاؤ مجھے۔

اس سب میں وہ ستارہ کہاں سے بیچ میں آگئی۔ ابرش
اس کی شال کو جکڑے اسے گلابی آنکھوں سے دیکھتے
سر دوسپاٹ لہجے میں بولی۔ اس کی intimate
ہونے والی بات پر وہ جیسے پاگل ہوئی تھی۔ پورے
وجود میں بھڑبھڑ بھانبر جلتے تھے۔

آئی نہیں میں لایا ہوں اسے مائی بیوٹیو فل وایف !!
جب تم اپنے شوہر کے متعلق غلط سوچ سکتی ہو تو
تمہیں کیا لگتا ہے یہ دنیا تمہاری بہن کو شریف سمجھے
گی۔ نہیں سمجھے گی۔ سب اسے مجرم سمجھ رہے ہیں۔
اگر نہیں بھی ہے تو میڈیا چیخ چیخ کر اسے ثابت کر دے
گا۔ لیکن ایک انسان ہے جو ڈٹ کر کھڑا ہے۔ اسے

آئی نہیں میں لایا ہوں اسے مائی بیوٹیو فل وایف !!
جب تم اپنے شوہر کے متعلق غلط سوچ سکتی ہو تو
تمہیں کیا لگتا ہے یہ دنیا تمہاری بہن کو شریف سمجھے
گی۔ نہیں سمجھے گی۔ سب اسے مجرم سمجھ رہے ہیں۔
اگر نہیں بھی ہے تو میڈیا چیخ چیخ کر اسے ثابت کر دے
گا۔ لیکن ایک انسان ہے جو ڈٹ کر کھڑا ہے۔ اسے

بے گناہ ثابت کرنے کے لیے۔ جانتی ہو وہ کون
ہے؟؟ زارا ان نے سر دلچے میں سوال کیا۔
کون؟! ابرش نے ہچکی لیتے سوال کیا۔
وہ دو نمبر ایس پی خزانہ مرد!! زارا ان نے ابرش کی
بھگی آنکھیں دیکھتے لفظ چبائے تھے۔
وہ تن تنہا کھڑا ہے اس وقت اس کے ساتھ؟؟ کسی کی

ہمت نہیں ہوئی کوئی اس سے عنائیہ کے بارے میں
ایک سوال بھی پوچھ سکے۔ اسے طعنہ بھی مار سکے۔
کیونکہ عنائیہ کے ساتھ در خزئی خانزادہ کھڑا ہے اسی
لیے پولیس اسے ہاتھ نہیں لگا سکی۔۔۔ زارا ان اپنے
لفظوں پر زور دیتے بولا تو ابرش کی آنکھوں سے بہتے
گرم سیال میں اضافہ ہوا تھا۔ وہ اس کی شال جکڑے

بری طرح رو رہی تھی۔

اور وہ اس بار میں پہنچی تمھاری وجہ سے!! زار ان کی

بے رحم بات پر ابرش کو جیسے چکرا آیا تھا۔

میری وجہ سے؟ ابرش نے اپنے سینے پر فنگر رکھتے

روتے ہوئے پوچھا۔

ہاں تمھاری وجہ سے!! تم نے اسے تن تنہا امریکہ

بھگانے کی کوشش کی۔ اس کے محرم رشتوں پر سمجھیں
اعتبار نہیں تھا۔ مگر اپنے دوست مائیکل پر اعتبار تھا۔
مائیکل کا نام لیتے ہوئے زارا ان کی آنکھیں مزید سرخ
ہوئی تھیں۔ وہ اپنی انگلیاں ابرش کے بازو میں بے
دردی سے گاڑھ گیا تھا۔ مائیکل اس کا دوست رہ چکا
ہے۔۔ جب سے اس نے یہ بتایا تھا وہ اندر سے انگلیٹھی

میں جلتے کوئلوں کی مانند دھک رہا تھا۔ مقابلہ پر سب
سے زیادہ غم و غصہ اسی بات پر تھا۔ جب اس نے
دھڑلے سے مائیکل کو اپنا دوست کہا۔ دو دن سے وہ
اندر سے جل رہا تھا۔ دماغ میں تپش کی لپٹیں اٹھ رہی
تھیں

ابرش نے اس کی انگلیاں بے دردی سے اپنے بازو میں

تھبتی محسوس کرتے درد سے سسکی لی تھی۔
وہ نہیں رہنا چاہتی تھی در خیزی کے ساتھ !! کیسے اسے
گھٹنا دیکھتی۔۔۔ مم۔۔۔ میرے۔۔۔ پاس۔۔۔ کوئی۔۔
حل۔۔۔ نہیں۔۔۔ تھا۔۔۔ وہاں۔۔۔ اس۔۔۔ کے۔۔
ساتھ۔۔۔ یہ۔۔۔ ہو۔۔۔ جائے۔۔۔ گا۔۔۔ مجھے۔۔۔ نہیں۔۔
معلوم۔۔۔ تھا۔

ابرش نے بمشکل بولتے اپنے سر کو ایک ہاتھ سے جکڑا
۔ قدموں نے کھڑے رہنے سے انکار کیا تھا۔ عنائے
کے ساتھ یہ سب کچھ ہوا وہ سہن نہیں کر پار ہی تھی۔
زاران لب بھینچتے ہوئے اسے دیوار کے ساتھ لگا گیا۔
اس کا بری طرح کپکپاتا بدن دیکھتے وہ ضبط کی انتہا پر تھا۔
۔ ابرش نے سسکتے ہوئے اپنے پاؤں کے انگوٹھے کو

اب بہت بری طرح رو رہی تھی۔

زاران کے سر دلچے پر ابرش کے رونے میں اضافہ ہوا
تھا۔

کیا ہوا ہے؟؟ کیا پوچھ رہا ہوں میں؟؟ زاران نے اس کا
بازو جکڑے سختی سے اسفسار کیا۔

کچھ نہیں ہوا مجھے؟؟ جائیں نیچے مردانے میں آپ کا

انتظار کیا جا رہا ہو گا۔ آپ کے لالانے بہت بڑی دعوت
کا جو انتظام کر رکھا ہے۔ ابرش سسکی لیتے بولتے ہوئے
اپنا سر گھٹنوں میں دے گئی۔

زاران لب بھینچے اسے ایسے روتے دیکھ رہا تھا۔ وہ
گھٹنوں میں سر دیے ہچکولے بھرتے بہت بری طرح
رورہی تھی۔

زار ان کچھ پل اسے ایسے روتے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے
اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے اسے اپنی بانہوں میں
بھرتے گود میں اٹھایا۔
چھوڑیں مجھے!! ابرش نے اس کی شرٹ جکڑے
روتے ہوئے کہا۔ وہ اپنا چہرہ روتے ہوئے موڑ گئی
تھی۔

چھوڑ دوں گا نہیں پکڑ کر رکھوں گا سمجھیں رات بھر!!
زار ان اس کے سرخ روتے ہوئے چہرے کو دیکھ کر
سپاٹ لہجے میں بولتے ہوئے واش روم سے باہر آیا۔
بیڈ کی طرف بڑھتے اسے نرمی سے بیڈ پر بٹھایا۔
ابرش نے اپنا زخمی پاؤں جلدی سے اوپر کی طرف
کھینچا۔

چھوڑ دوں گا نہیں پکڑ کر رکھوں گا تمہیں رات بھر!!
زاران اس کے سرخ روتے ہوئے چہرے کو دیکھ کر
سپاٹ لہجے میں بولتے ہوئے واش روم سے باہر آیا۔
بیڈ کی طرف بڑھتے اسے نرمی سے بیڈ پر بٹھایا۔
ابرش نے اپنا زخمی پاؤں جلدی سے اوپر کی طرف
کھینچا۔

زاران نے اس کی پنڈلی جکڑے اس کا پاؤں سختی سے
اپنی طرف کھینچا۔ اس کا زخمی انگوٹھا دیکھ کر وہ جبرے
بھینچ گیا تھا۔ ابرش کی اب سسکاریوں میں اضافہ ہو رہا
تھا۔ مقابل کا اس کے زخمی انگوٹھے کو چھونے پر اسے
پتہ نہیں کیوں درد ہو رہا تھا۔ وہ سر دچہرے کے ساتھ
ہی سہی میسجائی تو کر رہا تھا۔ اس کی ذرا سی نرمی پر وہ بے

حد درو رہی تھی

۔ زار ان اس کے انگوٹھے کی حالت دیکھتے ڈریسنگ روم
کی طرف بڑھا۔ ڈریسنگ روم کی کبرڈ سے میڈیکل
باکس نکال کر وہ ابرش کی طرف بڑھا جو بیڈ پر بیٹھے
اپنے انگوٹھے کو دیکھتے بہت بری چغیں چغیں مار مار کر
بچوں کی طرح رو رہی تھی۔

حد درو رہی تھی

۔ زار ان اس کے انگوٹھے کی حالت دیکھتے ڈریسنگ روم
کی طرف بڑھا۔ ڈریسنگ روم کی کبرڈ سے میڈیکل
باکس نکال کر وہ ابرش کی طرف بڑھا جو بیڈ پر بیٹھے
اپنے انگوٹھے کو دیکھتے بہت بری چغیں چغیں مار مار کر
بچوں کی طرح رو رہی تھی۔

زاران نے اس کے پاس بیٹھتے اس کے انگوٹھے کے
زخم کاٹن پر محلول لگاتے ہوئے اس کا زخم صاف کیا۔
ابرش اب بری طرح سسکاریاں بھر رہی تھی۔
کہاں لگی یہ چوٹ۔۔ زاران نے اس کے انگوٹھے پر
کاٹن کا دباؤ بڑھاتے خون روکتے پوچھا۔ ابرش نے درد
سے سسکاری لی !!

مردانے میں آرہی تھی راستے میں گملے سے پاؤں ٹکرا
کیا۔ ابرش نے روتے ہوئے بتایا۔

یہ درد اب کیوں اتنا زیادہ ہو رہا ہے؟؟ وہاں تو بڑے
سپاٹ انداز میں کھڑی تھی۔ نیچے سے اوپر بھی ٹھیک
طرح تم آئی۔

زاران نے انگوٹھے پر مرہم لگاتے نرمی سے پٹی کرتے

ہوے اس کے یوں بچوں کی طرح رونے پر سنجیدگی
سے دریافت کیا۔

کیونکہ اب میں یہ درد محسوس کر رہی ہوں۔ تب دل
میں زیادہ درد اٹھ رہا تھا۔ اس لیے جسم پر لگے چوٹ
کی پرواہ نہیں تھی۔ ابرش نے سسکی لیتے کہا۔
اب دل کا درد ختم ہو چکا ہے کیا؟؟ زارا ان پٹی کرتے

ہوے اسے ایک نظر دیکھتے استہزائیہ مسکرایا۔
پہلے سے زیادہ بڑھ گیا ہے اور اس درد نے میرے
پورے بدن میں استرائیت کرتے مجھے باور کروایا درد
جسم کا ہو یا جسم میں رہتے دل کا درد درد ہوتا ہے۔ اور
جس کا ہوتا ہے اس کا ہی ہوتا ہے۔
ابرش ہچکیوں سے بولتے اپنے سامنے بیٹھے ستم گر کو

دیکھتے اور بھی شدت سے رو پڑی تھی۔ جس کے
چہرے پر صرف استہزائیہ پن تھا۔ محبت نرمی کا شائبہ
تک نہ تھا۔

زاران خاموشی سے اس کی انگوٹھی کی پٹی کرتے اس
کی جانب دیکھا۔ ب وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے
سک رہی تھی۔۔ سردی سے وہ بہت بری طرح

کانپ رہی تھی۔ پورا بدن ہچکولے بھر رہا تھا۔
زاران خاموشی سے اسے دیکھتے ڈریسنگ روم کی طرف
بڑھ گیا تھا۔ ابرش تکیے پر لیٹتے رخ پلٹے بیڈ شیٹ
مٹھیوں میں بھرتے سسکنے لگی تھی۔

زاران ڈریسنگ روم سے واپس آیا تو وہ بلیک ٹراووزر
شرٹ لیس تھا۔ اس کے ہاتھ میں ابرش کی بلیک کلر کی

ناپٹی تھی۔

زاران کمرے کا الیکٹرک ہیئر آن کیے ابرش کی طرف
بڑھا۔ اس کا رخ سیدھا کیے وہ اس پر جھکا۔ ابرش اسے
بھیگی نگاہوں سے دیکھتے اس کے برہنہ سینے پر ہاتھ رکھ
گی۔ ت

اپنے مزید قریب کر گیا تھا۔

دونوں کی دہکتی سانشیں اب ایک دوسری کی سانسوں
میں گھلتے سانسوں کی آمد و رفت توڑ رہی تھی۔

اپنا حق نہیں لے رہا تم سے!! نہ اب لینے کا ارادہ ہے۔
تمہیں لگتا ہے کہ میری محبت بستر تک محدود ہے اور
مرد کو اپنی عورت بستر پر ہی یاد آتی ہے۔ آج کے بعد

تمہارے قریب نہیں آؤں گا۔ اور ہاں جب اتنی
خوبصورت جواں بیوی ہے میری ہے تو تمہارے
مطابق ایک مرد کمرے میں اپنی خوبصورت جواں
بیوی کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بلکہ ایک مرد تو غیر
عورت کو دیکھ کر بہک کر اس سے اپنی ضرورت پوری
کر لے۔ تو یہ بات بالکل سچ ہے میں بھی نہیں رہ سکتا۔

یہاں کمرے میں رہ کر اپنے جواں جذبوں سے مجبور ہو
کر تم سے حق لے کر تم پر ظلم کروں اب میں نہیں
کروں گا۔ زاران اس کے کان میں مدھم سرگوشی
کرتے اس کی کان کی لو کو بہت سختی سے دانتوں سے
کاٹ گیا تھا۔ ابرش نے درد سے سسکاری بھری۔
زاران اس کے تن سے ہر کپڑا جدا کرتے وہ ناپیٹی اسے

نرمی سے پہنا گیا تھا۔ لایٹ آن کرتے ابرش کی طرف
دیکھا جو اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھتے رخ موڑ گئی تھی
۔ زاران اس پر کمبل اوڑھاتے بیڈ سے اٹھتے ڈریسنگ
روم کی جانب بڑھا بلیک گرم ٹی شرٹ پہن کر وہ باہر
آتے ابرش کی طرف ایک بھی نظر ڈالے بغیر وہ لمبے
لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا تھا۔ ابرش کی گھٹی گھٹی

سکیوں میں اضافہ ہوا تھا۔

ریڈولہن کے لباس میں وہ دھمک رہی تھی۔ ٹوٹ کر
اس پر روپ آیا تھا۔ ڈیپ میرون ویلوٹ کے ہیوی کام
دار لہنگے پر ڈیپ میرون کلر کے فل اسٹین والے

ویلوٹ کے بلاوز میں وہ ملبوس تھی۔ نیٹ کافل کا مدار
دوپٹہ دلہن کی طرح سیٹ کیا ہوا تھا۔ ہیوی ماتھا پیٹی
بالوں پر سجائی ہوئی تھی۔ گلے میں ہیوی چوکر اور
کلائیوں میں ڈھیر ساری کانچ کی چوڑیاں پہن رکھی
تھیں۔ ڈیپ میرون لپ سنک ہو نوں پر لگار کھی
تھی۔ آنکھوں پر گولڈن کریبی شیڈز لگائے ہوئے

تھی۔ وہ دلہن کی طرح سچی اتنی خوبصورت لگ رہی
تھی کہ اس پر نظر نہیں ٹھہر رہی تھی۔ فی الوقت اس
نے خود پر میروں کلر کی ہی بے حد خوبصورت شال
اوڑھ رکھی تھی جس کی وجہ سے اس کے بدن کی
خوبصورتی چھپ رہی تھی۔ جسے اس نے مرر میں
دیکھتے اتار کر بیڈ پر رکھ دی تھی۔ لہنگے کا بلاوز بہت ڈیپ

تھا۔ پیچھے صرف ایک ڈوری سے منسلک تھا۔ اس کی
دودھیا پشت چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہی
تھی۔ اس کے نشیب و فراز کی گہرائیاں بہت حد تک
واضح ہو رہی تھیں۔ کندھوں سے نیچے تک اس نے
گولڈن گلٹری مساج کر رکھا تھا۔
وہ اپنے حسن کے تمام ہتھیاروں سے مکمل طور پر لیس

تھا۔ پیچھے صرف ایک ڈوری سے منسلک تھا۔ اس کی
دودھیا پشت چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہی
تھی۔ اس کے نشیب و فراز کی گہرائیاں بہت حد تک
واضح ہو رہی تھیں۔ کندھوں سے نیچے تک اس نے
گولڈن گلٹری مساج کر رکھا تھا۔

وہ اپنے حسن کے تمام ہتھیاروں سے مکمل طور پر لیس

تھی۔ اس پہاڑی مغرور خان کو وہ اپنے حسن کے
جال میں آج چاروں شانے چت کرنا چاہتی تھی وہیں
اس کا دل دھڑکتا کانوں میں بج رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا
آج دھڑک دھڑک کر باہر آ جائے گا۔ پورے بدن پر
کپکپی طاری تھی۔

رنگت سرخ قندھار رہی ہو رہی تھی۔ گالوں سے

تھی۔ اس پہاڑی مغرور خان کو وہ اپنے حسن کے
جال میں آج چاروں شانے چت کرنا چاہتی تھی وہیں
اس کا دل دھڑکتا کانوں میں بج رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا
آج دھڑک دھڑک کر باہر آ جائے گا۔ پورے بدن پر
کپکپی طاری تھی۔

رنگت سرخ قندھار رہی ہو رہی تھی۔ گالوں سے

وہ دلہن کی طرح در خزئی خانزادہ کے لیے تیار اسے اس
کا حق دینے کے دل و جان سے مکمل طور پر راضی
تھی۔ بلکہ وہ خود چاہتی تھی در خزئی خانزادہ مکمل طور پر
اسے اپنی روح میں سمالے۔ جیسے وہ اس ایس پی کو اپنی
روح میں سما چکی تھی۔۔۔
عنایتیہ نے بھیگی آنکھیں مر رہی گاڑھیں۔

تم کو نہیں معلوم میں تم سے
کتنی محبت کرتی ہوں
یاد میں تیری میں آہیں بھرتی ہوں
نظریں اٹھاؤں نظریں جھکاؤں
سامنے تو مسکائے
اتنا میں چاہوں تجھے

کوئی کسی کو نہ چاہے

در خزئی خانزادہ عنائیہ اب عنائیہ پاشا نہیں رہی۔ وہ
در خزئی خانزادہ بن چکی ہے۔ تمھاری سوین بن چکی
ہے۔

تمھاری صرف تمھاری کچھ نہیں چاہیے مجھے۔ نہ مجھے
وکیل بننا ہے۔ مجھے صرف در خزئی خانزادہ چاہیے۔

مجھے سر پھر اخانزادہ چاہیے۔ مجھے ایس پی در خزنئی
خانزادہ چاہیے۔۔ جیسے چاہتے ہو اب ویسے رہوں گی۔
تمہارے علاوہ تمہاری عنائیہ کو کوئی نہیں دیکھے گا۔
پورے پردے میں رہوں گی۔ سر سے پیر تک چادر
میں لپٹ کر! حویلی میں قید کر کے رکھو گے۔ میں
تمہاری پناہوں میں قید رہوں گی۔ عنائیہ نے مر رہی

اپنا خوبصورت علس دیکھتے ہوئے اپنی بھیلی آنکھیں
ہتھیلی سے رگڑیں تھیں۔

عنایتیہ نے مسکراتے ہوئے مرر میں دیکھتے ہوئے اپنی
خوبصورتی اپنے خوبصورت بدن کا گہرائی سے جائزہ لیا

وہ اس سے اپنا حق لینا چاہتا تھا بہت بار وہ اپنی خواہش کا

اظہار کر چکا تھا۔ آج وہ اسے اس کا حق دے کر اسے
اپنا مزید دیوانہ بنانا چاہتی تھی۔ مگر اس کا دل اتنی تیزی
سے دھڑک رہا تھا جیسے ابھی پہلو سے کر دھڑک کر
باہر نکل آئے گا۔ اس ایس پی خان کو وہ کیسے سہن
کرے گی یہ سوچ سوچ کر اسے ٹھنڈے پسینے آرہے
تھے۔ سوات کی اس برقیلی رات میں وہ بار بار پسینے میں

نہلا جاتی تھی۔ وہ غصے میں بھی تھا وہ اسے اپنی قربت
دیتے ہوئے اسے ہرٹ بھی کر سکتا تھا۔ یہ سوچتے ہی
عنائے کا نازک دل شدت سے دھڑکنے لگا تھا۔ ایک تو
خان تھا اوپر سے سر پھر خان!! حویلی کے سارے
خانزادوں کے دہشت والے روپ یاد کرتے ایک بار
پھر سے اس کے اوسان خطا ہوئے تھے۔ کتنی مشکل

سے اس نے خود کو تیار کیا تھا۔ اب پھر سے اس کی جان
شدت سے لرز رہی تھی۔۔ بدن کے مساموں سے
دھواں نکلنا شروع ہو گیا تھا۔

نہیں میرا خاندان حویلی کے خاندانوں جیسا نہیں ہے۔
عنایتیہ نے اپنے کندن دھمکتے نشیب و فراز کو دیکھتے سوچا
تھا۔ اگر وہ حویلی کے خاندانوں سے بھی دوہا تھ آگے

سے اس نے خود کو تیار کیا تھا۔ اب پھر سے اس کی جان
شدت سے لرز رہی تھی۔۔ بدن کے مساموں سے
دھواں نکلنا شروع ہو گیا تھا۔

نہیں میرا خاندان حویلی کے خاندانوں جیسا نہیں ہے۔
عنایتیہ نے اپنے کندن دھمکتے نشیب و فراز کو دیکھتے سوچا
تھا۔ اگر وہ حویلی کے خاندانوں سے بھی دوہا تھ آگے

ہوا۔

عنائیہ کا دل اب جیسے ہتھیلی پر دھڑکنے لگا تھا۔
اس کی پہلی کس یاد آئی تھی۔ جب اس نے اس
سانسوں کو کیسے بے رحمی سے گھوٹ دیا تھا۔ کیسی تپش
تھی اس کی سانسوں میں۔۔ انگارہ سانسیں تھیں اس
کی۔ اور جب وہ اس کے ساتھ لیٹ کر سویا تھا۔ اس کا

وجود اس کے ساتھ مس ہوتا اس پر باور کروا چکا تھا۔ وہ
اسے کتنی شدت سے محسوس کرتا ہے۔ آج رات وہ کیا
کیا نہیں کرے گا اس کے ساتھ؟؟ کیسے کیسے اپنا حق
لے گا اس کے ساتھ؟ عنائیہ نے اب نچلا لب دانتوں
تلے دبائے مرر میں خود کو دیکھا۔ جود لہن کا لباس اس
نے خود آرڈر کروایا تھا۔ اب اسے گھبراہٹ ہونے لگی

وجود اس کے ساتھ مس ہوتا اس پر باور کروا چکا تھا۔ وہ
اسے کتنی شدت سے محسوس کرتا ہے۔ آج رات وہ کیا
کیا نہیں کرے گا اس کے ساتھ؟؟ کیسے کیسے اپنا حق
لے گا اس کے ساتھ؟ عنائیہ نے اب نچلا لب دانتوں
تلے دبائے مرر میں خود کو دیکھا۔ جود لہن کا لباس اس
نے خود آرڈر کروایا تھا۔ اب اسے گھبراہٹ ہونے لگی

تھی۔ وہ خود چاہتی تھی کہ اس کا انگ انگ روئل ہو۔
اب اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اسے یہ لباس نہیں پہننا
چاہیے تھا۔ وہ اسے دیکھ کر بہک جائے یہی چاہتی تھی
کہ اس کی غلطی معاف کر دے۔ مگر جیسے جیسے وقت
قریب آ رہا تھا۔ اسے کی بدن کی لرزاہٹ بڑھتی جا
رہی تھی۔۔۔ وہ گہرے سانس لیتے بیڈ پر بیٹھی تھی۔

آج رات اسے در خزئی خانزادہ کو برداشت کرنا ہی تھا۔
وہ بھی تو اس کے بدن کی خوشبو اس کی قربت چاہتی
تھی۔ اس کی بانہوں میں رہ کر اس کی شدتیں
برداشت کرنا چاہتی تھی۔ جب وہ روح میں اتر چکا ہے
بدن میں بھی اترنا بھی برداشت کرنا پڑے گا۔ وہ
گہرے سانس لیتے بیڈ سے اٹھی تھی۔ دروازہ کھلنے کی

آواز پر اس کے دل کی رفتار نے سو سے سپیڈ پکڑی
تھی۔ وہ جلدی سے بیڈ سے اٹھتی گہرے سانس لیتے
پیچھے کو قدم بڑھاتی دیوار میں سمائی تھی۔
اس کے سامنے جانے سے ہی اس کی جان لرز رہی
تھی۔

درخشاں کے اندر داخل ہونے پر عنایت نے اپنی پیشانی

آواز پر اس کے دل کی رفتار نے سو سے سپیڈ پکڑی
تھی۔ وہ جلدی سے بیڈ سے اٹھتی گہرے سانس لیتے
پیچھے کو قدم بڑھاتی دیوار میں سمائی تھی۔
اس کے سامنے جانے سے ہی اس کی جان لرز رہی
تھی۔

درخشاں کے اندر داخل ہونے پر عنائے نے اپنی پیشانی

پر چمکتے قطرے صاف کیے۔

بھا بھی آپ کو باہر بلارہے ہیں۔ رسم کرنی ہے۔

درخشاں کی بات پر اس نے اثبات میں سر ہلاتے

ہوئے اپنی بڑی سی شال سے خود کو اچھی طرح لپیٹا اس

کے بدن کی تمام خوبصورتی اس شال کے نیچے چھپ

گئی تھی۔ وہ گہرے سانس لیتے باہر کی جانب بڑھی۔

ارحام اسفندیار خان شہرام خان زاران خان ابرش
پلوشہ حور پریدے زحلے زرتاج عابیر بہارے اور
حویلی کی تمام ملازمائیں اس وقت موجود تھیں۔ درید
اربہ سمیع اللہ مردانے میں موجود تھے۔ در خزنئی
خانزادہ کا ارحام خانزادہ کے علاوہ کسی سے کوئی خون
کارشتہ تھانہ اس کا کوئی رشتہ دار تھا۔ اس لیے

در خزئی کی طرف سے آج کی تقریب میں کوئی
شامل نہیں ہوا تھا۔ سچویشن کو دیکھتے ارحام نے کسی
کو انویٹ بھی نہیں کیا تھا۔

زحلے اسلام آباد والے واقعے سے واقف ہو چکی
تھیں۔ ابرش اور عنائیہ سے انہوں نے بات چیت

بند کر رکھی تھی۔ وہ صوفے پر لا لعلق سی بیٹھی
تھیں۔ رورو کر ان کی آنکھیں سرخ تھیں۔
اس بار تو آہل بھی ابرش سے خفا تھا۔ اس وقت وہ
زنان خانے میں موجود نہیں تھا۔
زاران خانزادہ کا رویہ اور در خزئی کی سنجیدگی پر وہ
بے حد پریشان تھا۔ در خزئی کی سنجیدگی سمجھ آرہی

کھی مگر زار ان کالا لعلق رویہ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ دو
دن میں اس نے عنائیہ کے حوالے سے کسی بات
میں دلچسپی نہیں لی تھی۔ نہ وہ در خزئی سے بات کر
رہا تھا۔ در خزئی بھی زار ان سے بات نہیں کر رہا تھا۔
وہ در خزئی خانزادہ سے زیادہ زار ان کے رویے سے
بے حد پریشان تھا۔ دل سے زار ان کی عزت اور

محبت بھی بے حد کرتا تھا۔ بلکہ بہت زیادہ وہ زار ان
کو اہمیت دیتا تھا۔ بابرک کی پستل سے نکلی گولی تک
زار ان خود پر کھانے کو تیار تھا۔ اس کی وجہ سے
زار ان نے بہزاد خان کو اپنا سب سے بڑا دشمن بنا دیا
تھا۔ عنائت کو بہزاد کے چنگل سے آزاد بھی تو زار ان
نے کروایا تھا۔ وہ زار ان کے احسانات کبھی نہیں

بھول سکتا تھا۔ اس لیے زار ان کی لا تعلقی اسے کافی
چبھ رہی تھی۔ بلکہ اس کا مضبوط دل اندر سے رو رہا
تھا۔

وہ مردانے میں ہی الگ تھلگ بیٹھا ہوا تھا۔ اپنی
دونوں بہنوں کو لے کر بہت پریشان تھا۔ زنان
خانے میں آنے کی اس کی ہمت ہی نہیں ہوئی تھی۔

عنائیہ کی رخصتی کے بعد وہ زحلے اور زرتاج کو لے
کر اسلام آباد شفٹ ہونے کا ارادہ رکھتا تھا۔ جانے کا
ارادہ تو اس کا امریکہ کا تھا۔ مگر اپنی بہنوں کو وہ یہاں
پاکستان چھوڑ کر نہیں جاسکتا تھا۔ جان سے پیاری
اتھیں سے اپنی بہنیں۔۔

اس وقت زنان خانے کے وسط میں آتش دان جل
رہا تھا۔ جس کی وجہ سے لاونج بے حد گرم تھا۔
زاران اسفندیار خان ایک ہی صوفے پر بیٹھے تھے۔
ارحام شہرام خان ایک صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔
سب ہی اس وقت سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس
تھے۔ ارحام خانزادہ نے جیب سے پانچ پانچ ہزار

کے بے تحاشا نوٹ نکالتے پر یزے کو اشارہ کیا تھا۔
پر یزے بھاگتی ہوئی آئی تھی۔ ار حام نے بہت
سارے نوٹ پر یزے پر وارے تھے۔ یہ باقی پیسے
پکڑیں بہرام بھائی کے سر سے واریں۔ جیسے میں نے
ابھی کیا ویسے۔۔ ار حام نے پر یزے کو نوٹ

پکڑائے تھے۔ پریذے بھاگتی ہوئی شہرام کی طرف
بڑھی تھی۔ بہرام کے سر سے وہ پیسے وارے۔
شہرام نے مسکراتے ہوئے پریذے کو سینے سے
لگائے اس کی پیشانی پر کس کی۔ چاچو میں کیسی لگ
رہی ہوں۔ پریذے نے گھومتے ہوئے پوچھا۔

سب سے پیاری آج صرف پرینڈے ہی لگ رہی
ہے۔ بہرام سے بھی زیادہ پیاری۔ شہرام نے
مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

آئی نوچاچو میں بہرام سے زیادہ پریٹی لگ رہی
ہوں۔ پرینڈے اپنے باری فراک میں اچھلتے ہوئے
بولی تھی۔

پرینڈے ادھر آؤ!! اسفندیار خان نے اسے بے تابی
سے اپنی طرف بلایا۔

جی چاچو!! اوہ اسفند کی طرف بڑھی۔ اسفند نے
اسے اپنے سینے سے نرمی سے لگاتے اس کے بالوں کو
چومتے اس کی دونوں ہتھیلیوں پر نرمی سے لب
رکھے تھے۔

پریذے سچ میں بہت پریٹی لگ رہی ہے۔ اسفند نے
اس کے سرخ پھولے ہوئے گال پر نرمی سے ہاتھ
رکھا۔

یس چاچو!! میں آج ماما سے بھی زیادہ پریٹی لگ رہی
ہوں۔

میری ڈریس ماما کے ڈریس سے زیادہ پیاری ہے۔
اور میری جیولری بھی۔ پریذے نے اپنے گلے میں
پہنی بچوں والی خوبصورت سی موتیوں والی ڈفرنٹ
کلرز والی مالا کی طرف اشارہ کیا۔ اسفند اس کی
معصوم حرکتوں پر ہنس پڑا تھا۔ پریذے بھاگتی ہوئی
حور کی طرف بڑھی۔

ماما آپ نے dress کیوں پہنچ کیا؟؟ وہ زیادہ
بیوٹفل تھا۔ پریذے نے حور کو دیکھتے پوچھا تو حور
گلاب کی طرح سرخ ہوتے اپنے سامنے بیٹھے ارحام
کو ایک نظر دیکھتے نظریں جھکا گئی تھی۔
پریذے کی بات پر وہاں بیٹھی سب خواتین کی نگاہیں
حور پر اٹھیں تھیں۔ جو اس وقت بلیک کلر کی ویلوٹ

کی بے حد خوبصورت لائنگ فرائک میں ملبوس تھی۔
ارحام نے پریذے کی بات اور حور کے بری طرح
بلیش ہونے پر جھنجھلاتے ہوئے پہلو بدلاتھا۔
حور کی بے تحاشا سرخ رنگت جھکی پلکیں سب کو
سب کچھ سمجھا گئی تھیں۔ ارحام نے اپنے گیلے نم زدہ
بالوں میں جھنجھلاتے ہوئے انگلیاں پھیریں۔ وہ اس

وقت بلیک کلر کی شلوار میمض پر بلیک ہی کلر کا کوٹ
پہنے ہوا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں ایک گھنٹے سے بھی
زاید وقت گزار کر آیا تھا۔ اور اس نے بھی کپڑے
چینج کیے تھے۔ اسی وجہ سے سب کی متجسس نگاہیں
خود پر اور حور پر بڑے محسوس کرتے وہ جھنجھلا کر رہ
گیا تھا۔

اسفند شہرام اور زاران کے لبوں پر ہلکا سا تبسم چھایا
تھا۔

اسفند یار خان کو کھانسی کا دورہ پڑتا محسوس کرتے
دیکھ کر زاران نے اسے کاٹ دار نگاہوں سے گھورا
تھا۔ وہ زاران کے گھورنے پر اپنی کھانسی پر قابو پا گیا
تھا۔

Tell me Mama, why did
you change that dress? It
was prettier. That lipstick
.was also more beautiful

پریذے نے معصومیت سے حور کو دیکھتے پوچھا تھا۔
اب وہ بہت سمپل سی تیار تھی۔ جیولری میں صرف

ہیرے کے ٹاپس پہنے ہوئے تھے۔۔ کلائیوں میں
صرف ایک بریسٹ پہنا ہوا تھا۔ لپ سٹک بھی بہت
لائٹ لگائی ہوئی تھی۔ جو پریدے کو ذرا پسند نہیں
آئی تھی۔ اسے ڈارک لپ سٹک اور ہیوی جیولری
پسند تھی۔۔

پریذے جان!! آپ بہت پیاری لگ رہی ہو۔ آپ
کاہیر سٹائل کس نے بنایا؟؟ حور نے بات بدلتے
پریذے کا ہاتھ پکڑتے اس کی ہتھیلی نرمی سے چومتے
پوچھا تھا۔

عابیر پھوپھو نے بنایا۔ پریذے نے نروٹھے انداز میں
حور کو دیکھتے جواب دیا تھا۔ اسے اتنی سمپل سی اپنی ماما

بلکل پسند نہیں آئی تھی۔ اس نے حور کو نروٹھے
انداز میں حور کو دیکھتے ارحام کو گھور کر دیکھا تھا۔
جس کی وجہ سے حور نے وہ ڈریس چینج کیا تھا۔ اسے
پہلی مرتبہ اپنے باپ پر بھی بہت غصہ آیا تھا۔
پریذے جان!! حور نے پریشان ہوتے اسے پکارا۔
وہ منہ پھلائے بیٹھی تھی۔ پریذے بات سنیں میری

جان!! وہ ڈریس میں پھر کسی دن پہن لوں گی۔ حور
نے پریذے کا ہاتھ پکرتے اسے اپنے قریب کیا تھا۔
وہ منہ پھلائے اس سے مزید دور ہوئی تھی۔
ارحام نے اب حور کو گھور کر دیکھا تھا۔ جو بات ختم
کرنے کی بجائے بڑھا رہی تھی۔ پریذے بچی تھی وہ
تو سمجھدار تھی۔ اس کے روٹھنے پر وہ ایسے ہی پریشان

ہو جاتی تھی۔ اور پریدے بھی اب جان بوجھ کر اس
سے بات بات پر ناراض ہونے لگی تھی۔ اور لاونج
میں وہاں بیٹھے سب ہی اس وقت پریدے اور حور کی
طرف ہی متوجہ تھے۔ ارحام خانزادہ کو سمجھ نہیں
آ رہا تھا ماں بیٹی میں سے آخر کس کہ ڈانٹ کر
خاموش کروائے۔

I know Papa removed your
lipstick. Papa didn't like
that dress and your makeup,
.but Mama, I liked it

پریذے منہ پھلائے بولی تھی۔

نہیں پر یزے جان۔۔۔ مم۔۔۔ پاپا۔۔۔ نے وہ لپ۔۔۔
سٹک۔۔۔ ریمو نہیں۔۔۔ کی۔۔۔ مم۔۔۔ میں۔۔۔
نے۔۔۔ خود۔۔۔ لٹو۔۔۔ سے۔۔۔ کی تھی۔ پاپا کو تو
وہ ڈریس بہت پسند آیا تھا۔ وہ تو میری بہت تعریف
کر رہے تھے۔ حور نے اٹکتے ہوئے جلدی سے
وضاحت دی تھی

حور کے وضاحتی انداز پر اسفندیار خان منہ پر ہاتھ
رکھتے کھانسا تھا۔ اب کی بار وہ اپنی کھانسی پر قابو نہ پا
سکا تھا۔

شہرام خان اور زاران نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔
شہرام خان کو اسفندیار کی ایسے موقعوں پر کھانسی ایک
آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ بلکہ اسے اپنے سالے اسفندیار

خان کی کوئی بات ہی نہیں بھاتی تھی۔ اور زارا ان تو
آج کل ہنسنے کی پوزیشن میں ہی نہیں تھا۔ ایسی باتوں
سے وہ صرف وہ بھڑ بھڑ جلتا ہی تھا۔ اپنے لالا کا بدلہ
ہواڈریس اور نم زدہ بال دیکھتے ہوئے تو وہ تو اب
اپنے مرد ہونے پر سچ میں لعنت ہی بھیج رہا تھا۔

حور کی بات اور اسفند کی بے وقت کھالسی پر ارحام
کی رنگت اب اچھی خاصی سرخ ہوئی تھی۔۔ حور
نے سرخ ہوتے بیچارگی سے ارحام کو دیکھا تھا۔
ارحام کی سر دنگاہ پر وہ روہانسی ہوئی تھی۔ باپ بیٹی
دونوں اس سے ناراض ہو چکے تھے۔ اور غلطی بھی
باپ بیٹی خود کی ہی تھی۔۔

ماشاء اللہ نظر بد سے بچائے ہمارا دونوں بچہ کو!! اس
سے پہلے روزینہ خانم اس سجویشن میں طنز کے تیر
برساتی امینہ خانم ارحام کے سرخ چہرے کو دیکھتے
جلدی سے صوفے سے اٹھتے حور کی طرف
بڑھیں۔ انہوں نے جھکتے ہوئے اس کی پیشانی نرمی

سے چومی۔ اپنے ہاتھ میں پکڑے پانچ پانچ ہزار کے
کئی نوٹ اس پر وار دیے تھے۔

اللہ ہمارا ارحام کو بیٹا دے ہمارا تو یہی دعا ہے۔ امینہ
خانم نے دعا دیتے ہوئے حور کی پیشانی ایک بار پھر
سے چومی تھی۔ اب وہ پرینڈے سے پیسے وارتے
بہرام کی طرف بڑھ گئی تھی۔ حور نے امینہ خانم کی

دعا پر گلابی ہوتے ارحام کو دیکھا جو اسے ہی گرم
حدت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔
ارحام کی حور پر ڈلنے والی نگاہ میں گرمی اور حدت
تھی۔ ارحام اب اسے دیکھتے مسکرا رہا تھا۔ حور کی
آنکھوں میں آنسو وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ
اس کے سنجیدہ چہرے کو دیکھ کر اس وقت پریشان ہو

رہی تھی۔ اپنی خوبصورت بیوی کا بے حد
خوبصورت چہرہ اس کا غصہ دور کر چکا تھا۔ تنہائی میں
وہ اسے پریدے کے معاملے میں نرمی سے سمجھانے
کا ارادہ رکھتا تھا۔ بیٹی کی ماں ہوتے اسے سٹرونگ
ہونا چاہیے تھا۔ اگر بیٹی کے ناراض ہونے پر وہ
رونے لگ جایا کرے گی تو بیٹی کل کو کیسے سٹرونگ

بنے گی۔ اپنی بیٹی کو وہ بہت سٹرونگ دیکھنا چاہتا تھا۔
سلطان شاہ کی بیٹی ہونے کے باوجود حور کو تقدیر کیا
حالات دکھا چکی تھی۔ اپنی بیٹی کو لے کر وہ اندر سے
کافی ڈر گیا تھا۔ اس لیے وہ محبت کے ساتھ اس سے
تھوڑا سختی بھی کرتا تھا۔ تاکہ وہ دنیا کا ایک رخ ہی نہ
دیکھے۔ اسے گرم سرد حالات برداشت کرنا لوگوں

کے رویے پر کھنا آتا ہو۔ جو اسے باہر کی دنیا اور
حالات سکھائے وہ اپنی بیٹی کو خود سکھا دینا چاہتا تھا۔
ارحام کے مسکراتی نگاہوں سے دیکھنے پر حور بھی گہرا
سانس لیتے جو اب مسکرائی تھی۔ ارحام نے اپنے
ہونٹوں کو سکڑاتے ہوئے اسے نا محسوس انداز میں
فلاینگ کس کی تھی۔

حور ارحام کی فلائنگ کس پر پہلے سے زیادہ ٹھل کر
مسکرائی تھی۔ دونوں اب ایک دوسرے کو دیکھتے
مسکرا رہے تھے۔ ارحام خانزادہ کسی کی بھی پرواہ
کیے بغیر اپنی بیوی کو گہری نگاہوں سے دیکھتے
آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے ذو معنی اشارے کر رہا
تھا۔ ارحام کے ذو معنی اشاروں کا مطلب سمجھتے

ہوے حور مسکراتے ہوے گلاب کی طرح سرخ
پڑتے اسے ادائیں دکھاتے ہوے گھور رہی تھی۔
ارحام اس کے گھورنے پر پہلے سے زیادہ ذومعنی
اشارے کرتے ڈرنے کی ایکٹنگ کرتے اسے دیکھ رہا
تھا۔ حور گلاب کی طرح سرخ پڑتے نظریں جھکاتے

بھی شر میلہ سا مسکراتی بھی ارحام کی آنکھوں میں
دیکھتے مسکراتی تھی۔

وراور ارحام کا انٹرکشن دیکھتے ہوئے ابرش کی
نگاہیں بے اختیار زار ان کی طرف اٹھی تھیں۔۔ جو
منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے موبائل میں کچھ ٹائپ
کرتے مسکرا رہا تھا۔ ابرش نے مٹھی دبوچتے ہوئے

گہرا سانس لیا تھا۔ آنکھیں اسی لمحے گلابی ہوئی
تھیں۔ وہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی کہ مگر
زاران نے اسے ایک نظر نہیں دیکھا تھا۔ ابرش نے
اپنے ہاتھ میں پکڑے موبائل کا فرنٹ کیمرہ آن
کرتے خود کو دیکھا تھا۔ اپنے خوبصورت نقوش

دیکھتے اس نے زار ان خانزادہ پر اپنی گلابی ہوتی نگاہیں
گاڑھیں۔

وسیاہ شلوار قمیض پر سیاہ شال کندھوں پر ڈالے
زار ان خانزادہ کی جان لیوہ بارعب بے حد وجیہ
پر سنیلٹی آج ضرورت سے زیادہ پرکشش اور جان
لیوہ لگ رہی تھی۔ اپنی ہلکی گھنی بئیر ڈوہ انگلیوں

سے سہلاتے ابرش کو اس وقت جان لیوہ ہی لگا تھا۔
وہ آج بے حد خوش بھی لگ رہا تھا۔ ابرش اس کے
عنابی لبوں پر بکھرتی مسکراہٹ کو بغور دیکھ رہی
تھی۔

خود پر اپنی نازک بے انتہا خوبصورت بے حد جذباتی
بیوی کی نگاہوں کی تپش محسوس کرتے زارا نے

موبائل سے نگاہ ہٹاتے ابرش دیکھا۔ جو اسے دیکھتے
سرد سپاٹ انداز میں بے رخی سے اپنی نگاہیں پھیر
گئی تھی۔ ابرش کی بے رخی پر زار ان نے بھی اپنی
شال گلے میں جھٹکتے اپنی نگاہوں میں سرد پن کا تاثر
پیدا کیا تھا۔

ابرش نے اپنے کیو ٹکس لگے ناخنوں کو دیکھتے گہرا
سانس بھرتے اپنا نچلا لب کاٹتے پھر سے زار ان پر
نگاہ ڈالی جو صوفے سے ٹیک لگائے اپنی ہلکی گھنی
بیر ڈانگلیوں سے سہلاتے سرد سپاٹ نگاہوں سے
اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ ابرش نے بھی جواباً سرد سپاٹ
بے تاثر نگاہوں سے زار ان کو دیکھا تھا۔ اب دونوں

ایک دوسرے کو بے رخی اور سرد و سپاٹ اجنبیت
بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ دونوں کی کاٹ
دار تیکھی نگاہوں میں سرد اور برفیلے پن کی امیزش
بڑھتی جا رہی تھی۔ زارا نے اسے سرد نگاہوں
سے دیکھتے استہزائیہ مسکراتے ہوئے اپنے آئی برو

اچکائے تھے۔ جواباً برش نے بھی استہزائیہ
مسکراتے ہوئے اپنی تیکھی چتون اچکائی تھی
۔ زاران اس کے ایکٹ پر اسے سرد نگاہوں سے
دیکھتے اپنے گلے میں شال جھٹکتے موبائل پر ایک نمبر
ڈائل کرتے فون کان سے لگائے اسی وقت تیز تیز
قدموں زنان خانے سے نکل گیا تھا۔

زاران کو زنان خانے سے باہر جانا دیکھ کر ابرش کو
اپنی سانسیں گھٹتی محسوس ہوئی تھیں۔ اس کی بھیگی
جلتی نگاہوں نے دور تک زاران کی چوڑی پشت کو
دیکھا تھا۔ زاران خانزادہ کے ہنسنے کی آواز پر ابرش
نے اپنے گلے پر ہاتھ رکھتے اپنا چوکر کو بے دردی سے

کھینچا تھا۔ آنکھوں کی رنگت گلابی پن سے سرخ ہوئی
تھی۔

وہ اب مٹھیاں دبوچے گہرے سانس لیتے بمشکل خود
پر قابو پار ہی تھی۔ اس کی جلتی بھیگی نگاہیں زنان
خانے کے بڑے سے منقسم دروازے پر تھیں۔
جہاں سے زار ان گیا تھا۔۔۔ وہ اپنے چوکر کو آگے

سے بے دردی سے کھینچتے دروازے پر ہی نگاہیں
گاڑھے ہوئے تھی۔ زار ان کا سر دین لا تعلقی بھرا
رویہ اس وقت اس کے اندر بارود دھکائے ہوئے
تھا۔ اس کے گانے کے لر عکس ابھی تک اس کی
سماعتوں میں گونج رہے تھے۔ وہ اس سے بہت زیادہ
تنگ آچکا تھا وہ جانتی تھی۔ کمرے میں اس کے

خوبصورت وجود کو وہ کیسے اگنور کر گیا تھا۔ اس کی
ڈوریاں باندھتے ہوئے بھی اس نے اسے چھوا نہیں
تھا۔

ورنہ وہ ناراضگی میں بھی بے باکی سے اسے چھوتا
ضرور تھا۔ اور قریب آنے کے لیے مراجاتا تھا۔

لیلین آج نہ پاس آنے کی کوشش کی تھی۔ نہ اسے
اس کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔ اور یہ تو وہ اسے
کل ہی کہہ چکا تھا وہ اسے اب چھوے گا نہیں۔۔ اور
کل سے ہی اس کے لفظ یاد کرتے وہ دہکتا تند ورنی
ہوئی تھی۔

عنائیہ کے لاونج میں داخل ہونے پر ابرش صوفے
سے اٹھتے ہوئے جلدی سے اس کی طرف بڑھی۔
وہ نظریں جھکائے شال اچھی طرح خود پر لپیٹے ہوئے
تھی۔ اس کا بدن اچھی طرح چھپا ہوا تھا۔ دوپٹہ بھی
ایسے سیٹ کیا ہوا تھا اس کا ایک بال تک نظر نہیں آ
رہا تھا۔

بہت پیاری لگ رہی ہو عنائیہ !! ابرش نے اسے
محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے کہا۔
عنائیہ نے مسکراتے ہوئے ابرش کو دیکھتے سامنے
سے آتے در خزئی خانزادہ کو دیکھا تھا جو اس پر بنا کوئی
نگاہ ڈالے صوفے کی جانب بڑھ گیا تھا۔

در خزئی خانزادہ کا سنجیدہ اور سرخ چہرہ دیکھتے عنائتہ کا
تیزی سے دھڑکتا دل پہلے سے بھی زیادہ شدت سے
دھڑکنے لگا تھا۔ وہ جی جان سے کانپ کر رہ گئی تھی۔
کیا ہو عنائتہ کانپ کیوں رہی ہو میری جان؟؟ ابرش
نے اس کا کپکپاتا ہاتھ نرمی سے تھاما۔

سردی لگ رہی ہے آپہ !! عناسیہ نے بھیلی نگاہیں
در خزنئی پر گاڑھے لرزتی آواز میں کہا۔ سامنے بیٹھے
بے حد خوبروالیں پی سے جب سے محبت ہوئی
تھی۔ وہ پہلے سے زیادہ اس سے ڈرنے لگی تھی۔
دل اسے کھونے کے خوف سے بھی اب شدت سے
لرزنے لگا تھا۔

سردی لگ رہی ہے آپنی!! عناسیہ نے بھیلی نگاہیں
در خزنئی پر گاڑھے لرزتی آواز میں کہا۔ سامنے بیٹھے
بے حد خوبروالیں پی سے جب سے محبت ہوئی
تھی۔ وہ پہلے سے زیادہ اس سے ڈرنے لگی تھی۔
دل اسے کھونے کے خوف سے بھی اب شدت سے
لرزنے لگا تھا۔

ابرش!!! اس کو در خزئی کے پاس بٹھاؤ!! بچی ہے ایسا
وقت میں بچیاں گھبرا جاتی ہیں۔ امینہ خانم نے عنائے
کو لرزاتے دیکھ کر کہا تھا۔ زحلے عنائے کو دیکھ کر
صوفے سے نہیں اٹھی تھی۔ وہ اپنی چادر سے
مسلسل اپنی آنکھیں مسل رہی تھیں

ابرش عنائے کو سبب بنی نگاہوں سے دیکھتے اسے بازو
سے نرمی سے تھامے در خزئی خانزادہ کی طرف
بڑھی۔ عنائے کو بہت نرمی سے اس نے در خزئی کے
پہلو میں بٹھایا۔

عنائے کے قریب بیٹھنے پر در خزئی کھسک کر اس سے
تھوڑا دور ہو کر بیٹھا تھا۔ در خزئی کو خود سے دور ہوتا

دیکھتے عنائے نے اپنا نچلا لب بے دردی سے کاٹ
گئی۔ اپنے اور در خزئی خانزادہ کے درمیان کچھ فٹ کا
فاصلہ دیکھتے اس کی شفاف کانچ سی خوبصورت
آنکھوں میں نمکین پانی آن ٹھہرا تھا۔ یہ فاصلہ اسے
سوئی کی طرح چبھاتا تھا۔

ماشاء اللہ نظر نہ لگے چاند سورج کا جوڑی ہے۔ امینہ
خانم نے ان کی طرف بڑھتے ان دونوں پر پیسے
وارے۔

عنایت کی بھیگی نگاہیں در خیزی خانزادہ پر ہی تھیں۔
جس کے چہرے پر سنجیدگی کے ساتھ سرد پن کی

گہری رمل بھی شامل تھی۔ جہاں خوشی کا کوئی تاثر
نہ تھا۔ وہ تو مسکرا بھی نہیں رہا تھا۔

امینہ خانم نے پاس کھڑی ملازمہ کے ہاتھ سے ایک
کیس پکڑا۔ اس میں سے سونے کے کڑے نکالتے
ہوئے وہ عنائتہ کی طرف بڑھتی اس کے قریب
صوفے پر بیٹھیں۔

یہ در خزئی کا مورے کے کڑے ہیں۔ جس دن
تمہارا اور در خزئی کا نکاح ہوا تھا۔ اس دن اس نے اپنا
مورے کا سارا زیور ہمارے حوالے کر دیا تھا کہ سارا
زیور ہم اس کا مورے کا جگہ ہونے کا واسطے ایک
ساس کی طرح تمہیں یہ سارا زیور ہم اپنا ہاتھوں
سے دے۔ سارا سموں کو جانتا ہے ہمارا اور خزئی!

! یہ ساراز پور ایک ساس اپنا بہو کو دیتا ہے۔ اگر
در خزئی کا مورے آج زندہ ہوتا وہ تم کو اپنا ہاتھوں
سے ساراز پور دیتا۔

امینہ خانم کی بات پر در خزئی نے پہلو بدلتے اپنی
سرخ آنکھیں انگلیوں سے مسلی تھیں۔ اس نے منہ
پر ہاتھ رکھ کر یکدم ہلکا سا کھانستے ہوئے گہرا سانس

لیتے ہوئے اپنے لھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے
ہوئے چھت کی طرف دیکھا تھا۔ کسی کے سامنے
اس کی آنکھوں سے پانی بہے اسے گوارا نہ تھا۔
یہ کڑے تو خاص طور پر در خیزی نے تمھیں نکاح
والے دن دینے کو کہا تھا۔ مگر نکاح جس طرح ہوا
ابرش نے بتایا کہ زارا نے تم کو بہکا کر نکاح

کر وایا۔ اس وقت ہم کو یہ کڑے دینا مناسب نہیں
لگا تھا۔ امینہ خانم نے سنجیدگی سے کہتے عنائیہ کی کلائی
تھا متے اسے وہ کڑے پہنائے۔

یہ کڑے در خزئی کو بہت عزیز ہے۔ بہت سنبھال کر
رکھا اس نے آج تک۔۔ وہ کہتا ہے ان کڑوں پر اس
کا مورے کا لمس ہے۔ اس کا مورے ہر وقت پہنے

رکھتا تھا۔ جب اس کا سانسیں بند ہو اتب بھی پہنے
ہوے تھا۔ اس کو سنبھال کر رکھنا۔ امینہ خانم نے
نرمی سے عنائیہ کو بتایا تھا
عنائیہ نے امینہ خانم کو نم نگاہوں سے دیکھتے اثبات
میں سر ہلایا تھا۔

اپنی کلائی میں پہنے کڑوں کو اس نے بھیلی نگاہوں
سے دیکھتے ان پر ہاتھ رکھا۔ در خزئی کی مورے کے
کڑے اسے اب اپنی جان سے زیادہ عزیز تھے۔ وہ
انہیں اب کبھی بھی نہ اتارنے کا ارادہ رکھتی تھی۔
یکدم در خزئی عناسیہ کے کڑے پہنی کلائی تھام گیا
تھا۔ عناسیہ نے اپنی شفاف کانچ آنکھیں در خزئی پر

گاڑھیں جو اس کی کڑے پہنے والی کلائی جکڑے
ہوئے تھا۔

سب نے حیرت سے درحزئی خانزادہ کو دیکھا جو
عنائیہ کی کلائی جکڑے اسے خاموشی سے دیکھ رہا
تھا۔

در خزئی!! عنائیہ نے اس کی سرد سرخ نم ذودہ
آنکھوں میں جھانکتے اسے بے آواز پکارا۔ آواز
مقابل کے سامنے نکل ہی نہیں رہی تھی
در خزئی اسے سپاٹ نگاہوں سے دیکھتے اس کی کلائی
میں پہنے ہوئے کڑے بے حد نرمی سے اتار گیا۔

لاونج میں بیٹھے سب نے حیرت اور پریشانی سے
در خزئی خانزادہ کا یہ عمل دیکھا تھا۔ ارحام خانزادہ
پریشان ہوا تھا۔

عنائیہ کی آنکھوں سے موتی ٹوٹتے ہوئے اس کے
سرخ یا قوتی لبوں پر گرے تھے۔ ابرش کی رنگت

فق ہوئی تھی۔ اس نے بے حد پریشانی سے در خزئی
خانزادہ کو دیکھا تھا۔

یہ کڑے پرانے لگ رہے ہیں۔ ان کی چمک ماند پڑتی
دکھائی دے رہی ہے۔۔ میں انھیں جیولر کو دے کر
ٹھیک کرواؤں گا۔ ویسے بھی عناسیہ کی کلائی میں فٹ
نہیں ہیں۔ در خزئی نے اپنے سامنے بیٹھے ارحام اور

باقی سب کو دیکھتے سنجیدگی سے وضاحت دی تھی۔
عنائیہ کی طرف سے وہ نگاہیں پھیر گیا تھا۔
در خزئی بچہ!! یہ تو پرانا سونا ہے۔ جس کا چمک کبھی
ماند پڑ ہی نہیں سکتا۔ اور عنائیہ کا کلائی میں یہ تو
بہت اچھے سے فٹ آیا تھا۔ امینہ خانم نے ملازمہ کی
طرف بڑھتے در خزئی سے حیرت سے کہا۔

در خزئی نے بنا کوئی جواب دیے خاموشی سے وو
کڑے اپنی قمیض کی پاکٹ میں ڈالتے اپنے گھسنے
بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

ارحام خانزادہ نے در خزئی خانزادہ کو سنجیدگی سے
دیکھتے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا تھا۔ سب ہی در خزئی کی
بے انتہا سنجیدگی پر خاموش ہوئے تھے۔

دل کر رہا تھا وہ در خزئی خانزادہ کے بے رخی
بھرے رویے پر چنچیں مار مار کر ماتم کدہ انداز میں
روئے۔ جن سے شدت سے محبت ہو ان کی ذرا سی
بے رخی تو پہلو سے دل ہی نکال ہی دیتی تھی۔ اسے
آج سمجھ آئی تھی۔ 16 سال لڑکی 27 سالہ مرد
سے عشق کر بیٹھی تھی۔ اور وہ مرد اپنے ہی ظلم سے

بے خبر تھا۔ اسے خبر ہی نہ تھی پچی عمر کے روگ
بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ جاں کا آزار بن جاتے
ہیں۔ وہ سولہ سال لڑکی اس مرد کے گوڈے گوڈے
عشق میں ڈوب چکی تھی۔ وہ انجانے میں اس پر بے
حد ظلم کر چکا تھا۔

عننائیہ نے گہرے سانس لیتے اپنی ہتھیلیوں سے
اپنے عارض بے دردی سے رگڑے۔
عننائیہ یہ ہمارا طرف سے تمہارا لیے! امینہ خانم نے
ملازمہ کے ہاتھ سے ایک ڈبہ پکڑتے عننائیہ کو
پکڑایا۔ جو سونے کا بھاری سیٹ تھا۔

عنائیہ نے وہ اپنے کانپتے ہاتھوں سے پکڑتے اپنی گود
میں رکھا تھا۔ نگاہیں در خزئی خانزادہ کی طرف ہی
تھیں۔

ارحام نے حور کو دیکھتے نگاہوں سے اشارہ کیا تھا۔
حور نے نا سمجھی سے ارحام کی طرف دیکھا۔

ارحام مسکراتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھتے حور کی
طرف بڑھا اپنی پاکٹ سے پانچ پانچ لاکھ کی دو
گڈیاں نکالتے حور کی طرف بڑھائیں۔ حور ابھی بھی
نا سمجھی سے ارحام کی طرف دیکھ رہی تھی۔
امینہ خانم نے ہنستے ہوئے حور کی طرف دیکھا تھا۔ جو
ان رسموں سے کہاں واقف تھی۔

تم ارحام کا بیوی ہے اس طرح تم در خیزی کا بڑا بھابھی
ہے۔ عنائت کو اپنا ہاتھوں سے یہ شکن دو۔ امینہ خانم
نے مسکراتے ہوئے کہا تو ارحام نے بھی مسکراتے
ہوئے اسے اشارہ کیا۔

حور پرینڈے کا ہاتھ پکڑے اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔
ارحام کے ہاتھ سے وہ گڈیاں پکڑتے اس نے

پریذے کو پکڑائیں۔ ماما پاپا کی طرف سے آپ دوگی
عنائیہ آپنی کو۔ حور کی بات پر پریذے نے
ایکسائیٹمنٹ سے حور کو دیکھا تھا۔ حور اس کی کلائی
جکڑے عنائیہ کی طرف بڑھی۔ پریذے نے وہ
گڈیاں عنائیہ کو پکڑائیں۔ عنائیہ نے پکڑتے ہوئے

در خزئی کو دیکھا جو سنجیدگی سے اپنے منہ پر ی غیر
مرئی نقطے کو گھور رہا تھا۔

عابیر نے آگے بڑھتے سونے کی چوڑیوں والا کیس
اپنے اور اسفند کی طرف سے عنائے کو دیا تھا۔
بہارے نے گولڈ کاسیٹ شہرام اور اپنی طرف سے
عنائے کو دیا تھا۔ عنائے سب چیزیں پکڑتے ایک نظر

در خزئی کو ضرور دیکھتی تھی جوان سب سے لا تعلق
سا بیٹھا ہوا تھا۔ روزینہ خانم نے بھی عنایتیہ کو بھاری
سونے کا سیٹ دیا تھا۔

ابرش ایک طرف کھڑی بھیگی نگاہوں سے اپنی
عنایتیہ کو دیکھ رہی تھی۔ بار بار جلتی بھیگی بے چین
نگاہیں داخلی دروازے کی طرف بھی اٹھ رہی تھیں

جہاں سے زار ان خانزادہ گیا تھا۔ وہ ابھی تک نہیں
آیا تھا۔

زار ان کو داغلی دروازے سے اندر آتے دیکھتے
ابرش سپاٹ انداز میں اپنا چہرہ موڑ گئی تھی۔ مگر
پلوشہ کو زار ان کی طرف جاتے دیکھتے وہ خود پر قابو پا

نہ سکی تھی۔ اس کی نگاہیں پھر سے زار ان کی طرف
اٹھی تھیں۔

پلوشہ بلیک پٹھانی فراک میں ملبوس فل تیار زار ان
کے قریب کھڑی تھی۔ ابرش پلوشہ کو زار ان کے
پاس کھڑا دیکھ کر اپنی مٹھیاں سختی سے دبوچ گئی تھی

زاران نے ناگواری سے پلوشہ کو دیکھتے سوالیہ انداز
میں آئی برواچکائے۔

"زاران، °ول ستا انتظار کوی" °ول ستا پو °منہ
کوی، تا عنایہ تہ °ہ °نہ دی ور کول۔

(زاران! سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ تم نے
عنایت کو کچھ نہیں دینا کیا؟؟)۔ پلوشہ پٹھانی میں

بولتے ہوئے مزید زار ان کے قریب ہوئی تھی۔

تہ خیل کا رتہ پام کا °، پوہ شو ° تہ؟

(اپنے کام سے کام رکھو سبھی تم)

!! زار ان نے لفظ چباتے پشتو میں اسے جواب دیتے

اشتعال بھری نگاہوں سے اسے گھورا تھا۔

زہ نو صمہ پو صمنہ کولہ، صمہ چہ پہ پہ، وویل چہ نہ تا
یہ و پو صتم۔

(ہم تو اس لیے پوچھ رہا تھا پھوپھو تمہارا بارے میں
پوچھ رہا تھا) پلوشہ نے لب کاٹتے ہوئے پشتوں میں
جواب دیتے زارا ان کے خوب روچہرے کو گہری
نگاہوں سے دیکھا تھا۔

اس کی گمئی ہو چکی تھی مگر زار ان کے علاوہ اسے کوئی
بھاتا ہی نہیں تھا۔ وہ چاہ کر بھی اسے بھول نہیں پائی
تھی۔ امینہ خانم سے وہ معافی مانگ چکی تھی کہ وہ
کبھی زار ان اور ابرش کے درمیان نہیں آئے گی۔
مگر زار ان کو دیکھ کر اس کا دل اس کے قابو میں نہیں

رہتا تھا۔ آج بھی وہ اس خوب رو انسان کو پانے کی
تمنائی تھی۔

ابرش نے اپنی مٹھیاں دبو چتے ہوئے اپنے بدن کی
لرزاہٹ پر بمشکل قابو پایا تھا۔ پلوشہ زاران سے کیا
کہہ رہی تھی؟؟۔ اسے سنائی نہیں دے رہا تھا۔ مگر

زاران بہت غور سے اس کی بات سن رہا تھا۔ ابرش
کے پورے بدن میں شعلے سے دہکے تھے۔ دل میں
تند و تیز بھانپھڑ جلے تھے۔ وہ گہرے سانس لیتے
ہوئے اپنی مٹھیاں دبوچتے اپنی نگاہیں آتش دان
میں جلتی لکڑیوں پر جما گئی تھی۔ ان جلتی لکڑیوں اور
خود کے دہکتے وجود میں اسے کوئی فرق نہیں لگا

تھا۔ آنکھیں حدت سے بری طرح جلنے لگی تھیں۔
زاران پلوشہ کو قہر بارنگاہوں سے گھورتے ہوئے
تیز تیز قدموں سے زنان خانے میں سب کی طرف
بڑھا۔

زاران اپنے بھاری قدموں سے امینہ خانم کی طرف
بڑھا۔ مورے یہ عنایتیہ کودے دیں۔ اس نے پانچ

لاکھ کی گڈی اپنی جیب سے نکالتے امینہ خانم کی
طرف بڑھائی۔

تم خود دیتا یا ابرش کو دو یہ اس کا کام ہے۔ امینہ خانم
نے سامنے کھڑی ابرش کو دیکھتے زارا ان سے آہستگی
سے کہا تھا۔

آپ دے دیں اس کی ضرورت نہیں۔ زارا ان نے

سنجیدگی سے کہتے وہ گڈی امینہ خانم کو پکڑائی۔ امینہ
خانم نے خاموشی سے وہ پیسے عنایتیہ کو پکڑائے۔
ابرش گہرے سانس لیتے زار ان کی پشت کو جلتی
نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس سے اور اس کی
فیملی سے بھرپور انداز میں لا تعلقی شو کر رہا تھا۔ جو
اس نے کل کہا تھا وہ ایک ایک لفظ سچ تھا۔ وہ اس کی

فمیلی ٲر اپنا ہر لعلق ختم کر چکا تھا۔ جس طرح اس نے
امینہ خانم کو پیسے ٲکڑائے تھے۔ ابرش کو بہت تکلیف
ہوئی تھی۔ اسے خود وہ پیسے عنائیہ کے سر ٲر رکھتے
دینے چاہیے تھے۔ اپنی فیملی سے مقابل کالا لعلق
بھرا رویہ اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔
ابرش خود ٲر قابو ٲاتے ہوئے اپنی بھیگی آنکھیں اپنی

ہتھیلیوں سے بے دردی سے رگڑ گئی تھی۔
عنائتہ شبنمی نگاہوں سے در خزئی کی طرف دیکھ رہی
تھی۔ اس نے ایک بار بھی اس کے خوبصورت شعلہ
جوالہ روپ کو نظر بھر کر نہیں دیکھا تھا۔ وہ تو پور پور
اس کے لیے تیار ہوئی تھی۔
عنائتہ کی نگاہیں خود پر محسوس کرتے در خزئی خانزادہ

نے اپنا فون اپنی قمیض کی جیب سے نکالتے کان سے
لگایا۔

ہیلوجی سر!!! ایک منٹ سر سگنلز نہیں آرہے
یہاں۔ در خزئی فون سے کان سے لگاتے لمبے لمبے
ڈگ بھرتے اسی لمحے زنان خانے سے نکل گیا تھا۔
عناسیہ کی بھیگی نگاہوں نے در خزئی خانزادہ کا دور تک

پیچھا کیا تھا۔ اس کے فون پر کسی کی کال نہیں آئی
تھی۔ وہ دیکھ چکی تھی۔ عنائتہ پیسے اور ساری جیولری
صوفے پر رکھتے تیز تیز قدموں سے اسی لمحے اپنے
کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ ابرش عنائتہ کو یوں
یکدم کمرے میں جاتے دیکھ کر اس کی طرف بڑھی
ہی تھی کہ پلوشہ کو زار ان کے قریب کھڑے دیکھ

کر وہ وہیں پر رک کئی تھی۔ وہ دونوں اس کے سامنے
ہی کھڑے تھے۔ پلوشہ زار ان کے قریب کھڑی
اسے اور عابیر کو مسکراتی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔
زار ان عابیر پر پیسے وارتے ہوئے اسے اپنے سینے
سے لگائے ہوئے تھا۔
سالامینہ!!! اسفند نے زار ان کی حرکت پر اسے

دانت پیستے ہوئے گھور کر دیکھا تھا۔
ابھی تک وہ خود اپنی بنی سنوری بیوی کو اپنے سینے
سے لگانہ سکا تھا۔ زار ان اس کے سامنے عابیر کی
ہتھیلیاں چومتے ہوئے اسے سینے سے لگائے ہوئے
کھڑا تھا۔ عابیر بھی زار ان کے سینے پر سر رکھے مدھم
آواز میں اس سے شکوے کر رہی تھی۔ اسفند عابیر

کو گھورتے ہوئے غصے سے لاونج سے نکل گیا تھا۔
شہرام خان بہرام کو اٹھائے صوفے سے ٹیک لگائے
اس سے کھیل رہا تھا۔ بہرام کی کھلکھلاہٹ اس
وقت پورے زنان خانے میں گونج رہی تھی۔ وہ
اسے بار بار اوپر اچھالتا تو بہرام کی کلکاریاں گونجتی
تھیں۔ امینہ خانم روزینہ خانم بہرام کی کلکاریاں سنتے

ہوے صدقے وارے ہو رہی تھیں۔ بہرام نے
اپنے پاپا شہرام جیسا سیاہ کرتا سفید شلوار زیب تن کی
ہوئی تھی۔ زار ان ارحام اسفند بہرام پر کتنے ہی پیسے
دار چکے تھے۔

شہرام مجھے بہرام پکڑاؤ گے!! ابرش نے شہرام کی
طرف بڑھتے اس سے بہرام لینے کے لیے ہاتھ

بڑھایا۔ وہ خود کو اس وقت بہت اکیلا محسوس کر رہی
تھی۔ زارا ان کے پہلو میں کھڑی پلوشہ اس سے
برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ مقابل پر جتنا بھی تو تھا
اب اسے اس کے کسی ایکٹ سے کوئی فرق نہیں پڑتا
تھا۔ چاہے وہ پلوشہ سے بات کرے یا اس کے
قریب کھڑا ہو۔

کیوں نہیں بھا بھی؟؟ بہرام آپ کا ہی بیٹا ہے۔ جتنا
مرضی پکڑیں چاہیں تو آج رات کے لیے آپ ہی
اسے رکھ لیں۔ میری نیند پوری ہو جائے گی۔ شہرام
نے بہرام ابرش کو پکڑاتے مسکراتے ہوئے کہا۔
تمہیں جگاتا ہے یہ رات کو؟؟ ابرش نے بہرام کے
گال کو چومتے ہوئے پوچھا تھا۔ بالکل مجھے ہی جگاتا ہے

یہ رات رات بھر!! شہرام مسکراتے ہوئے بولا۔
آج میرے پاس سوئے گا کیا میرا بہرام؟؟ ابرش
اپنے سامنے کھڑے زاران اور پلوشہ کو نظر انداز
کیے بہرام کے ساتھ اونچی آواز میں بولتے اسے چوم
رہی تھی۔

پلوشہ!! زاران کی آواز پر ابرش کے ہاتھوں میں

بہرام لرزاتا تھا۔ وہ پلوشہ کو مخاطب بھی کرے وہ
کہاں برداشت کر سکتی تھی۔ اس سفاک منسٹر کے
لبوں سے کسی دوسری عورت کا نام سننا گوارا نہ تھا۔
میلی جان میلا بہرام بہت پار الگ رہا ہے۔ ابرش
زاران کو صوفے پر لٹائے بے پرواہ سی بنی اسے
گدگدی کرتے کھیل رہی تھی۔

کیا زار ان؟؟؟ پلوشہ نے مسکراتے ہوئے زار ان سے
پوچھا تھا۔

مردانے جارہا ہوں اپنے ہاتھ کی کافی پہنچا دو ذرا!!
زار ان نے ابرش پر گہری نگاہ ڈالی تھی۔ جو اس سے
مکمل لا تعلق بنی بہرام کے ساتھ کھیلتے اسے چوم
رہی تھی۔ زار ان اپنی شال جھٹکتے تیز تیز قدموں

سے مردانے کی طرف بڑھ گیا تھا۔
زاران کے جانے کے بعد ابرش بہرام کو شہرام کی
گود میں دیے جلدی سے تیز تیز قدموں سے گہرے
سانس لیتے اپنی بھیگی آنکھیں رگڑتے اپنے چوکر کو
بے دردی سے کھینچتے کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

عنائتہ اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ در خزنہ
خانزادہ کا سردپن یاد کرتے اس کا دل بری طرح لرز
رہا تھا۔ ساری ہمتیں جو اس نے بہت مشکل سے
مجمع کی تھیں۔ وہ ٹوٹی نظر آرہی تھیں۔ دل اب
سوکھے پتے کی مانند لرز رہا تھا۔ عنائتہ اپنی کلائی کو
دیکھتے رو پڑی تھی۔ اپنی مورے کے کڑے جس

طرح اس نے اس کی کلائی سے نکالے تھے۔ وہ یاد
کرتے وہ بری طرح سسک رہی تھی۔ وہ اسے
معاف نہیں کرے گا اب اسے یقین ہو چلا تھا۔
اگر وہ اسے معاف نہیں کر پایا تھا تو وہ پھر اسے
رخصت کر کے کیوں لے کر جا رہا تھا آخر؟؟
کیا وہ اسے سزا دینے کا ارادہ رکھتا تھا؟؟

عننائیہ بے چین ہوتے بیڈ سے کھڑے ہوتے
کمرے کے وسط میں چکر لگانے لگی۔

کیا کرے گا میرے ساتھ آخر؟؟ کیا مجھے اپنی قربت
میں ہرٹ کرے گا؟؟ مرد اپنی قربت میں کیسے کیسے
عورت کو ہرٹ کر سکتا ہے وہ جانتی تھی۔ مرد پہلی
رات میں اپنی عورت کو جان لیوہ درد دے کر بھی

اسے راحت پہنچا سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ صرف درد
دینے پر آجائے تو وہ ایسے طریقوں سے ہرٹ کر سکتا
ہے کہ عورت کی جان نکل جائے۔

عننائیہ کے پورے بدن پر اب لرز اٹاری تھا۔ وہ
سولہ سال کی ہونے کے باوجود خود کو اسے سوپنا
چاہتی تھی۔ وہ ہرٹ بھی کرتا برداشت کر لیتی۔ مگر

در خزنئی خانزادہ کا برفیلہ سردین اس کے پور پور میں
خوف سا چکا تھا۔ اس کے اعصاب ساکت ہو رہے
تھے جیسے۔ جسم کی عمارت ٹوٹ کر اندر سے بکھر
رہی تھی۔

خانزادوں سے اس کا خوف فطری تھا کہاں دیکھے
تھے پہاڑوں میں رہنے والے اتنے سخت خانزادہ!!

وہ ایس پی تو گولی بازو پر کھائے بھی چار گھنٹوں کی
ڈرائیو کرتے آیا تھا۔

در خزئی خانزادہ کے خوف سے اب وہ بری طرح لرز
رہی تھی وہ اس سے محبت کرتا تھا مگر آج تو اس کی
آنکھوں میں محبت نرمی کا شائبہ تک نہ تھا۔
وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتی تھی مگر اب اس کی

قربت اس کے ساتھ سے ہی خوف محسوس ہو رہا
تھا۔ وہ اس کی سختی بھی برداشت کر لیتی۔ مگر آج تو
اس کی آنکھوں کا سرد پن جیسے اس کی جان لے چکا
تھا۔ وہ قطرہ قطرہ اندر سے مر رہی تھی۔
وہ ایس پی خانزادہ اسے اپنی سانسوں سے بھی زیادہ
عزیز ہو جائے گا اسے اندازہ نہ تھا۔ آج اسے اپنی

زندگی میں صرف وہ ایس پی ہی عزیز تھا۔ جس کے
بغیر زندگی گزارنے کا سوچ کر بھی اسے اپنی
سانسیں رکتی محسوس ہو رہی تھیں۔

عنایتیہ نے اپنی شال خود کے وجود سے اتار کر دور
اچھال دی۔

اگر در خیزی خانزادہ اس جسم کو تار تار کرنا چاہتا ہے تو

عنائت خانزادہ اسے یہ حق دیتی ہے وہ اس کے جسم کو
نوج لے۔ جب اس جسم ان آتی جاتی سانسوں کا وہ
مالق ہے تو وہ اس جسم کے ساتھ کوئی بھی سلوک
کرے عنائت خانزادہ اس کا ہر وار ہر قہر اپنے
بدن پر سہے گی۔ عنائت خانزادہ میں اپنا قیامت سا عکس
دیکھتے مضبوط لہجے میں خود سے بولی تھی۔

مسٹر در خزئی خانزادہ تمھاری معافی اگر تمھاری بے
رحم قربت ہے تو میں سہنے کو تیار ہوں۔ مگر تمھاری
بے رخی مجھے مار ڈالے گی۔ تمھیں کیسے بتاؤں میں
اپنی روح دل سے تمھاری ہو چکی ہوں۔ صرف
تمھاری ہو چکی ہوں۔ مجھے نہیں پتہ تھا یہ محبت اتنی
جان لیوہ ہوتی ہے۔ اگر میں جان جاتی تو تمھیں کبھی

اس نکاح کا موذرا الزام نہ ٹھہراتی۔ جھتی تم سے یہ
سب تمھاری محبت نے کروایا۔

جھتی محبت میں صرف وہ انسان اپنے نام اپنی
دسترس میں چاہیے ہوتا ہے جو سینے میں دھڑکن بن
کردھڑکتا ہے۔ اس کی سانسوں تک کا انسان مالک
بننا چاہتا ہے۔ جیسے آج مجھے در خزی خانزدہ پورا پورا

کا چاہیے۔ جس کی سانسوں پر بھی مجھے اس کا حق
بھی گوارا نہیں۔ عنائیہ مرر کی طرف بڑھتے اپنا
ہوش ربہ سراپہ دیکھتے رو پڑی تھی۔

مسٹر در خزئی خانزادہ!! تم میرے میں صرف
تمہاری۔۔ تم میرے صرف میرے! صرف
میرے!! ایک مرتبہ معافی دے دو تمہیں اتنی

محبت دوں گی بھی کسی نے کسی سے اتنی محبت نہیں
کی ہوگی۔ تمہیں تمہارا کوئی رشتہ کبھی یاد نہیں آئے
گا۔ عنایتیہ نے گہرے سانس لیتے اپنے آنسو صاف
کیے تھے۔

!! میں نے سوچا تھا جب تم میرے نکاح میں آ جاؤ
گی سب سے پہلے تمہیں فل پشینٹ ایگریسیو کس

بہت پیچھے رہ گئی!!

در خزئی کے لفظ سماعتوں میں گونجے تو نم آنکھوں
سے مسکرائی تھیں۔

!! یہ فیلینگز بہت الگ سی ہیں عنائے۔۔ بہت الگ
سی کیا تم میرے لیے ایسا کچھ محسوس کر رہی یہ دل
بہت عجیب ہے مائی سویٹ کیوٹ وائفی!! کل تک

سمجھیں اپنا بنانا تھا۔ آج یہاں تک پہنچنا ہے۔!!
عنائیہ نے اس کے لفظ یاد کرتے ہوئے اپنے دل کے
مقام پر انگلی رکھی تھی۔
پہنچ کے مسٹر دو نمبر ایس پی خانزادہ!! عنائیہ روتے
ہوئے ہنس پڑی تھی۔
!! مائی سویٹ والٹنی۔ پتہ ہے کس ایسے نہیں کی

جاتی۔

تمہیں پتہ ہے کیسے کی جاتی ہے؟؟!! در خزنئی
خانزادہ کے لفظ یاد کرتے وہ پھر سے ہنس پڑی تھی۔
پتہ ہے مجھے مسٹر در خزنئی خانزادہ!! پتہ ہے مجھے!!
ایک مرتبہ اپنی سانسوں کی گرمی دے دو تمہیں
بتاؤں گی کس کیسے کی جاتی ہے۔ عنائیہ مدھم آواز

میں بولتی آپنی آنکھیں ہتھیلی سے رگڑتے ہنس رہی
تھی۔

Ok!! show me your!!
tongue

!! اپنی زبان دکھاؤ مجھے پتہ تو چلے یہ کتنی کالی ہے۔

بمھاری بدعائیں کتنی جلدی قبول ہوتی ہیں۔ تاکہ
میں تمھارا دل کم سے کم دکھاؤں!!! اب اس کے لفظ
یاد کرتے وہ مر رہی دیکھتے ہنس رہی تھی!!!۔
آنکھوں سے گرتے گرم سیال میں اضافہ ہو رہا تھا
مگر وہ ہنس رہی تھی۔

ان چند دنوں میں وہ اس کی باتیں یاد کرتے روتی

روتی ہنس پڑتی تھی۔ اس ایس پی کے لفظ اس کے
لیے اتنی قیمتی ہو جائیں گے اسے اندازہ نہ تھا۔
!! اس لیے مجھے ڈسٹرب مت کر۔۔ آج سے
در خزئی خانزادہ نے اپنا ایک اصول بنایا ہے۔ جب
میں اپنی بیوی کے ساتھ مصروف ہوں گا۔ نو فون
کالز نہ کوئی اور ڈیوٹی only والفی ڈیوٹی !!

اب عنائیہ کی رنگت سرخ ہوئی تھی۔ وہ سرخ
ہوتے گہرا مسکرائی تھی۔

مسٹر در خزئی خانزادہ میں دیکھنا چاہوں گی یہ
مغرور ایس پی اپنی بیوی کی ڈیوٹی آخر کیسے نبھاتا
ہے؟؟

جب تم میرے پاس ہو گے میں تمہیں کوئی اور

ڈیوٹی نبھانے بھی نہیں دوں گی۔ ڈیوٹی تو میری کرنی
پڑے گی۔ ہر حال میں صرف اپنی عنایت کی۔ وہ مرر
میں دیکھتے روتے ہوئے ہنستی جا رہی تھی۔
دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے مڑتے ہوئے دیکھا
در خزئی خانزادہ کو اندر داخل ہوتے دیکھتے عنایت کی
رنگت فق ہوئی تھی۔ دھڑکنیں رکی تھیں۔ جسم

خوف سے لرزا اٹھا تھا۔

وہ ہچکولے بھرتے ہوئے پیچھے کو ہوتے ڈریسنگ
ٹیبیل سے جا ٹکرائی تھی۔ کلائی میں پہنی چوڑیوں کی
کھنک پورے کمرے میں گونجی تھی۔

در خزئی خانزادہ دروازہ لاک کرتے اپنے بھاری
قدموں سے عنایتیہ کی طرف بڑھا۔ جو گہرے

سانس لیتے فق رنکلت کے ساتھ در خزنئی خانزادہ کو
دیکھ رہی تھی۔ در خزنئی خانزادہ اپنی شال کندھوں
سے اتارتے بیڈ پر اچھالتے ہوئے اپنے بھاری
قدموں کی دھمک سے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔
کمرے میں اس کے بھاری بوٹوں کی دھمک کے
ساتھ عنائیہ کی سانسوں کے ساتھ اس کے دل کی

دھڑکنوں کی آواز بھی گونج رہی تھی۔
وہ ڈریسنگ ٹیبل کے کناروں کو دونوں ہاتھوں سے
جکڑ گئی تھی۔ اسے لگ رہا تھا وہ چکرا کر گر جائے
گی۔

در خزئی خانزادہ سے محبت کرنے کے بعد وہ اس کے
لیے ہی نایٹ میسر کی طرح ہو جائے گا اسے اندازہ

نہ تھا۔ مقابل سے وہ بری طرح خوفزدہ تھی۔
پورے بدن سے سیک نکل رہا تھا۔
وہ بمشکل سانس لیتے مقابل کی سحر انگیز پر سنیلٹی کو
دیکھ رہی تھی۔

در خزئی خانزادہ اس کی طرف بڑھتے اس کے
اطراف میں اپنے ہاتھ جماتے ڈریسنگ ٹیبل کو

دونوں ہاتھوں سے جکڑے اسے محصور کر گیا تھا۔
عنائیہ گہرے سانس لیتے مزید پیچھے کو ہوئی تھی۔ وہ
اسے محصور کیے اپنی سرخ آنکھیں اس کے چہرے
کے نقوش پر گاڑھے ہوئے تھا۔ درختی خانزادہ کی
گرم سانس عنائیہ کے خوبصورت نقوش پر بکھر
رہی تھیں۔ عنائیہ کی رنگت سرخ قندھار تھی۔ دل

دھڑکتا عنایتیہ کو اپنے کانوں میں بجتا محسوس ہو رہا
تھا۔ وہ اپنی خوفزدہ ہر اسماں آنکھیں در خزنئی خانزادہ
کی سرد سرخ آنکھوں میں گاڑھے ہوئے تھی۔
سانس دھونکنی کی مانند چلنا شروع ہو گیا تھا۔ سانسیں
اتنی گہری ہو رہی تھیں کہ عنایتیہ کے مہکتے کندن
نشیب و فراز بھی بری طرح سانسیں جیسے بھرتے

اپنی حشر سامنیاں سجائے ہوئے تھے۔

بہت خوبصورت لگ رہی ہو تم مائی سوین!! در خزئی
خانزادہ کی کھر در ری انگلیاں عنائے کے خوبصورت
نقوش کو چھو رہی تھیں۔ عنائے بے یقینی سے مقابل
کو دیکھ رہی تھیں۔ مقابل کی اتنی نرمی پر عنائے کا دل
مزید خوف سے دھڑکنے لگا تھا۔

تم بہت خوبصورت ہو!! بہت زیادہ خوبصورت
مس امریکہ!!

در خزئی خانزادہ کے لب اب عنائیہ کے نقوش کو
نرمی سے چھو رہے تھے۔ عنائیہ کی آنکھیں خوف
سے پھیل چکی تھی۔

مقابل کا گرم نرم لمس پتہ نہیں کیوں اسے خوف

میں مبتلا کر رہا تھا۔

تم اتنی خوبصورت ہو کہ تمہارے سامنے چاند
تاروں سوات کے پہاڑوں کی خوبصورتی ماند پڑ
جائے۔ درخیزی کی کھروری انگلیاں اب اس کی
گردن پر سرسرا رہی تھیں۔ سانسوں کی گرمائش
عنائیہ کے سرخ یا قوتی لبوں پر بکھر رہی تھی۔

دونوں کی سانسوں کی آمد و رفت سے ایک دوسرے
کی سانسیں جیسے رکتے ٹوٹ رہی تھیں۔ عنائتہ کے
لب بری طرح کپکپا رہے تھے۔

دذخزئی اس کے سرخ یا قوتی لبوں پر اپنی گرم تپش
ذدہ سانسیں چھوڑتے اس کی گردن کو انگلیوں سے
چھوتے اس کی گردن پر اپنی سانسیں چھوڑنے لگا۔

محسوس ہوئیں تھیں۔ رنگت سرخ قندھار ہوئی
تھی۔ عنائے بری طرح کھانسی کا دورہ پڑا تھا۔
او سوری!!! مائی سوین!!! مجھے پتہ نہیں یہ کیسے
کھولتے ہیں۔ پتہ ہے کیا؟؟ تم میری زندگی میں
آنے والی پہلی لڑکی ہو۔ وہ سرد سپاٹ انداز میں
بولتے اس کی بھیگی گلابی آنکھوں میں اپنی سرد نگاہیں

گاڑھ گیا تھا۔

عنایتیہ اپنے سینے کو جکڑے گہرے سانس لیتے
کھانستے ہوئے سرخ چہرے کے ساتھ اسے دیکھ
رہی تھی۔

تم تو میری زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی ہو کیا میں
بھی تمہاری زندگی میں آنے والا پہلا مرد ہوں۔ وہ

ڈریسنگ عیبل کو دونوں ہاتھوں سے جکڑے تھوڑا سا
جھکے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔
ہاں!! عنائیہ نے در خزئی کی سر د سرخ آنکھوں میں
خو فردہ ہوتے دیکھتے اثبات میں سر ہلایا تھا۔
عنائیہ کے اثبات میں سر ہلانے پر در خزئی سر کو
جھکائے اونچی آواز میں ہنسا تھا۔ عنائیہ کو اس کی ہنسی

سے خوف آیا تھا۔ بے تحاشا خوف!! اعصاب
منجمند ہو چکے تھے۔

وہ پاگلوں کی طرح ہنستے ہوئے اس کی دھڑکنوں پر
سر رکھ گیا تھا۔ عنایتیہ کو اپنی سانسیں بند ہوتی
محسوس ہوئی تھی۔ وہ کانپتے ہوئے مزید مر رہی
سمائی تھی۔

وہ اس کی دھڑکنوں پر سختی سے سر رکھے ہوئے اب
خاموش تھا۔ عنایتیہ اس کی خاموشی سے مزید
خوفزدہ ہوئی تھی کمرے میں اب گہری سانسیں
گونج رہی تھیں۔

دونوں ہی شل تھے۔ گھڑی کی سوئیوں کی ٹک
ٹک کی آواز کمرے میں گونجتی عنایتیہ کو بتا رہی تھی

کہ وقت تھا نہیں دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہا
ہے۔ مگر بہت سست رفتار پر۔۔ وہ گہرے سانس
لیتے مزید مر رہے میں سما گئی تھی۔ مقابل اس کی
دھڑکنوں پر سر رکھے شل تھا۔ اور وہ تو خوف سے
جیسے سانسیں روکنے کی تمنائی تھی۔
عنایتہ اب گہرے سانس لیتے آنکھیں میچ گئی تھی۔

کمرے میں آہستہ آہستہ سانسوں کی گونج بھی کم ہو
رہی تھی۔ سانسوں کی ہلچل ختم ہوئی تھی۔ مقابل
اس کی دھڑکنوں پر سر رکھے جیسے پر سکون تھا۔ بے
حد پر سکون !!

یکدم عنایتیہ کو اپنی دھڑکنوں پر گرمی اور نرمی کا
احساس ہوا تھا۔ اس کی گہرائیاں بھیگ رہی تھیں۔

اسے اپنا بلا وز گویا ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اپنی بند
آنکھیں کھول گئی تھی۔
ڈستی ہے تنہائی
جبھتی ہے پر چھائی
دونین ترستے روتے ہیں
نہ جگتے ہیں نہ سوتے ہیں

کیا کروں ایسے میں
اگر سمجھا جا
سن لے تو حال دل
کیا کیا ہے میری مشکل
جو جو عشق میں ہوتا ہے
وہ سب کچھ مجھ کو ہوتا ہے

سمیع اللہ خان مردانے کی بیٹھک میں بیٹھے ہوئے
تھے۔

در خزنئی!! ارحام خانزادہ کی پکار پر در خزنئی خانزادہ کے
باہر جاتے قدم رکے تھے۔

جی لالا!! وہ اپنی دوا انگلیوں سے اپنی بھیگی سرخ
آنکھیں مسلتے ہوئے ہوئے سب کی طرف پلٹا تھا۔

کہاں جا رہے ہو؟؟ ادھر آ کر بیٹھو ہمارے ساتھ!!
ارحام خانزادہ کے تحکم بھرے لہجے پر وہ گہرا سانس
بھرتے ہوئے اسفندیار خان کے ساتھ والے صوفے
پر بیٹھا تھا۔

اسفند نے مسکراتے ہوئے در خزئی خانزادہ کو دیکھا
تھا۔ در خزئی بھی جواباً اسے دیکھتے مسکرایا تھا۔ اسفند

یار خان در خزئی خانزادہ کی آنکھوں کی سرخی دیکھتے
ہوئے نگاہیں چرا گیا تھا۔ اب پتہ نہیں وہ خمار کی سرخی
تھی یا کچھ اور تھا وہ زنان خانے سے آیا تھا یہ بات سب
جانتے تھے وہ عناسیہ کے کمرے کی طرف گیا تھا۔
در خزئی کی حالت سے سب بخوبی واقف تھے۔ معاملہ

اتنا سینسیٹو اور سنگین تھا کہ کوئی چاہ کر بھی اس سے
بات نہیں کر سکتا تھا۔

زاران خانزادہ اسفندیار خان کے سامنے والے ہی
صوفے پر بیٹھا تھا۔ ساتھ والے سنگل صوفے پر
شہرام خان بیٹھا ہوا تھا۔ ایک طرف ارحام بیٹھا ہوا
تھا۔ سب ہی سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس تھے۔ سیاہ

مردانہ شال کندھوں پر ڈالی ہوئی تھی۔ ارحام خانزادہ
نے سیاہ کوٹ شلوار قمیض پر پہنا ہوا تھا۔ صرف
در خزئی سفید شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔
لاونج کے وسط میں آتش دان میں لکڑیاں جل رہی
تھیں۔ لاونج اچھا خاصہ ہیٹڈ تھا۔

زاران خانزادہ لاونج میں ہوتے ہوئے بھی وہاں نہیں
تھا۔ دل و دماغ اپنی بے انتہا خوبصورت بیوی کے
خوبصورت مہکتے دو آتشہ روپ میں الٹا ہوا تھا۔ پورے
وجود میں جواں جذبے اڑتے زار ان خانزادہ کے اندر
طغیانی برپا کیے ہوئے تھے۔ ابرش کا مہکتا دلکش
وجود یاد کرتے اکی آنکھوں میں خمار کی سرخی سی

طاری ہوتی جا رہی تھی ہر دوسرے لمحے وہ جبرے
بھینچتے غصے سے جھنجھلاتے ہو پہلو بدل کر رہ جاتا۔
جواں جذبوں پر کنٹرول کرنے پر آنکھوں کی سرخی
میں اضافہ ہوتا وہ ضبط سے مٹھی بھینچتے اپنی ہلکی گھنی
بیر ڈانکلیوں سے سہلانے لگتا۔

اسفندیار خان زاران کی حالت دیکھتے مبہم سا مسکرا رہا
تھا۔ سامنے بیٹھے زاران کی جھنجھلاہٹ اس کی آنکھوں
کی سرخی اس کی بے چینی سے بار بار پہلو بدلنا تقریباً
اس کی حالت سب پر ہی عیاں ہو رہی تھی۔
کیا ہوا ہے زاران؟؟؟ ارحام نے زاران کی آنکھوں کی
سرخی بڑھتے دیکھتے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

زاران اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے غیر مرئی نقطے
کو گھور رہا تھا۔ اس نے ارحام خانزادہ کی بات سنی ہی
نہیں تھی۔

بیچارے منسٹر کو رومانس کی کمی ہوئی ہے!! مجھے پورا
یقین ہے دیکھ منسٹر کی طرف!! اسفند نے درخزئی کی
طرف دیکھتے اسے آنکھ ماری تھی

اسفند کی بات پر ارحام خانزادہ نے اسفند کو گھورا تھا۔
لالا!! حالت دیکھیں آپ منسٹر کی یہاں ہو کر بھی
نہیں ہے۔ آپ کو نہیں لگتا۔ منسٹر زار ان خانزادہ کو
شدید قسم کی کسی چیز کی ہوئی ہے۔ اور شدید کمی
صرف رومانس ہی ہے۔ ورنہ کھانا تو اس نے ٹکا کہ
کھایا ہے۔ سارا زور دریائی مچھلی پر تھا۔ اب منسٹر کی

حالت سامنے ہی ہے۔ اسفند نے شرارتی لہجے میں
کہتے زاران کی طرف اشارہ کیا تھا۔ ارحام کی سرد
نگاہوں کو وہ اگنور کر گیا تھا۔

لالا آپ خود دیکھیں ایسا نہیں لگ رہا جیسے آج زاران
کی فرسٹ ویڈنگ نائیٹ ہے اور ہم سب نے اسے

زبردستی روکا ہوا ہے۔ اتنا بے چین تو در خزی نہیں
لگ رہا جتنا یہ لگ رہا ہے
اسفند نے ارحام کی سرد غصیلی نگاہ پر مبہم سا مسکراتے
ہوئے آئی بروا چکائے زار ان کی طرف اشارہ کیا۔
زار ان ابھی تک اپنی بیڑ ڈانگلیوں سے سہلاتے

ہوے کچھ سوچ رہا تھا۔ اس نے اسفند کی بات بھی
نہیں سنی تھی۔

اسفند کا اب چھت پھاڑ قہقہہ گونجا تھا۔ شہرام خان کے
لبوں پر بھی مسکراہٹ دوڑی تھی۔ درخزئی خانزادہ
نے سب کو مسکراتے دیکھتے ہونٹوں پر زبردستی کی
مسکراہٹ سجائی تھی۔

زاران !! ارحام خانزادہ نے اسفندیار خان کی بات
اگنور کیے زار ان کو اب سختی سے اونچی آواز میں پکارا۔
جی لالا !! زار ان ارحام کی اونچی پکار پر چونکتے ہوئے
صوفے پر سیدھا ہوا۔

مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ تم یہاں ہو کر بھی نہیں
ہو؟؟ مجھے لگتا ہے تمہیں اپنے کمرے میں چل کر

آرام کرنا چاہیے!! ارحام خانزادہ نے اس کی حالت کو
بغور دیکھتے دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔ زارا ان کی آنکھوں
کی سرخی اور اس کے بے چینی سے بار بار پہلو بدلنے پر
ارحام خانزادہ کے لبوں پر بھی اب مدھم مسکراہٹ
رینگ رہی تھی۔

کوئی فائدہ نہیں کمرے میں جانے کا منسٹر کی حالت
زیادہ خراب ہو جانی ہے۔ اسفند کی شرارت کی رگ
پھر سے پھڑکی تھی۔

کیا مطلب ہے تیری بات کا؟! اسفند کی بات پر
زاران خانزادہ نے اسے خون آشام نگاہوں سے

گھورتے اپنے گلے میں لٹلی مفلر سٹایل شال جھٹلی تھی

-

مطلب یہ میری جان !!! اگر کمرے میں چل کر تجھے
سکون اور آرام ملنا ہوتا تو وہ رات کو مل جاتا۔ تیرا ادھر
بیٹھ کر پے چینی سے پہلو بدلنے اور آنکھوں کی سرخی
بتا رہی ہے تیرے نصیب میں سکون نہیں۔ اسفند

نے شرارتی لہجے میں کہتے اسے آنکھ مارتے مزید سلگایا
تھا۔

اپنی بکو اس بند کر!! زار ان کا لہجہ اچھا خاصہ سنجیدہ ہوا
تھا۔

اسفند!! ارحام خانزادہ کی تسبیحی پکار پر اسفند اپنے منہ
پر ہاتھ پھیرتے اپنی مسکراہٹ دباتے اسی لمحے

خاموش ہوا۔

ارحام کی پکار پر شہرام خان نے بھی اپنے منہ پر ہاتھ
پھیرتے اپنے چہرے پر سنجیدگی طاری کی۔
در خزنئی تمہارے گارڈ دکھائی نہیں دے رہے۔ کہاں
ہیں سب؟؟ ارحام خانزادہ نے در خزنئی کی طرف
دیکھتے سنجیدگی سے پوچھا۔

ان کی کیا ضرورت تھی؟؟ در خزنئی کے جواب پر سب
حیرانی سے اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔
ان کی ضرورت کیوں نہیں تھی در خزنئی؟؟ رات کا
ٹائیم ہے۔ تمھاری حویلی یہاں سے کافی دور ہے۔ تم
لوگوں کے ساتھ گارڈز کا ہونا ضروری ہے۔ تم جانتے
ہو تم ایک پولیس والے ہو۔ تمھارے کتنے دشمن

ہیں۔ جانتا ہوں میرا شیر در خزئی خانزادہ کسی سے
نہیں ڈرتا۔ جی داری سے مقابلہ کرنا جانتا ہے۔ مگر
اس وقت عنائیہ کی پروٹیکشن سب سے زیادہ ضروری
ہے۔ ارحام کی بات پر وہ بات پر بے چینی سے پہلو
بدلتے ہوئے اپنے گھنے بالوں میں پھلتے اظطرابی انداز
میں اپنی آستین کمنیوں تک فولڈ کرنے لگا۔

کوئی بات نہیں لالا میرے گارڈز در خزئی خانزادہ کے
ساتھ ہوں گے۔۔۔ بلکہ مجھے لگتا ہے ہم سب کو
در خزئی خانزادہ کے ساتھ اپنی اپنی گاڑیوں میں جانا
چاہیے پتہ لگنا چاہیے کہ در خزئی خانزادہ کی برات
رخصت ہوئی ہے۔۔۔۔۔ شہرام خان نے در خزئی

خانزادہ کے اظطرابی چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے ارحام
خانزادہ کو مشورہ دیا۔

نہیں اس کی ضرورت نہیں۔۔۔ نہ گارڈز کی نہ آپ
سب کی۔ در خزئی خانزادہ نے بر فیلے لہجے میں بولتے
لب بھینچے تھے۔

لاونج میں در خزئی کے بر فیلے لہجے پر ھمیسر خاموشی
چھائی تھی۔ زار ان خانزادہ نے چونکتے ہوئے حیرت
سے در خزئی خانزادہ کو دیکھا تھا۔ رات کے اس پہر وہ
عنائیہ کے ساتھ کیسے اکیلا جاسکتا تھا۔ راستہ بے حد
خطرناک اور کافی دور تھا؟؟ یہ تو سرا سرا رسک لینے

والی بات بھی اور وہ عنائتہ کے حوالے سے مر کر بھی
رسک نہیں لے سکتا تھا۔

میرا مطلب ہے میں اپنے گارڈز کو بلوالیتا ہوں۔ آپ
سب کی ضرورت نہیں۔ آپ سب کو اب اپنے اپنے
کمروں میں آرام کرنا چاہیے۔۔۔ ورنہ زار ان کی
حالت سب کے سامنے ہے۔۔ آپ سب کو لگتا ہے

زاران ڈرائیو کرنے کی پوزیشن میں ہے۔ درختی
خانزادہ نے زاران کی سرخ آنکھوں کو دیکھتے گہرا
مسکراتے ہوئے کہا۔ سب کی حیرت بھری نگاہوں پر
وہ خود کو ہشاش بشاش ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا
تھا۔

در خزنی گارڈز کے بغیر تم نہیں جاسکتے۔ رات ادھر
گزارو اور اب کل صبح ہی رخصتی ہوگی۔ ارحام نے
اٹل لہجے میں فیصلہ سناتے ہوئے اپنے کوٹ کی پاکٹ
سے اپنا وائیبریٹ ہوتا موبائل نکال کر دیکھا جہاں حور
کی کال آرہی تھی۔

تم لوگ باتیں کرو قہوہ شہوہ ڈرائے فروٹ منگواؤ میں
تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔ ارحام حور کی کال کاٹتے
سنجیدگی سے کہتے مرادانے سے نکلتے اپنے کمرے کی
جانب بڑھ گیا تھا۔

ارحام خانزادہ کے جانے کے بعد اسفندیار خان کا بلند و
بانگ قہقہہ گونجا تھا۔ شہرام اور زار ان نے اسے گھور

کر دیکھا تھا۔

اب نہ آئے واپس لالا!!! اسفند کی مسکراہٹ گہری
ہوئی تھی۔

در خزنئی خانزادہ لالا کو تیری حالت کی ذرا پرواہ نہیں
کہ ایک رات میں کیا کیا طوفان آسکتا ہے؟؟ خود اپنے
رومانس کی کمی پوری کرنے پھر سے اپنے کمرے میں

چلے گئے ہیں۔ تیری حالت کی پرواہ نہیں کہ آج رات
کو لے کر تیرے کیا کیا ارمان ہو سکتے ہیں۔۔ اسفندیار
خان نے زار ان شہرام کی گھوریوں کی پرواہ کرتے
ہوئے بے باکی سے بولتے ہوئے صوفے سے ٹیک
لگائی تھی

در خزنی اسفند کی بات پر مبہم سا مسکرا گیا تھا۔

ویسے کیا ہوا ہے تجھے؟؟ اتنا سنجیدہ کیوں ہے؟ ایک
رات کی ہی تو بات ہے۔ پھر تیری حالت منسٹر جیسی
ہی ہونے والی ہے۔ ایک ہی خاندان سے پالا پڑا ہے تم
دونوں کا۔ اس لیے اگلے سال تو بھی منسٹر کی طرح
ہمارے سامنے ایسے ہی جھنجھلاتے ہوئے بیٹھا ہوگا۔

اسفندیار کے گہرے طنزیہ وار پر شہرام خان نے
بمشکل ہی اپنا امڈ تاقیقہ روکا تھا۔

اسفندیار ان کا دوست تھا۔ پھر عابیر کا شوہر تھا زار ان
اسفندیار کو برداشت کر سکتا تھا۔ مگر اس کے امڈتے
قمقے پر وہ اس کا لالا ہونے کی وجہ سے اس کا جبرہ تو
ضرور توڑ ڈالتا اور آج رات وہ اپنے ہونٹوں پر کوئی

زخم نہیں چاہتا تھا۔ اسے اپنی بہارے کی خوبصورتی کا
مکمل حق ادا کرنا تھا۔ اس کا خوبصورت دوا آتشہ روپ
یہاں بیٹھے بھی اس کے اعصابوں پر سوار تھا۔ وہ اسے
کہہ کر آیا تھا جب تک وہ کمرے میں نہ آجائے وہ چینج
نہ کرے۔۔

بلکل ٹھیک کہہ رہا ہے اسفند یار خان! کچھ ماہ پہلے
اسفند بھی میری پوزیشن پر فائز تھا۔ بیچارے کی جان
پر بن آئی تھی۔

میں نے تو آج ٹکا کر دریائی مچھلی کھائی کھا کر خود پر قابو
پالیا ہے۔ مگر اسفند یار خان بیچارے نے کھانا کھانا ہی
چھوڑ دیا تھا۔ خود پر قابو جو نہ تھا۔ زار ان کے جوابی

کاروائی پر شہرام خان کا اب بلند و بانگ قہقہہ گونجتا
مردانے کے در و دیوار کو ہلا گیا تھا۔ اسفندیار خان نے
جو اب شہرام خان کو سر دنگا ہوں سے گھور کر دیکھا تھا۔
در خزئی تیرے لیے مشورہ ہے چاہتا ہے تیری زندگی
بر باد نہ ہو خاموشی سے بغیر رخصتی کے نکل جا۔ ورنہ
تباہ بر باد ہو جائے گا۔ زار ان نے در خزئی خانزادہ کو

دیکھتے سنجیدگی سے مشورہ دیا۔ درخزئی زاران کو دیکھتے
زخمی سا مسکرایا تھا۔

اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو پتہ ہے کیا کر دوسرا نکاح کر
لے ایک کو سوات میں رکھ ایک کو اسلام آباد میں رکھ
پھر ہی سکون آسکتا زندگی میں ورنہ نہیں۔۔۔ زاران
کی سنجیدگی سے کہی بات پر سب کے لبوں پر

مسکراہٹ بکھری تھی۔۔ در خزئی خانزادہ زاران کو
دیکھتے جبراً مسکرا رہا تھا۔

ویسے یہ نیک مشورہ میرے لیے بھی ہے کیا؟؟۔
اسفند نے زاران کو دیکھتے مسکراتے ہوئے آئی برو
اچکائے تھے۔

بلکل تیرے لیے بھی ہے بلکہ دنیا کے ہر مرد کے لیے
ہے۔۔ مجھے لگتا ہے خدا نے ایسے ہی مردوں پر چار چار
نکاح فرض نہیں کیے۔۔ زاران کی جھلاہٹ پر شہرام
کا قہقہہ گونجا تھا۔۔ اسفند بھی زاران کے تپے ہوئے
سرخ چہرے کو دیکھتے مسکرا رہا تھا۔

لالا! نکاح تو پہلا بھی فرض نہیں سنت ہے۔ آپ نے
چار چار نکاح خود پر فرض کر لیے۔۔ شہرام نے ہنستے
ہوے صوفے سے ٹیک لگاتے اپنے گھنے بالوں میں
انگلیاں چلائی تھیں۔

فرض نہیں تو کیا ہوا!! ہم مرد خود پر فرض کر لیتے
ہیں۔ میں تو اس بار ایوان میں چار چار نکاح نہ سہی بلکہ

دوسرا نکاح کا قانون ہر صورت میں مرد پر واجب قرار
دینے کے لیے عرضی دینے والا ہوں۔ ہر صورت
پاس کروا کے رہوں گا۔ ابرش کارویہ یاد کرتے اس
نے سلگتے ہوئے کہا تو اسفند شہرام کے بلند و بانگ قہقہے
گو نچے تھے۔ در خزئی اپنے بازو سے اپنی سرخ نم ذدہ
آنکھیں مسلتے مبہم سا مسکرا رہا تھا۔

ویسے لالا کہہ تو ٹھیک رہے ہیں قانون پاس ہونا تو
چاہیے مگر یہ بھی قانون پاس کرواد دیجیے گا کہ پہلی
بیوی کے ہاتھوں ضائع ہونے سے بچ جائے مرد۔
شہرام نے شر راتی انداز میں کہتے ہوئے اپنا گال سہلایا
تھا۔

لگتا ہے دوسرے نکاح کی کوشش کرنے پر تم ضائع
ہوتے ہوئے رہ گئے ہو۔ اسفندیار خان نے شہرام کو
گال سہلاتے دیکھ کر طنزیہ انداز میں مسکراہٹ دبائی
تھی۔

اپنا تو پتہ نہیں مگر آپ کے فیک تصویریں بنوانے پر
آپ کی بہت بار بجتے دیکھ چکا ہوں۔ شہرام نے

مسکراتے ہوئے جوابی کاروائی کی تو اسفند کی
مسکراہٹ سمٹی تھی۔

جب پہلا نکاح کر کے مرد ضائع ہو جاتا ہے دوسرا
نکاح کر کے ضائع ہونے میں کیا حرج ہے۔ مرنے
کے بعد تو جنت میں ستر حوریں ملنی ہیں تو اتنی
خوبصورت موت مرنے میں کیا حرج ہے؟؟ دنیا میں

دو نکاح ہر مرد کو تو مسٹ کرنے چاہیے۔۔ ایک کے
ہاتھوں ضائع ہونے پر ہو سکتا دوسری بچالے۔ زار ان
کی بات پر سب کے چھت پھاڑ قمقے گونجے تھے۔ اس
بار ان قہقوں میں زار ان نے بھی ساتھ دیا تھا۔
در خزئی مدہم سا مسکراتے ہوئے اپنی پاکٹ سے
سگریٹ لائیٹر نکالے سگریٹ سلگاتے لبوں سے لگا گیا

تھا۔ زاران نے چونکتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ وہ
سگریٹ نہیں پیتا تھا وہ جانتا تھا۔ آج وہ سب کے
سامنے سگریٹ سلگائے بیٹھا تھا۔ در خزنئی کی حالت
دیکھتے زاران کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی
تھی۔ وہ در خزنئی کی حالت دیکھتے گہرا سانس بھرتے
اظطرابی انداز میں صوفے سے لب بھینچ گیا۔

ابرش جو زاران سے بات کرنے مردانے میں داخل
ہوئی تھی زاران کی باتیں سنتے اس کے قدم ٹھہرے
تھے۔ اس کی دوسری شادی والی بات اور ایک بیوی کو
سوات اور دوسری بیوی کو اسلام آباد رکھنے والی بات پر
ابرش کو چکر سا آیا تھا۔ وہ اپنا سردونوں ہاتھوں میں
جکڑ گئی تھی۔۔۔

وہ بے یقینی سے گہرے سانس لیتے بھیگی گلابی آنکھوں
کے ساتھ چکراتے وجود سے زار ان خانزادہ کو دیکھ
رہی تھی۔ دل میں تند و تیز بھانپھڑ جلے تھے۔ وہ
مسلسل سرنفی میں ہلاتے بھیگی دکھتی نگاہوں سے
زار ان خانزادہ کو دیکھ رہی تھی جو اس کی طرف متوجہ
نہیں تھا۔

اسفندیار خان کی اسی لمحے نگاہ ابرش پر پڑی تھی جو
گہرے سانس لیتے بھیگی نگاہوں سے زار ان کو دیکھ
رہی تھی۔

اسفندیار خان نے مسکراتے ہوئے زار ان خانزادہ کو
دیکھا جسے پتہ ہی نہیں تھا اس کی واٹ لگ چکی ہے۔ وہ
آج رات ضائع ہونے والا ہی تھا۔

زاران پاکٹ سے سکریٹ لایٹر نکالے سکریٹ
سلگائے لبوں میں دبائے ہوئے غیر مرئی نقطے کو
گھورتے ہوئے گہرے کش لے رہا تھا۔
۔ در خزئی خانزادہ کی نظر بھی ابرش پر پڑ چکی تھی۔
اسفند نے در خزئی کو مسکراتے ہوئے آنکھ ماری۔
اسفندیار خان کی شرارت کی رگ پھڑکی تھی

در خزنی اسفند کو مدھم سا مسکراتے ہوئے دیکھتے
ابرش کی طرف سے نگاہیں پھیرتے سگریٹ کے
گہرے کش لینے لگا۔

لگتا ہے تیرا دوسرا نکاح کرنے کا عنقریب آراہ ہے۔
اسفند نے شرارتی آنداز میں صوفے سے ٹیک لگاتے
اطمینان سے پوچھا تھا۔ وہ عابیر کو سینے سے لگائے

لفظوں کو بریک لگا تھا۔ سامنے اکھڑی ابرش کو دیکھتے
وہ بری طرح پریشان ہوا تھا۔

ابرش اسے بھیگی نگاہوں سے سر نفی میں ہلاتے دیکھتے
ہوئے تیز تیز قدموں سے وہاں سے چلی گئی تھی۔
ابرش کو روتے ہوئے وہاں سے جاتے دیکھتے زار ان
پریشانی سے سرخ چہرے کے ساتھ صوفے سے کھڑا

ہوا۔ زاران کی حالت دیکھتے اسفند کا پھر سے بلند و
بانگ قہقہہ گونجاتھا۔ شہرام نے سچو لیشن سمجھتے ہوئے
اسفند کو سرد نگاہوں گھورا تھا۔ تمہیں پتہ تھا برش
وہاں کھڑی ہے۔ زاران نے تلملاتے ہوئے اسفند
سے پوچھا۔

دوسیکنڈ پہلے ہی دیکھا تھا میری جان!!! اس سے پہلے جو
دوسری شادی کے متعلق عظیم و شان خیالات تھے۔
وہ تیری بیوی نے سنے یا نہیں اس کی گارنٹی میں نہیں
دے سکتا۔ مگر عنقریب تو دوسرا نکاح کرنے لگا وہ
ضرور سن چکی ہے۔۔ باقی کمرے میں چل کر تجھے پتہ

ہی چل جائے گا سقند نے زار ان کو دیکھتے ٹھنڈے
لجے میں جواب دیا۔

میں نکاح کروں یا نہ کروں مگر اپنی بہن کو بیوہ ضرور
کروں گا۔ تیرے جیسا بغیر انسان مجھے اپنی بہن کی
زندگی میں قبول نہیں۔۔۔ زار ان اسے خشکیں

نگاہوں سے گھورتے ہوئے زنان خانے کی طرف

بڑھا۔

ویسے لگتا نہیں تو کمرے سے صبح سلامت آج واپس
آئے گا تیرا ضائع ہونا پکا ہے میری جان۔ اپنی بہن کو
بیوہ ہوتا دیکھنے پر تیری خواہش ادھوری رہ جائے گی۔

سفند کی آواز پر زار ان کے قدم ر کے تھے۔ سالاکمینہ
!! زار ان دانت پیستے ہوئے زنان خانے کی طرف تیز
تیز قدموں سے بڑھ گیا تھا۔

زار ان گہرا سانس لیتے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر
داخل ہوا۔ ابرش بیڈ پر اوندھے منہ لیٹی زار و قطار رو

رہی تھی۔ کمرے میں اس کی سسکیاں گونج رہی
تھیں۔

زارا نے ہونٹ سکوڑتے ہوئے اپنی سانس باہر
خارج کی تھی۔ اپنی جذباتی بیوی کی پوزیسیو نیس سے
وہ اچھی طرح واقف تھا۔ وہ اپنی باتوں کی کیا وضاحت

دے گا وہ بہت بری طرح پریشان ہوا تھا۔ جان لبوں
پر سجی تھی۔

وہ جانتا تھا یہ بات تا قیامت تک نہیں اب چھوڑنے
والی تھی۔ وہ چاہے جتنی مرضی صفائیاں دیتا۔ آگے
سکون کو وہ ترس گیا تھا۔ اب تو اسے یقین تھا سکون
اس کی زندگی میں نہیں۔

زاران اس کے سسکاریاں سنتے بھاری قدموں سے
اس کی طرف بڑھا۔

ابرش!! زاران نے جھکتے ہوئے اس کے کندھے پر
نرمی سے ہاتھ رکھا۔ ابرش اسی لمحے اس کا ہاتھ بہت
بری طرح جھٹکتے بیڈ سے اٹھتے کھڑی ہوئی۔

مجھے چھو نامت مسٹر خانزادہ ورنہ جان لے لوں گی
اپنی!! ابرش انگارہ لہجے میں حلق کے بل چیخی تھی۔
آواز آہستہ ابرش یہ کوئی طریقہ نہیں بات کرنے کا۔
زاران اس کے یوں حلق کے بل چیخنے پر مشتعل ہوا
تھا۔

یہ بات کرنے کا طریقہ نہیں اپنے دوستوں میں بیٹھ
کر دوسری شادی کا اعلان کرنا یہ طریقہ ٹھیک ہے
آپ کے نزدیک مسٹر خانزادہ! ابرش نے جواباً
لرزتے لبوں سے کاٹ دار لہجے میں سوال کیا
مذاق کر رہا تھا میں!! میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں دوسری
شادی کے متعلق میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ زارا ان

نے اس کے ہچکولے لیتے دو آتشہ روپ کو دیکھتے لب
بھینچے وضاحت دی۔ وہ سی گرین ویلوٹ کے لانگ
فراک میں ویسے ہی تیار کھڑی تھی۔ ماتھا پٹی لگائے
ہوئے میک اپ کیے ہوئے پے حد خوبصورت لگ
رہی تھی۔ رونے سے اس کے خوبصورت نقوش اور

بھی ٹھہر گئے تھے۔ اس کا دوا آتش روپ اب جوالہ
مکھی کی طرح دھک رہا تھا۔

ابرش میری جان!! زار ان اسے گہری گرم نگاہوں
سے دیکھتے اس کے قریب ہوا۔ پورے بدن میں
اپنی بیوی کی طلب خمار بن کر دوڑی تھی۔ وہ ابرش کو
بانہوں میں لینے کے بے قرار ہوا تھا۔

دور رہیں مجھ سے!! خبردار میرے قریب آئے مسٹر
خانزادہ۔ ابرش نے پیچھے کی طرف قدم بڑھائے
تھے۔

ابرش میں مذاق کر رہا تھا میرا دوسرا نکاح کرنے کا
کوئی ارادہ نہیں۔ نہ میں ایسا کچھ سوچ سکتا ہوں۔ وہ
صرف ایک مذاق تھا۔ زارا نے گہرا سانس لیتے

ایک بار پھر سے اسے وضاحت دی تھی۔ ساتھ میں
دانت کچکچاتے اسفندیار خان کو دل میں گندی سی گالی
دی تھی۔ دل ہی دل میں لعنت بیجھی تھی اس نے
ایسی دوستی پر!!

سوچ نہیں سکتے مگر بات کر سکتے ہیں۔ سمجھ نہیں آتا
آپ مردوں کو دوسرا نکاح کرنے کا اتنا شوق کیوں

ہوتا ہے؟؟

کیا ہوتا ہے دوسری عورت کے پاس؟؟ جو پہلی
عورت میں نہیں ہوتا۔ کیا ہو گا دوسری عورت میں
مسٹر خانزادہ؟! جو میرے پاس نہیں۔۔۔ اس جسم کی
خواہش ہے ناں تمہیں۔ اپر ش نے اپنے جسم کی
طرف اشارہ کیا۔ اس کی چاہت ہے تو بتاؤ مسٹر

ہوتا ہے؟؟

کیا ہوتا ہے دوسری عورت کے پاس؟؟ جو پہلی
عورت میں نہیں ہوتا۔ کیا ہو گا دوسری عورت میں
مسٹر خانزادہ؟! جو میرے پاس نہیں۔۔۔ اس جسم کی
خواہش ہے ناں تمہیں۔ اپریش نے اپنے جسم کی
طرف اشارہ کیا۔ اس کی چاہت ہے تو بتاؤ مسٹر

خانزادہ!! میرے پاس تمھارے عیاشی کا سامان کیا
نہیں ہے۔ ایسا کیا ہو گا دوسری عورت کے پاس جو
میرے پاس نہیں ہے۔ کیا چیز اس کے پاس اضافی ہو
گی۔

۔ ابرش نے ہڈیانی چیختے ہوئے سوال کیا۔

وہ دوسری شادی کرنے کی بات بڑے دھڑلے سے
کر رہا تھا۔

وہ ایک کو اسلام آباد اور دوسری کو سوات رکھنے کا
مشورہ دے رہا تھا۔ یہ بات تو اس کے وجود کو آرے
کی طرح کاٹ رہی تھی۔ وہ جیسے اندر سے کرچی
کرچی ہو رہی تھی۔

مذاق کر رہا تھا میں مذاق کر رہا تھا۔ فضول میں بات
کھینچ رہی ہو۔ دوسری عورت کے پاس کچھ بھی نہ ہو
شاید سکون ہو جس کو میں ترس گیا ہوں۔ ابرش کے
چیننے پر زار ان مشتعل ہوتے بھڑک اٹھا تھا۔
آگیا ناں سچ زبان پر!! تمہارا ارادہ ہے دوسرا نکاح
کرنے کا۔ ابرش شدت سے رو دی تھی۔

زاران نے گہرا سانس لیتے جبرے بھینچے تھے۔
دوسرے پل وہ اسے کلائی سے پکڑتے اپنی طرف
کھینچتے ہوئے بانہوں میں بھرتے اپنے بے حد قریب
کر گیا تھا۔ قبول کرو میری خوبصورت بیوی کہ تم آج
بھی مجھ سے شدت سے محبت کرتی ہو۔ جو مجھے پچھلے
دو مہینوں سے لا تعلق اور بے رخی دکھا رہی ہو۔ بات

بات پر مجھے دوسری عورت کے پاس جانے کا کہتی ہو۔
وہ سب اوپر اوپر سے تھا۔ مسس زارا ان خانزادہ آج
بھی اپنے مسٹر خانزادہ کی دیوانی ہے۔ مجھے میری پہلی
والی میری بے شرم بیوی واپس کر دو یقین مانو تمہارا
مسٹر خانزادہ رات دن تمہیں اپنے بدن کا حصہ بتائے
تمہیں بتائے گا تم اپنے مسٹر خانزادہ کے لیے کیا معنی

رہتی ہو؟!۔ وہ کھمبیر آواز میں بولتے ہوئے اس کی
گردن پر جھکے اپنے سلگتے لب دیوانگی کے عالم میں اس
کے چوکر پر رکھنے لگا۔ جو اس کی جان سولی پر لٹکائے
ہوئے تھا۔ وہ چوکر اسے اپنا رقیب لگ رہا تھا۔
زاران نے اس کی پچھلی گردن کی ہاتھ بڑھاتے اس
کے چوکر کی ڈوری کھینچتے اس کی گردن کو چوکر سے

آزاد کیا۔ چو کر ڈھلک کر اس کے سینے پر آیا تھا۔
زاران اس کی گردن کو مدہوشی میں چومتے ہوئے
اپنی گھنی بنیر ڈبے رحمی سے رگڑ رہا تھا۔ ابرش کے
بدن سے اٹھتی گلاب خوشبو پر وہ بالکل مدہوش ہو چکا
تھا اسے خود کے ساتھ لپٹائے اس کے بدن کی ناز کی
محسوس کرتے اس کے جواں جذبوں میں آگ لگی

تھی۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ شدت سے اس کی گردن
کو چومنے لگا۔

برش نے سسکیاں بھرتے اسے پوری قوت سے خود
سے دور دھکیلنے کی ناکام سعی کی تھی۔ وہ اس کی کمر کو
مضبوطی سے جکڑتے ہوئے اس کی گردن سے نیچے
اپنے سلگتے لبوں کی بو چھاڑ برسانے لگا۔ ساتھ ساتھ وہ

ایک ہاتھ سے اس کے بدن کی ناز کی محسوس کر رہا
تھا۔ ابرش اس کے حصار میں پھڑپھڑا کر رہ گئی تھی۔
وہ اسے اپنے مزید قریب کرتے اس کی ہیل کو اپنے
سیاہ بوٹوں پر کرتے اسے مزید شدت سے خود کے
ساتھ لپٹا گیا تھا۔

میرے پاس آؤ گے تو اس سے بھی زیادہ درد اور نشان
دوں گی مگر خود کو اب چھونے نہیں دوں گی مسٹر
خانزادہ!! بہت میسر ہو چکی ابرش پاشا تمہیں۔ اب
اور نہیں!! مزید خود کو آرزواں کرتے ہوئے تمہیں
تمہاری حوس پوری نہیں کرنے دوں گی۔ ابرش اس کی
آنکھوں میں دیکھتے لرزتے لبوں سے بولی۔

حوس پوری کرتا ہوں میں تم سے کیا؟؟ زارا ان اس کی
کمر پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈالتے ہوئے غرایا تھا۔ وہ مزید
اسے میسر نہیں ہوگی۔ یہ بات اسے آگ لگا گئی تھی۔
ہاں حوس مسٹر خانزادہ! دوسرے نکاح کی خواہش
کرنے والے شوہر کے دل میں اپنی بیوی کے لیے
محبت تو ہو نہیں سکتی۔ وہ اپنی بیوی کے قریب حوس

ہی پوری کرنے آئے گاناں۔ وہاں مردانے میں بیٹھے
دوسرے نکاح کی بات کر رہے تھے اب مجھ سے میرا
جسم بھی چاہیے یہ محبت کیا ہے آپ کی؟؟ دل بھر چکا
ہے تمھارا مجھ سے؟؟ کوئی اور ہے اب تمھاری زندگی
میں کیا؟! ابرش اس کی کالر کو جکڑتے شدت غم
ہذیانی چینی۔

کوئی نہیں ہے میری زندگی میں ابرش۔ وہ مذاق تھا سچ
کہہ رہا ہوں میں؟!۔ زار ان نے جھنجھلاتے ہوئے
اپنے کالر اس کی مٹھیوں سے چھڑوائے
آپ مذاق کریں یا پھر سچ میں چار چار نکاح اکٹھے کریں
مجھے فرق نہیں پڑتا۔ میں آپ کے پاس مردانے میں
اس لیے آئی تھی تاکہ آپ در خیزی سے پوچھیں۔

پوچھیں اس سے کہ اگر اس نے یہ رخصتی نہیں کرنی
تھی تو یہ رخصتی کا تماشہ کیوں لگایا؟!۔ کیا نکاح اس
کے لیے مذاق تھا جیسے آپ کے لیے مذاق ہے۔
ابرش نے چٹختے ہوئے ہذیبانی انداز میں استفسار کرتے
اس کی گردن میں ناخن مارے۔

در خزئی نے رخصتی نہیں کرنی۔ کیا کہہ رہی ہو؟؟
زاران نے الجھن بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے اپنی
گردن کو انگلیوں سے چھوا۔ جہاں اس نے اب بے
دردی سے ناخن مارے تھے۔

وہ اس رخصتی سے انکار کر چکا ہے مسٹر خانزادہ!!
میری بہن کی تباہی کے ذمہ دار اب بتائیں کون ہے۔

وہ در خزنئی یا پھر آپ بتائیں مجھے؟!۔۔ میں جذباتی
بلڈی سک و مین ہوں۔

دھوکے سے نکاح کروایا میری بہن کا۔ اس کا بڑا بھائی
بن کے۔ اور آج جب اس کی رخصتی پر سچ میں اس کا
بھائی بننا چاہیے تھا۔ آپ نے مجھے اور میری بہن کو تنہا
کر دیا۔

ابرش نے بھیلی آواز میں کہتے سسکی لی تھی۔ نیچے اس
کا بیگانگی بھرارویہ اسے پور پور زخمی کر چکا تھا۔ وہ
بھول ہی نہیں پار ہی تھی
زاران پریشانی سے ابرش کو خود سے دور دھکیلتے بیڈ
سے اٹھا۔

ابرش بھی اسی لمحہ بید سے اٹھتے اس کے مقابل کھڑی
ہوئی

میرے گھر والوں سے لا تعلق ہو چکے ہیں۔ یہی کہا تھا
مجھ سے دو دن پہلے کہ میرے گھر والوں پر کوئی حق
نہیں جتائیں گے۔ آپ نے مکمل طور پر مجھ سے اور

میرے گھر والوں سے لا تعلقی دکھا کر آپ نے ثابت
کر دیا۔ آپ اپنی بات کے کتنے پکے ہیں۔
پہلے مجھے لگا آپ کی فطرت ہے یہ ہمیشہ میرے ساتھ
ایسا کرنا۔ اب سمجھ آیا کوئی اور مل چکی ہے ناں آپ
کو!؟ جس کی ہر پریشانی اور اس کے گھر والوں کو اپنا بنا

لیا مسٹر خانزادہ۔ ابرش گہرے سانس لیتے چمٹے
ہوے بولی

ابرش ایسا کچھ نہیں اگر ایسا ہوتا تو میں یہاں تمہارے
قریب آنے کے لیے مرانہ جاتا جاتا۔ بلکہ اس کے
پاس ہوتا جو تمہارے نزدیک میری حوس ہے اس
سے جا کر پورا کر رہا ہوتا۔ اگر میری زندگی میں واقعی

میں کوئی دوسری عورت ہوتی پاگلوں کی طرح یہ سینکڑ
ختم کرتے رات تین بجے کی فلائیٹ لے کر تمہارے
پاس نہ آتا میں۔ تمہارے گھر والوں سے لا تعلق
ہونے کی وجہ بھی تمہارا رویہ ہے۔ تمہارے طعنے ہیں
جس کی وجہ سے میں ان سب سے دور ہو گیا ہوں۔
زاران کے جواب پر وہ مزید سلگی تھی۔

مجھے اور میرے گھر والوں کو آپ کی ضرورت بھی
نہیں ہے۔ مگر وہ ایس پی ایسے کیسے کر سکتا ہے میری
بہن کے ساتھ؟!۔۔۔ محبت کا دعویٰ کیا تھا اس نے؟!
۔ نکاح کیا تھا آج وہ ذرا سی بات پر چھوڑ کر جا رہا ہے۔
میری بہن تڑپ رہی ہے اس ایس پی کی محبت میں۔

کیوں سزا دے رہا ہے اب وہ اسے؟؟ ابرش نے سنبھلی
لجے میں چٹختے ہوئے پوچھا۔

ذرا سی بات نہیں ہے یہ!! یہ تمہارے نزدیک ہے
چھوٹی بات!۔ مگر در خزنئی کے نزدیک نہیں ہے۔
نظریں نہیں اٹھا پارہا وہ ہم سب کے سامنے۔ تمہاری
بہن کی ذرا سی بات پر!! زارا ان طنزیہ بولا تھا۔

سولہ سال کی ہے وہ!! بچی ہے وہ زاران!! ابرش
چیجی تھی۔

وہ بچی ہے تم تو نہیں۔ زاران اس کے چیخنے پر دھاڑا۔
زاران کی دھاڑ پر ابرش لرزتے ہوئے خاموش ہوئی
تھی۔

اور یہی چاہتی تھی تم اور بمھاری بہن اب کیوں تڑپ
رہی ہو تم دونوں؟؟ اچھا ہوا جان چھوٹ رہی ہے۔
خوشی مناؤ تم دونوں اب تمہیں اسے بھگانے کے لیے
تمہیں اپنے کسی دوست کی مدد کی ضرورت نہیں لینے
پڑے گی۔ زارا نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے لفظ
چبائے تھے۔

تم بہت بے حس ہو۔ سمجھیں میرا درد نظر نہیں آرہا۔
میری بہن کا کیونکر نظر آئے گا؟؟۔۔ تم بات نہیں کر
سکتے۔ نہ تم کبھی میرے لیے کرو گے۔ میں اس ایس
پی سے خود پوچھوں گی۔ پوچھوں گی اس کا گریبان پکڑ
کر اس کی محبت اتنی کمزور تھی جو ذرا سی آزمائش پر
پوری نہ اتر سکی۔ پوچھوں گی رخصتی نہیں کرنی تھی تو

پہلے بھاگ جاتا۔ ایسے میری بہن کو دلہن کی طرح تیار
چھوڑ کر کیوں بزدلوں کی طرح بھاگ رہا ہے۔ ابرش
کہتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھی۔ زارا ان اسے
بازو سے جکڑتے اپنے مقابل کر گیا تھا۔
بہت برداشت کر چکا ہوں تمہارا جذباتی پن۔ مزید
کوئی تماشہ کیا!!! تم نے اس کمرے سے باہر نکلی مجھ

سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ خود کو بھی سمجھاؤ اور اپنی بہن
کو بھی جو کچھ ہوا ہے وہ اتنی چھوٹی بات نہیں ہے جتنی
تم دونوں سمجھ رہی ہو۔ تم عورتیں ہو۔ جو صرف
جذبات سے سوچتی ہیں۔ مرد ایسا نہیں کر سکتا۔ عنائے
نے جو کیا۔ اس کے لیے سب ختم ہو گیا۔ مگر در خیزی
کو جو فیس کرنا پڑ رہا ہے تمہاری سوچ ہے ابرش!! وہ

نہ زندوں میں ہے نہ مردوں میں ہے۔ زار ان نے
کاٹ دار لہجے میں لفظ چبائے۔

میری بہن کی بھی یہی حالت ہے مسٹر خانزادہ!!
تمھاری بیوی ہوں میں۔ پہلے تمھیں میرے دکھ
میرے کرب کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ تم آج
پھر اپنے دوست کے متعلق سوچ رہے ہو۔ ابرش

درد و کرب سے بولتے اس کا گریبان جکڑے اس کی
آنکھوں میں اپنی زخمی شکوہ کناں بھیگی گلابی نگاہیں
گاڑھ گئی۔

مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے۔ بھاڑ میں جائے وہ در خزن کی
خانزادہ اور بھاڑ میں جائے میرا ہر رشتہ !! بھاڑ میں
جائے سب کچھ !! جب مجھے سکون نہیں تو میری

طرف سے ساری دنیا کو آگ لگ جائے۔ مجھے پرواہ
نہیں۔ وہ اپنے کالر بیک جھٹکے سے چھڑواتے غصے سے
بولتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔

اتنی ہی بڑی بات ہے تو اس ایس پی کو بولو بزدلوں کی
طرح کیوں بھاگ رہا ہے؟! طلاق دے کر میری بہن
کی جان کیوں خلاصی نہیں کرتا؟! اگر مرد عورت کو

چھوڑنے کا فیصلہ کرے تو غیرت مند بن کر طلاق
آخر اسے کیوں نہیں دیتا۔ مرد ذات سے بڑا ڈھکوسلہ
میں نے کہیں نہیں دیکھا۔

۔ ابرش کی بھیگی آواز پر زار ان کے قدم رکے تھے۔
مٹھیاں سختی سے بھنچی تھیں۔ رنگت سرخ قندھار

ہوئی تھی۔ وہ خود پر قابو پاتے کمرے کا دروازہ
کھولتے ہوئے نکل گیا تھا۔

زاران تیز تیز قدموں سے سیڑھیاں اترتے مردانے
کی طرف بڑھا۔ مردانے میں اس وقت کوئی نہیں

تھا۔ زاران کے بھاری قدموں کا رخ اب درختی
خانزادہ کے کمرے کی طرف تھا
وہ اظطرابی انداز میں اس کے کمرے کی طرف بڑھ رہا
تھا۔ وہ یہ رخصتی نہیں کر رہا تھا۔ زاران بے یقین تھا۔
درختی خانزادہ کے اس فیصلے پر زاران خانزادہ کا دل

دماغ غصے سے تڑخ رہا تھا۔ وہ آگ کی طرح بھڑک رہا
تھا۔

۔ پورا کمرہ خالی تھا۔ در خزنئی خانزادہ کہیں نہیں تھا۔ وہ
اب جبرے بھینچتے تیز تیز قدموں سے کارپورچ کی
طرف بڑھا تھا۔ در خزنئی کی گاڑی کارپورچ میں نہیں
تھی۔

زاران نے اپنی پاکٹ سے موبائل نکال کر در خزئی
خانزادہ کا نمبر ڈائل کیا۔۔ نمبر بند آنے پر وہ لب بھینچ
گیا تھا۔

رحیم کا کا!!! زاران پوری قوت سے حلق کے بل
دھاڑا تھا۔ رنگت طیش و الم سے سرخ ہو رہی تھی۔
رحیم کا کا زاران کی دھاڑ پر بھاگتے ہوئے آئے تھے۔

جی چھوٹے خان!! رحیم کا کانے زار ان کے سرخ و
سفید چہرے کو دیکھتے پریشانی سے پوچھا تھا۔
گاڑی نکالیں میری!! مجھے ابھی اور اسی وقت نکلنا
ہے۔ زار ان غصے سے پھنکارتے مردانے کی طرف
بڑھا۔ مردانے کے لاونج میں موجود ٹیبل پر پڑی اپنی

پسل اٹھاتے ہوئے اپنی میض کی پاکٹ میں ڈالتے
ہوئے تیز تیز قدموں سے کارپورج کی طرف بڑھ گیا

رمز عشق

تحریر نور آصف

قسط 1 part 161

زاران خانزادہ کی گاڑی اس کے فارم ہاؤس کی
طرف فل سپیڈ میں ہچکولے لیتے بڑھ رہی۔

ابرش اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔
زاران کی آنکھیں سرخ تھیں اور چہرے پر سرد
برفیلے تاثرات تھے۔ وہاں پہاڑوں پر ٹھنڈی برفیلی
پتھر ملی زمین پر وہ اس پر اپنا مکمل وزن ڈالے کافی
دیر تک اس کی سانسوں کو شدت سے پیتا رہا تھا۔
اس کی سانسوں کے ساتھ کھلواڑ کرتے اپنی

سانسوں کو مہر کا تار ہا تھا۔ مگر گاڑی میں وہ پورے
راستے خاموش تھا۔ ابرش پورے راستے اس کی
سرخ آنکھیں اور سرد برقیلے تاثرات دیکھتے اپنا نچلا
زخمی لب مزید کاٹتے اسے زخمی کرتی آئی تھی۔
ساتھ بیٹھے بے حد جان لیوہ پر سنیلٹی رکھنے والے
کی بے اعتنائی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اس کی

زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہ منسٹر اس کی
محبت اس کی قربت اس کی سانسوں کے لیے پاگل
ہو جائے۔ جیسے وہ تھی اس منسٹر پر مرتی تھی۔ اس
سے شدید محبت کرتی تھی۔ اسے جنونی انداز میں
چاہتی تھی۔ ابرش نے گہرا سانس لیتے اپنا چوکر کو
جکڑے زار ان خانزادہ کی طرف دیکھا۔ شاید

پہاڑوں پر وقتی ابال تھا جو آیا اور چلا گیا۔ وہ جذبات
کے دھاروں میں بہہ کر وہ اس کی سانسوں سے
شدت سے لپٹے اس پر اپنا جنون شدت پسندی میں
اتار چکا تھا۔ اب اس کے چہرے کی طرح اس کے
جذبات بھی سرد پڑ چکے تھے۔ وہ صرف اس کے

جسم کے ساتھ کھیلنے کے لیے لے اسے فارم ہاؤس
لے کر جا رہا تھا۔

ابرش اسے شکوہ کناں زخمی نگاہوں سے دیکھ رہی
تھی۔ ابرش کے دیکھنے پر بھی زار ان خانزادہ نے
اس کی طرف ایک نظر نہیں دیکھا تھا۔

ابرش اپنی پرسوز سسکی حلق میں گھوٹتی گہرا سانس
لیتے سیٹ سے ٹیک لگا گئی۔ آنکھیں یکدم جلنے لگی
تھیں۔ اسے اس سفاک خانزادہ کو ایسے ہی
برداشت کرنا تھا۔ وہ اپنے چوکر کو جکڑے سیٹ
سے ٹیک لگائے آنکھیں موند گئی۔ سانسیں سی
گھٹ رہی تھیں

۔ گاڑی گرم تھی مگر پھر بھی زار ان کا بر فیلا رویہ
اس کے بدن میں کپکپاہٹ دوڑائے ہوئے تھا۔
اس گیلی میکسی میں اس کا بدن ارتعاش کی کیفیت
لیے ہوئے تھا۔ وہ سیٹ پر سر پٹختے ہوئے زار ان کی
خاموشی پر تڑپ رہی تھی۔ پتہ نہیں کیوں اس بے

رحم خانزادہ کی چھوٹی چھوٹی باتیں اسے گھائل کر
دیتی تھیں۔ وہ کیوں اتنی شدت سے چاہتی تھی؟؟
گاڑی فارم ہاوس کے بڑے سے گیٹ کے اندر
داخل ہوئی۔

گاڑی ایک جھٹکے سے رکی تو ابرش نے اپنی گلابی
آنکھیں کھول کر اس بہت بڑے فارم ہاوس کو دیکھا

جس کالان ہی کئی میلوں پر پھیلا تھا۔
زاران خانزادہ اس کی طرف کوئی بھی نظر ڈالے
بغیر اپنی طرف کا دروازہ کھولتے گاڑی سے نکلا۔
رحمان!! زاران خانزادہ گیٹ پر کھڑے اپنے گارڈ
کو پکارتے گر جاتا تھا۔ رحمان اس کی گرج پر بھاگتے
ہوئے اس کی طرف بڑھا۔ زاران اسے ہاتھ کے

اشارے سے آپنی طرف آنے سے روک گیا۔
رحمان ادھر ہی رک کر زار ان کے حکم کا انتظار
کرنے لگا۔

زار ان نے اسے سر دنگا ہوں سے گھورتے ہوئے
وہاں سے جانے کا اشارہ کیا۔ رحمان اس کا اشارہ

سمجھتے گیٹ کی طرف بڑھتے گیٹ بند کرتے باہر
نکل گیا تھا۔

ابرش گاڑی کی ونڈ سکریں سے زاراں خانزادہ کے
سرد تاثرات کو دیکھ کر کپکپا رہی تھی۔ وہ سرخ بر فیلا
چہرہ لیے ہو بے انتہا غصے میں تھا۔ ابرش کے رگ و

پہ میں زار ان کا سرخ و سفید چہرہ دیکھتے خوف ساہرپا
ہوا تھا

ابرش نے سسکتے ہوئے اب زار ان خانزادہ کو دیکھا
جواب فون کان سے لگائے ہوئے تھا۔ چہرہ پہلے
سے کہیں زیادہ حد سرد سپاٹ تھا۔ نقوش سرد انداز
میں تنے ہوئے تھے۔ رنگت میں غیض و غضب

کی سرخیاں پھلتی اس کے نقوش کو مغرور اور
سفاک بنا رہی تھیں۔

ابرش زار ان کے تاثرات کو بغور دیکھتے کپکپاتے
ہاتھوں سے گاڑی کا دروازہ کھول کر اتری تھی۔
اس وقت ہلکی ہلکی برف باری بھی شروع ہو چکی
تھی۔ سردی کی شدت میں اضافہ ہو چکا تھا۔ وہ

سردی اور زار ان خانزادہ کے خوف سے بری طرح
کانپتے ہوئے اسے شبینمی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔
آج مجھے اپنے فارم ہاؤس میں کوئی نہیں چاہیے۔
کوئی ملازم کوئی گارڈ نہیں۔ پورا فارم ہاؤس خالی
چاہیے۔ سرونٹ کو اڑنے خالی کروادو ابھی اسی

وقت !!

وہ فون پر بے حد اونچی آواز میں گرج رہا تھا۔ ابرش
اس کی گرج پر شدت سے لرزا ٹھی تھی۔۔ فون پر
آگے سے پتہ نہیں کیا کہا گیا تھا۔ زار ان آگے سے
گالی دیتے ہوئے چیخا۔
ابرش نے کانپتے ہوئے اب خوف سے سسکی لی۔

زاران نے ابرش کو سرد بریلی خو نوار نگا ہوں سے
دیکھتے ہوئے اپنا فون اپنی پینٹ کی پاکٹ میں ڈالا
تھا۔

زاران! کیوں خالی کر وار ہے ہو یہ فارم ہاؤس!!
ابرش نے اس کی خون اتری آنکھوں کو دیکھتے

کپکپاتے لبوں سے بمشکل ہی پوچھا تھا۔ زارا ان کے
سرد برقیے تاثرات اس کی ہڈیاں سنسنا چکے تھے۔
تمھاری چیخیں نکلو اوں کا اس فارم ہاوس میں !! جو
تم کر چکی ہو تمھیں لگتا ہے تمھیں معافی ملے گی۔
وہ ابرش کو دیکھتے غراتے ہوئے آگے بڑھ گیا تھا۔

ابرش نے اس کی چوڑی پشت کو دیکھتے ہوئے اپنے
چکراتے وجود کو بمشکل سنبھالا تھا۔ تو وہ سب سچ تھا
وہ اس کا بدن آج تار تار کرنے یہاں لایا تھا۔ وہ
سب کیا تھا جو پہاڑوں پر ہوا؟؟؟۔ وہ تو اس وقت
ایک وحشی خانزادہ لگ رہا تھا۔ جو اس کی غلطی
معاف کرنے کا آراہہ نہیں رکھتا تھا۔

اندر چلو جو کچھ ہو گا وہ اب اندر ہو گا۔ زار ان خانزادہ
نے مڑتے ہوئے اس کے دو آتشہ روپ کو خونخوار
دیکھتے لفظ چبائے۔

کیا کریں گے آپ مسٹر خانزادہ؟؟ مجھے سزا دیں
گے؟؟ میرے بدن کو سچ میں حیوانوں کی طرح
نوچیں گے۔ ابرش نے تم سے آپ پر آتے اسے

دیکھتے بھیکے لہجے میں استفسار کیا تھا۔ وہ مقابل سے
بہت خوفزدہ ہو چکی تھی۔ ایسے ہی تاثرات تب
تھے۔ جب وہ اسے بہزاد کی طرف سے لایا تھا۔
سرداجنبیت بھرے برقیے۔۔

وہ ابرش کے سوال پر وہ اس کی طرف ایک ہی
جست میں تیزی سے بڑھا تھا۔ ابرش سمجھتے ہوئے

پیچھے ہوئی۔ مگر وہ اس تک پہنچتے اس کا جبرہ بے رحمی
سے دبوج گیا۔ ابرش نے بے یقینی سے اس کی سرد
سرخ آنکھوں میں دیکھا۔ وہ پھولتی رگوں کے
ساتھ اسے خون اتری آنکھوں سے دیکھتے اس کا
جبرہ دبوجے ہوئے تھا۔ ابرش کی آنکھیں پھٹنے کی
حد تک کھل گئی۔ تھی۔ زار ان کا ایسا رویہ دیکھ کر وہ

بہت سختی سے اس کا جبرہ دبوچے ہوئے تھا۔ زار ان
کی سخت انگلیاں اس کے نازک گالوں میں دھنستی
جار ہی تھیں۔ ابرش نے درد سے سسکی بھری۔
ایسے کیا دیکھ رہی ہاں؟؟ یو بلڈی سک وو مین!!
زار ان نے اسے سرد نگاہوں سے گھورتے ایک
ایک لفظ چبایا۔

تم نے جو آج کیا؟! تمہیں لگتا ہے میں تمہیں
یہاں پیار کرنے کے لیے لایا ہوں؟؟ تم آدھی
رات کو میری حویلی سے نکل آئی۔ سوات کی
سڑکوں پر تن تنہا ڈرائیو کرتے تم اس منسٹر کو
دھمکیاں دے رہی تھی ہاں؟! بتاؤ کیا کروں
تمہیں پیار کروں میں؟؟ تمہارے خوبصورت

تمہیں؟؟ زارا ان اس کے کپکپاتے بدن کو دیکھتے
سختی سے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اس کی میکسی کی
زپ نیچے کھسکا گیا۔ اپنی زپ نیچے کھسکتی محسوس
کرتے ابرش کی آنکھیں تھیر سے پھیلی تھیں۔
وہ اس کی برہنہ کمر کو اپنی مٹھی میں بے دردی سے
بھرتے اسے اپنے مزید قریب کر گیا تھا۔ ایک ہاتھ

سے وہ اس کا جبرہ سختی سے دبوچے ہوئے تھا۔
ابرش کی آنکھوں میں سرا سیمگی بڑھتی جا رہی تھی۔
زاران خانزادہ کے خوف سے اس کا بدن تھر تھر
کانپ رہا تھا۔ وہ تو ایسے کانپ رہی تھی جیسے ابھی گر
جائے گی۔ وہ اس فارم ہاؤس میں اس سفاک انسان
کے ساتھ تن تنہا تھی۔ وہ بہت کچھ کر سکتا تھا جو وہ

کرنے والا تھا وہ سوچ کر ہی ابرش اتنی سردی میں
پسینے میں تر ہو رہی تھی۔

کیوں کانپ رہی ہو میری جان؟؟ مجھ پر گولیاں
برسانے نکلی تھی۔ اپنی گاڑی کھائی میں گرا کر خود
کشی کرنے لگی تھی۔ اب کیوں اتنا ڈر رہی ہو؟؟ وہ
اس کا جبرہہ دبوچتے بھوکے درندے کی مانند دھاڑا۔

ابرش بے یقینی سے تھر تھر کانپتے اسے خوفزدہ
نگاہوں سے دیکھتی جا رہی تھی۔ آواز حلق سے نکل
ہی نہیں رہی تھی۔

بولو جواب دو!! زار ان طیش و الم سے دھاڑا۔
ابرش اس کی دھاڑ پر بری طرح لرزا اٹھی تھی۔ وہ

اتنی خوفزدہ ہو چکی تھی۔ خود کو چھڑوا بھی نہیں پا
رہی تھی۔

جواب دو مجھے؟؟ زار ان غراتے ہوئے اس کا جبرہ
چھوڑتے اس کے دوپٹے کی پنز بے رحمی سے
اتارتے ہوئے جھٹکے سے سر سے کھینچتا اتار چکا تھا۔

مم۔۔ مجھے۔۔ آپ کے۔۔ اس۔۔ وحشی پن۔۔
سے۔۔ ڈر۔۔ لگ۔۔ رہا ہے زا۔۔ زا۔۔ ران؟؟
ابرش نے ٹوٹے لفظوں سے بمشکل ہی کہا تھا۔
ڈر لگ رہا ہے مجھ سے؟؟ واٹ آجوک؟؟ زار ان
خانزادہ اسے اپنے حصار سے آزاد کرتے ہوئے
بلند و بانگ قہقہہ لگا گیا۔

اب وہ پاگلوں کی طرح ہنستا جا رہا تھا۔
ابرش اسے بھیگی خوفزدہ نگاہوں سے سر نفی میں
ہلاتے دیکھ رہی تھی۔ وہ بہت بے رحمی سے اونچے
قمقمے لگا رہا تھا۔

The biggest joke of this
century is that my beautiful

wife is afraid of me

زاران خانزادہ انگلش ایسٹ میں بولتے پاگلوں کی
طرح اب ہنس رہا تھا۔

زا۔۔۔زا۔۔۔را۔۔۔ن۔۔۔آپ۔۔۔ابرش اسے
ٹوٹے لفظوں سے پکارتے سر نفی میں ہلاتے بے

یقین تھی۔۔ وہ کچھ دیر پہلے والا زار ان خانزادہ نہیں
تھا۔

مسٹر خانزادہ پکارو بے بی !! بغیرت پکارو مائی
ہیو ٹیفل امریکن وایف! زار ان خانزادہ برفیلے لہجے
میں بولتے ہوئے اس کی طرف بڑھتے اسے کمر سے
تھامے اپنے قریب کر گیا تھا۔

دونوں کی آنکھیں ایک دوسرے کی آنکھوں میں
گڑھی تھیں۔۔

زار۔۔ زار۔۔ ران۔۔ کلک کیا کریں گے میرے
ساتھ؟؟ ابرش زاران کی شرٹ مٹھیوں میں
جکڑے اس کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے استفسار کر
گئی۔

تمہیں کیا لگتا ہے؟؟۔ کیا کروں گا تمہارے
ساتھ؟؟ وہ سر دبر فیلے لہجے میں بولتے ہوئے اسے
اپنے مزید قریب کر گیا تھا۔ ابرش کے بھگے لب
زاران خانزادہ کی ٹھوڑی سے آن ٹکرائے تھے۔ وہ
گہرے سانس لیتے شبینہی آنکھوں سے اسے دیکھ

رہی تھی۔ جو اپنی پر تپش سائیں اس کے نقوش پر
چھوڑتے اسے سلگار ہاتھا۔

اس پورے فارم ہاوس کے ہر کمرے میں میرے
جسم کے ساتھ کھلتے میری چٹخیں نکلوائیں گے
کیا؟!۔ ابرش نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں
گاڑھے بھیکے لہجے میں سسکی لی۔

نہیں صرف اس پورے فارم ہاؤس میں ہی نہیں
بلکہ اس سومنگ پول کے گہرے پانی میں تم سے
اپنی پیاس مٹاتے ہوئے بھی تمہاری چخیں نکلواؤں
گا۔

ابرش نے زاراں کی بات پر بے یقینی سے دیکھتے
اپنے پاس بنے سومنگ پول کے گہرے پانی کو دیکھا

بات کر رہا تھا۔ ابرش کو چکر سا آیا تھا۔ مقابل اتنا
بے رحم نہیں ہو سکتا اس کے ساتھ کم سے کم یہ
نہیں کر سکتا تھا۔

ابرش نے سر نفی میں ہلاتے خوفزدہ ہوتے زارن
کے حصار سے نکلنا چاہا وہ اسے کمر سے جکڑے پول

کے گہرے پانی میں جمپ مار گیا۔ ابرش کی
دلخراش چیخ بلند ہوئی تھی۔

وہ پول کے بے حد گہرے پانی میں اترتے ہوئے
اسے کمر سے جکڑے ہوئے تھا۔ ابرش نے گہرے
پانی میں آنکھیں کھولتے ہوئے زار ان خانزادہ کو
دیکھا جو اسے کمر سے جکڑے خود کے ساتھ لپٹائے

لیتے اسے دیکھا۔ وہ پانی کے اندر اسے دیکھتے اس کے
لبوں کے ساتھ شدت سے لپٹ پڑا تھا۔ ابرش نے
اس کی شرٹ مٹھیوں میں دبو چتے ہوئے اس ظالم
انسان کی شدت کو سہا۔ جو گہرے پانی میں اس کی
سانسیں بند کر چکا تھا۔ ابرش اس کے حصار میں اسی
لمحے ساکت ہوئی تھی۔ وہ اسے ساکت ہوتا محسوس

کرتے اس کے لبوں کو آزاد کرتے پانی کے اوپر آیا۔
ابرش نے گہرے سانس لیتے اپنی ٹوٹی بکھری
سانسیں بحال کرتے مقابل کو دیکھا جو اسے گہری
نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

ابرش اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے کانپتے
ہوئے زار ان خانزادہ کو بھیگی بے یقین نگاہوں سے

دیکھ رہی تھی۔ اس کے بدن پر شدید لرزہ طاری
تھا۔ پول کا پانی نیم گرم تھا۔ وہ گرم پانی کی حدت
محسوس کرتے حیران تھی۔ اتنی شدت کی سردی
میں پانی کیسے گرم ہو سکتا تھا؟؟ زارا ان کے سرد
برفیلے چہرے کو دیکھتے ابرش پر کپکپی طاری تھی۔

کیا ہوا مائی ڈیر بیو لفل وایف؟؟ مجھے سہن کرنے کی
طاقت تمہارے پاس تو اچھی خاصی ہے۔ آج
تمہاری سانسیں کیوں بند ہو رہی ہیں؟! وہ اسے
اپنے ساتھ لپٹائے اس کا جبرہ دبو چے گھمیر آواز میں
بولا۔

کیا بھی بھی تمہارے مسٹر نے اپنا غصہ تمہارے
وجود پر اتارا؟؟ کبھی تمہیں اپنی قربت میں ہرٹ
کیا؟!۔ زارا ان خانزادہ نے اس کے گال پر اپنا ہاتھ
رکھتے اسے گہری گرم نگاہوں سے دیکھتے استفسار
چاہا تھا۔

ابرش نے زار ان خانزادہ کی گرم گہری آنچ دیتی
نگاہوں میں دیکھتے نفی میں سر ہلایا۔ وہ ابھی بھی
سمجھ نہیں رہی تھی۔ زار ان کے کچھ دیروالے
روپے پر ابرش کو اپنا دل کانوں میں بجتا محسوس ہو
رہا تھا۔ وہ خوف سے کانپ رہی تھی۔

میں قسم کھاتا ہوں اب اگر تم نے ایسی کوئی جذباتی
حرکت کی تو سچ میں تمہاری چنچیں اسی پول کے
گہرے پانی میں نکلواؤں گا۔ زار ان اسے بالوں سے
جکڑے اس کی گردن کو جھٹکا دیتے اس کی آنکھوں
میں دیکھتے دھمکی امیز لہجے میں غرایا۔

چان نکال دی تھی تم نے میری مسٹر خانزادہ! میں
تمہاری جان لے لوں گی۔ ابرش نے چیختے ہوئے
اس کے قریب ہوتے اس کی گردن میں اپنے
موتیوں جیسے دانت گاڑھ گئی۔ زار ان اس کا بے
درد وار سہتے ہوئے گہرے پانی میں اتر ا تھا۔

دیے جنون خیزی سے پھر پور نشان پر نگاہیں گاڑھے
ہوئے تھے۔

تم بھی ایک کان کھول کر سن لو مسٹر خانزادہ!! مجھے
کبھی بھی شک ہوا تم نے کسی عورت کو ذرا بھی
امپورٹنس دی۔ کسی عورت سے بات بھی کی۔ مجھ
سے چھپ کر کام کے سلسلے میں بھی کسی عورت

کے ساتھ میٹنگ تک کی۔ میں تمہارے پیچھے ایسے
ہی آؤں گی۔ چاہے تم میرے ٹکڑے ٹکڑے کر
ڈالو!! وہ اس کی آنکھوں میں شعلہ بارنگا ہوں سے
دیکھتے غرائی تھی۔

ابرش کے جواب پر زار ان کی آنکھوں کی سرخی
بڑھی تھی۔

ابرش منہ کھولے دیکھ رہی تھی۔ وہ اسے گود میں
اٹھائے پھولوں کی لمبی روش پر چلتے ہوئے
سڑھیوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔
ابرش نے گردن گھماتے ہوئے پورا الاونچ دیکھا
جہاں کینڈل لائٹس ہر جگہ جلی ہوئی تھیں۔ پورا
فارم ہاؤس گلاب کے پھولوں سے مہک رہا تھا۔

سہاگ رات!!! ابرش اس کے لفظ دہراتے کرتی
روہانسی ہوئی تھی۔

Let me make it clear first,
my jealous and possessive
.one and only wife

یہ خانزادہ جب جب اپنی سہاگ رات جس کے
ساتھ منائے گا وہ صرف اس کی بے شرم امریکن
وائف ہوگی۔۔ زاران اس کی بھیگی بے یقین
آنکھوں میں دیکھتے بولا۔

یہ سب کچھ میری خوبصورت بیوی میری جان
میری زندگی میری ابرش میری بے شرم بیوی کے

لیے ہے۔ زارا ان نے جھکتے ہوئے اس کی بھیگی گلابی
آنکھوں پر بھاری بھاری لب رکھے۔
مم میرے لیے ہے یہ؟!۔۔ ابرش نے بھیگے لہجے
میں کہتے ہوئے گلابوں سے سچے فارم ہاوس کو
دیکھتے سسکی لی۔۔

اب ہر دم تیری چاہت کریں گے
تجھ سے ہی محبت کریں گے
بس تجھے دیکھا کریں گے
زاران اس کی طرف بڑھتے اسے کمر سے تھامے
بھاری آواز میں گنگنا یا۔

زاران خانزادہ کی خمار بھری آنکھوں میں دیکھتے
آہستگی سے بولی۔

نو۔۔۔ نو۔۔۔ ڈار لنگ۔۔۔ نوایکسیوزز منتقم مزاج
بندہ ہوں۔ جو تمہارے لیے کیا۔ اب مجھے سود
سمیت واپس چاہیے۔۔۔ زاران اس کی آنکھوں میں
دیکھتے غراتے ہوئے اس کے برہنہ گہرائیوں پر

دانت گاڑھ گیا۔

ابرش نے سسکی لیتے ہوئے آنکھیں بند کی تھیں۔

زاران خانزادہ نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے ہوئے

اسے اوپر اٹھایا۔ اس سے پہلے وہ میکسی اس کے

تن سے ریمو کرتا۔ ابرش اسے دونوں ہاتھوں سے

دور کرتے رخ پلٹ گئی تھی۔

سکتا تھا۔ اور آج تو تم اس ڈریس میں میرے انجر
پنجر ہلا چکی تھی۔ تو اسی وقت یہ سب سر پر ایز
پلین کیا۔ عنائے کی رخصتی کے بعد تمہیں یہاں
لانے کا ارادہ تھا۔ مگر میں بھول گیا تھا کہ آج ہی
روہاب اور ستارہ کا نکاح ہے۔ روہاب کے انسٹ
کرنے پر میں اس کی طرف چلا گیا سوچا کہ اپنی بیوی

جلتار ہتا ہے۔ ہو سکتا ہے اس کی بے شرم بیوی کو
اس پر رحم آ جائے۔ اس کا مسٹر خانزادہ سکون کے
لیے ترس گیا ہے۔ اسے سمجھ آ جائے اس کی جذباتی
بیوی اس کا سکون ہے۔ وہ جب کمرے میں اس سے
منہ بنائے رہتی ہے اس کے مسٹر کا دل کرتا ہے یا تو
وہ خود کو گولی مار لے یا پھر اپنی خوبصورت بیوی

زیادہ۔۔ ابرش نے بھیگے لہجے میں معصومیت سے
پوچھا۔

اس سے بھی زیادہ۔۔ زار ان اس کے سوال کا
جواب دیتے گہرا مسکرایا تھا۔

اپنی مورے سے بھی زیادہ۔۔ ابرش نے بھیگے لہجے
میں مزید استفسار کیا تھا

مورے سے بھی زیادہ!! زار ان مسکراتے ہوئے
اس کی معصومیت پر ہتھیلی پر لب رکھتے بولا۔ وہ
اس کے اس طرح کے اظہار پر اگر خوش ہوتی تھی
۔ وہ ساری عمر اس سے کہہ سکتا تھا وہ اسے ہر رشتے
سے بڑھ کر چاہتا ہے۔ وہ اسے اپنے کسی رشتے سے
بڑھ کر نہ بھی چاہتا ہو مگر اپنی جان سے بڑھ کر

ضرور چاہتا تھا۔ اپنی زندگی سے کئی گنا زیادہ چاہتا
تھا۔ مقابل کی چلتی سانسوں کے ساتھ اس کی
سانسیں جڑی تھیں۔ مقابل ہی وہ عورت تھی جو
اس کی رو میں رہتی تھی۔ وہ پاگل تھا اس عورت
کے لیے۔

ابرش روتے ہوئے اس کے کشادہ سینے میں منہ

چھپا کئی تھی۔ زار ان اس کی کمر پر اپنا حصار مضبوط
کرتے اسے خود میں بھینچ گیا تھا۔

زار ان خانزادہ اسے خود میں بھینچے اس کی ناز کی
محسوس کرتے اسے اپنے نیچے کرتے اس پر اپنا مکمل
وزن ڈالے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھ گیا
رات گہری ہو چکی ہے یہ گہری رات اور تمھاری

بے پناہ خوبصورتی میرے اندر اٹھتے جواں جذبوں
میں آگ لگا چکی ہے۔ مزید صبر نہیں کر سکتا۔
مجھے اپنی خوبصورت بیوی کی مکمل پرفامنس
چاہیے۔ مجھے تم شرماتی اچھی نہیں لگتی یاد رکھنا۔
مکمل وصولی کرنے کی عادت ہے میری۔ جہاں
تمہارے بدن کا ٹمپر پچر گرا۔ وہاں میرے بدن کا

نمپر پچر بڑھتا شدت اختیار کر جائے گا۔ اور تم
مجھے برداشت نہیں کر پاؤ گی۔ تو آج رات دونوں
کے بدن کا پسینہ خشک نہیں ہونا چاہیے۔ زارا ان
اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے بے باکی سے
استفسار چاہتے ابرش کی ریڑھ کی ہڈی میں
سنسناہٹ دوڑا گیا تھا۔

بے باکی پر زار ان خانزادہ کا بے باک قہقہہ گونجاتھا
۔۔ ابرش روہانے ہوتے اس کے ساتھ لپٹ گئی
تھی۔۔ کمرے میں زار ان خانزادہ کے قہقہے گونجتے
کمرے میں پھیلی مغنی خیز خاموشی کو توڑ رہے
تھے۔۔

عنایتیہ در خزنئی خانزادہ کے ساتھ والی
سیٹ پر گھونگھٹ نکال کر بیٹھی ہوئی
تھی۔ پچھلے ایک گھنٹے سے گاڑی

کوشش کی۔ مگر در خزنئی خانزادہ کے
خوف سے وہ اپنا گھونگھٹ ہٹانہ سکی
تھی۔

گاڑی میں پھیلی کھمبیر خاموشی اور
چہرے پر گھونگھٹ ہونے کی وجہ
سے اسے اپنی سانسیں رکتی محسوس
ہو رہی تھیں۔ وہ سر پر سٹالر تک نہیں

لیتی تھی۔ آج وہ اسے گھونکھٹ
کروائے بیٹھا تھا۔ لہنگا بلا وزا اور کامدار
دوپٹہ اچھا خاصہ ہیوی تھا۔ کانوں میں
پہنے والے اویزے اور چوکر مالا سب

در خزنی خانزادہ کا سرد رویہ اسے اس
سے اچھا خاصہ خوفزدہ کیے ہوئے
تھا۔ وہ خانزادوں کی دہشت سے

ڈرتی تھی۔ ان خانزادوں میں سر
فہرست در خزنئی خانزادہ تھا۔
اسی دہشت اور خوف سے وہ اس سے
بھاگ رہی تھی۔ قسمت کی ستم

ظریفی لہیسی تھی جن پہاڑوں سے وہ
بھاگ رہی تھی آج انھیں پہاڑوں
میں اور ان پہاڑوں میں رہنے والے
پہاڑ سے بھی زیادہ سخت خانزادہ کی

پناہوں میں اپنی مرضی سے جارہی
تھی۔

عنائیہ نے بمشکل سانس لیتے کپکپاتے
ہاتھوں سے اپنا گھونگٹ اٹھاتے اپنی

کی دھڑکنیں بری طرح منتشر ہوئی
تھیں۔

عنایتیہ نے رخ موڑتے در خیزی
خانزادہ کو دیکھا جو ایک ہاتھ سے اس

کس سے پوچھ کر یہ گھوگھٹ اٹھایا؟!
در خزنئی خانزادہ کے برف سے بھی
زیادہ ٹھنڈے لہجے پر عنایتیہ کی بھیگی

گلابی آنکھوں میں کانچ سی چبھن ہوئی

تھی

مجھے گھٹن ہو رہی تھی در خزئی!!۔

عنایتیہ نے بھگے لہجے میں بولتے اپنی

اچھا!! اوہ ونڈ سکریں پر نظریں
گاڑھے استھڑائیہ مسکرایا تھا۔ اس کی
طرف نہیں دیکھا تھا۔ اصولاً صنف
نازک ہونے کے ناطے بے پردہ

ہونے پر بکھاری سائیں کھٹنی چاہیے
تھیں۔ وہ طنزیہ لب و لہجے میں بولتے
عنایتیہ کے دل میں بر چھیاں چلا گیا
تھا۔

یہاں کیسے بے پردہ ہو رہی ہوں
در خزنئی؟؟ ان تاریک پہاڑوں پر چلتی
گاڑی میں کون مجھ پر نظر ڈال سکتا
ہے؟؟ عنایتیہ نے ہچکی لی تھی۔

عنائیہ کے ہچکی لینے پر وہ جبرے
بھینچتے اس کی چوڑیوں والی کلائی پر
اپنی گرفت مضبوط کرتے اسے اپنی
طرف کھینچ گیا تھا۔

اس کے یوں بے دردی سے کھینچنے پر
عنایتیہ کے لبوں سے چیخ بلند ہوئی
تھی۔ وہ اس کے شانے سے آن
مکراتی تھی۔

عنایتیہ سسکتے هوے اس کے بے حد
قریب هوتے اسے دیکھ رہی تھی جو
ابھی بھی ونڈ سکرین پر اپنی سرخ

نگاہیں گاڑھے ہوئے تھا۔
دیکھو اپنے آپ کو مائی سوین !!
تمہیں پتہ چلے گا کہ اس وقت تمہارا
روپ کیا نظارے پیش کر رہا ہے۔

در خزنئی خانزادہ نے اس کی کلائی
چھوڑتے ہوئے اس کا جبرہ دبوچتے
اس کا چہرہ بیک ویو مرر کی طرف کیا۔
جو اس نے عنایتیہ کی طرف موڑا تھا۔

عنایتیہ نے نگاہیں اٹھائے بیک و پو مرر
میں سسکستے ہوئے دیکھا۔ گاڑی میں
روشنی نہ ہونے کے برابر تھی۔
صرف گاڑی کی ہیڈ لائٹس روشن

تھیں۔ آگے گارڈ کی گاڑی کی بیک
لائٹس روشن تھیں۔

اس کا بلاوز بہت زیادہ ڈیپ تھا۔ جو
کندھوں سے ڈھکنے کو بے تاب ہو رہا

تھا۔ اس کے بلا و ز کی حالت بہت
خراب ہو رہی تھی۔ سب کچھ ہی نظر
آ رہا تھا۔ عنایتیہ نے اپنی آنکھیں
خطرناک حد تک کھولے اپنی حالت

ہوے اسی لمحے گاڑی کی تمام ہیڈ
لائٹس بھی بیک لائٹس آف کر گیا۔
عنایتیہ خوفزدہ ہوتی چیخنی۔ سوات کی
خطرناک روڈ پر وہ گاڑی کی تمام ہیڈ

لائسنس آف کر گیا تھا۔ سامنے ہی دریا
پر بنا لکڑی کا پل تھا۔ جو نہایت ہی
خطرناک تھا۔ جس پر ایک وقت پر
ایک ہی گاڑی جاسکتی تھی۔ اور

در خزنئی خانزادہ کی گاڑی اس وقت
اس خطرناک پل پر چڑھ چکی تھی۔
عنایتیہ کانپتے ہوئے در خزنئی خانزادہ
کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑ گئی۔ اب

آگے گارڈ کی گاڑی بھی نہیں تھی۔
اور پیچھے آتی گارڈ کی گاڑی کسی بھی
لمحے ان کی گاڑی سے ٹکرا سکتی تھی۔
در خزنئی!! ہیڈ لائٹس آن کر دیں میں

گھونگٹ لے لیتی ہوں عنایتِ رات
کے پہر دریا کا خطرناک شور اور لکڑی
کے پل کی چرچراہٹ پر گھپ
اندھیرے میں اس کی شرٹ تھا مے

سکتے ہوئے بولی

کیا ہو امانی سوین !!! اتنا ڈر کس بات
کا؟؟ اتنا خوف کس بات کا۔ اسی پل
سے اب تم اکثر میرے ساتھ گاڑی

میں گزرو گی۔

اب ڈرنا چھوڑ دو!! اس سر پھرے
پہاڑی خان کی عورت ہو۔ وہ اس کی
طرف جھکتے مدھم سرگوشی کرتے

اس کی کان کی لو کو کاٹ گیا تھا۔
در خزنئی!! پیچھے سے۔۔۔
آپ۔۔۔ کے۔۔۔ گارڈز۔۔۔
کی۔۔۔ گاڑی۔۔۔ آرہی۔۔۔

ہے۔۔۔اگر۔۔۔وہ۔۔۔
لوگ۔۔۔پیچھے۔۔۔سے۔۔۔
آتے۔۔۔ٹکرا۔۔۔کے۔۔۔تو۔۔۔
مجھے۔۔۔لگتا۔۔۔یہ۔۔۔پل۔۔۔ٹوٹ۔۔۔

جائے۔۔ گا۔ عنائیہ اس کی شرٹ
جکڑے خوفزدہ لہجے میں ٹوٹے
لفظوں سے بولی۔
در خزنئی اسے کے سر سے اس کا دلہن

والادوپٹہ ایک جھٹکے سے اتارتے
ہوے اس کے سر پر اپنے ہاتھ کا دباؤ
ڈالتے اسے اپنے گود میں سختی سے
جھکاتے سٹیرنگ کو چھوڑتے اس کی

بلاوز کی ڈوریوں کو اب دونوں
ہاتھوں سے جکڑ گیا تھا۔ ایکسلیٹر پر وہ
پاؤں کھے ہوئے تھا۔ گاڑی لکڑی
کے پل پر ڈول رہی تھی۔

عنائیہ خوف سے اس کی گود میں جھکی
تھر تھر کانپ رہی تھی۔ مقابل ایسا
بھی ہو گا اسے اندازہ نہ تھا۔ وہ تو
موت سے سے بھی زیادہ خطرناک

ٹھیل ٹھیل رہا تھا۔

در خزئی اس کی ڈوریاں جکڑے
انھیں اب سختی سے بند کر رہا تھا۔
عنایتیہ بری طرح سسک رہی تھی۔

وہ بہت ٹانٹلی ڈوریاں بند کرتے اس
کی کمر پر جھک گیا۔ در خزنئی کی گرم
سانسیں اس کی برہنہ کمر پر بکھر رہی
تھیں۔

سوین!! تمہیں لے کر یہ سر پھرا
خانزادہ کیسا ہے؟؟ یہ تو کچھ نہیں!
ابھی تم اس سر پھرے خان کے بہت
سے روپ دیکھو گی۔۔ وہ اس کی

ہوتی اپنی چادر سے گھونگٹ ڈال گئی
تھی۔ در خزنی گاڑی کی ہیڈ ایٹس
روشن کرتے اب سٹیرنگ سنبھال
چکا تھا۔

گاڑی اب پل کو کراس کر رہی
تھی۔۔ عنایتیہ سیٹ پر گھونگھٹ
نکالے بری طرح کانپ رہی تھی۔
در خزنئی خانزادہ نے اپنی سرخ

عنایتیہ کی کلائی میں پہنی چوڑیوں کو
نا محسوس انداز سے چھو رہی تھیں۔
میری آنکھوں نے بھی
دیکھا تھا وفا کا سپنا

میں نے سوچا تھا
کوئی ہو گا میرا
بھی اپنا
زخم مجھ کو جو لگا ہے

سناؤں کیسے

در خزنئی خانزادہ اپنے بازو سے اپنی
سرخ آنکھیں مسلتے ہوئے گاڑی کی
سپیڈ بڑھا گیا تھا

رمز عشق

تحریر نور آصف

قسط 163 part 1

عنائے ایک بہت بڑے بے حد شاندار کمرے کے چنیوٹی
بیڈ پر اوندھے منہ دلہن کے لباس میں لیٹے سسکیاں بھر
رہی تھیں۔ جتنا در خیزی خانزادہ کا رویہ اسے تکلیف

دے رہا تھا اس سے لہیں زیادہ اس کا خوف و ہشت اسے
اندر سے لرزا رہا تھا۔ وہ اتنی بڑی حویلی میں اس کے
ساتھ اکیلی تھی۔ خوف سے اس کا رواں رواں کھڑا ہو رہا
تھا۔

ایک فون تک اس کے پاس نہ تھا۔ سب سے دور وہ اس
سر پھرے خانزادے کے ساتھ اکیلی تھی۔

عنائیہ نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے اپنے عارض سے بہتے
آنسو بے دردی سے اپنی ہتھیلی سے صاف کیے۔
اب وہ سسکتے ہوئے کمرے کو دیکھ رہی تھی۔ کمرہ بہت
بڑا اور بے حد شاندار تھا۔ کمرے میں جگہ جگہ لکڑی کا
بے حد شاندار کام ہوا تھا۔ والز پر بے حد مہنگی پینٹنگ
نصب تھی۔ کمرے کی چھت پر بے حد خوبصورت اور

بڑا فانوس لگا ہوا تھا۔ وہ اتنا بڑا کمرہ دیکھ کر حیران تھی۔
ایک طرف کمرے میں دیوان اور بے حد خوبصورت
صوفے سجے تھے۔

عنائیہ بیڈ سے اٹھتے ہوئے کمرے کی ایک ایک چیز کو
دیکھنے لگی۔ بیڈ کا کراؤن بہت بڑا تھا۔ بیڈ کے گرد
نیٹ کی جھالر تھی۔ بیڈ بہت شاندار خوبصورت تھا اس

نے آج تک ایسا بیڈ ایسا فرنیچر فلموں میں بھی نہیں دیکھا
تھا۔ نہ ایسا کمرہ کہیں دیکھا تھا کمرہ بے حد خوبصورت اور
عالیشان تھا۔ عنائے نے کھڑکیوں کی طرف بڑھتے
کرٹن ہٹائے تو وہ بڑے بڑے گلاس والے برف سے
ڈھکے پہاڑ اور بہتا دریا دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔ کمرے
سے بہتے دریا کا منظر واضح تھا۔ جو نیچے کی طرف بہہ رہا

تھا۔ یعنی یہ حویلی جیسے بہتے دریا اور پہاڑوں میں گری
تھی۔۔ عنائیہ کا دل اب زوروں سے دھڑکنے لگا تھا۔ یہ
سر پھر اخانزادہ جتنا دہشت والا تھا یہ حویلی اور یہ جگہ اس
سے کہیں زیادہ دہشت والی تھی۔۔۔ عنائیہ کمرے کے
اندر ڈریسنگ روم کی طرف بڑھی۔۔ ڈریسنگ روم میں
بڑی بڑی الماریاں اور وال مرردیکھ کر وہ مزید حیران

ہوئی تھی۔ لکڑیاں کی الماریاں چھت تک جاتی تھیں۔
یہاں بھی دیواروں پر لکڑی کا اعلیٰ کام ہوا تھا۔ یہ حویلی
جتنی قدیم خوبصورت اور پر سرار تھی اتنا ہی اس کی
میننس کا خیال رکھا گیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کچھ
عرصہ پہلے بنی ہو۔ ہر چیز خوبصورت تھی۔ ذرا دھول
مٹی نہیں تھی۔ اگر در خزنی یہاں نہیں آتا تھا تو اس

حویلی کا خیال کون رکھتا تھا؟؟ وہ حیران ہوتے سوچ رہی
تھی۔

عنائیہ نے الماری کھولی تو وہ مزید حیران ہوئی تھی۔ اس
الماری میں تقریباً پانچ سال کی بچی کے ڈھیروں کپڑے
لٹکے ہوئے تھے۔ عنائیہ جلدی سے الماری بند کرتے
اس کے ساتھ ٹیک لگائے گہرے سانس لینے لگی۔ دل

عجب سے خوف سے دھڑکنے لگا تھا۔ اس کمرے سے
بھی اسے خوف محسوس ہونے لگا تھا۔

وہ الماری کے ساتھ ٹیک لگائے سامنے مرر میں نظر
آتے اپنے عکس کو دیکھ رہی تھی۔ یکدم وہ پھوٹ پھوٹ
کر رونے لگی تھی۔ اب وہ ہذیانی اونچی چیخیں مار کر
رورہی تھی۔ الماری کے ساتھ ٹیک لگائے زمین پر

بیٹھتے کھٹنوں میں منہ چھپائے بری طرح سسکنے لگی۔
اس کی پر سوز سسکیاں اس ڈریسنگ روم میں بری طرح
گوںج رہی تھی۔ وہ اپنے اجڑنے پر جی بھر کر ماتم منار ہی
تھی۔ وہ یوں کسی کے لیے سچے گی سنورے گی اسے
اندازہ نہ تھا۔ اور جس کے لیے سچے گی سنورے گی وہ

اس کے ساتھ یہ سلوک کرے گا اسے اندازہ نہ تھا۔ مگر
اپنی کم مائیگی کا احساس شدت سے ہو رہا تھا۔
نہ جانے اسے کتنی دیر ہو گئی تھی وہ یو نہیں سسک رہی
تھی۔ اپنے قریب کسی کے قدموں کی آہٹ محسوس
کرتے عنائیہ کا وجود بری طرح لرزا تھا۔ خوف سے وہ
جیسے ساکت ہوئی تھی۔

اس نے ڈرتے ہوئے اپنے کھٹنوں سے سراٹھا کر دیکھا
اپنے سامنے کھڑے در خزئی خانزادہ کو دیکھ کر اس کی
آنکھوں کا گلابی پن بڑھتے شدت اختیار کر گیا تھا۔ وہ
اسے گلابی آنکھوں سے دیکھتے ہچکی لیتے نروٹھے انداز میں
منہ موڑ گئی تھی۔

در خزئی خانزادہ نے پنچوں کے بل اس کے قریب بیٹھتے
ہوے اس کا ہاتھ نرمی سے تھاما۔ جو عناسیہ نے جھٹکا نہیں
تھا۔ مگر اس کی سسکیوں میں اضافہ ہوا تھا۔
کہیں لگی تو نہیں تھی۔ ان ہتھیلیوں کو آگ نے تو نہیں
چھوا تھا ناں؟؟ در خزئی خانزادہ نے وحشت کے عالم میں
اس کی گلابی نرم ہتھیلیاں دیکھتے پوچھا تھا۔

عنائیہ کی سسکیوں میں اضافہ ہوا تھا۔ بتاؤ مجھے ان
ہتھیلیوں کو آگ نے چھوا ہے کیا؟؟ یہ جلی تو نہیں؟؟
در خزئی اس کی ہتھلیاں نرمی سے سہلاتے ہوئے پوچھ
رہا تھا۔

عنائیہ نے اب در خزئی خانزادہ کی طرف دیکھا تھا۔ یقدم
وہ گھبراتے ہوئے پیچھے کو کھسکتی مزید الماری میں سمائی

نن۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ عنائے نے تھوک نکلتے بمشکل

ہی جواب دیا تھا۔

ایک بات یاد رکھنا میری! تمہارے جسم کے کسی بھی
حصے کو تکلیف پہنچ سکتی ہے مگر ان ہتھیلیوں کو نہیں۔۔
ان ہتھیلیوں کو کچھ نہیں ہونا چاہیے ورنہ تمہارے جسم
کے باقی حصوں کو میں اپنے ہاتھوں سے داغوں گا سچھی

تم!! وہ اس کی ہتھیلیاں نرمی سے سہلاتے ہوئے اس کی
آنکھوں میں اپنی سرخ وحشت زدہ آنکھیں گاڑھ گیا
تھا۔

عنائیہ نے اس کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے خوف سے
جھر جھری لیتے اثبات میں سر ہلایا۔

چلو یہاں سے!! در خزئی نے اس کے عارض پر بہتے
آنسوؤں کو دیکھتے اس کی ہتھیلی نرمی سے تھامتے کہا۔
مجھے کہیں نہیں جانا!! عناسیہ اپنا ہاتھ چھڑواتے ہوئے
مزید الماری میں سمائی تھی۔ انداز نروٹھا سا تھا۔
در خزئی خانزادہ اسے بغور دیکھتے اس کے سامنے بنی
الماری کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھ گیا تھا۔

اب وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ در خزئی
خانزادہ کی آنکھوں کی سرخی بڑھتی جا رہی تھی۔ عنانیہ
کی آنکھوں کا گلابی پن کے ساتھ ساتھ سسکیاں بھی بڑھ
رہی تھیں۔ وہ در خزئی خانزادہ پر اپنی گلابی شکوہ کناں
نگاہیں گاڑھے ہوئے تھی

در خزئی خانزادہ شلوار پر وایٹ سینڈ و پہنے ہوئے تھا۔
اس نے اپنی شلوار کی پاکٹ سے لایٹر اور سگریٹ نکال
کر سگریٹ سلگائے لبوں سے لگایا۔

عنائیہ سسکیاں لیتے گلابی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی
۔ در خزئی زخمی سا مسکراتے ہوئے کبرڈ سے ٹیک
لگائے سگریٹ کا دھواں چھوڑتے عنائیہ پر اپنی گہری

نگاہیں گاڑھے ہوئے تھا۔ عنائے بھی اب تھکے تھکے انداز
میں کبرڈ سے ٹیک لگائے اپنی آنکھیں موند گئی تھی۔ وہ
اس سر پھرے خانزادہ کی سرخ آنکھوں میں نہیں دیکھ
سکتی تھی۔ جو اسے مزید اس سے وحشت کھانے پر مجبور
کر رہی تھی۔

جانتی ہو یہ کس کا کمرہ ہے؟؟ در خزنئی کے سوال پر اس
نے آنکھیں کھولتے ہوئے در خزنئی کی طرف دیکھا۔ وہ
اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔
تم کیسے جان سکتی ہو؟؟ وہ سگریٹ کا گہرا کش لیتے خود ہی
جواب دیتے زخمی سا مسکرایا تھا۔

عنائے نے اس کی زخمی مسکراہٹ کو حیرانگی سے دیکھا تھا
- اس کی آنکھوں میں عجیب سے درد کرب نے عنائے
نے اپنا نچلا لب بے دردی سے کچلا تھا۔
یہ میری پری کا کمرہ ہے۔ در خزی نے اس کی طرف
دیکھتے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

عنائیہ کو اس کی سرخ آنکھوں میں نمی کی امیزش دکھائی
دی تھی۔ ہاتھ میں پکڑا سگریٹ لرزتا محسوس ہوا تھا۔
وہ مسکراتے ہوئے سگریٹ کے گہرے کش لیتے
آنکھیں موند گیا تھا۔ عنائیہ بھی اسے کچھ دیر دیکھنے کے
بعد آنکھیں موند گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ نیند سے
جھپکولے بھرتے ہوئے در خزئی خانزادہ کی لیپ سے آن

لکرائی تھی۔ در خزئی اسے جلدی سے اپنی بانہوں میں
بھرتے اپنے سینے سے لگا گیا۔ وہ اس کی بانہوں میں
گہری نیند سو رہی تھی۔ در خزئی خانزادہ اسے اپنے لیپ
میں بٹھائے اپنے سینے میں شدت سے بھینچ گیا تھا۔ وہ
اسے اپنے سینے سے لگائے بے حد نرمی سے اس کی
ہتھیلیاں چوم رہا تھا۔ وہ اس کے سینے سے لگے گہری نیند

سوچکی تھی۔۔ عنائیہ کی سانسوں کی گرمائش در خزئی
خانزادہ کے سینے پر بکھر رہی تھیں۔

در خزئی اسے اپنی لیپ پر بٹھائے اپنے سینے سے لگائے
ہوئے اس کی ہتھیلیاں چومتے اس کے بالوں کو لبوں
سے بے حد نرمی سے چھو رہا تھا۔ زمین ٹھنڈی تھی اور
ڈریسنگ روم بھی بے حد ٹھنڈا تھا۔ وہ سردی سے

کچکپاتے اس میں مزید شدت سے سمار ہی تھی۔ در خزنئی
اسے اپنی بانہوں کی گرمی دیتے اسے مزید خود میں سما گیا
تھا۔ وہ کافی دیر تک اس ٹھنڈی زمین پر اسے لیے بیٹھا
رہا تھا۔ نجانے کتنی دیر؟؟ ڈریسنگ روم میں سردی کی
شدت بڑھتی محسوس کرتے وہ اسے گود میں اٹھائے
زمین سے اٹھتا ریسنک روم سے باہر نکل آیا تھا۔ وہ اسے

لیے اس کمرے سے نکلتا اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔
اپنے کمرے میں داخل ہوتے در خزنائی خانزادہ نے اس
کے نازک کلیوں جیسے مخملی وجود کو بیڈ کے وسط میں نرمی
سے لٹایا۔ عنایتیہ پر ریڈ مخملی گرم رضائی اچھی طرح دیتے
وہ کمرے کے وسط میں نصب جدید خوبصورت آتش
دان کی طرف بڑھا۔ پنچوں کے بل بیٹھتے ہوئے

در خزئی خانزادہ نے آتش دان میں لکڑیاں سیٹ کرتے
ہوے آگ جلائی۔ آگ جلنے پر آتش دان کا گلاس ڈور
بند کرتے در خزئی نے اسے لاک کیا۔ وہ پنجنوں کے بل
بیٹھے آتش دان میں آگ بھڑکتی دیکھ رہا تھا۔ جواتنے
ٹھنڈے کمرے کو اب گرم کر رہی تھی۔

سے اس کے چوڑے سینے کا حصہ بنی تھی۔ وہ اس کی کمر
پر اپنا حصار مضبوط کرتے اسے لیے رخ پلٹتے اس پر مکمل
حاوی ہوا۔

در خزن۔۔۔ ٹی۔۔۔ عنایتیہ نے اس کی جنونیت بھری
آنکھوں میں دیکھے اس کا نام توڑ توڑ کر پکارا تھا۔

مم۔۔۔ مجھے۔۔۔ واش۔۔۔ روم۔۔۔ جانا۔۔۔ ہے۔۔۔
عنائیہ ٹوٹے لفظوں سے بولتے ہوئے اپنا لہنگا دونوں
ہاتھوں میں جکڑتے بھاگتے ہوئے واش روم کی طرف
بڑھی۔۔۔

در خزئی کی سرخ آنکھیں عنائیہ پر تھیں جو اپنا بھاری لہنگا
دونوں ہاتھوں میں جکڑے بھاگتے ہوئے واش روم میں

داخل ہوتے واش روم کاروازہ بند کرکئی تھی۔
در خزئی خانزادہ گہرے سانس لیتے بیڈ کراؤن سے ٹیک
لگا گیا تھا۔ اس کی آنکھوں کی سرخی مزید بڑھی تھی۔
عنائیہ نے واش روم میں داخل ہوتے واش روم کے
دروازے کو لاک کرنے کی کوشش کی۔ جو ہڑ بڑاہٹ

میں اس سے لاک نہیں ہوا تھا۔ وہ اب دروازے کے
ساتھ ٹیک لگائے گہرے سانس لے رہی تھی۔۔۔
عنائیہ نے اپنے لرزتے بدن پر قابو پاتے واش روم میں
نظریں دوڑائیں۔ اس کی آنکھیں تھیر سے پھیلیں۔ واش
روم اتنا جدید اور گلزیزیت تھا۔ وہ واش روم کو دیکھ کر
بھی حیران ہوئی تھی۔۔۔ وہ گہرے سانس لیتے سلیب کی

طرف بڑھی۔ وہ سلیب کو مٹھیوں میں جکڑے گہرے
سانس لینے لگی۔ وہ در خزئی خانزادہ کی قربت چاہتی
تھی۔ خود کو ذہنی طور پر تیار بھی کیا تھا۔ مگر گاڑی اور
حویلی میں اس کا رویہ دیکھ کر وہ اس سے اب نجانے طور
پر خوف کھا بیٹھی تھی۔

وہ اس وقت بلیک ٹراؤزر اور بلیک سینڈو میں ملبوس تھا۔
اپنے کمر کے زخم پر وہ خود ہی بینڈج کر چکا تھا۔ وہ پچھلے
پندرہ منٹ سے اپنی پوری فورس لگائے زمین کھود رہا
تھا۔

اتنی سردی میں وہ ایک بار پھر سے پسینے میں شرابور تھا۔

سے بھی زیادہ اونچی آواز میں چیخا تھا۔
زر مش کی چیخیں اسے اپنی سماعتوں میں سنائی دے رہی
تھیں۔ مس خان!! وہ چیختے ہوئے بھاگتے ہوئے حویلی
کی طرف اپنے بھاری قدموں سے بڑھا۔ وہ اپنی پوری
فورس لگائے جنگل سے بھاگتے داخلی دروازے کی
طرف بڑھا۔

زر مش بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے گہرے سانس لیتے
فلگ شرکاف چنچیں مار رہی تھی۔ کمرے میں پھیلی نیلگوں
روشنی میں وہ آریان خانزادہ کے کمرے کو دیکھ چکی
تھی۔

خوف سے اس کی سائسیں بند ہو رہی تھیں۔ آنکھوں
کے آگے وہ منظر لہرا رہا تھا۔ جب وہ سر پے سے اس کو
جانوروں سے ہمی بدتر موت دے رہا تھا۔ اس انسان کی
دلخراش چیخیں زر مش کو اپنی سماعتوں میں سنائی دے
رہی تھیں۔

وہ چیختے ہوئے بیڈ سے اٹھتی کمرے سے نکلتی بھاگتے
ہوئے داخلی دروازے کی طرف بڑھی۔ اسے اس وحشی
درندے کی پناہوں میں نہیں رہنا تھا۔ اسے اس
bloodthirsty beast کی پناہوں میں نہیں
رہنا تھا۔ اسے ہر حال یہاں سے جانا ہی تھا۔ وہ اپنے پاؤں
کے زخموں کے درد کی پرواہ کیے بغیر اپنی پوری قوت

لگائے بھاگتے ہوئے داخلی دروازے کی طرف بڑھ رہی
تھی کہ یکدم وہ کسی کے پتھر جیسے سینے سے جا ٹکرائی
تھی۔

اس کی فلگ شرگاف چنچیں اس کے حلق میں گھٹی تھیں۔
وہ bloodthirsty beast کی سمیل پہچانتی
تھی۔ وہ اس وحشی درندے کی خوشبو پہچانتی تھی۔

وہ اس کے سینے پر ہاتھ رکھتے اپنی ہر فی سے بھی زیادہ
خوفزدہ آنکھیں اس bloody thirst beast
کی سبز سرخ آنکھوں میں گاڑھ گئی۔
کیا ہوا مس خان؟؟ آریان خانزادہ اسے بازو سے
جکڑے خود سے دور کرتے سرد لہجے میں استفسار کر گیا
تھا۔

مم۔۔۔ مجھے۔۔۔ جانے۔۔۔ دو!! مجھے۔۔۔
میرے۔۔۔ لالا۔۔۔ کے۔۔۔ پاس۔۔۔ جانے۔۔۔
دو۔۔۔ مم۔۔۔ مجھے۔۔۔ اپنے۔۔۔ لالا۔۔۔ کی۔۔۔
بندوق۔۔۔ کی۔۔۔ گولیاں۔۔۔ قبول۔۔۔ ہیں۔۔۔
مم۔۔۔ مجھے۔۔۔ میرے۔۔۔ لالا۔۔۔ کے۔۔۔
پاس۔۔۔ جانے۔۔۔ دو۔۔۔ پپ۔۔۔ پلیز۔۔۔ وہ آریان

خانزادہ کی آنکھوں میں دیکھتے سر اسیمکی ٹوٹے لفظوں
سے ہچکیوں کے دوران فریاد کرتے بولی۔
کیوں جانے دوں تمہیں تمہارے لالا کے پاس؟؟ وہ
اسے دونوں بازوؤں سے جکڑے اٹھاتے ہوئے تھوڑا
سا اوپر کر گیا تھا۔ اس کے پاؤں زمین سے تھوڑے اوپر

سے مسکرایا تھا۔

لک کیا سوچا ہے؟؟ زرمش نے روتے ہوئے کپکپاتے

لبوں سے پوچھا۔

آریان خانزادہ کے دشمن خود اس تک پہنچتے ہیں۔۔

آریان خانزادہ کبھی اپنے دشمنوں کے پاس نہیں جاتا۔



جلد تمھارے لالا اس حویلی میں ہوں گے۔۔ وہ اسے
نیچے اتارتے ہوئے دیوار کے ساتھ لگا گیا تھا۔
کک کیوں؟؟ زر مش دیوار میں سمائے خوفزدہ لہجے میں
بولی۔

وہ اس کے پاؤں کی طرف دیکھتے اس کے کندھوں پر دباؤ
ڈالتے ہوئے اسے نیچے بٹھاتا چلا گیا تھا۔

زر مش نیچے دوزانو جیھتی چلی گئی تھی۔
آریان خانزادہ بھی اس کے قریب پنجنوں کے بل بیٹھا۔
کیونکہ مجھے اپنے دشمنوں کی آنکھوں میں ہار بے بسی
دیکھنے کا بہت مزا آتا ہے۔
سوچو!! وہ کیا عالم ہو گا جب حیدر خان میری حویلی میں
آئے گا؟؟ اور تمہیں اپنے ساتھ لے کر نہیں جاسکے گا۔

میں کام ہی کچھ ایسا کروں گا۔ وہ آئے گا حویلی اپنے ڈھیر
سارے گارڈز کے ساتھ آئے گا وہ میری حویلی۔ مگر
افسوس وہ کچھ نہیں کر سکے گا۔ وہ میری حویلی کی ایک چیز
برباد کرے گا۔ تمہیں دکھاؤں کیسے؟؟ آریان خانزادہ
نے اس کی ڈری سہی آنکھوں میں دیکھتے پوچھا تھا۔

ہاں۔۔۔ہاں۔۔۔ہاں۔۔۔زر مش نے ڈرتے ہوئے
اثبات میں سر ہلایا۔
تم ڈرو گی تو نہیں۔۔۔اریان خانزادہ نے مسکراتے ہوئے
پوچھا۔
نہیں۔۔۔نہیں۔۔۔نہیں۔۔۔تو۔۔۔زر مش نے نفی میں
سر ہلاتے ہچکی لی۔

زر مش چینختے ہوئے اپنے لبوں پر ہاتھ جما کئی تھی۔
اس دروازے کو کچھ نہیں ہوگا۔ مگر تمہارے لالا کی
گولیوں سے یہ دروازہ کھل جائے گا۔ کیونکہ آریان
خانزادہ یہ دروازہ کھول کر ہی رکھے گا۔ آریان خانزادہ
نے فلک شگاف قہقہہ لگایا۔

زر مش اسے خوفزدہ نگاہوں سے دیکھ رہی رہی تھی وہ
کیا کہہ رہا تھا وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی؟؟
تمہارا لالا پھر اپنے کندھوں پر شال جھٹکتے ہوئے اپنے
درجنوں گارڈز کے ساتھ آگے بڑھے گا۔ وہ راستے میں
آئی میری حویلی کی ہر چیز کو پاؤں سے ٹھوکر مارے گا۔

اس کے گارڈز بھی حویلی کے فرنیچر کو اٹھ بیچ کرے
گے۔

جگہ جگہ گولیاں برسائیں گے۔ اس حویلی کی ہر چیز
بر باد ہو جائے گی۔ آریان خان زادہ نے آگے بڑھتے
صوفوں پر کتنے ہی فایر کیے۔ وہ صوفوں پر فائر کرے گا۔
جگہ جگہ رکھے میرے سارے وائر لیس بر باد کر دے

گا۔ وہ آگے بڑھتے ہوئے تمام وائرلیس اٹھاتے ہوئے
زمین پر پھینک رہا تھا۔

زرمش لبوں پر ہاتھ رکھے اسے دیکھ رہی
تھی۔۔ یہاں بھی برسائے گا وہ گولیاں۔۔ آریان
خانزادہ نے بک ریک میں فائر کیے۔۔ چیخے گا چلائے گا
روئے گا تڑپے گا۔ مگر تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے جا

پائے گا۔ آریان خانزادہ پر سرایت سے بولتے
زر مش کا خون رگوں منجمد کر رہا تھا۔ زر مش تو اسے
چکراتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔۔ مقابل سچ میں
bloodthirsty beast تھا۔ وحشی درندے
سے بھی زیادہ وحشی درندہ!!

تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گی اپنی لالا کی بے بسی اسے
چنچیں مارتے ہوئے۔۔ مگر افسوس تم ایک لفظ منہ سے
نکال نہیں سکو گی۔۔ جانتی ہو کیوں؟؟ آریاں خانزادہ
نے اس کے پاس پنچوں کے بل بیٹھتے ہوئے برقیلے لہجے
میں پوچھا۔

نن۔۔ نہیں۔۔ زر مش نے لبوں پر ہاتھ جماتے ہوئے
سرنفی میں ہلایا تھا۔

کیونکہ تمھاری سانسوں پر میری سانسوں کا قبضہ ہوگا۔
آریان خانزادہ نے اس کے لبوں پر ہاتھ ہٹائے اس کے
کپکپاتے لبوں پر اپنی سلگتی سانسیں چھوڑیں۔

زر مش لرزتے ہوئے دیوار میں سمائی تھی۔ وہ اس کی
سانسوں کی تپش سے جھلس کر انگارہ ہوئی تھی۔
اس دن تو یہ سانسیں بہت جگہوں پر اپنا لمس چھوڑتے
تمھاری آواز بند کر دیں گی۔ تم اپنے لالا کو دیکھ کر
سوائے بے بسی سے رونے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکو

کی۔ آریان خانزادہ نے مسکراتے اس کے عارض پر بہتے
آنسو بے حد نرمی سے صاف کیے تھے۔
زرمش نے اس کی کھردری انگلیوں کا لمس اپنے عارض
پر محسوس کرتے خوف سے ہچکیاں روکی تھیں۔
اٹھو کمرے میں چلو تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ وہ
کھڑے ہوتے حکم یہ لہجے میں کہتے آگے بڑھاتھا۔

زر مش اس کے حکم پر جلدی سے زمین سے اٹھی تھی۔
یکدم اسے چکر آیا تھا۔ اس سے پہلے وہ زمین بوس ہوتی
آریان خانزادہ اسے کلائی سے جکڑے اپنے کمرے کی
طرف بڑھا۔ زر مش اس کے ساتھ کھینچتی ہوئی چلی گئی
تھی۔ آریان خانزادہ کو اس کے کمرے کی طرف

بڑھتے دیکھ زر مش کو اپنی سالیں سینے میں دبتے
خاموش ہوتے محسوس ہوئی تھیں۔

وہ اسے کھینچتے ہوئے اپنے کمرے میں داخل ہوتے اپنے
بیڈ پر دھکیل گیا تھا۔ اب خاموشی سے ادھر چپ کر کے
آنکھیں بند کر لیٹ کر سو جاؤ۔ صبح کی روشنی تک مجھے
صرف تمھاری سانسوں کی آواز آئے۔ کروٹ بھی

نہیں بدلو گی تم!! وہ اسے دیکھتے حکمیہ لہجے میں غرایا۔
زر مش کھسکتے ہوئے بیڈ کراؤن میں سمائی تھی۔
لیٹو!! آریان کی غرباہٹ پر زر مش اسی لمحے بیڈ پر
کروٹ کے بل لیٹتے ہوئے سکڑی سمٹی سی آنکھیں سختی
سے میچ گئی۔ آریان خانزادہ نے آگے بڑھتے ہوئے
کمبل اس کے وجود پر ڈالا تھا۔ آریان خانزادہ نے اس کے

لرزتی پلکوں کو بغور دیکھتے اس کے گال کو دیکھا۔ جہاں
ابھی بھی اس آدمی کی انگلیوں کا نشان تھا۔ آریان خانزادہ
کا دل کیا تھا اس کے گال کو کھرچ کر اس آدمی کی انگلیوں
کا نشان مٹا دے۔ جو پتہ نہیں اسے آگ کی طرح اندر
سے دہکا رہا تھا۔

وہ لائٹس آف کرتے ہوئے صوفے کی طرف بڑھتے
ہوئے چت لیٹے اپنی آنکھوں پر بازو رکھ گیا تھا۔
اب کمرے میں ہلکی سی مدھم نیلگوں روشنی جل رہی
تھی۔

زر مش منہ پر ہاتھ رکھے اپنی سسکیاں روکے ہوئے
تھی۔ وہ اس کے کمرے میں تھی اور وہ اس کمرے میں

موجود تھا۔ اس کی سائیں خوف سے جیسے بند ہو رہی
تھی۔

زر مش کی دبی دبی سسکیوں کی آواز سنتے ہوئے آریان
خانزادہ کے جڑے بھینچے تھے۔

آواز نہ آئے اب تمھاری سسکیوں کی۔ ورنہ بنا کسی حلال
رشتے کے تمھاری سسکیاں گھونٹ دوں گا۔ آریان

خانزادہ دھاڑا تھا۔

زر مش اس کی دھاڑ پر اپنی سسکیاں مزید گلے میں
گھونٹ چکی تھی۔

پوری کائنات میں تم ہی ایک لڑکی ہو جس کے ساتھ
آریان خانزادہ کا حلال تعلق قائم ہو سکتا ہے نہ حرام !!
اس کی ایک بار پھر سے اونچی غراہٹ گونجی تھی۔

مکھارے ناپاک وجود کے ساتھ آریان فارس خاندادہ
کبھی بھی کوئی اپنا تعلق قائم نہیں کرے گا اور یہ آریان
خاندادہ کا وعدہ ہے۔۔ آریان خاندادہ اپنے عہد سے کبھی
نہیں پھرتا۔ آریان خاندادہ غراتے ہوئے صوفے پر
کروٹ بدل گیا تھا۔

زر مش اپنے لبوں پر ہاتھ جمائے اپنی آنکھیں میچے اپنے
بدن کی لرزاہٹ پر قابو پانے لگی۔۔
جانے کتنی دیر ہو گئی تھی کمرے میں آریان خانزادہ کی
سانسوں کی گونج بڑھتی جا رہی تھی۔ زر مش خوف سے
آنکھیں میچے ہوئے تھی۔ وہ آنکھیں کھولتے اٹھ کر بیٹھی

۔ اس نے نیلگوں روشنی میں لرزتے ہوئے آریان
خانزادہ کو دیکھا۔

اس کی نگاہوں کا مرکز آریان خانزادہ کی بیک کے پاس
اس کا موبائل فون تھا۔ اس کے پاس شاید یہ آخری
موقع تھا یہاں سے نکلنے کا۔ وہ یہ موقع گنوانا نہیں چاہتی

تھی۔ وہ اس وحشی درندے کے پاس نہیں رہنا چاہتی
تھی۔

زر مش نے گہرے سانس لیتے اس کے فون کو دیکھتے
اپنی پیشانی پر آئے پسینے کو قطرے صاف کیے۔ وہ بیڈ
سے اٹھتے دبے پاؤں اپنی سانسیں روکتے آریان خانزادہ
کی طرف بڑھی۔ اس کا سانس دھونکنی کی مانند چل رہا

تھا۔ پورا وجود پسینے سے تر تھا۔ دل ایسے دھڑک رہا تھا
جیسے ابھی پہلو سے نکل آئے گا۔ زر مش نے نیلگوں
روشنی میں بچھو کے باکس کی طرف دیکھا۔ وہ باکس میں
نہیں تھا۔ وہ لبوں پر ہاتھ جمائے خوفزدہ ہوتے اچھلی
تھی۔ اسے اپنے وجود پر جیسے وہ بچھورینگتا محسوس ہوا
تھا۔ وہ اپنی ہتھیلی دانتوں میں دبائے اپنی چنچیں روکنے

لکی تھی۔۔ زر مش دے پاؤں آریان خانزادہ کی پشت کو
دیکھا۔ اس نے آگے بڑھتے وہ موبائل اپنے بھیگی ہتھیلی
میں جکڑا۔ زر مش نے کانپتے ہاتھوں سے موبائل کو
کھولا۔ اسے لاکڈ دیکھ کر اس کی آنکھوں سے اشک
رواں ہوا تھا۔ وہ لب دانتوں تلے دبائے اپنی ہچکیاں
روک گئی تھی۔۔ زر مش نے کانپتے ہوئے آریان

خانزادہ کے پاس بیٹھتے ہوئے اس کے اس کا ہاتھ
پکڑنے کی کوشش کی۔ آریان خانزادہ سیدھا ہوا تھا۔
زر مش نے لبوں پر ہاتھ جمائے اپنی چیخ حلق میں روکی
تھی۔ اس کا ہاتھ آریان خانزادہ کے نیچے اب دبا تھا۔
خوف اور آریان کے وزن سے اس کا ہاتھ بلکہ پورا وجود
سن ہوا تھا۔ زر مش نے بمشکل اپنا ہاتھ کھینچا۔ وہ اپنا ہاتھ

اس کے دیو ہیکل وجود کے نیچے سے نکالنے میں کامیاب
ہو چکی تھی۔۔ وہ حیران تھی وہ کیسے اپنا ہاتھ اس کے دیو
ہیکل کے وجود کے نیچے سے نکال چکی تھی۔ اور اسے پتہ
بھی نہیں چلا تھا۔ وہ گہری نیند سو رہا تھا۔
مگر ہاتھ کھینچنے سے وہ اس کے کشادہ سینے پر آن گری
تھی۔

آہستہ۔۔۔۔۔ وہ اب اپنی چیخ نہیں روک سکی تھی۔
زر مش اس کے سینے میں سمائے تھر تھر کانپ رہی تھی۔
وہ گہرے سانس لیتے ایک ہاتھ میں آریان خانزادہ کا
موبائل تھامے ہوئے تھی۔ دوسرے ہاتھ اس کے
سینے پر سر رکھے ہوئے آنکھیں موندے تھر تھر کانپ
رہی تھی۔

وہ کافی دیر تک اس کے سینے سے لپٹی رہی تھی۔ جسم
میں جان ختم ہو چکی تھی۔ رگوں میں دوڑتا خون
منجمد ہو چکا تھا۔ زر مش کی گردن سے ٹپکتا پسینہ
آریان خانزادہ کی سینڈ و کو بھگور ہا تھا۔
زر مش نے اپنے اپنی سانسیں روکتے ذرا سا اوپر ہوتے
آریان خانزادہ کو دیکھا۔ جو گہری نیند سو رہا تھا۔ وہ اسے

ایسے سوتے دیکھ کر حیران تھی۔

زر مش نے اپنی سانسیں بحال کرتے اپنے کانپتے ہاتھ
سے آریان خانزادہ کے دائیں ہاتھ کا انگوٹھا جکڑا۔ اب
اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے آریان کے سینے پر گر رہے
تھے۔ اس کے لبوں سے دبی دبی سسکیاں برآمد ہو رہی
تھیں۔ و bloodthirsty beast کے سینے پر

تھی۔ اسے لگ رہا تھا۔ وہ شیر کی کھچار میں بیٹھی شیر کے
منہ میں ہاتھ دیے بیٹھی ہے۔ آریان کے خوف سے
اس کی سانسیں بند ہو رہی تھیں۔ وہ اٹھ جاتا تو پتہ نہیں
کیا سزا دیتا۔ شاید اس کا گال تھپڑوں سے نیلا کر دیتا یا
پھر اپنے ٹانگر کے آگے پھینک دیتا۔

زر مش نے روتے ہوئے کانپتے ہوئے موبائل کے
سکرین پر آریان خانزادہ کا تھمب لگایا۔ موبائل ان لاک
ہوا ز تھا۔ زر مش بے یقین ہوئی تھی۔۔ وہ جلدی سے
آریان خانزادہ کے اوپر سے اٹھی تھی۔۔ وہ اب کھڑی
بے یقینی سے آریان خانزادہ کو دیکھ رہی تھی جو ابھی بھی

سورہا تھا۔ وہ اپنے ماتھے پر پسینہ صاف کرتے واش روم
کی طرف گرتی پڑتی تیزی سے بڑھی تھی۔
واش روم کا دروازہ بند کرتے زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔
دل پر ہاتھ رکھے گہرے سانس لیتے وہ ان لاک موبائل
کو دیکھ رہی تھی۔ وہ بے یقین تھی۔ دل خوف سے
شدت سے لرز رہا تھا۔ بدن ہچکولوں کی مانند لرز رہا تھا۔

وہ اس وحشی درندے کی پناہوں سے اس کا موبائل لے
آئی تھی اور وہ صبح سلامت بھی تھی۔۔ وہ سچ میں بے
یقین تھی۔

زر مش نے روتے ہوئے اپنے لبوں پر ہاتھ جمائے اپنی
سسکیاں روکتے حیدر خان کا نمبر ڈائل کرتے کال ملائی

—

۔

لالا۔۔ وہ روتے ہوئے حیدر خان کو پکار رہی تھی۔۔
دوسری طرف بیل کی آواز جارہی تھی۔۔
لالا!! وہ بے آواز لبوں سے اسے پکارتی جارہی تھی۔۔
ہیلو! دوسری طرف سے فون اٹھالیا گیا تھا۔
لالا!! حیدر خان کی آواز سنتے وہ سسک سسک کر رو
دی۔۔

لالا!!! میں زر مش۔۔ زر مش نے روتے ہوئے کہا۔
مگر دوسری طرف سے فون رکھ دیا گیا تھا۔ زر مش نے
روتے ہوئے پھر سے حیدر خان کا نمبر ڈائل کیا۔ وہ
حیران تھی اسے حیدر خان کی آواز آرہی تھی مگر اس کی
آواز حیدر خان تک کیوں نہیں پہنچ رہی تھی۔
اس نے دوبارہ نمبر ڈائل کرتے فون کان سے لگایا۔

دوسری طرف سے پھر سے ہیلو کون ہے؟؟ کی سلسل
پکار گونج رہی تھی۔

لالا وہ اب حلق کے بل چیخنی تھی۔۔ ہیلو کون ہے؟؟
حیدر کی آواز پر وہ شدت سے رودی تھی۔

لالا آپ کی زرمش!!! آپ کی بہن لالا!!! وہ فون اپنے
ہونٹوں کے قریب کرتے رو پڑی۔۔ دوسری طرف

سے فون پھر سے بند کر دیا گیا تھا۔
زر مش فون ہاتھ میں پکڑے پھوٹ پھوٹ کر رو دی
تھی۔ فون پھر سے ان لاک ہو چکا تھا۔
وہ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے اب ہڈیاں چنچ رہی
تھی۔

اس کی چیخوں کی آواز سنتے آریان خانزادہ کے لبوں سے
فلگ شرگاف قہقہہ برآمد ہوا تھا۔

Welcome haider khan to
Aryan khanzada's mansion as
his greatest enemy

زر مش کی چیخوں کے ساتھ آریان خانزادہ کے فلگ
شگاف قمقے کمرے میں گونج رہے تھے

زاران شرٹ لیس الٹا سوراہا تھا۔۔۔ نیند میں ہی اس نے
باکیں ہاتھ سے اپنے پہلو میں ابرش کو تلاشا تھا۔ وہ اس

کے پاس نہیں تھی یہ احساس ہوتے ہی اس کی نیند بھک
سے اڑی تھی۔

اس نے سیدھے ہوتے اپنی سائیڈ پر نظر پڑیں دوڑائیں۔ وہ
وہاں نہیں تھی۔ زار ان خانزادہ کی دل کی دھڑکنیں تیز
ہوئی تھیں۔ اس کے دور جانے کے خیال سے ہی وہ جی

جان سے لرز اٹھاتا تھا۔ زار ان اپنے لھنے بالوں میں ہاتھ
پھیر کر اٹھ کر بیٹھا وہ کمرے میں کہیں نہیں تھی۔
اسے کھونے کا جو احساس کل رات اس نے محسوس کیا
تھا۔ وہ احساس کبھی بھی اس نے محسوس کیا تھا۔ شدید
محبت تو پہلے بھی اس سے بے حد کرتا تھا۔ مگر اب تو
رگوں جاں سے بڑھ کر کہیں زیادہ ہو گئی تھی۔ اس کی

بے اعتنائی بے رخی سے بڑھ کر اس کے لیے جان لیوہ
احساس کوئی نہیں تھا۔ وہ اسے اب اپنی دھڑکنوں سے
بھی زیادہ قریب رکھنا چاہتا تھا۔ اتنی محبت کرنے والی
عورت کو وہ کیسے خود سے دور رکھ سکتا تھا جو قربت کے
لمحات میں کس طرح اس کا سکون بن کر اپنی ٹھکن بھول
جاتی تھی۔

وہ جتنی دیر اسے اپنے قریب رکھتا تھا۔ وہ اف نہیں کرتی
تھی۔۔ پہلے بھی اور اب بھی۔۔

رات کی خماری زار ان خانزادہ کی آنکھوں میں خماری بن
کر دوڑ رہی تھی۔ زار ان خانزادہ اپنے گھنے بالوں میں
انگلیاں پھیرتے ہوئے بیڈ سے اٹھا۔

مرر میں اپنا علس دیکھتے وہ ہنساتھا۔ اس کی خوبصورت
جنونی بیوی کی سوغاتیں اس کے چٹائی سینے پر موجود
تھیں۔ اور ان سوغاتوں کو لے کر وہ اسے اسے کافی تنگ
کرنے کا آرادہ رکھتا تھا۔

زاران خانزادہ واش روم کی طرف بڑھا۔ وہ دروازہ
کھول کر اندر داخل ہوا۔ وہ نہیں تھی۔ وہ کمرے سے

لکھتا وہ کئی کئی سڑھیاں پھلانگتے ہوئے نیچے اتر رہا تھا۔
دل کی دھڑکنیں شدت سے دھڑک رہی تھیں۔
وہ عورت اپنی شدید محبت اور قربت سے اسے اتنا اسیر کر
چکی تھی۔ وہ جانتا تھا وہ اسے کبھی بھی چھوڑ کر نہیں جا
سکتی تھی۔ پھر بھی اسے کھونے کے احساس سے ڈرنے
لگا تھا۔

ابرش اس وقت صرف زار ان خانزادہ کی بلیک کلر کی
گرم ہڈی پہنے ہوئے ہوئے تھی۔ جو اس کے گھٹنوں
سے اوپر آتی تھی۔ وہ اس وقت سومنگ پول میں اپنی
ٹانگیں لٹکائے بیٹھی ہوئی تھی۔

اس کے لبوں پر مدھم سی شرمیلی مسکراہٹ تھی۔ وہ
گہرے سانس بھرتے بار بار زار ان خانزادہ کی ہڈی کو

سینے سے پکڑتے اس کی سمیل کرتے گہرا مسکراتی تھی۔
اپنی ٹانگوں پر زار ان خانزادہ کی جنون خیزیوں کو دیکھ کر
اس کی شرمیلی مسکراہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی۔
سماعتوں میں زار ان کی سرگوشیاں رس گھول رہی
تھیں۔ جو اس کا دل زوروں سے دھڑکا رہی تھی۔

وہ کل رات اپنی قربت میں اسے بہت بار I love
you بول چکا تھا۔ اس کی ہر جنون خیزی کے ساتھ
اس کے لبوں پر اس کے لیے اظہار محبت تھا۔ وہ اسے
کھونے سے ڈرتا ہے یہ بات اس نے اپنی قربت میں
بارہاں مرتبہ اسے بتائی تھی۔

آنکھ سے گیا نہیں

ابرش زار ان کی ہڈی کو سینے سے جکڑے چومتے ہوئے
آنکھیں میچے ہوئے تھی۔

زار ان خانزادہ داخلی دروازے سے نکلتا سومنگ پول
والی سائیڈ کی طرف بڑھا۔ اپنی خوبصورت بیوی کو
سومنگ پول کے کنارے بیٹھ کر اس کے بھاری قدم

رکے تھے۔ اسے اپنی ہڈی چومتے دیکھ کر زار ان خانزادہ
نے بمشکل اپنا قہقہہ روکا تھا۔ وہ اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے
ہوئے اپنی خوبصورت بیوی کو دیکھ رہا تھا جو اس کی گرم
ہڈی سمیل کرتے ہوئے اسے چوم رہی تھی۔ پول میں
اپنی ٹانگیں ہلاتے ہوئے اب وہ آنکھیں میچے اپنی گردن
پر انگلیاں پھیر رہی تھی۔ زار ان کے لبوں کی

نہیں۔ زار ان خانزادہ کی آنکھوں کی سرخی بڑھی تھی۔
وہ پول کی طرف بڑھتے پول کی سیڑھیوں سے اترتے
ہوئے اپنی بیوی کی طرف بڑھا۔ جوا بھی بھی آنکھیں
میچے اس کی ہڈی کو چومتے ہوئے اپنی سڈول ٹانگوں پر
زار ان خانزادہ کے دیے کئے جنون خیزیوں پر ہاتھ پھیر
رہی تھی۔ زار ان اپنے گھسنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے

ہوے اس کی طرف بڑھتے پانی میں کم ہوا۔ اس کے
قریب پہنچتے وہ اس کی خوبصورت ٹانگوں پر اپنے جنون
خیزی کی گہری شدت رقم کر گیا تھا۔
زاران کی بے درد شدت اور اس کے آچانک یہاں آنے
پر ابرش کی چیخ بلند ہوئی تھی۔ زاران خانزادہ اپنے گیلے
بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے پانی کی سطح پر آیا۔

ابرش خوفزدہ بھیکی نگاہوں سے گہرے سانس لیتے
زاران خانزادہ کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ جس
نے اسے کافی بے دردی سے اپنی جنون خیزی دی تھی۔
کیا بیوی؟؟ زاران خانزادہ نے اپنے گھنے گیلے بالوں میں
انگلیاں پھیرتے ہوئے اسے دیکھتے آئی برواچکائے
تھے۔

بمھارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میٹنگ کے لیے بھی جاؤں
گا تم میرے ساتھ جاؤ گی۔ یہ وعدہ ہے میرا تمہیں حویلی
کے کمرے میں میرے بغیر نہیں رہنا پڑے گا۔
تم۔۔ تم۔۔ جھوٹ۔۔ آپ۔۔ جھوٹ۔۔ بول۔۔
رہے۔۔ ہیں۔۔ ابرش نے کپکپاتے لبوں سے روتے
ہوئے کہا۔

زاران اس کے تم سے آپ آنے پر قہقہہ لگا گیا تھا۔
تمہیں کبھی اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔ کبھی ایک دن کے
لیے بھی اسلام آباد جاؤں گا۔ تمہیں ساتھ لے کر جاؤں
گا۔ اور میں تم پوری دنیا کی بھی سیر کریں گے۔ تیار رہو
اپنے ہنی مون کے لیے۔ ورلڈ ٹور پر جائیں گے۔ زاران
کی بات پر وہ روتے ہوئے اس کے ساتھ لپٹی تھی۔

مجھے کچھ نہیں چاہیے زار ان۔۔ مجھے اسلام باد والا بنگلہ
نہیں چاہیے۔۔ مجھے مہنگی جیولری نہیں چاہیے۔۔ مجھے
میری ملکیت میں صرف زار ان خانزادہ چاہیے۔۔ وہ
روتے ہوئے اس کے ہونٹوں سے شدت سے لپٹی۔
زار ان خانزادہ شدت سے اس کی سانسیں انہیل کر گیا
تھا۔ اب دونوں ایک دوسرے کی سانسیں انہیل کیے

ہوے تھے۔ ابرش اس کے ہونٹوں کو چھوتے زیادہ
جذباتی ہو رہی تھی۔ وہ زاران سے بھی زیادہ اپنی
شدت دکھا رہی تھی

زاران خانزادہ نے نرمی سے اس کے لبوں کو آزاد کیا۔ وہ
گہرے سانس لیتے اس کے سینے سے لپٹ پڑی تھی۔
تیرے ملنے کے

موسم بڑے ہوتے ہیں
جنموں کا وعدہ کوئی یہ
غم بڑے چھوٹے ہیں
لمبی سی ایک رات ہو
لمبا سا ایک دن ملے
بس اتنا سا جینا ہو

ملن کی گھڑی جب ملے
ابرش اس کے سینے سے لپٹتے ہوئے جذب کے عالم میں
بولی تھی۔

چلو پھر ہم آج کے اس دن کو لمبا سا بناتے ہیں۔۔۔ تم
میری آغوش میں سمانا میں تمہاری آغوش میں سماؤں گا۔

.....

عابیر سفید ہاتھ سفید ہاتھ روب گاؤن میں ملبوس واش
روم سے باہر آئی تھی۔ اس نے اپنے سنہرے گیلے بالوں
کو بہت خوبصورت انداز میں جوڑے کی شکل میں لپیٹا
ہوا تھا۔ کچھ لٹیں عارض پر بکھری تھیں

اس کے عارض اس وقت سردی اور باتھ لینے کی وجہ
سے گلابی ہو رہے تھے۔ عابیر نے مسکراتے ہوئے واش
روم کے مرر میں خود کو دیکھا تھا۔ وہ اس وقت بے انتہا
خوبصورت لگ رہی تھی۔۔۔ بلکہ وہ دھمک رہی تھی اس
باتھ روب میں۔

اس نے ایک بار پھر سے مغروریت سے مرر میں دیکھا

تھا۔

دیکھتی ہوں اسفندیار خان کیسے اگنور کرتے ہیں مجھے
آپ؟؟ منٹوں میں آپ کو اپنے سامنے نہ جھکایا میرا نام
عابیر خان نہیں۔۔ عابیر مرر میں دیکھتے مغروریت سے
مسکرائی تھی۔ اس نے اپنی کلائیوں پر گلاب کا پیور
سینٹ ذرا ذرا سا لگایا تھا۔

اففف۔۔۔ وہ اپنی کلائیوں کو سمیل کرتے گہرا مسکرائی
تھی۔ اسفندیار خان کو صرف اس کے بدن کی مہک پسند
تھی۔ وہ اسے کوئی پرفیوم باڈی سپرے لگانے نہیں دیتا
تھا۔

جل کر راکھ ہو جاؤ گے!! اسفندیار خانزادہ۔۔۔ سمجھ کیا
رکھا ہے مجھے حویلی کی عام عورت!! جو آپ کی بے

اعتنائی پروئے کی گڑ گڑائے گی۔۔ کل سے مجھے اگنور
کر رہے ہیں۔۔ دیکھتی ہوں اب کیسے اگنور کرتے
ہیں؟؟ عابیر غصے سے بولتے ہوئے واش روم سے باہر
آئی تھی۔

بیڈ پر اسفندیار کو شرٹ لیس الٹا سویا دیکھ کر عابیر بھڑ بھڑ
جلی تھی۔۔ کل رات سے ہی ایسے ہی گہری نیند سویا ہوا

تھا۔ رات بھر وہ اپنی جگہ سے کھسکا نہیں تھا۔
عابیر اسفندیار خان کے مدھم خراٹے سنتے ہوئے بیڈ کی
طرف بڑھی تھی۔

ڈریسنگ مرر سے اپنا موبائل اٹھا کر اس نے بہت آہستگی
سے اسفند کی سائیڈ والی ٹیبل پر رکھا تھا۔ اب وہ بہت
آہستگی سے بیڈ کی اپنی سائیڈ کی طرف بڑھی تھی۔

بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اس نے جوڑے میں لپٹے اپنے گیلے
بال کھولے تھے۔ اسفندیار کی طرف سے ہاتھ بڑھاتے
اس نے اپنا موبائل لینے کی کوشش کی۔ ساتھ میں اپنے
گیلے بالوں کو نیچے سے پکڑ کر اسفندیار خان کے چہرے پر
جھٹکے تھے۔

اسفندیار خان کے چہرے پر ٹھنڈے پانی کے قطرے

کرے تو وہ ہڑا بڑاتے ہوئے سیدھا ہوا تھا۔
آئی ایم سوری اسفند!! مجھے اپنا سیل فون چاہیے تھا۔
عابیر نے اسفند کو دیکھتے مدھم سا مسکراتے ہو کہا۔ وہ
اسفند کے اوپر آتے اپنا موبائل سائیڈ ٹیبل سے اٹھانے
لگی۔ اسفند سرد سپاٹ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔
عابیر نے اپنا موبائل پکڑتے ہوئے اسفند کی نیلی سرد

سپاٹ آنکھوں میں روہانے ہوتے دیکھا تھا۔
وہ مکمل طور پر اپنا نازک وجود کا وزن اسفندیار خان کے
کشادہ سینے پر ڈالے ہوئے تھی۔ اسفندیار خان کی
آنکھوں میں نرم گرم جذبات کی جگہ سرد تاثرات دیکھتے
عابیر کی آنکھوں میں شعلے سے دہکے تھے۔
تمہیں اپنا سیل فون چاہیے تھا۔ واش روم سے نکلتے

ہوے لے لیتی۔ واش روم سے نکلتے ہوئے پہلے میری
ہی سائیڈ آتی ہے۔ اسفندیار خان اسے خود سے دور
دھکیلتے ہوئے بیڈ سے اٹھتے واش روم کی طرف بڑھ گیا
تھا۔

عابیر نے بے یقینی سے واش روم کے بند دروازے کو
دیکھا تھا۔ اسفندیار خان اسے ہاتھ روب میں اگنور کر

سکتا ہے وہ بے یقین تھی۔۔ عابیر گہرے سانس لیتے خود
پر قابو پاتے ہوئے بیڈ سے اٹھتی واش روم کی طرف
بڑھی تھی۔

عابیر نے پوری قوت سے واش روم کے بند دروازے کو
کھٹکٹایا تھا۔

اسفندیار خان جو فریش ہونے کے بعد شاور لینے کے

لیے باتھ ٹب میں گھسا ہی تھا۔
دروازے کی ناک پر حیران ہوا تھا۔
دروازہ کھولیں اسفندیار خان!! عابیر دروازہ کھٹکھٹاتے
ہوئے چیخی تھی۔
اسفندیار خان لب بھینچتے ہوئے ساتھ بنے ریک سے
ٹاول پکڑتے ہوئے اپنی کمر پر باندھتے ہوئے باتھ ٹب

سے باہر آیا تھا۔ اسفندیار خان نے غصے سے دروازہ
کھولتے ہوئے عابیر کو شرربارنگاہوں سے گھورتے
ہوئے آئی برواچکائے تھے۔

آپ اتنی دیر سے اندر کیا کر رہے تھے۔ عابیر کے سوال
پر اسفندیار کی آئی بروتنی تھیں۔

جو کر رہا تھا اس کا ثبوت میرا گیلابدن اور ٹاول ہے اور

اس سے پہلے کیا کر رہا تھا اس کا ثبوت بھی اب سمجھیں
دوں کیا؟؟ اسفندیار خان نے اپنی بے انتہا خوبصورت کو
گھورتے آئی برواچکاتے لفظ چبائے تھے۔
اسفندیار خان کی بات پر عابیر کی رنگت مزید سرخ ہوئی
تھی۔
اب مجھے گھورتے ہوئے ٹماٹر کی طرح سرخ ہوتے رہنا

ہے۔ یا پھر مجھے میرا قصور بھی بتانا ہے کہ مجھے ہاتھ ٹب
کے گرم پانی سے باہر کیوں نکالا۔ اسفند نے عابیر کی
شرر بارنگاہوں میں دیکھتے سلگتے ہوئے پوچھا۔
آپ کا قصور یہ ہے کہ آپ کو اتنا احساس نہیں کہ اس
کمرے میں آپ کی بیوی پریگنٹ ہے۔ یہ واش روم
ہر وقت خالی ہونا چاہیے۔ جہاں آپ اپنی زندگی کا

زیادہ تر وقت گزار دیتے ہیں۔ عابیر کے الزام پر اسفند کا
پارہ ہائی ہوا تھا۔

بیوی کے پریگنٹ ہونے کا واش روم کے خالی ہونے سے
کیا تعلق ہے؟؟ میری سمارٹ بیوی!! اسفند اسے بازو
سے کھینچتے واش روم کے اندر کرتا دیوار سے لگائے اپنی
سرد نگاہیں اس کے خوبصورت نقوش پر گاڑھ گیا۔

مجھے صبح صبح دوونٹنگ فیل ہوتی ہے۔۔ اس لیے مجھے ہر
وقت یہ واش روم خالی چاہیے۔۔ عابیر نے اسفند کے
سرد چہرے کو دیکھتے غصے سے لفظ چبائے تھے۔
اسفند یار خان کا اب سچ میں پارہ ہائی ہوا تھا اس کی بے
معنی باتوں پر۔۔

یعنی سمجھیں اس ٹائم وومنگ کا احساس ہو رہا ہے۔ اسفند
نے عابیر کی ہیزل گرے آنکھوں میں جھانکتے ہوئے
غصے سے پوچھا تھا۔

ہاں!!! عابیر نے اسفند کے سر دغصے سے تنے ہوئے
نقوش کو دیکھتے اپنے شبہی لہجے پر قابو پاتے ہوئے
سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

او کے جاؤ!! اسفند نے پیچھے ہوتے واش بیسن کی طرف
اشارہ کیا۔

ہاں!! عابیر نے اسے حیرانگی سے دیکھا تھا۔
مائی پریگنٹ بیوی! آپ کو وومٹ آرہی ہے تو جائیں
کریں۔ اسفند نے اسے دیکھتے غصے سے کہا۔
اب نہیں آرہی!! آپ کے اندر ہونے کی وجہ سے اب

مجھے دو مٹنگ نہیں آرہی اسفندیار خان۔۔ اسی واش روم
میں رہیں بلکہ آج کا دن ہی نہیں رات بھی ادھر گزاریں
۔ میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ اب ادھر ہی
رہوں گی۔ یہ کمرہ یہ واش روم اور اینٹگری ینگ مین کا
ایٹیوڈ آپ کو مبارک ہو۔ عابیر اب اپنے روہانسی آواز پر
قابونہ پاسکی تھی۔

رمز عشق
تحریر نور آصف

قسط تھر ڈلاسٹ part1

ڈائینگ ایریا میں اس وقت روزینہ خانم امینہ خانم
شہرام خان اسفند یار خان عابیر موجود تھے۔ اسفند
یار خان سفید شلوار قمیض پر براؤن مردانہ شال

اوڑھے بیٹھا ہوا تھا۔ شہرام خان بلو جینز پر سفید شرٹ
پہنے ہوئے تھا۔ جس پر بلو کیجول کوٹ پہنے ہوئے تھا۔
عابیر اس وقت آف ویٹ سٹائلش سے گرم فرائ
جس پر دھاگے کا کام ہوا تھا۔ وہ پہنے ہوئے تھی۔ اس
کے گولڈن سلکی بھینگے سے بال اس کی پشت پر بکھرے
تھے۔ جس پر بے حد سٹائلش خوبصورت سی شال اپنے

وجود پر لی ہوئی تھی۔ جو سر سے بار بار پھسل جاتی تھی۔
ہیزل گرے آنکھوں میں کاجل کی ہلکی سی رمل
تھی۔ ابھرے ہوئے خوبصورت گلاب کی طرح
سرخ گالوں پر ہلکا سا tint لگا کر عارض کی خوبصورتی
مزید enhance کر رکھی تھی۔ اس کے بدن پر لگی
گلاب کے سینٹ کی مہک اس وقت پورے ڈائینگ

روم میں پھیلی ہوئی تھی۔ وہ ڈائینگ ٹیمبل کے گرد
شہرام کے نزدیک کھڑی ڈائینگ ٹیمبل پر ناشتے کے
برتن سیٹ کرتی

ناشتہ پلیٹس میں رکھ رہی تھی۔ آج اس نے خود سب
کے لیے ناشتہ بنایا تھا۔ بل دار براٹھے ہاف فرائی
انڈے املیٹ اور مٹن گریوی بنائی تھی۔

اللہ بہارے باجی!! تم کتنا خوبصورت لگ رہا ہے۔
درخشاں چائے کی کیتلی اٹھائے ڈائینگ روم میں داخل
ہوتے عابیر کو دیکھتے چہکی تھی۔

اچھا!! عابیر اچھا کو لمبا کرتے بولتے ہوئے اسفند کو
دیکھتے مسکرائی تھی۔ جو اس وقت اپنی پوری توجہ ناشتے
کی طرف کیے ہوئے تھا۔

عابیر نے اسفند کو دیکھتے نچلا لب دانتوں تلے زور سے
دبایا۔ جس نے اس کی طرف ایک نظر نہیں ڈالی تھی۔
وہ اپنے کپڑے لے کر اپنے روم میں شفٹ ہو گئی تھی
مگر اسفند یار خان کو کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ وہ تو اچھا
خاصہ تیار تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کہیں باہر جانے کا
آرادہ رکھتا ہو۔ اسفند یار خان کی بے اعتنائی اسے تڑپا کر

رکھ گئی تھی۔ اس نے ناشتہ خاص طور پر اسفندیار خان
کے لیے بنایا تھا۔

وہ اتنا تیار بھی صرف اس کے لیے ہوئی تھی۔ مگر اس
نے ایک بار بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ اس نے
سینٹ بھی خاص طور پر لگائی تھی۔ اسفندیار خان کے جسم
سے اٹھتی مصنوعی مہک برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ

یہی کہتا تھا تمہارے وجود سے اٹھتی مہک عورت بھی
سیمل نہ کرے۔۔ مگر آج اس کے بدن سے اٹھتی
مہک جو پورے ڈرائنگ روم میں پھیلی تھی۔ اس پر
اس نے ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ اس کی پیشانی پر ایک بل
نہیں پڑا تھا۔ عابیر نے اسفند کالا پر واہ انداز دیکھتے اپنے

دل پر ہاتھ رکھتے گہرا سانس لیا۔ وہ مقابل کی بے اعتنائی
برداشت نہیں کر پار ہی تھی۔

میری عابی بے حد خوبصورت ہے پوری حویلی میں
میری عابی جیسی خوبصورت اور پیاری لڑکی کوئی نہیں۔
- شہرام خان نے اسفند کا سرد سنجیدہ چہرہ دیکھتے کر سی

سے ٹیک لگائے لفظ چبائے تھے۔ عابیر کی بھیلی نگاہیں
اور بار بار اسفند کی طرف دیکھنا وہ محسوس کر چکا تھا۔
وہ اتنی صبح اتنی تیار کیوں ہوئی اور ڈائینگ ٹیبل پر سارا
اسفند کی پسند کا ناشتہ کا کیوں سجا تھا۔ وہ یقیناً اسفند یار
خان کی توجہ حاصل کرنے کے لیے یہ سب کر رہی

تھی مگر اسفند کیوں اسے ایٹھیوڈ دکھا رہا تھا؟؟ یہ اسے
سمجھ نہیں آرہا تھا۔

تھینکیو لالا!! عابیر نے اپنی بھیگی آواز پر قابو پاتے
شہرام کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا۔

میری عابی میری جان ہے۔ شہرام نے اسی لمحے عابیر کا
ہاتھ پکڑ کر اس کی ہتھیلی نرمی سے چومتے اسفند کو دیکھا

تھا۔ اس پورے وقت میں اسفند نے اب پہلی بار اپنی
ہلکی گھنی بئیر ڈسہلاتے پہلو بدلاتھا۔ رنگت میں
سرخیاں گھلی تھیں۔ اسفند کے چہرے پر پھیلی جلن کی
گہری رمک ڈائینگ روم میں بیٹھے ایک ایک شخص نے
محسوس کی تھی۔ اسفند کا بھڑ بھڑ جلتا چہرہ دیکھتے روزینہ
خانم بری طرح سلگی تھی۔

آئی لو یو لالا!! عابیر اسفند کی طرف دیکھتے اس بار بھی
اپنی رندھی آواز پر قابو پاتے دیکھتے مسکرائی تھی۔
آئی لو یو ٹو میری عابی!! شہرام نے کرسی سے اٹھتے اپنی
پینٹ کی پاکٹ سے پرس نکالتے کتنے ہی نوٹ عابیر
کے سر سے وار کر امینہ خانم کو پکڑائے تھے۔ عابیر اب
شہرام کے سینے سے لپٹی تھی۔

اسفند یار خان اپنی لھنی بَیر ڈ کو سہلاتے ناشتہ کرنے
میں مگن تھا۔ وہ اس طرف بالکل متوجہ نہیں تھا۔ مگر
اس کے چہرے پر سرخیاں سی گھل رہی تھیں۔ جن پر
وہ بمشکل قابو پار ہا تھا۔

شہرام خان اسفند کو گھورتے ہوئے چسیر پر بیٹھا۔ اسفند
یار خان کا عابیر کو اگنور کرنا اسے بے حد چبھ رہا تھا۔

عابیر اسفند کا انور کرنا شدت سے محسوس کر رہی
تھی۔ یہ اس کی بھیگی آنکھیں اور بھیگا لہجہ وہاں بیٹھے
تقریباً سب کو محسوس کروا رہا تھا۔

کیا بات ہے عابیر؟؟ تم آج صبح صبح اپنا کمرے سے نکلا
خیر تو ہے؟؟ روزینہ خانم نے چائے کا گھونٹ بھرتے

ہوے عابیر کے اتنے سچے سنورے روپ کو دیکھتے طنزاً
پوچھا تھا۔

عابیر کی کنڈیشن جیسی ہے۔ اس وجہ سے وہ بار بار
سیڑھیاں چڑھ اتر نہیں سکتی اس لیے میں نے ہی اسے
نیچے والے کمرے میں شفٹ ہونے کو کہا۔ اسفندیار
خان نے روزینہ خانم کو سنجیدگی سے جواب دیا۔

ہوے عابیر کے اتنے سچے سنورے روپ کو دیکھتے طنزاً
پوچھا تھا۔

عابیر کی کنڈیشن جیسی ہے۔ اس وجہ سے وہ بار بار
سیڑھیاں چڑھ اتر نہیں سکتی اس لیے میں نے ہی اسے
نیچے والے کمرے میں شفٹ ہونے کو کہا۔ اسفندیار
خان نے روزینہ خانم کو سنجیدگی سے جواب دیا۔

اچھا اچھا یہ وجہ ہے ورنہ ہم بھی حیران تھا اس نے
تمہارا پیچھے کیسے چھوڑ دیا؟؟ ورنہ جدھر یہ ادھر تم !!
جدھر تم ادھر یہ۔۔۔ روزینہ خانم اسفند کو دیکھتے طنزیہ
مسکرائی تھی۔ اسفند بنا کوئی جواب دیے ناشتہ کرنے لگا
تھا۔

سب ہی روزینہ خانم کی باتوں کو اگنور کیے ناشتہ کر
رہے تھے۔

تم کب اس کا کمرے میں شفٹ ہو رہا ہے؟؟ روزینہ
خانم اسفند کو خاموش دیکھتے سلگتے ہوئے پوچھا۔
میں کیوں شفٹ ہونے لگا عابیر کے کمرے میں
مورے؟؟ جب تک بچہ نہیں آ جاتا عابیر نیچے اپنے

بھائیوں کے ساتھ ہی رہے گی۔ اسفندیار خان نے اب
عابیر پر اپنی سرد نگاہیں گاڑھیں۔ عابیر اسفند کے
جواب پر اسے بے یقینی سے گلابی آنکھوں سے دیکھ
رہی تھی۔

اسفندیار خان کی بات پر شہرام خان کاناشتے سے ہاتھ
کھنچا تھا۔ امینہ خانم بھی بری طرح پریشان ہوئی تھی۔

یہ تو تم کہہ رہا ہے مگر تمہارا بیوی تمہارا جان چھوڑ
دے یہ کیسا ممکن ہے؟!۔ دیکھا نہیں کیسے آج تیار ہو
کر تمہیں اپنا ادا میں دکھارہا ہے۔ صرف دو چار بار ایسا
تیار ہوا تم بھی اپنا سامان کا ساتھ نیچے اس کا کمرے میں
شفٹ ہو گا۔

عورت کا خوبصورتی اور جوانی کے بغیر مرد کہاں رہ سکتا
ہے۔ وہ کوئی اور مرد ہوتا ہے جو اپنی بات پر قائم
رہے۔ روزینہ خانم استھزاسیہ مسکرائی تھیں۔
صبح کہہ رہی ہیں آپ؟؟ شہرام خان روزینہ خانم کو
دیکھتے مسکراتے ہوئے چمیر سے ٹیک لگا گیا تھا۔

لالا!! عابیر نے بھیگے لہجے میں کہتے شہرام خان کا ہاتھ
پکڑتے اسے کچھ بھی بولنے سے روکنا چاہا تھا۔
۔ اسفند لالا ہی کیوں مرد بنیں گے۔ میں سوچ رہا ہوں
میں بھی مرد ہی بن جاؤں۔۔ بہارے بھی اس
کنڈیشن میں ہے۔ مجھے بھی اپنا کمرہ الگ کر دینا چاہیے۔

شہرام عابیر کی التجا اگنور کرتے مسکراتے ہوئے اپنی
بات مکمل کی۔

مجھے کوئی اعتراض نہیں تم جیسے اپنی بیوی کے بارے
میں فیصلہ کرو یہ تمہیں حق ہے۔ بہارے پر مجھ سے
زیادہ تم حق رکھتے ہو میں سمجھتا ہوں یہ بات۔۔ اسفند

شہرام عابیر کی التجا اگنور کرتے مسکراتے ہوئے اپنی
بات مکمل کی۔

مجھے کوئی اعتراض نہیں تم جیسے اپنی بیوی کے بارے
میں فیصلہ کرو یہ تمہیں حق ہے۔ بہارے پر مجھ سے
زیادہ تم حق رکھتے ہو میں سمجھتا ہوں یہ بات۔۔ اسفند

سنجیدگی سے بولتے اپنی سرد سرخ نگاہیں عابیر پر

گاڑھتے ہوئے بہت کچھ جتایا تھا۔

عابیر نا سمجھی سے اسفند کو بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی
تھی۔۔ وہ ایسے کیوں کہہ رہا تھا وہ ابھی تک سمجھی نہیں
تھی۔ اس کا وہ اتنا خیال رکھ رہا تھا۔ اسے اپنے بچے کی

اتنی فکر تھی اب بچے کے آنے تک کمرہ علیحدہ کر رہا
تھا۔

ٹھیک ہے میری بیوی میرے پاس ہی رہے گی اور
تمہاری بیوی نیچے ہمارے پاس رہے گی۔ شہرام خان
اسفند کو گھورتے لفظ چباتے کر سی دھکیلتا اٹھ کر غصے
سے ڈائینگ روم سے نکل گیا تھا۔

اتنی فکر تھی اب بچے کے آنے تک کمرہ علیحدہ کر رہا
تھا۔

ٹھیک ہے میری بیوی میرے پاس ہی رہے گی اور
تمہاری بیوی نیچے ہمارے پاس رہے گی۔ شہرام خان
اسفند کو گھورتے لفظ چباتے کر سی دھکیلتا اٹھ کر غصے
سے ڈائینگ روم سے نکل گیا تھا۔

ٹھیک ہے اسفندیار خان میں یہ بچہ ہوتے تک اپنے
بھائیوں کے پاس ہی رہوں گی۔ عابیر اسفندیار خان کو
بھگی گلابی نگاہوں سے دیکھتے ڈائینگ روم کے
دروازے کی طرف بڑھی۔

درخشاں میرے لیے ناشتہ بنا کر لاؤ۔ مجھے یہ ناشتہ پسند
نہیں۔ اسفندیار خان غصے سے بولتا اپنی پلیٹ دور

کھسکا گیا تھا۔

اسفندیار کی بات پر عابیر کے قدم ایک لمحے کو ر کے
تھے۔ وہ درخشاں کسی بھی ملازمہ کے ہاتھ کا کھانا نہیں
کھاتا تھا۔ وہ صرف اس کے ہاتھ کا کھانا کھاتا تھا۔ عابیر
نے گہرے سانس لیتے اپنا دل کے مقام کو مٹھی سے

جکڑا تھا دوسرے لمحے وہ ڈائینگ روم سے نکل کئی
تھی۔

اسفندیار خان بھی اسی لمحے غصے سے اپنی کرسی پیچھے کو
دھکیلتے وہاں سے نکلتے مردانے بڑھ گیا تھا۔

عابریہ سیلوائنڈ گرین امتزاج کے بے حد خوبصورت لہنگا
چولی میں ملبوس تھی۔ گرین نیٹ کا دوپٹہ اوڑھے
ہوئے تھی۔ ماتھے پر نازک سامانگ ٹیکا سجا رکھا تھا۔
جیولری میں گلے میں گرین سُچے مووتیوں کا گلوبند اور
مانگ ٹیکا ہی پہن رکھا تھا۔ کلائیوں میں سیلوائنڈ گرین
کلر کی بھر بھر چوڑیاں پہن رکھی تھیں۔

عابریہ سیلوائنڈ گرین امتزاج کے بے حد خوبصورت لہنگا
چولی میں ملبوس تھی۔ گرین نیٹ کا دوپٹہ اوڑھے
ہوئے تھی۔ ماتھے پر نازک سامانگ ٹیکا سجا رکھا تھا۔
جیولری میں گلے میں گرین سُچے مووتیوں کا گلوبند اور
مانگ ٹیکا ہی پہن رکھا تھا۔ کلائیوں میں سیلوائنڈ گرین
کلر کی بھر بھر چوڑیاں پہن رکھی تھیں۔

کندے پر خوبصورت گرم شال ڈال رکھی تھی۔
آنکھوں پر گولڈن گلٹری شیڈ لگائے ہوئے تھی۔
ہونٹوں پر پنک لپ سٹک لگا رکھی تھی۔
وہ اپنے دھمکتے روپ کو مرمر میں دیکھتے کمرے سے
نکلنے کی طرف بڑھی۔ جہاں اسفندیار خان اور
باقی سب بیٹھے ہوئے تھے۔ اربد درید خان سمیع اللہ

شہرام خان بہارے روزینہ خانم امینہ خانم حور ارحام
سب ہی موجود تھے۔ اس وقت وہ شام کا قہوہ پی رہے
تھے۔

عابیر کو اتنا تیار دیکھ کر سب کی نگاہیں اس پر گڑھی
تھیں۔

اسفندیار خان اپنی بیوی کو اتیا تیار دیکھ براؤن مردانہ
شال کندھوں پر جھٹکتے سنجیدگی سے صوفے سے ٹیک
لگا گیا تھا۔ اسے پورا یقین تھا اس کی بیوی اتنی ہی تیار ہو
کر اب کمرے سے نکلے گی۔

لا لا!! مجھے اپنی سہیلی کی مہندی پر جانا ہے کیا میں چلی
جاؤں؟؟ عابیر نے ارحام خانزادہ کو دیکھتے اس سے

آجارت چاہی تھی۔
عابیر بیٹا مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر تمہارے شوہر کے
ہوتے میں کیسے آجارت دے سکتا ہوں۔ تمہیں
اسفند سے آجارت لینا چاہیے۔۔۔ ارحام نے ایک نظر
اسفند کو دیکھتے کہا۔ جو صوفے سے ٹیک لگائے اپنی ہلکی

لھنی بَیر ڈ کو انگلیوں سے سہلاتے عابیر کو سرد نگاہوں
سے گھور رہا تھا۔

لالا اسفندیار خان نے اگلے کچھ مہینوں تک مجھے
میرے بھائیوں کے سپرد کر دیا ہے۔ اب اسفندیار
خان کا مجھ پر کوئی حق نہیں اگلے کچھ مہینوں تک۔ اس
لیے میں کسی بھی بات کے لیے اسفندیار خان سے

آجائز انہیں لوں گی۔ عابیر کی بات پر سب کی
نگاہوں کا رخ اب اسفندیار خان کی طرف تھا۔ جو عابیر
کو سرد سرخ نگاہوں سے گھور رہا تھا۔
چلو یہ نیا تماشا لگالیا تم نے؟؟ تم سیدھی طرح کیوں
نہیں کہتا کہ تم صرف ایسے تیار ہو کر اسفندیار خان کا
ظبط آزما رہا ہے۔ جاؤ اسفندیار خان اپنا بیوی پر حق جناؤ

تاکہ اس کو چین آجائے۔ روزینہ خانم بھڑبھڑ جلتے بولی
تھیں۔

روزینہ خانم کی اتنی کھلی بات پر لاونج میں بیٹھے سب
کے رنگ سرخ ہوئے تھے۔ عابیر کی رنگت سرخ
ہوئی تھی۔ وہ صوفے کی سطح پر ہاتھ جمائے اسفند کی

نیلی آنکھوں میں اپنی ہیزل کرے آنکھیں گاڑھ کئی
تھی

اسفند ابھی بھی اپنی ہلکی گھنی بنیر ڈسہلاتے عابیر کو
تیکھی نگاہوں سے گھور رہا تھا۔ عابیر سرخ چہرے کے
ساتھ اسے شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھ رہی تھی جو بنا

کسی وجہ سے اس سے ناراض ہو کر اس کا تماشہ بنا رہا
تھا۔

اگر عابیر اپنا شوہر کے لیے تیار ہوا ہے تم کو کیا مسئلہ ہے
روزینہ؟؟ کیا تم کبھی ہمارا لیے تیار نہیں ہوا۔ اربد خان
نے آئی برواچکا تے سوال کیا تھا۔ اربد خان کے سوال

کسی وجہ سے اس سے ناراض ہو کر اس کا تماشہ بنا رہا
تھا۔

اگر عابیر اپنا شوہر کے لیے تیار ہوا ہے تم کو کیا مسئلہ ہے
روزینہ؟؟ کیا تم کبھی ہمارا لیے تیار نہیں ہوا۔ اربد خان
نے آئی برواچکاتے سوال کیا تھا۔ اربد خان کے سوال

پر روزینہ خانم گڑ بڑاتے ہے سرخ پڑی۔ انھیں توقع
نہیں تھی اربد اس طرح کی کوئی بات کریں گے۔
بھابھی آپ کو تو یاد ہو گا کیسے روزینہ ہمارے لیے سر
شام تیار ہو جاتا تھا؟؟۔ آپ نے کبھی سرخی تک نہیں
لگایا تھا۔ مگر روزینہ کیسے میک اپ کر کے تیار رہتا تھا۔
اربد خان نے اب امینہ خانم سے سوال کیا امینہ خانم

روزینہ خانم کب سرخ چہرہ دیکھ کر خاموش ہو گئی
تھیں۔

یہ سب تمہارا غلطی ہے اربد؟؟ سمیع اللہ کھنکارے
تھے۔

ہمارا غلطی باباجان؟؟ اربد خان نے حیرانگی سے پوچھا۔

تم نے ہمارا بہو کا خاص خیال نہیں رکھا۔ لگتا ہے اس کو
ویسا سراہا نہیں جیسا ہمارا سب پوتا اپنا بیویوں کا آگے
پیچھے پھرتے ان کو سراہتا ہے۔ اس لیے یہ اب اپنا جلن
اپنا بہو پر اتارتا ہے۔۔ کیونکہ تم اور درید ہمارا پوتوں کی
طرح زن مرید جو نہیں تھا۔ سمیع اللہ خان نے ارحام
شہرام اسفند کو گھورا۔

سمیع اللہ کی بات پر شہرام خان کو اسفند کی طرح کھالسی
کا دورہ پڑا تھا۔ سمیع اللہ کی بات ہضم نہیں ہوئی تھی۔
ارحام سرخ چہرے کے ساتھ اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے
پہلو بدل کر رہ گیا تھا۔

سچا باتوں پر ہمارا پوتوں کو کھانسی کا غوطہ لگتا ہے اور جن
کو کھانسی کا غوطہ نہ لگے ان کا چہرہ لال ہو جاتا ہے۔۔

سمیع اللہ خان ارحام کی طرف نگاہ کرتے طنزیہ بولے تو
درخشاں کا ہنسی ضبط کرنے میں برا حال ہوا تھا۔ حور
کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہوئی تھی
ارحام خانزادہ نے خود پر قابو پاتے اپنی شال کندھوں پر
جھٹکی۔

سمیع اللہ خان ارحام کی طرف نگاہ کرتے طنزیہ بولے تو
درخشاں کا ہنسی ضبط کرنے میں برا حال ہوا تھا۔ حور
کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہوئی تھی
ارحام خانزادہ نے خود پر قابو پاتے اپنی شال کندھوں پر
جھٹکی۔

سب سے بڑا زن مرید ہمارا یہ پوتا ہے جو بڑوں کا لحاظ
کیے بغیر ہی سب کے سامنے ہی اپنا بیوی کو گھورے جا
رہا ہے۔ سمیع اللہ خان نے اسفند کو شعلہ بارنگاہوں
سے گھورتے لفظ چبائے جو بنا کسی کا لحاظ کیے عابیر کو
گھورے جا رہا تھا

داجی زار ان لالا کو تو بھول کئے آپ؟؟ درخشاں ہمیشہ
کی طرح اپنا زبان پر قابو نہ رکھ سکی تھی۔
ارحام نے حور کو گھورتے درخشاں کو سرخ آنکھوں
سے دیکھا۔

لالا ہم کو لگا داجی گنتی نہ بھول جائے ان کا پوتا کتنا
ہے۔۔ درخشاں نے ارحام کے گھورنے پر اٹکتے ہوئے

داجی زار ان لالا کو تو بھول کئے آپ؟؟ درخشاں ہمیشہ
کی طرح اپنا زبان پر قابو نہ رکھ سکی تھی۔
ارحام نے حور کو گھورتے درخشاں کو سرخ آنکھوں
سے دیکھا۔

لالا ہم کو لگا داجی گنتی نہ بھول جائے ان کا پوتا کتنا
ہے۔۔ درخشاں نے ارحام کے گھورنے پر اٹکتے ہوئے

جواب دیا۔

لاونج میں اب گہری خاموشی چھائی تھی۔ بہارے حور
امینہ خانم کے چہروں پر دبی دبی مسکراہٹ تھی۔
روزینہ خانم سرخ چہرے کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ سمیع
اللہ ان کی اچھی خاصی کلاس لے چکے تھے۔ اب وہ کیا
کہتی؟!

لالا مجھے چھوڑ آئیں!! عابیر نے اسفندیار خان کو
گھورتے ہوئے شہرام سے کہا تھا۔
اسفندیار خان اسی لمحے صوفے سے اٹھتا عابیر کی طرف
بڑھتے اس کی کلائی جکڑتے اپنے قریب کرتے اسے
گود میں اٹھا گیا تھا۔

اسفند!! عابیر اسے بے آواز پکارتے سرخ گلاب
ہوتے اس کے سینے میں منہ چھپا گئی تھی۔ بلکہ وہ بری
طرح اس کی گود میں کانپ رہی تھی۔
شہرام اسفند یار دریدار بد سب نے ہی اسفند کی بے
شرمی پر اسے قہر بارنگاہوں سے گھورا تھا۔ شہرام خان
کا غصے سے برا حال ہوا تھا۔

داجی میں مانتا ہوں میں سب سے بڑا زن مرید ہوں۔
میری بیوی اتنی تیار ہوئی ہے میں خود پر ضبط کھو بیٹھا
ہوں۔ اس لیے میں اپنی بیوی کو اسلام باد لے کر جا رہا
ہوں۔ جب تک میرا دل چاہے گا۔ میں اب اسے ادھر
ہی رکھوں گا تاکہ اس کے بھائیوں کو احساس ہو اس کی
رخصتی ہو چکی ہے اس پر حق ان کا نہیں صرف میرا

ہے۔ اسفند سنجیدگی سے بولتے لمبے لمبے ڈھگ بھرتا
لاونج سے نکل گیا تھا۔

لاحول ولا قوت! سمیع اللہ غصے سے سرخ چہرے کے
ساتھ بڑبڑائے تھے۔ شہرام ارحام بھی پہلو بدل کر
رہ کئے تھے۔ اسفند کی بے شرمی کسی کو پسند نہیں آئی
تھی۔

روزینہ خانم غصے سے صوفے سے اٹھتی اپنے کمرے کی
طرز بڑھیں۔

جاؤا ربد اس کا غصہ اس کا جلن ختم کرو جو فضول میں
حویلی کا ماحول خراب کیے رکھتا ہے۔ اب تو ہم یہی کہے
گاتم کو بھی اپنا بیٹا کی طرح زن مرید ہونا چاہیے تھا شاید

اس واسطہ حویلی کا ماحول تو ٹھیک رہتا۔ سمیع اللہ
بڑبڑاتے ہوئے لاونج سے نکل کے تھے۔

اسفند عابیر کو اٹھائے داخلی دروازے سے نکلتے
لکارپور چچ میں آیا۔ عابیر اس کی شرٹ مٹھیوں میں
جکڑے اس کے سینے میں منہ چھپائے ہوئے تھی۔ جو

اسفند نے کیا اسے لگ رہا تھا وہ اب کسی کے سامنے بھی
نظریں نہیں اٹھا سکے گی۔ شرم سے وہ پانی پانی ہو رہی
تھی۔ اس کا نازک وجود ابھی تک اسفند یار کی گود میں
کانپ رہا تھا۔ وہ کان کی لوؤں سے گردن تک سرخ
ہوئی تھی۔

میرا سرخ گلاب!! اسفند نے اس کے بالوں پر لب
رکھتے نرمی سے اسے پکارتے گاڑی کادر وازہ کھولتے
اسے اگلی سیٹ پر بٹھایا۔
اسفند اپنی طرف کادر وازہ کھولتے ہوئے ڈرائیونگ
سیٹ پر بیٹھا۔

میرا شرمیلا گلاب! اپنا خوبصورت چہرہ ڈھکو۔ اسفند
نے اس کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی تھی۔
عابیر اسے بھیگی گلابی آنکھوں سے دیکھتے دوسری
طرف غصے سے رخ موڑ گئی تھی۔

اسفند مسکراتے ہوئے اس کی مثال اس کے سر پر
ڈالتے اسے گھونگھٹ اڑا گیا تھا۔ عابیر اب روہانسی

ہوئی تھی۔

مگر اب اس نے اپنا گھونگھٹ پلٹا نہیں تھا۔
اسفند گیٹ سے گاڑی نکالتے باہر لایا۔ اب اس کی
گاڑی کا رخ گیٹ ہاؤس کی طرف تھا۔
عابیر نے اپنا گھونگھٹ الٹتے ہوئے اسفند یار خان کو گھور
کر دیکھا جو مسکراتے ہوئے ونڈ سکرین پر نظریں

جمائے ہوئے تھا۔

عابیر کچھ پل اسفند کے مسکراتے چہرے کو دیکھتی رہی
۔ دوسرے لمحے وہ اسفند کی طرف جھکتے ہوئے اس
کے شولڈر پر زور سے دانت گاڑھ گئی تھی۔
اسفند گاڑی روکتے ہوئے اس کا جنگلی وار اپنے کندھے
پر سہ گیا تھا۔

گاڑی کی تمام لائیں آف کرتے وہ اس کی کمر میں ہاتھ
ڈالتے ہوئے اسے اپنی سیٹ پر کرتا اپنی گود میں بٹھا گیا
تھا۔

جان سے مار ڈالوں گی آپ کو اسفندیار خان۔۔ عابیر
چینتے ہوئے اس کی گردن میں دانت گاڑھ گئی۔

اسفندیار خان بٹن دباتے سیٹ ممل بین ڈاؤن کرتے
عابیر کے نازک وجود کو اپنے سینے پر کر گیا تھا۔
عابیر غصے سے اس کی گردن میں دانت گاڑھے ہوئے
تھی۔ اسفندیار خان اپنی شال اتارتے اپنے اگلے بٹن
کھول گیا تھا۔

عابیر غصے سے اب اپنے دانت اس کے سینے پر گاڑھ کئی
تھی۔۔

اسفند آنکھیں موندے اس کی کمر کو جکڑے اس کے
بالوں میں منہ چھپائے اس کی گردن کو نرمی سے
چومتے اس کی گلاب خوشبو اپنے اندر اتار رہا تھا۔

عابیر غصے سے جگہ جگہ دانت گاڑتے اب تھک چکی
تھی۔ اسفندیار خان کو خاموشی سے سہتے دیکھ کر وہ اس
کے سینے میں منہ چھپا گئی
اسفندیار مسکراتے ہوئے اسے خود میں مکمل طور پر
بھینچ گیا تھا۔

عابیر اس کی کی تیزی سے دھک دھک کرتی دھڑکنوں
کو سنتے اس کی دھڑکن دھڑکن پر اب لب رکھ رہی
تھی۔

سورج ہوا مدھم
چاند جلنے لگا
آسمان یہ ہائے کیوں پکھلنے لگا

میں ٹھہرا زمین چنے لگی
دھڑکایہ دل سانس تھمنے لگی
کیا یہ میرا پہلا پیار ہے
سجنا کیا یہ میرا پہلا پیار ہے
اسفند!! وہ اس کی گنگناہٹ پر اسے دیکھنے لگی۔ جو
موبائل کی روشنی میں اس کے گلاب چہرے کو دیکھ رہا

تھا۔

ہے خوبصورت یہ پل
سب کچھ رہا ہے بدل
سننے حقیقت میں ڈھل رہے
کیا صدیوں سے پرانا
ہے یہ رشتہ ہمارا

کہ جس طرح ہم تم سے مل رہے
وہ عابیر کے گلاب چہرے کو دیکھتے گنگنا یا تھا۔
او۔۔ اسفند!! عابیر کھلکھلا کر ہنستے ہوئے اس کے
عارض پر جھکی اپنے گلاب لب رکھ گئی تھی۔
تم سے محبت جب سے ہوئی ہے ایسے لگتا ہے مجھے ہر
روز تم سے پہلی سی محبت ہوتی ہے۔ تم میرے لیے کیا

ہو میں سمجھیں کیسے بتاؤں؟؟ تم اسفندیار خان کی
زندگی ہو اس کی دھڑکن ہو۔ اس کی جان ہو!! میرا
ییلو اینڈ گرین گلاب!! وہ اس کے سر سے گرین اینڈ
ہیلو امتزاج کانسٹکادوپٹہ اتارتے ہوئے بولتے ہوئے
اس کے گلاب لبوں کو اپنے لبوں میں دبا گیا تھا۔ وہ اس

ہو میں سمجھیں کیسے بتاؤں؟؟ تم اسفندیار خان کی
زندگی ہو اس کی دھڑکن ہو۔ اس کی جان ہو!! میرا
ییلو اینڈ گرین گلاب!! وہ اس کے سر سے گرین اینڈ
ہیلو امتزاج کانسٹکادو پٹہ اتارتے ہوئے بولتے ہوئے
اس کے گلاب لبوں کو اپنے لبوں میں دبا گیا تھا۔ وہ اس

کی سانسوں کو پیتے اس کے لبوں کی سرخی لحوں میں
چراتے ہوئے اس کی سانسوں میں ہلچل مچا گیا تھا۔
اس کی سانسوں کو آزاد کرتے ہوئے اسفندیار خان نے
اس کے عارض پر ہاتھ جماتے اس کی ہیزل گرے
آنکھوں میں جھانکا تھا۔ وہ اپنی بے ترتیب سانسوں کو

درست کرتے اسے شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھ رہی
تھی۔

وہ بہت نرمی سے رخ پلٹتے ہوئے اسے اپنے نیچے کرتے
ہوئے اس پر مکمل حاوی ہوا۔

کیوں ناراض تھے مجھ سے؟! کیوں مجھے اگنور کر رہے
تھے اسفندیار خان؟؟ آپ جانتے ہیں آپ کی عابیر

آپ سے محبت نہیں عشق کرتی ہے۔۔ ایک سال
میرے ساتھ بے اعتنائی برتتے آپ کا جی نہیں بھرا۔
جو پھر سے میرے ساتھ یہ سلوک کر رہے تھے۔۔ یاد
رکھیے گا اسفندیار خان عشق جتنا مرضی کروں مگر اپنی
عزت نفس پر عابیر خان کمپروماز نہیں کرتی!! مجھے
بے اعتنائی کی مار ماریں گے میں جو اب آپ کو بے اعتنائی

کی ایسی سزا دوں گی نہ جی سلیں گے نہ مر سکے گے۔ یاد
ہے ناں آپ کو کیسے میری ناراضگی آپ کی جان سولی
پر لٹا چکی تھی۔ عابیر اسفندیار خان کا گریبان پکڑتے
غرائی تھی۔

عابیر کی غراہٹ لےچ اسفندیار خان کا بلند و بانگ قہقہہ
گوںجا تھا۔

غلط بلکل غلط میری عابیر اپنی عزت نفس پر بھی کمپرو
مایز کر لیتی ہے۔ اپنی غیرت پر کمپرو مایز نہیں کرتی۔
میری محبت میں میرے آگے پیچھے پھرنے والی لڑکی
کے لیے میں اسے اس کی عزت نفس سے بھی بڑھ کر
عزیز ہوں۔ اسی لیے میری عابیر میرے ذرا سا
ناراض ہونے پر میرے لیے دلہن کی سجاڑھ تھی ہے۔

اسفند نرمی سے بولتے ہوئے اس کی گردن میں پہنے
والے موتیوں کی مالا پر اپنے لب رکھ گیا تھا۔
ٹھیک کہا آپ نے آپ کی عابیر آپ سے بے حد محبت
کرتی ہے اسفند یار خان !! آپ کی بے اعتنائی پر تڑپ
اٹھتی ہے پاگل ہو جاتی ہے۔ اس کے پاس اپنی
خوبصورتی اور جوانی کا ہتھیار رہ جاتا ہے۔ وہ تڑپتے اگلے

بٹن کھولتے اپنے اسفند یار خان کو اپنی طرف اٹریکٹ
کرتی ہے۔ آپ کی مورے ٹھیک کہتی ہے میں جان
بوجھ کر یہ سب کرتی ہوں۔ میں آج بھی جان بوجھ کر
تیار ہوئی۔ میری کسی سہیلی کی مہندی میں نہیں جا رہی
تھی۔ صرف آپ کو جلانے کے لیے اتنا تیار ہوئی۔ وہ
اسفند کے عارض پر ہاتھ جماتے ہوئے بھگے لہجے میں

او کے میرا گلاب !! باقی کا ممل پر و سیس گیٹ ہاؤس
میں؟؟ یہاں میں بہت آگے جانے والا بھی نہیں تھا۔
وہ اس کے سر پر دوپٹہ اڑھاتے اس کے وجود پر اس کی
شال دے گیا تھا۔ وہ اس کے نازک وجود کو بہت نرمی
سے اپنے اوپر کرتے اپنی سیٹ اوپر کر گیا تھا۔ عابیر
سرخ سی ہوتے اپنی سیٹ کی طرف کھسکی تھی۔

اسفندیار نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے
گاڑی گیٹ ہاوس کی طرف ڈالی تھی

گیسٹ ہاؤس آتے ہی اسفندیار خان نے گاڑی روکی
تھی۔

اسفند نے جلدی سے گاڑی سے اترتے عابیر کی طرف
کا دروازہ کھولا تھا۔ عابیر اپنا نازک لہنگا سنبھالتی گاڑی

سے اتری۔

۔۔ میرون شال شانوں پر پھیلائی ہوئی تھی۔۔۔

خوبصورت سٹائلش لہنگے میں عابیر کا کندن سراپہ چاند
کی ٹھنڈی کرنوں کی طرح اپنے جلوے بکھیر رہا تھا۔
اس کا خوبصورت مرمریں سا بدن قیامت سالگ رہا
تھا۔

سلی کمر تک آتے بال کھلے چھوڑ رکھے تھے۔
آنکھوں پر گولڈن لائٹ سامیک اپ کیے ہوئے
تھی۔ ہونٹوں پر لپ سٹک اسفند چراچکا تھا۔ وہ اپنے
لشکارے مارتے حسن سے حوروں کو بھی مات دے
رہی تھی۔ چہرے پر اسفند یار خان کی محبت کے
ڈھیروں قوس و قزاح کے رنگ بکھرے ہوئے تھے۔

جو اس کے دو آتشہ کندن سر اُپے کو اور مہر کار ہے تھے۔
عابیر کے بدن سے اٹھتی گلاب سی خوشبو اسفند کو اس کا
مزید دیوانہ بنا رہی تھی۔ وہ لوگ اس وقت پہاڑ پر
موجود تھے۔ جس کار استہ گیسٹ ہاؤس کی طرف جاتا
تھا۔ آگے گاڑی نہیں جاتی تھی۔۔ پیدل جانا پڑتا تھا۔۔
اور اس پہاڑ پر یہی ایک گیسٹ ہاؤس تھا۔ اس لیے عابیر

سر پر بغیر دوپٹے کے کھڑی تھی
اسفند کو گہری مدہوش نظروں سے خود کی طرف تکتا پا
کر وہ شپٹاتے ہوئے اونچے نیچے پہاڑ کی جانب بڑھی۔
اسفند تیزی سے اس کے سامنے آیا تھا۔
میرے گلاب۔۔۔۔۔ جب آپ کا شوہر موجود
ہے تو آپ اپنے خوبصورت پیروں سے کیسے پہاڑوں پر

رکھ سکتی ہیں۔۔ اسفند نے مسکراتے ہوئے گہری نظر
عابیر پہ ڈالی اور اسے اپنے بازوؤں میں بھرتے اپنی گود
میں اٹھایا۔۔

اسفند راستہ اونچا نیچا ہے! کیسے مجھے لے کر پہاڑ پر
چڑھیں گے۔ عابیر نے مسکراتے ہوئے اسفند یار خان
کے گلے میں اپنی بانہیں جمائیں کیں۔۔

جب تک دم ہے میرا گلاب آپ کو ایسے ہی اٹھا کر لے
کر جایا کروں گا۔ وہ عابیر کے خوبصورت چہرے کو
دیکھتے کھمبیر لہجے میں بولا۔

اچھا جب ہماری سیٹیاں ہو جائیں گی ان کے سامنے بھی
ایسے ہی اٹھا کر لے کر جائیں گے۔ عابیر نے مسکراتے
ہوے پوچھا

نہیں تب میں اپنی بیٹیوں کو گود میں اٹھاؤں گا۔ وہ پہلے
پھر آپ یہ تو طے ہیں میری چھ بیٹیوں کا حق پہلے مجھ پر
پھر کسی اور کا۔ اسفند کی بات پر عابیر کی کھلکھلاہٹ
گو نجی تھی

تم کہیں جیلز تو نہیں ہو رہی میری بیٹیوں سے میرا
جیلز گلاب۔ اسفند اسے ہنستے دیکھ کر مسکرایا۔

او۔ اسفند میں آپ کی طرح جل کٹڑی نہیں جوالہنی
ہی بیٹیوں سے جل جاؤں! اور اگر ہمارے بیٹے ہو گئے
ناں تو آپ جیلس ضرور ہوں گے۔ عابیر ہنستے ہوئے
بولی۔

بیٹے نہیں ہوں گے صرف سیٹیاں ہوں گی۔ وہ رکتے
ہوئے برفیلے لہجے میں بولا تو عابیر پریشان ہوئی تھی

اگر بیٹے ہو کئے تو؟! عابیر نے رو ہانسے ہوتے پوچھا
تھا۔

وہ میں بات کرنا ہی نہیں چاہتا جو پاسبل نہ ہو
اسفند کی بات پر وہ نچلا لب کاٹتے نروٹھے انداز میں منہ
پھیر گئی تھی۔ وہ پہلی عورت تھی شاید جو بیٹے نہ ہو
جائے اس بات پر پریشان ہوئی تھی۔

یاسفندیار گیٹ دا خلی دروازے کے اندر قدم رکھتے
دروازے اسے پاؤں کی ٹھوکرا سے بند کیا۔
اسفندیار نے پورا گیٹ پھولوں اور کینڈلز سے سجایا ہوا
تھا۔

ہر طرف گلاب کی نم پتیاں بکھری تھیں۔ اینٹری سے
لے کر ان کی روش بچھائی ہوئی تھی۔ عابیر بھیگی

امپریسیو نظروں سے سب دیکھ رہی تھی۔
اسفند اسے گود میں اٹھائے کمرے میں داخل ہوا۔
پورا کمرہ بھی مہکتا گلاب بنا ہوا تھا۔ کمرے میں ہر
طرف کینڈلز جل رہی تھیں۔ کمرے میں داخل
ہوتے عابیر اور اسفند یار خان پر ڈھیروں گلاب کی
پتیاں آن گری تھیں۔ اسفند نے عابیر کے پھولوں

سے بھی زیادہ نازک کلیوں جیسا وجود ابھی تک اپنی گود
میں اٹھایا ہوا تھا۔ کمرے میں ڈھیروں پھول اور جلتی
کینڈلز اور کمرے میں چل رہا سوفٹ میوزک عابیر پر
سحر انگیز مدہوشی طاری کر رہا تھا۔ عابیر نے ایک نظر
اسفندیار کو دیکھا جو سفید شلوار قمیض پر براؤن مردانہ
شال کندھوں پر ڈالے ہوئے تھا۔ اسفند کی پر اثر سحر

انگیز پر سنیلٹی آج کچھ زیادہ پر کشش لگ رہی تھی۔
اس کے دل نے بیٹ مس کی تھی۔

اسفند کے بدن سے اٹھتی سٹرونک مردانہ خوشبو سے
عابیر کے حواس معطل ہوئے تھے۔ وہ بے اختیاری
میں اسفند کے گلے میں اپنے بازو سختی سے جمائل
کرتے اس کے ساتھ لپٹ گئی۔ اسفند اس کے لپٹنے پر

اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لئی۔ اسفند نے
مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ اس کے چہرے سے
ہٹائے تھے۔ اور اس کے اوپر جھکے بہت پیار سے اس کی
کلائیوں سے چوڑیاں ایک ایک کر کے اتارنے لگا۔
مجھے تمھاری خوبصورت نازک کلائیوں میں کانچ کی
چوڑیوں کی کھنک بہت پسند ہے۔ مجھ پر مدہوشی

آنکھوں میں دیکھتے ہو بھل خمار بھری آواز میں بولا تو
عابیر اس کی گہری نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے رخ
پلٹ گئی۔

اسفند نے مسکراتے ہوئے اس کے قریب لیٹتے اس
کے پہلو میں ہاتھ جماتے اس کی پشت کو اپنے سینے کے
ساتھ لگایا۔

روہانے ہوتے اس کے سر پر سر رکھ کئی تھی۔
اسفند۔ اسے مدھم آواز میں پکارتے اس کے لبوں پر
شر میلی مسکان بکھری تھی۔

اس کی رات کی بے قراریاں،، محبت بھری سرگوشیاں
یاد کر کے عاپیر کے چہرے پر سرخی سی چھائی تھی۔ وہ
اس کے لیے بہت معنی رکھتی ہے۔ وہ رات اسے اپنی

شد تیں کمھاری خوبصورتی کا حق ضرور ادا کریں گی۔
میرے لب اپنی ہر حد تجاوز کرتے تمھیں یہ احساس
ضرور دلائیں گے کہ تم میرے لیے کیا معنی رکھتی ہو۔
تمھیں اپنی محبت کی بارش میں اس طرح بھگو دوں گا
کہ تم بھی میرے بغیر ایک پل نہیں رہ سکو گی۔
اسفند یار خان اس پر جھکے اس کی ہیزل گرے گہری

بے پناہ محبت دے کر اسے اچھی طرح باور کروا چکا
تھا۔ پوری رات اس نے اپنی محبت اپنی شدتوں کی
بارش میں اسے پور پور بھگوئے رکھا۔ اسفند کی بے
تابیاں اور بے قرا یاں ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی
تھیں۔۔

اس نے بہت آہستگی اور نرمی سے اپنے لب اسفند کے

سینے پر رکھے تھے۔ اب وہ نرمی سے اپنے لب اس کے
سینے پر رکھتی چلی گئی۔

افف میرا سرخ گلاب۔۔ وہ مسکراتے ہوئے رخ پلٹے
اس پر آیا تھا۔

عابیر نے اپنی نائٹی کے سٹریپ کو شولڈر پر ایڈجسٹ
کرتے خفت سے اسفند کو دیکھا جو بے باک نگاہوں

سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ عابیر کے سٹریپ اوپر کرنے
پر اسفند نے اس کی نائٹی کے سٹریپ میں انگلی ڈال کر
اسے پھر سے نیچے کھسکا دیا تھا۔ اور ایک ہاتھ اس کی
کمر پر مزید مضبوط کرتے شرارت سے اسے اپنے سینے
میں بھینچے اس کے بدن کی ناز کی محسوس کرنے لگا۔
اسفند چھوڑیں مجھے۔۔ مجھے فریض ہونا ہے۔۔ عابیر

نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھتے کہا تھا۔
اکنٹھے فریش ہونے چلیں! اسفند نے بے باکی سے آنکھ
ماری تھی۔ اسفند مجھے فریش ہونا ہے آپ کے
سامنے کیسے؟؟ عابیر سرخ گلاب ہوئی تھی۔
ایسے جیسے ہوتے ہیں۔ وہ اسے پھر سے بے باکی سے
آنکھ مار گیا تھا۔

برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ اسے کمر سے جکڑے اس
کی نائیٹ ایک جھٹکے سے ریمو کرتے اسے لیے کمبل
میں غروب ہو چکا تھا۔

اسفند!! عابیر روہانسی ہوئی تھی۔

تمہارے دونوں بھائی تم پر بہت حق جتاتے ہیں۔ اب
وہ تمہیں ملنے کو ترسیں گے تو انہیں پتہ چلے گا کہ تم پر

کس کا حق ہے۔ اسفند اس پر جھکے غرایا تھا۔
اسفند کیا مطلب آپ سچ میں مجھے اسلام آباد لے کر جا
رہے ہیں۔؟! عابیر نے حیرانگی سے پوچھا تھا۔
ہاں!! اسفند سنجیدگی سے بولا۔
اسفند یہی ایک وجہ ہے جس کی وجہ سے آپ مجھے
میرے اپنوں سے دور کر دیں گے۔ عابیر روہانسی

ہوئی۔

یہ ایک وجہ ہی بہت بڑی ہے۔ مگر پھر بھی ایک اور
ریزن بھی ہے۔ اسفند اسے اپنے اوپر کرتے ہوئے
کمبل اپنے چہرے سے ہٹاتے ہوئے اسے خود کے
ساتھ لپٹا گیا تھا۔ عابیر سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھ
رہی تھی۔

اسفند نے سائیڈ ٹیبل سے کچھ پیپرزا اٹھا کر عابیر کو
پکڑائے تھے۔ عابیر نے تھامتے ہوئے دیکھا تو اس کی
آنکھیں بے یقین ہوئی تھیں۔

اسفند یہ!! عابیر نے روتے ہوئے کہا۔
ہاں یہ تمہارے میڈیکل کالج کے فارم!! تمہارا
داخلہ ہو چکا ہے۔ کچھ پروسیس رہتا ہے و و تم میرے

ساتھ جا کر اسلام باد پورے کر لینا۔
اسفند!! یہ سچ نہیں ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ یہ
خواب ہے۔ وہ شدت سے رودی تھی۔
یہ خواب نہیں ہے یہ حقیقت ہے اپنے خوابوں کو تم
پورا کرو گی ڈاکٹر بن کر!! اسفند اس کا ماتھا چوم گیا۔
مگر اسفند ہمارے بچے ہماری سیٹیاں میں ماں بننے والی

ہوں۔۔ عابیر ٹوٹے لبوں سے بوکھلاتے ہوئے بول
رہی تھی۔

عابیر تم کر سکتی ہو۔۔ اس حالت میں بہت سی لڑکیاں
بہت کچھ کرتی ہیں۔ تمہارے سپنوں میں کوئی چیز کچھ
اڑے نہیں آسکتا۔۔ جب میری بیٹیوں کے آنے کا
ٹائم ہوگا۔ کچھ ٹائم کے لیے تمہارے سمیٹر فریز کروا

دوں گا۔ اور سیٹیاں میں خود سنبھالوں گا۔ سارا دن
بھی اور رات بھی۔ بس تم اپنے اسفند کی رات کی کچھ
ضرورتوں کا خیال کبھی لینا۔ زیادہ تنگ نہیں کروں گا۔
بس تم کا پیٹ کرنا مممم!! وہ بھاری آواز میں بولتے
مسکرایا تھا۔

اسفند!! عابیر اس کے سینے سے لپٹے شدت سے رو

دی تھی۔ مجھے لگا تھا آپ مجھے لے کر پوزیسو ہیں۔ مجھے
کو ایجوکیشن میں پڑھنے نہیں دیں گے۔ وہ روتے
ہوے بولی۔

عابیر پوزیسو ہوں بہت ہوں۔۔ مگر پردے میں تم جاؤ
گی مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟؟ اس گلاب چہرے پر
تو میں کسی صورت کسی کی نگاہ پڑھنے دوں گا۔ اسفندیار

خان اس کی ناک سے ناک مس کرتے بولا۔
چلو ایک اور سر پر ایز ہے اسفند کبیل اتارتے بیڈ سے اٹھا
تھا۔

عابیر نے جلدی سے ناٹی پہنی۔۔ ویسے یہ اترنی ہی ہے
میرا گلاب محنت کرنے کا کوئی فایڈہ نہیں۔۔ وہ شرارتی
انداز میں بولتے اسے گود میں اٹھا گیا۔

رمز عشق
تحریر نور آصف

قسط 2 part 3rdlast

ارحام خانزادہ جدید بے حد خوبصورت و اش روم میں
سفید ٹراؤزر میں ملبوس اپنے خم زدہ بال تو لیے سے
رگڑتے ہوئے مر رہے دیکھ رہا تھا۔ ارحام کی گہری

بے باک نظریں مرر سے نظر آتے اپنی خوبصورت
بیوی پر تھیں۔ جو نظریں جھکائے سرخ گلاب سی ہوئی
باتھ روب گاون پہن رہی تھی۔ ارحام خانزادہ کی
گہری بے باک نظر خود پر محسوس کرتے حور کی رنگت
سرخ قندھار ہو رہی تھی۔ ابھی بھر پور رومانس کر
کے وہ فری ہوا تھا۔ اکٹھے شاور لے کر بھی اس کے

شوہر کا دل نہیں بھرا تھا۔ وہ ابھی بھی اسے بے باک
نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اسے گھنٹوں بے باکی سے
دیکھ سکتا تھا۔ بہت بار اسے اپنے سامنے بٹھائے ایسے
ہی بے باکی سے دیکھتا رہا تھا۔

حور گھنٹوں تک پنک باتھ روب پہنے سرخ گلاب سی
ہوئی گیلیے بالوں کے ساتھ جھینپ سی رہی تھی۔ اس

۔۔ ابھی بھی جتنا بے باک رومانس اس کے شوہر نے
کیا تھا حور کے گالوں سے ابھی تک سیک نکل رہا تھا۔
برستے پانی کے بوچھاڑ میں وہ اس کے پور پور پر اپنی
شدتیں ڈھاتے اسے بے بس کر چکا تھا۔ حور نے لب
کاٹتے ہوئے اپنے گھٹنوں سے نیچے اپنی سڈول ٹانگیں
دیکھی جہاں ارحام خانزادہ کی شدتوں کے گہرے

ارحام کے قہقے پر حور روہانے ہوتے شرمندگی سے
نگاہیں جھکا گئی تھیں۔۔۔ وہ اس سے بھلا کہاں خود کو چھپا
سکتی تھیں۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہ جس حلیے میں اس کی
بانہوں میں تھیں۔ وہ یاد کر کے وہ سرخ گلاب سی ہوئی
مزید جھینپ گئی تھیں۔

حور جلدی سے دروازے کی طرف بڑھی۔ ارحام
مسکراتے ہوئے اسے کلائی سے کھینچتے ہوئے اپنی
بانہوں میں بھرتے اسے اپنے سینے سے لپٹا گیا تھا۔
ہے میرا خوبصورت بچہ!! وہ اس کے گیلے بالوں
کی لٹیں اس کے عارض سے ہٹاتے اس کا چہرہ اپنے
ہاتھوں میں بھرتے اس کے لبوں پر جھکا

ارحام!! حور نے روہانے ہوتے اس کے چٹائی سینے پر
ہاتھ جماتے اسے دھکا دیا۔

حور ڈونٹ!! ڈونٹ!! ارحام اس کے دور دھکیلنے پر
جنونی ہوتا اس کے لبوں پر جھکتے اسے اوپر کواٹھائے
اسے وینٹی کی سلیب پر بٹھا گیا تھا۔ اب وہ اس کے گلابی
لبوں کی نرم ہٹیں محسوس کرتے اس کے ہاتھ روب

گاؤن کی ڈوری کھولے اپنے ہاتھوں کا نرم لمس اس
کے جسم کے حساس حصوں پر چھوڑ رہا تھا۔ حور اس
کے گلے میں اب با نہیں جمایل کر گئی تھی۔ وہ اگر ایسا
نہ کرتی تو ارحام کا رومانس کا دورانیہ طویل ہو جاتا۔ وہ
رومانس کے دواران اس کی ذرا سی بے توجہی برداشت
نہیں کرتا تھا۔ حور گہرے سانس لیتے اس کی برہنہ

پشت پر اپنے ناخن گاڑھے اس کے سینے میں سمائی
تھی۔ ارحام مسکراتے ہوئے اس کے لبوں کو آزاد کر
گیا۔ مگر اس کے ہاتھ ابھی تک بے باکی دکھا رہے
تھے۔ ارحام نے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے اس
پر نگاہ ڈالی۔ وہ نظریں جھکائے ہوئے سرخ ہو رہی
تھی۔

کس کی ہو؟؟ ارحام خانزادہ اس کا جبرہ دبوچتے ہوئے
اس کا چہرہ اوپر اٹھاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں
آنکھیں گاڑتے سرد لہجے میں غرایا۔

آپ۔۔۔ آپ۔۔۔ کی۔۔۔ ہوں۔۔۔ حور نے ارحام
خانزادہ کی جنونیت بھری آنکھوں میں دیکھتے بمشکل
کہا۔

پھر سے کہو!!! ارحام نے اس کے جڑے پر اپنی
گرفت سخت کی تھی۔

آپ کی ہوں ارحام!!! حور نے بھیگے لہجے میں کہا۔
پھر سے کہو!!! ارحام کا لہجہ مزید سرد ہوا۔

آپ کی ہوں صرف آپ کی۔۔ حور کے لہجے کا بھیگا
پن بڑھا تھا۔ ارحام اس کا بھیگا لہجہ محسوس کرتے اس کا

جبرہ چھوڑ چکا تھا۔

ارحام سلیب کو دونوں ہاتھوں میں جکڑے اب اس پر
جھکا تھا۔ حور نامحسوس انداز میں پیچھے کو کھسکی تھی۔

بولو!!! وہ اس پر جھکے بولا۔

کک کیا ارحام؟؟ حور نے بھیگے لہجے میں اس کے چٹائی
سینے پر ہاتھ رکھتے اس کی سرخ آنکھوں میں دیکھتے

پوچھا۔

بولو میں حور خانزادہ صرف ارحام خانزادہ کی ہوں۔
سر سے پیر تک صرف ارحام خانزادہ کی ہوں۔
صرف اس کی ہوں۔ میرا خود پر بھی اتنا حق نہیں
جتنا میرے شوہر ارحام خانزادہ کا ہے۔ وہ اس کے
نقوش پر سگتی سانسیں چھوڑتا غرایا تھا۔

!! میں حور خانزادہ صرف ارحام خانزادہ کی ہوں۔ سر
سے پیر تک صرف ارحام خانزادہ کی ہوں۔۔۔ صرف
اس کی ہوں۔۔۔ میرا خود پر بھی اتنا حق نہیں جتنا
میرے شوہر ارحام خانزادہ کا ہے!! حور ڈبڈبائے
لہجے میں جلدی سے بولی تھی۔

میرا خود پر بھی اتنا حق نہیں جتنا میرے شوہر ارحام
خانزادہ کا ہے۔ میرا خود پر بھی اتنا حق نہیں جتنا
میرے شوہر ارحام خانزادہ کا ہے۔ دوبارہ سے بولو!!
وہ پیچھے کو ہوتے یہ لفظ دہراتے برقیلے لہجے میں بولتا
اس پر اپنی برقیلی نگاہیں گاڑھ گیا۔

میرا۔۔۔ خود۔۔۔ پر بھی۔۔۔ اتنا۔۔۔ حق۔۔۔ نہیں۔۔۔
جتنا۔۔۔ میرے۔۔۔ شوہر۔۔۔ ارحام۔۔۔ خانزادہ۔۔۔
کا۔۔۔ ہے۔ وہ ٹوٹے لفظوں سے بولتے اپنی بھیگی
آنکھیں ہتھیلیوں سے رگڑ گئی تھی۔۔۔
مسکراتے ہوئے بولو!! ارحام اس کے قریب ہوتے
اس کی بھیگی آنکھوں میں اب اپنی آنکھیں گاڑھ گیا

کی شرٹ جکڑے آنکھیں موند گئی تھیں۔ سائیڈ ٹیبل
پر رکھا حور کا موبائل شد و مد سے بج رہا تھا۔ ارحام کا
موبائل بھی بج رہا تھا۔ وہ حور کے لبوں کو شدت سے
چوم رہا تھا۔

ہیپی برتھڈے مائی جان! کچھ دیر بعد ارحام نے اس
کے لبوں کو آزاد کرتے اس کا چہرہ نرمی سے تھاما۔

ٹھیک کہہ رہی ہو میری محبت lust ہے اور میں ابھی
یہ وقت بھی تمہیں اپنے ہاں ہوں میں لے کر
سلیبریٹ کرنا چاہتا تھا۔

کل کا دن بھی تمہیں میری ہاں ہوں میں رہ کر گزارنا
پڑتا۔ تم میری lust مزید نہ سہو اس لیے تمہارا
مکھارے پا پا کے ساتھ اپنی سالگرہ منانے کا فیصلہ

بیسٹ ہے۔۔ وہ اس کی پیشانی چومتے ہوئے بولا۔
حورا سے بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔
جاؤ فون سنو مائی بیوٹی فل وایف تمہارے پاپا تمہارا
ویسٹ کر رہے ہوں گے۔ میں آج رات گاڑی میں
سوات کی سڑکوں پر گزار لوں گا۔ ارحام سنجیدگی سے
بولتے کمرے سے نکل گیا تھا۔

حور نے گہرے سانس لیتے اپنی بھیلی آنکھیں رگڑتے
ہوئے موبائل کی طرف بڑھی۔

ہیلو پاپا!! وہ کال رسیو کرتے بھیگے لہجے میں بولی۔
پچھے سے برتھڈے میوزک کی آواز سن کر وہ بھیگاسا
ہنسی تھی۔

چندہ نے پوچھتا روں سے

تاروں نے پوچھا ہزاروں سے
سب سے پیارا کون ہے
سلطان شاہ کی بھیگی آواز فون پر گونجی تھی۔
پاپا میرے پاپا۔۔۔ وہ روتے ہوئے گنگناتے ہوئے ہنسی
تھی۔

پاپا تیرے پاپا!! سلطان شاہ بھی بھیلی آواز میں
گنگناتے ہوئے ہنسے تھے۔

آئی لو یو پاپا۔ حور روپڑی تھی۔ آئی لو لو ٹو میری جان
میری زندگی!! وہ فون پر رو رہے تھے۔

Papa not today ok

ہر بر تھڈے پر آپ ایسے ہی cry کرتے ہیں جو مجھے
بلکل پسند نہیں وہ نروٹھے انداز میں بولی۔

Hoor Not today ok

تم ہر بر تھڈے پر اسے ہی ناراض ہو جاتی ہو۔ پھر
سارا دن پاپا کی اپنی پر نسز کو مناتے ہوئے گزر جاتی

ہے۔ سلطان شاہ کی بات پر حور کی ٹھٹھلاہٹ گوجی
تھی۔

ارحام صوفے پر بیٹھے لب بھینچے بظاہر سگریٹ پیتے
اپنے موبائل میں مصروف تھا۔ مگر پوری توجہ اپنی
بیوی کی طرف ہی تھی۔ جو بلیک ساڑھی میں ملبوس

ڈریسنگ مرر کے آگے کھڑے کافی دیر سے میک اپ
کر رہی تھی۔ اسے ساڑھی میں دیکھ کر ارحام جیسے
پاگل ہو رہا تھا۔ وہ بار بار صوفے پر بے چینی سے پہلو
بدلتے اپنی پچھلی گردن سہلا رہا تھا۔ ارحام خانزادہ کو
اپنے دماغ کی رگیں بھڑکتی محسوس ہو رہی تھیں۔ دل
و دماغ میں شعلے بھڑک رہے تھے۔

وہ بے حد سٹائش ساڑھی میں ملبوس تھی۔ جس کا
بلاؤز فل سلیوز میں ویلوٹ کا تھا۔ ساڑھی کی فال بہت
سٹائش تھی۔ جو وہ بہت اچھے انداز میں کیری کیے
ہوئے تھی۔

اپنے سلکی چاکلیٹی براؤن بالوں میں وہ لوز کرل ڈالے
ہوئے تھی۔ کچھے دو گھنٹوں سے وہ مرر کے آگے

وہ بے حد سٹائش ساڑھی میں ملبوس تھی۔ جس کا
بلاؤز فل سلیوز میں ویلوٹ کا تھا۔ ساڑھی کی فال بہت
سٹائش تھی۔ جو وہ بہت اچھے انداز میں کیری کیے
ہوئے تھی۔

اپنے سلکی چاکلیٹی براؤن بالوں میں وہ لوز کرل ڈالے
ہوئے تھی۔ پچھے دو گھنٹوں سے وہ مرر کے آگے

کھڑی میک اپ کرتے ارحام خانزادہ کا ضبط آزار ہی
تھی۔ وہ کبھی جھنجھلاتے ہوئے اپنی گردن کو دو
انگلیوں سے رب کرنے لگا جاتا کبھی پچھلی گرن بری
طرح سہلانے لگ جاتا تھا۔ کبھی جھنجھلاتے ہوئے
اپنی پینٹ کی بیلٹ ٹھیک کرتا۔ اگلے بٹن تو وہ کب سے
کھولے ہوئے تھا۔

وہ سکریٹ کے گہرے کش لیتے ہوئے اپنی ٹانگ
ہلاتے ہوئے اپنی پچھلی گردن سہلاتے ہوئے اب
سانس باہر خارج کرتے خود پر بمشکل قابو پار ہاتھا۔
سامنے کھڑی عورت کو لے کر وہ جنونی تھا پاگل تھا
اس کا خود پر کنٹرول کھو جاتا تھا۔

ارحام خانزادہ خود پر قابو پاتے گاڑی سے اترا۔
حور مسکراتے ہوئے خوشی سے آسمان میں اڑتے فایر
بلون دیکھ رہی تھی۔ وہ گہرے سانس لیتے حور کو اتنا
خوش دیکھ رہا تھا۔

سلطان شاہ کو سامنے سے آتا دیکھ کر وہ بھاگتے ہوئے
سلطان شاہ کی طرف بڑھی تھی۔۔۔ ارحام خانزادہ

کے گلے میں کلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔
سلطان شاہ کو دیکھتے وہ پریگنٹ ہے یہ بھی بھول گئی
تھی۔ ارحام خانزادہ کی آنکھیں سرخ ہوئی تھیں۔ نہ
وہ سلطان شاہ کے سینے سے لگی برداشت ہوئی تھی۔ نہ
اس کے لیے سلطان شاہ کا یہ سر پر ایز برداشت ہو رہا
تھا۔

وہ اب اپنی پچھلی گردن رب کرتے یہ سب دیکھتے خود
پر استہزائیہ ہنساتھا۔۔۔

اپنی بیوی کے لیے اس نے اس سے بڑھ کر سر پر ایز
تیار کیا تھا۔ مگر وہ آج اپنے باپ سلطان شاہ کے
ساتھ تھی۔ وہ اور اس کی بیٹی کے سر پر ایز وقعت اب
کچھ نہیں رہی تھی۔

آئی لو یو پاپا!! وہ سلطان شاہ کے سینے میں سمائے بھیکے
لہجے میں بولی تھی۔

آئی لو یو ٹو پیٹا۔ سلطان شاہ اس کی پیشانی پر لب رکھ
کئے تھے۔ اور حام یہ دیکھتے اب اپنے بھاری قدموں
سے اس پھولوں کی روش سے چلتا سلطان شاہ کی
طرف بڑھا۔ جو بلیک پینٹ کوٹ میں ملبوس پینٹ پر

سفید شرٹ پہنے وئے تھے۔۔ حور کو اپنے سینے میں
بھینچے تھے۔ حور اب اپنا سالر اتار چکی تھی۔ اس کے
سلکی بال ہو اسے لہرا رہے تھے۔۔ ارد گرد کوئی گارڈ
نہیں تھا۔

وہ سلطان شاہ کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔۔ ارحام
بھی اس وقت سیاہ پینٹ کوٹ میں ملبوس تھا۔ سیاہ ہی

دونوں کی جان بستی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو
صرف اس عورت کی وجہ سے ہی برداشت کرتے
تھے۔

سلطان شاہارحام کو گھورتے حور کو مزید اپنے سینے
میں بھینچے اس کے بازو کے گرد اپنا حصار مضبوط کر
کئے تھے۔

حوراب پریشانی سے دونوں کو دیکھ رہی تھی جو ایک
دوسرے کو جلتی نگاہوں سے دیکھتے قہر بار نگاہوں
سے گھور رہے تھے۔ حوراب بری طرح گھبرائی
تھی۔ یہ دونوں مرد اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز
تھے۔ وہ دل و جان سے ان دو مردوں پر مرتی

تھی۔۔ اب وہ کھبراتے ہوئے بھی ارحام خانزادہ کو
دیکھتی کبھی سلطان شاہ کو دیکھتی۔

ارحام اپنے پینٹ کی دونوں پاٹ میں ہاتھ ڈالتے
ہوئے اپنے بھاری قدموں سے سلطان شاہ کی طرف
بڑھتے حور کو بازو سے جکڑے ان کے حصار سے

نکالتے اپنے سینے سے لگائے اس کی پیشانی پر لب رکھ
گیا تھا۔

حور نے سرخ پڑتے ارحام کی حرکت دیکھی تھی۔
سلطان شاہ نے مٹھی بھینچتی اپنے داماد کی اوچھی حرکت
دیکھی تھی۔ میری جان میری زندگی میں تمہیں
جلد لینے آجاؤں گا، نمم۔ ارحام نے حور کا چہرہ تھامے

اس کی پیشانی پر پھر سے لب رکھے تھے۔۔ حور تو
سرخ پڑتے ہوئے نظریں جھکا گئی تھی۔۔ جوار حام
خانزادہ کسی کے سامنے اس سے فضول بات نہیں کرتا
تھا۔ آج وہ اس کے باپ کے سامنے یہ سب کچھ کر رہا
تھا۔

یکدم حور اور سلطان شاہ کے قدم رکے تھے۔۔
سامنے ہی ارحام خانزادہ کی گاڑی کھڑی تھی۔ وہ
ڈریونگ سیٹ پر بیٹھا سو رہا تھا۔
حور بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ کل صبح دس
بجے سے کیا یہاں موجود تھا؟! وہ پریشان ہوئی
تھی۔۔

اس کی گاڑی گارڈ کی گاڑیوں کے ہمراہ ہی کھڑی تھی۔
حور بھیگی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔۔ سلطان
شاہ بھی لب بھینچے اسے دیکھ رہے تھے۔۔ وہ سفید
شرٹ اور سیاہ پینٹ میں ملبوس سیٹ سے ٹیک لگائے
سورہا تھا۔

سلطان شاہ نے بری طرح جبرے بھینچے تھے وہ دل

سے مان چکے تھے ان کا داماد ان کی بیٹی سے بے حد
محبت کرتا ہے شدید محبت کرتا ہے۔۔ وہ پاگل ہے سر
پھرا ہے وہ جنونی ہی وہ پہاڑی خان ہے۔ وہ پھر اسانڈ
ہے۔ وہ جو بھی ہے مگر ہے صرف ان کی بیٹی کا ہے۔۔
وہ پاگل ہے اپنی بیوی کے لیے۔۔ وہ مہرماہ سے کبھی
محبت نہیں کر سکے۔۔ محبت کیا ہوتی ہے؟؟ یہ ارحام

خانزادہ کو صرف پتہ تھی۔۔ جو۔ سات ماہ اپنی عزت
نفس مارتے ہوئے ان کی بیٹی کا گارڈ بن کر رہا۔۔ جو
خود سے بڑھ کر ان کی بیٹی کی حفاظت کرتا رہا۔
حور روتے ہوئے بھاگتے ہوئے ارحام کی گاڑی کی
طرف بڑھی تھی۔۔ وہ ایک بار پھر سے بھول چکی
تھی وہ پریگنٹ ہے۔۔ وہ اس انسان سے بڑھ کر کسی

سے محبت نہیں کر سکتی۔ تھی۔ وہ اپنے عارض سے
بہتے آنسو صاف کرتے اپنے ارحام کی طرف بڑھ رہی
تھی۔ جس نے اسے سکھایا محبت کیا ہوتی ہے؟؟ خود
سے بڑھ کر جس سے محبت کی جائے اس کی حفاظت
کیسے کی جاتی ہے۔ وہ روتے ہوئے ارحام خانزدہ کی
طرف بڑھ رہی تھی۔ وہ گاڑی کے پاس آکر رکی

تھی۔ اب وہ گاڑی کے شیشے پر ہاتھ رکھے زندہ
وجودوں کو الٹ پلٹنے والے مغرور بے حد شاندار
پر سنیلٹی رکھنے والے خاں زادہ کو دیکھ رہی تھی۔ جو
سوتے ہوئے بے حد معصوم لگ رہا تھا۔ مگر وہ معصوم
تھا نہیں۔ وہ شیشے پر ہاتھ رکھتے ہوئے روتے ہوئے
اب ہنس رہی تھی۔ وہ بے باک تھا بے شرم تھا۔

بے حد رومانٹک تھا مگر معصوم نہیں تھا۔ وہ روتے
ہوئے ہنستی جا رہی تھی۔

سلطان شاہ حور کو دیکھتے اپنے گارڈز کو اشارہ کرتے اپنی
گاڑی میں بیٹھتے وہاں سے جا چکے تھے۔۔۔۔۔
جانتے تھے جہاں ارحام خانزادہ ہو وہاں حور خانزادہ کو
سلطان شاہ کی ضرورت نہیں پڑ سکتی تھی۔۔

حور و نڈوپر ہاتھ جمائے اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھ
رہی تھی۔ دل ہی نہیں کر رہا تھا اسے جگانے کو!!
ارحام نے اسی لمحے آنکھیں کھولتے پہلو بدلا۔ وہ
سیٹ پر کافی ان کفر ٹیبل تھا۔ صبح دس بجے سے تو
یہیں تھا۔ باہر شدید سردی تھی۔ کبھی جھنجھلاتے
ہوے باہر نکل جاتا کبھی گاڑی میں بیٹھ جاتا۔ اپنی

بیوی کو وہ کیسے اکیلا چھوڑ کر جاسکتا تھا۔ وہ اپنے
دھڑکنیں کہیں اور چھوڑ کر آخر کیسے جاسکتا تھا۔ دل
میں اسے کھونے کا شدید ڈر تھا۔ وہ اسے چھوڑ نہ دے
یہ بھی ڈر تھا۔ مگر اس کی پروٹیکشن کو لے کر وہ آج
بھی ڈرتا تھا۔ اسے عورت کو لے کر اسے کسی گارڈ پر
بھروسہ نہ تھا۔ نہ وہ کبھی کر سکتا تھا۔ وہ جھنجھلاتے

ہوے سیدھا ہوا۔ حور کو باہر کھڑا دیکھ کر وہ جلدی
سے گاڑی کا دروازہ کھولتے باہر نکلتے حور کو اپنے سینے
سے لگاتے اسے سختی سے خود میں بھینچ گیا تھا۔
میری جان میری زندگی میری دھڑکن۔ مجھے ایسا
لگ رہا تھا جیسے میں تمہیں کبھی نہیں دیکھ سکوں گا۔ وہ
اسے سختی سے خود میں بھینچے اس کے کندھے پر اس

کے سر پر لب رکھتے دیوانگی کے عالم میں بول رہا تھا۔
اب وہ اس کا نقاب اتارے اس کا چہرہ تھا مے سختی سے
اپنے لبوں کو اس کے ایک ایک نقش پر رکھ رہا تھا۔
اس کے لب رک ہی نہیں رہے تھے۔
حور ہنستے ہوئے رو رہی تھی۔ وہ اس کی آنکھوں سے
بہتے آنسوؤں کو اپنے حلق میں اتارتے اس کے لبوں پر

جھکتے اس کی سانسوں کو گھونٹ گیا۔ حور اس کی شرٹ
مٹھیوں میں جکڑے اس کی شدت میں اس کا ساتھ
دے رہی تھی۔

ارحام نے اس کی سانسوں کو انہیل کرتے ہوئے اس
کے لبوں کو آزادی دی۔

وہ اپنی بے ترتیب سانسوں کو درست کرتے ہوئے

اس کا چہرہ تھا مے بہت محبت سے اس کے خوبصورت
چہرے کو دیوانہ وار نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔
آپ کو کیوں ایسا لگتا ہے میں آپ کو چھوڑ کر چلی
جاؤں گی؟؟۔ حور نے ارحام کی آنکھوں میں دیکھتے
ہوئے بھگے لہجے میں پوچھا۔
کیونکہ تم سے اتنی شدت سے محبت کرتا ہوں کہ تم

نہیں سمجھ سکتی۔۔ تم دھڑکن ہو میری۔۔ تم۔ میرے
لیے اتنی خاص ہو اتنی قیمتی ہو۔ تم مجھے اتنی
خوبصورت لگتی ہو اتنی خاص لگتی ہو کہ میں خود کو
تمہارے قابل نہیں سمجھتا۔ مجھے لگتا ہے تم سے
جتنی محبت کی جائے کم ہے۔ میں تم سے محبت کرتا
ہوں یہ خاص نہیں۔ خاص یہ ہے تم میری ہو۔۔ تم

اتنی قیمتی ہو ایسا لگتا ہے جیسے ذرا سی آنکھیں بند کروں
گا کوئی تمہیں مجھ سے چرا کر لے جائے گا۔ وہ گھمبیر
آواز میں بولا تو حور بھیگے لہجے میں مسکرا دی تھی۔
اس لیے صبح سے یہاں بھوکے پیاسے گاڑی میں بیٹھے
ہیں۔ پاپا کے پاس بھی نہیں چھوڑ کر گئے۔ حور نے
بھیگے لہجے میں پوچھا تھا۔

ہر ٹائمر ومانس کریں گے تو یہی کہوں گی۔ اتنی محبت
کرنے کا کیا فائدہ جب مجھ پر ترس ہی نہیں کھاتے۔
حور نظریں جھکائے اس کی شرٹ کا بٹن چھیڑتے
نروٹھے انداز میں بولی تھی۔

حور کی آدا اور بات پر آرام کا بلند و بانگ قہقہہ گونجا
تھا۔

لیٹ دا اینڈ میری خوبصورت بیوی نے ہی روٹھ جانا
ہوتا ہے۔۔ اور مجھ جیسا دیوانہ شوہر غلطی نہ ہوتے
ہوے بھی غلطی ایکسپیٹ کرتے معافی مانگ لیتا ہے۔
ارحام نے مسکراتے ہوئے کہا تو حور نروٹھے انداز میں
اس کے سینے پر سر رکھ گئی تھی۔۔ ارحام اسے اپنے
بازو کے حلقے میں لیے گاڑی کی دوسری سیٹ کی

طرف بڑھتے گاڑی کا دروازہ کھولتے اسے نرمی سے
گاڑی میں بٹھایا۔

خود ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھتے گاڑی سٹارٹ
کی۔

.....
ارحام کی گاڑی ایک خوبصورت جگہ پر آرکی تھی۔

حور گاڑی سے یہ سب دیکھتے شر مند کی سے اپنا نچلا
لب کاٹ گئی تھی۔ اس کی برتھڈے ختم ہو گئی تھی۔
سلطان شاہ کی طرح ارحام نے بھی یہ خوبصورت جگہ
سجائی ہوئی تھی۔ جہاں خوبصورت کینڈلز ہی کینڈلز
جل رہی تھیں۔ ہر طرف سفید گلاب کی پتیاں بکھر
رہی تھی۔ زمین پہاڑ ہر جگہ برف سے ڈھکی تھی۔

خوبصورت گلاس ہاؤس ایک دوسرے سے کافی فاصلے
پر یہاں بنے تھے۔۔۔ یہاں بھی خوبصورت فائر
سفید بلون آسمان میں اڑ رہے تھے۔ یہ جگہ خواب سا
لگ رہی تھی۔۔۔ برف سفید پھول کینڈل لائٹس ہر
طرف روشن راوند شیپ میں گلاس ہاؤس۔۔
جن میں جلتی روشنیاں اور اندر پڑے بیڈ نظر آرہے

تھے۔

ارحام نے اس کی طرف بڑھتے اس کا ہاتھ پکڑ کر
گاڑی سے نکالا۔

وہ اسے اپنے بازو کے حلقے میں لیے آگے بڑھا تھا۔
یہ جگہ ٹورٹسٹ پوائنٹ ہے۔۔ یہ خوبصورت گلاس
ہاؤس دیکھ رہی ہو یہ سب میں نے آج کے لیے بک

کیے ہیں۔ یہ پورا سپاٹ میں نے بک کر وایا ہے۔
ارحام اسے بازو کے حلقے میں لیے اسے بتا رہا تھا۔
پورا سپاٹ کیوں بک کر وایا ارحام؟؟ حور نے حیرانگی
سے پوچھا تھا۔

کیونکہ میری جان میں نہیں چاہتا تھا اس خوبصورت
چہرے کو کوئی دیکھے۔۔ ارحام خانزادہ نے کہتے اس کا

سٹالر سر سے اتارا۔

یہاں پر یزے نے بھی ساتھ آنا تھا مگر وہ نہیں آ
سکی۔ ارحام کی بات پر حور کی آنکھیں شدت سے
بھگی تھیں۔

آئی ایم سوری ارحام!! حور نے بھگے لہجے میں کہا۔
شش۔ ارحام خانزادہ اس کے لبوں پر انگلی رکھ گیا تھا۔

میں سمجھتا ہوں سلطان شاہ کا تم پر حق ہے۔ مگر
میری شدید محبت تم پر کسی کا حق برداشت نہیں کر
سکتی۔ اس لیے میں ایگر یسیو ہو گیا۔ مگر مجھے احساس
ہے تمہارا ان پر حق ہے۔ ہم جلد اسلام آباد شفٹ
ہوں گے تم میں پر یزے!! جب میں آفس میں ہوں
گا تم سلطان شاہ کے ساتھ وقت گزار سکتی ہو۔ مگر

رات رکنے کی بات مت کرنا ورنہ جان۔ م سے جاؤں
گا۔ ارحام نے سنجیدگی سے کہتے اس کی ہتھیلیاں
چومیں۔

ارحام ہم حویلی چھوڑ دیں گے کیا؟؟ حور نے حیرانگی
سے پوچھا تھا۔

نہیں بالکل نہیں جیسے میں اب آتا ہوں ویسے آیا کریں

گے۔

تمھاڑے اور پر یذے کے بغیر میں کیسے اکیلا اسلام
آباد رہ سکتا ہوں۔ ہر جگہ پر تم دونوں میرے ساتھ
ہوں گے۔ وہ بھاری آواز میں بولتے اسے اپنے سینے
سے لپٹا گیا تھا۔

حور مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ لپٹی۔ ارحام حور کو

جگہ کا اثر تھا یا ارحام کی قربت اور محبت کا وہ مدہوش
سی ہو رہی تھی۔

۔ حور اتنے خوبصورت ہاؤس کو مسکراتی نگاہوں سے
دیکھ رہی تھی۔

پسند آیا میری ارب پتی بیوی کو اپنے غریب شوہر کا
سر پر ایز۔ ارچام کی بات پر حور کی ہنسی کی جلتزنگ

گو جی تھی۔۔

ارحام مسکرتے ہوئے اسے لیے کمرے میں داخل ہوا
۔ اسے بیڈ پر بٹھاتے ہوئے سائیڈ ٹیبل پر رکھی ایک
خوبصورت سی پیسٹری اٹھا کر حور کے گال پر اس کی
چاکلیٹ کریم لگائی۔۔

پپی برتھڈے جان۔ اس نے اس کے گال پر جھکتے

ہوے لب رکھتے وہاں لکی چاکلیٹ پر زبان لگائی۔ حور
سرخ پڑتے ہوئے نظریں جھکا گئی تھی۔۔

ارحام اس کی جھکی نگاہیں دیکھ کر ریموٹ اٹھائے اس
کمرے کے چاروں اطراف پر گلاس والے پر آوٹ میٹک
کرٹن گرا گیا تھا۔

حور کا عبائیہ اتارے ارحام نے اس کے قیامت سے

وجود کو ساڑھی میں لپٹے گہری نگاہوں سے دیکھا تھا۔
بہت خوبصورت ہو تم!! دنیا کی خوبصورت عورت!
! میں اقرار کرتا ہوں۔ روئے زمین پر تم سے زیادہ
خوبصورت کوئی عورت نہیں ہوگی۔ میں اقرار کرتا
ہوں مجھے تمہارے بعد کسی چیز کی تمنا نہیں۔ میں
اقرار کرتا ہوں میں تم سے اتنی محبت کرتا ہوں۔ جتنی

آج تک کسی نے کسی سے نہیں کی ہوگی۔ میں اقرار
کرتا ہوں میری زندگی میں آنے والی تم وہ پہلی عورت
ہو جس کے چہرے پر جب جب کسی غیر مرد کی نگاہ
پڑی تو میں اندر سے مر گیا۔ میں اقرار کرتا ہوں تم ہی
پہلی وہ عورت ہو جس نے مجھے رلایا۔ خود کے لیے
تڑپایا۔ میں اقرار کرتا ہوں تمہارے بغیر میری

آج تک کسی نے کسی سے نہیں کی ہوگی۔ میں اقرار
کرتا ہوں میری زندگی میں آنے والی تم وہ پہلی عورت
ہو جس کے چہرے پر جب جب کسی غیر مرد کی نگاہ
پڑی تو میں اندر سے مر گیا۔ میں اقرار کرتا ہوں تم ہی
پہلی وہ عورت ہو جس نے مجھے رلایا۔ خود کے لیے
تڑپایا۔ میں اقرار کرتا ہوں تمہارے بغیر میری

زندگی بے معنی ہے۔ میں اقرار کرتا ہوں تم میری
روح میں بستی ہو۔ وہ اس کے چہرے کو تھامتے ہوے
گھمبیر آواز میں بولتے اپنی سلگتی سانسیں اس کے
نقوش پر چھوڑ رہا تھا۔ حور مسکراتے ہوے اس کا اقرار
سن رہی تھی۔۔

میں اقرار کرتا ہوں میں تمہیں جب جب دیکھتا ہوں

بے خود بے قرار ہو جاتا ہوں۔ تمہارا یہ ڈمپل میرے
اندر خماری طاری کر دیتا ہے۔ وہ اب اس کے ڈمپل کو
چوم رہا تھا۔ حور اس کے لمس پر مسکرا رہی تھی۔
تمہاری آنکھوں میں جب جب دیکھتا ہوں۔ تمہاری
آنکھیں مجھے تمہارے لیے بے قرار کر دیتی ہیں۔ وہ
اب اس کی آنکھوں کو نرمی سے چوم رہا تھا۔ میں اقرار

کرتا ہوں میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ اسے
بیڈ پر لٹائے اس کی ساڑھی کی فال کو اپنے ہاتھ میں
لپیٹتے ہوئے ایک جھٹکے سے اتار گیا تھا۔
حور گلابی ہوتی آنکھیں میچ گئی تھی۔ وہ اب بلیک تنگ
سی سکرٹ اور بلاوز میں ملبوس تھی۔ وہ اس کے
سکرٹ کی سائیڈز پکھولتے اس کے پیٹ پر نرمی

تھے۔ حور کی گہری سالیں گونج رہی تھیں۔
ارحام نے دانتوں سے اس کی بلاوز کی زپ کھولتے
اس کے بدن پر موجود نازک پردے کو بھی دانتوں
سے کھولا تھا۔ وہ اسے بے حد نرمی سے چومتے ہوئے
اس کے بدن کو ہر پردے سے آزاد کرتے اسے سیدھا
کرتے اس پر جھکے کمبل اوڑھتے خود کو بھی ہر پردے

ابھی اس کی محبت اس کی کثیر اس کی محبت کا اظہار
چاہتی تھی۔ وہ اتنا پر سکون ہو چکا تھا اور کچھ کل رات کا
سو یا نہیں تھا۔ نیند سے پاگل ہو رہا تھا۔
ارحام نے سرخ آنکھوں سے حور کو دیکھتے اس کی
پیشانی پر لب رکھے اسے خود کے ساتھ لپٹایا۔
وہ اس کے سینے سے لگی کیا باتیں کر رہی تھی۔ ارحام

کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ گہری نیند میں جاتے
مسلل ہوں ہاں کر رہا تھا۔ حور نے مسکراتے ہوئے
اس کے سینے پر لب رکھے۔ آج اس کے سونے پر
غصہ نہیں آیا تھا۔ وہ بہت تھکا ہوا تھا وہ جانتی تھی۔ اور
یہ بھی جانتی تھی وہ سو کر اٹھنے کے بعد پھر سے
رومانس کرے گا تب تک اسے بھی اپنی نیند پوری

کرنی تھی۔۔ وہ اس کے سینے سے لپٹے گہری نیند سو
چکی تھی۔۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بکھری
حالت میں لپٹے گہری نیند سو رہے تھے۔

رمز عشق

تحریر نور آصف

قسط سیکنڈ لاسٹ پارٹ 1

اس وقت درجنوں ڈاکٹرز کی ٹیم سوات کے ایک
خوبصورت چھوٹے سے گاؤں میں موجود تھی۔

شہرام خان نے آج لوگوں کو صحت کے متعلق
awareness دینے کے لیے کیمپ لگائے
تھے۔۔ یہاں پولیو کے کیسز کی تعداد بڑھ رہی
تھی۔ بہت سارے پیرنٹس اپنے بچوں کو پولیو کے
ڈراپس انجیکشن نہیں لگوارہے تھے۔۔ بہت سے
علاقوں میں دریاؤں کا پانی استعمال کیا جاتا تھا۔ اور ہر

دریا صاف نہیں ہوتا تھا۔ اگا ہی کے لیے ڈاکٹرز پانی
ابال کر پینے کے لیکچرز وہاں کے مقامی لوگوں کو اکٹھا
کر کے دے رہے تھے۔ وہاں آئے لوگوں کو
ہیں نزل و اثرز کی بوتلیں مختلف پین کلرز میڈیسن
فری دی جا رہی تھیں۔ جس کی وجہ سے آس پاس کے

گاؤں کے لوگ بھی ان کیمپس کی طرف رجوع ہو
رہے تھے۔

شہرام خان جو اس وقت سیاہ کاٹن جینز پر سفید شرٹ
پہنے ہوئے تھا۔ وہ اس پر کبچول برینڈ ڈکوٹ میں
ملبوس تھا۔ وہ بے انتہا وجیح پر کشش لگ رہا تھا۔ وہ اپنی
پینٹ کی پاکٹ میں ہاتھ ڈالے ڈاکٹر شمر وز کے ساتھ

باتیں کرتے آرہا تھا کہ اس کے بھاری قدم یکدم
رکے تھے۔ اپنی خوبصورت بیوی کو دیکھ کر وہ اپنی
گھنی مونچھوں پر انگلیاں پھیر کر رہ گیا۔
وہ ایک میل ڈاکٹر کے ساتھ کھڑی باتیں کر رہی تھی۔

-

بہارے سیاہ گرم خوبصورت سی لانگ فرائک میں
ملبوس تھی۔ جس پر سیاہ گرم شال سر پر اوڑھی ہوئی
تھی۔ میک اپ سے پاک اس کا چہرہ دھمک رہا تھا۔
پٹھانی تھی اسے بیس کریم کی ضرورت نہ تھی۔ اس پر
سردی کی وجہ سے اس کے عارض سرخ رہتے تھے۔
عارض کارنگ گلابی تھا۔ مگر شدید سردی میں عارض

سیب کی طرح سرخ رہتے تھے۔ جس کی وجہ سے اس
کا چہرہ ایسے دکھتا تھا جیسے میک اپ کیا ہو۔۔ ہونٹوں کا
کلر بھی گلابی تھا۔ جس پر اس نے اس وقت ٹنٹ لگایا
ہوا تھا۔ آنکھوں میں گہرا اکا جل لگا تھا۔ وہ اسے گہری
نگاہوں سے دیکھتے اس کا مکمل ایکسرے کر گیا تھا۔

تھی۔ بہارے خان سے شدید محبت کرنے کے باوجود
اس نے اس پر کبھی کوئی پابندی نہیں لگائی تھی۔ مگر
اگر وہ کبھی اپنی بیوی پر پابندی لگاتا وہ اس کا سیاہ لباس
پہن کر کسی عورت کے سامنے جانے سے بھی پابندی
لگاتا۔ وہ اتنی شدت سے عشق کرتا تھا سا منے کھڑی
عورت سے!! وہ اس کی روح میں بستی تھی۔ رگوں

میں دوڑتے خون کی طرح بہتی تھی۔ شہرام خان اپنی
ہلکی گھنٹی بئیر ڈپر ہاتھ پھیرتے اسے جلتی نگاہوں سے
دیکھے جارہا تھا۔ یہ تو طے تھا آج کے بعد وہ کسی کے
سامنے سیاہ لباس نہیں پہنے گی۔
سوچتا ہوں میں تمہیں
دوں میں سوغات کیا

دل تو دیتے ہیں سب
دل کی اوقات کیا
وہ اسے گہری نگاہوں سے شل مجسم سادہ بیکھ رہا تھا۔

ڈاکٹر شمر روز شہرام کی نظروں کا مرکز محسوس کرتے
گہرا مسکرا رہے تھے۔ وہ بنا کسی کی پرواہ کیے مجسم بنا

ابجھن بھری نگاہوں سے دیکھا تھا۔

بہت محبت کرتے ہیں آپ اپنی بیوی سے؟؟ ڈاکٹر
شمر وز شہرام خان کی طرف دیکھتے مسکرائے تھے۔

محبت نہیں سامنے کھڑی عورت سے عشق ہے
مجھے!! شہرام خان کی آواز بھاری ہوئی تھی۔ مگر
آنکھوں کی سرخی بڑھی تھی۔ وہ میل ڈاکٹر کی کسی

بات پر مسکرائی تھی۔ جلتا سلگتا دل مزید بھانپھڑوں کی
لپیٹ میں آیا تھا۔

وہ تو دکھ رہا ہے مگر یہ پبلک سپاٹ ہے!! اور آپ کو
یہاں لوگ بہت مانتے ہیں اس لیے اپنی نظروں پر
کنٹرول کریں۔ ڈاکٹر شمر ورنے اب سنجیدگی سے ٹوکا
تھا۔

اپنی بیوی کو دیکھ رہا ہوں ڈاکٹر شمر روز!! آپ تو ایسے
کہہ رہے ہیں جیسے میں کسی غیر عورت کو دیکھ رہا
ہوں۔ شہرام سر کو جھٹکتے بولتے خفیف سا مسکرایا تھا۔
یہی تو سمجھا رہا ہوں بیوی کو ہی تو پبلک سپاٹ پر دیکھا
نہیں جاتا۔ اسے دیکھنا ہو تو کمرہ ہوتا ہے۔۔ ڈاکٹر
شمر روز سرگوشی نما آواز میں بولتے شہرام خان کو آنکھ

ماتے ہوئے وہاں سے چلے گئے تھے۔

شہرام نے لب بھینچے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے
سرد نگاہ بہارے پر ڈالی جو ابھی بھی اسی میل ڈاکٹر سے
بات کر رہی تھی۔

وہ خود پر بمشکل ہی قابو پاتے ہوئے باقی ڈاکٹر ز کی
طرف بڑھ گیا تھا۔

بہارے نے ایک نظر شہرام خان کو دیکھا جو سرد
چہرے کے ساتھ ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ رنگت میں
سرخیاں سی گھلی تھیں۔ اس وقت رات کے آٹھ بج
رہے تھے۔ باہر طوفانی بارش برس رہی تھی۔ ان
کے گارڈز کی گاڑیاں بھی آگے پیچھے بڑھ رہی تھیں۔

ان لوگوں کی گاڑی ہاسپٹل کی طرف رواں دواں
تھی۔ آج کیمپنگ کی وجہ سے ہاسپٹل میں ڈاکٹرز کی
شارٹج تھی۔ جس کی وجہ سے ایک ایمر جنسی کیس
بگڑ گیا تھا۔ ڈاکٹر شمر وز اور ڈاکٹر ماور اسی وقت
ہاسپٹل چلے گئے تھے۔ وہ اسی لیے اب واپس ہاسپٹل
جار ہا تھا۔

بہارے نے اپنا نچلا لب کاٹتے ہوئے شہرام خان کو
دیکھا جو بے حد سنجیدہ سا بیٹھا ہوا تھا۔ چہرہ کافی سرد
تھا۔

تمہیں حویلی چھوڑ دیتا ہوں میں!!! میں آج رات
ہاسپٹل ہی رکوں گا۔ شہرام خان نے بہارے کو دیکھتے
سنجیدگی سے کہا۔

لگائے کھینچتے ہوئے گاڑی روکی تھی۔ گاڑی بری طرح
جھٹکا کھا کر رکی تھی۔

بہارے!! شہرام چیختے ہوئے اس کے پیٹ پر ہاتھ
رکھتے اس کی طرف جھکے اسے سیٹ سے لگا گیا تھا۔
ورنہ بہارے بری طرح اچھلتے ہوئے ڈیش بورڈ سے
ٹکرا جاتی۔

اب وہ بہارے پر جھکا گہرے سانس لیتے اسے قہر بار
نگاہوں سے گھور رہا تھا۔ وہ بھی گہرے سانس لیتے
اسے بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

نیچے اترتے اپنے گارڈز کو بولو وہ یہاں سے چلیں
جائیں۔۔ بہارے اس کی شرٹ مٹھیوں میں جکڑے
ہوے اس کی سیاہ سرد سرخ آنکھوں میں دیکھتے غرائی

تھی۔

کیا بکو اس کر رہی ہو؟؟ رات کا ٹائم ہے راستے
خطرناک ہیں۔ ان کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔ اور یہ
کیا حرکت کی ہے تم نے۔؟؟ جانتی ہو تمہارے پیٹ
میں میرا بچہ ہے۔ وہ اس کی بال گدی سے جکڑے
مشتعل ہوتے غرایا تھا۔

میں جانتی ہوں میرے پیٹ میں مکھار اچھ ہے۔ مگر
تم یہ بھول چکے ہو۔ اور اگر اپنے گارڈز کو یہاں سے
جانے کو نہیں کہو گے تو کوئی بات نہیں!!! ایسے ہی
ٹھیک ہے۔ وہ شہرام خان کے لبوں کو اپنے لبوں میں
دبائے اپنی سیٹ کا سائیڈ سے بٹن دباتے اپنی سیٹ
نیچے کی طرف کر گئی تھی۔

شہرام خان کا وزن اس پر تھا۔ وہ بہت شدت سے اس
کے لبوں کو جکڑے ہوئے تھی۔ شہرام خان نے اپنے
لب اس کے لبوں سے آزاد کرنے کی کوشش کی۔
اس نے اس کے نچلے لب کو دانتوں میں دبائے اتنی
زور سے کھینچا تھا کہ شہرام خان کے لبوں سے خون
نکلتا اس کے حلق میں گھلا تھا۔ مگر وہ اس کے ہونٹوں

کو چھوڑ ہی نہیں رہی تھی۔ شہرام خان اس کی جنونی
شدت سے خود کو چھڑوا نہیں پایا تھا۔ وہ جنونی ہوتے
اس کے لبوں کو دانتوں سے کھینچتے بہت شدت سے
اس کی سانسیں انہیل کرتے اسے کس کر رہی تھی۔
شہرام خان کی رنگت میں سرخیاں سی گھل رہی
تھیں۔ آگے پیچھے اس کے گارڈز کی گاڑیاں رک گئی

تھیں۔ گاڑی کی فرنٹ بیک لائٹس بھی جل رہی
تھیں۔ غلطی سے بھی کسی گاڑی کی نظر پڑتی وہ اس
پاگل عورت کی جان لے لیتا جو بیچ راستے گاڑی روک
کر اسے اتنی شدت سے کس کر رہی تھی۔
شہرام خان نے بھی اب جو ابا اس کے نازک لبوں پر
قہر ڈھایا تھا۔ اب دونوں ایک دوسرے کے لبوں کو

جیسے چبار ہے تھے۔

بہارے نے سسکتے ہوئے شہرام کے نچلے لب کو
دانتوں سے مزید شدت سے کھینچا۔ وہ اس کی
سسکیاں سنتے ہوئے اس کی چادر کے اندر ہاتھ ڈالتے
ہوئے بہت گہری مگر بے درد شرارت کر گیا تھا۔
بہارے نے اس کے بے درد وار پر گہرا سانس لیتے

اس گاڑی میں تم سے اپنا حق لیتے سفاکی کی انتہا کر
دوں میں؟؟؟ جس طرح کمرہ میری شدتوں سے لرزتا
ہے اس طرح یہ گاڑی بھی لرزاٹھے گی اور تمہارا
نازک وجود سہن نہیں کر پائے گا میری نازک
بہارے!!! اور اس گاڑی میں تمہاری نازک کمر بھی
سلامت نہیں رہے گی۔ ایسا حال کروں گا میں

اس گاڑی میں تم سے اپنا حق لیتے سفاکی کی انتہا کر
دوں میں؟؟؟ جس طرح کمرہ میری شدتوں سے لرزتا
ہے اس طرح یہ گاڑی بھی لرزاٹھے گی اور تمہارا
نازک وجود سہن نہیں کر پائے گا میری نازک
بہارے!!! اور اس گاڑی میں تمہاری نازک کمر بھی
سلامت نہیں رہے گی۔ ایسا حال کروں گا میں

تمھارا۔ وہ غصے سے پاگل ہوتا غرایا تھا۔
تم غلط کہہ رہے ہو شہرام خان میں تمھیں برداشت
نہیں کر پاؤں گی۔ تمھارا دوسرا بچہ میں پیدا کرنے جا
رہی ہوں۔ تمھیں سہنا کبھی آسان نہیں رہا نہ کل نہ
آج۔ تمھیں میں اس گاڑی میں بھی سہن کر لوں گی
اور پہاڑوں کی پتھریلی زمین پر بھی۔ وہ اس کی

شرٹ جکڑے گہرے سانس لیتے دبی آواز میں چیختے
ہوے بولی تھی۔ وہ کل رات حویلی نہیں آیا تھا۔ وہ
پاگل ہو رہی تھی جیسے! اور آج بھی حویلی سے باہر
رہنے کی بات کر رہا تھا۔ اور وہ یہ مر کر بھی نہ ہونے
دیتی۔

ٹھیک ہے آج تمہیں سوات کے پہاڑ کی سب سے

بلند چوٹی پر لے کر جاؤں گا اسی پتھر یلی زمین پر تمھارا
حشر لگاڑوں گا۔۔ شہرام خان نے غصے سے لفظ چباتے
اپنی سیٹ پر ہوتے بٹن دبائے بہارے کی سیٹ اوپر کی
طرف کھسکائی تھی۔ بہارے اپنی چادر سے اپنا چہرہ
ڈھانپ چکی تھی۔ شہرام بہارے پر سرد نگاہ ڈالتے
گاڑی سٹارٹ کر چکا تھا۔

بہارے حیرت و استعجاب سے دیکھ رہی تھی۔
شہرام اس کی طرف ہوتا اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ
کیا

شہرام !!! بہارے نے اپنی پٹی کھولنی چاہی۔۔۔ وہ اس
کے دونوں ہاتھ بھی مضبوطی سے باندھ گیا۔
تم نے کہا تھا تم مجھے میرا حق پہاڑ پر دے سکتی ہو اس

لیے آج مکھارا ٹیسٹ کرنے کے لیے یہاں لایا
ہوں۔ وہ اس کے کان کی طرف جھکتے سرد سرگوشی
میں بولتے اس کے کان کی لو بے دردی سے کاٹ گیا
تھا۔

شہرام یہ کیا کہہ رہے ہو؟؟ بہارے خوفزدہ لہجے میں
بولی تھی اس کی سانسیں اٹکی تھیں۔ وہ بے یقین ہوئی

تھی۔ مگر گاڑی جتنی بلندی پر کھڑی تھی یہ راستہ
خطرناک پہاڑ کی طرف جاتا تھا۔

شہرام ڈیش بورڈ سے ٹارچ اٹھائے گاڑی سے نکلا۔
بہارے کی طرف بڑھتے اس کی طرف کا دروازہ
کھولتے اسے گوڈ میں اٹھائے باہر نکالا۔

شہرام مجھے ڈر لگ رہا ہے۔۔ بہارے گہرے سانس

لیتے کپکپاتے لبوں سے بولی۔ وہ لوگ واقعی میں پہاڑ
کی بلندی پر تھے۔ ٹھنڈی تیز ہواؤں سے اندازہ لگایا
جاسکتا تھا۔

خاموش ہو جاؤ ورنہ تمہارے منہ پر بھی پٹی باندھ
دوں گا۔ شہرام کی سرد آواز پر وہ وہ اس کے سینے میں
سمائی۔ وہ ہاتھ میں ٹارچ پکڑے اسے اپنے سینے میں

بھینچے اونچے نیچے نیچے پہاڑ پر چڑھ رہا تھا۔ بہارے اس کے
سینے سے لگی اس کی خوشبو اپنے اندر اتار رہی تھی۔ جو
اس کے حواس معطل کر دیتی تھی۔

بہارے کو اس کی تیز ہوتی سانسوں سے اندازہ ہو رہا
تھا۔ پہاڑ کی چڑھائی چڑھنا بہت مشکل ہے اس کے
لیے۔

اب وہ نیچے کی طرف اتر رہا تھا۔ بہارے کا دل خوف
سے دھڑک رہا تھا۔ وہ کیا سچ میں اس سے یہاں حق
لے گا۔

وہ پچھلے پونے گھنٹے سے تقریباً اسے اٹھائے ہوئے
چل رہا تھا۔ بہارے اب جیسے خود اس کی گود میں
تھک گئی تھی۔

شہرام خان اسے لیے ایک بے حد خوبصورت سے
گیٹ کے اندر داخل ہوا۔۔ بہارے اب دریا کا شور
سن رہی تھی۔ وہ مزید گھبراتے ہوئے اس کے سینے
میں منہ چھپا گئی۔

وہ ایک بے حد خوبصورت گھر کے اندر داخل ہوا
تھا۔۔ جو لکڑی پتھروں اور گلاس سے بنا ہوا تھا۔ وہ

ایک چھوٹا سا گھر تھا۔ مگر بے حد خوبصورت تھا۔ وہ
اسے لیے اندر داخل ہوتے خوبصورت لکڑی کی
سیڑھیاں چڑھتے ایک خوبصورت کمرے میں داخل
ہوا۔

اسے بیڈ پر بٹھائے وہ کمرے کی الماری کی طرف
بڑھا۔ بہارے گہرے سانس لے رہی تھی۔ اسے کچھ

سمجھ نہیں آرہا تھا۔

شہرام الماری سے میروں کلر کا بھاری لہنگا بلاوز نکال
کر بہارے کی طرف بڑھا۔ اس کے قریب بیٹھتے
ہوئے اس کی چادر ریمو کی تھی۔

وہ اس کے ہاتھ نرمی سے کھول گیا تھا۔ بہارے اس
کی شرٹ اسی ٹائم مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔ وہ بیڈ پر

پہنٹی بندھی تھی کلائیاں وہ کمر پہ لگائے سختی سے
جکڑے ہوئے تھا۔ وہ پوری طرح اس کے شکنجے میں
تھی۔

وہ اس کے نچلے لب کو دانتوں سے کھینچتے کی کلائیاں
آزاد کر گیا تھا۔ بہارے نے گہرے سانس لیتے اس کی
شرٹ مٹھیوں میں جکڑتے سسکتے ہوئے اس سے دور

حواص چھین لیتی تھی وہ دوسری عورتوں کا کیا حال
کرتی ہوگی۔

تم نے مجھے تھوڑی دیر پہلے یہ خبر دی ہے میری
بہارے! اتنی دیر میں میں نے یہ کیسے کر لیا؟؟ شہرام
خان نے آئی برواچکا تے اسے مرر میں دیکھتے سنجیدگی
سے سوال کیا۔

صرف ڈاکٹر نداء سے کافی کا کہنے کے علاوہ بتاؤ کیا برا
سلوک کیا میں نے تم سے؟؟ بتا سکتی ہو۔۔ تمہیں
اپنے ساتھ کیمپ کے لیے خود لے کر گیا۔ واپسی پر
ساتھ لے کر آیا۔

گاڑی میں جس طرح کس کر رہی تھی۔ غصہ آیا بہت
آیا۔ جس طرح تم نے گاڑی روکی۔ ایکسڈینٹ ہو سکتا

تھا۔ تمہیں میرے بچے کو کچھ ہو سکتا تھا۔ بتاؤ غصہ نہ
کرتا تو کیا کرتا؟!۔ شہرام نے اسے مرر میں دیکھتے
سلگتے لہجے میں استفسار کیا۔

کیوں مجھے اگنور کر رہے تھے۔ اچھی طرح جانتے ہو
تمہاری بے اعتنائی بے رخی میں نہیں سہہ سکتی۔
بہارے نے جواباً نروٹھے انداز میں بولتے اس کے

ہاتھ پھر سے اپنے پیٹ سے ہٹائے تھے۔ وہ پھر سے
مضبوط کر گیا تھا۔

پتہ ہے غلطی کسی کی ہے۔ قصور صرف یہ ہے کہ خدا
نے ہمیں مرد بنایا تم عورتوں کو عورتیں بنایا۔ اب
بار بار میں تمہیں اس طرح خود سے دور دھکیلتا تم پتہ
نہیں کیا کیا سوچ لیتی۔ بلکہ روتے ہوئے اپنی اور

میری جان ایک کر دیتی۔ میں نے ڈاکٹر ندا سے بات
کی تھیں اتنی تکلیف پہنچی جو تم میل ڈاکٹر سے بات
کر کے میرا خون جلا رہی تھی وہ؟؟ شہرام نے شعلہ بار
لہجے میں استفسار کیا۔

جلا نہیں رہی تھی بات کر رہی تھی پروفیشنل لیول
پر۔ کافی بنانے کا نہیں کہا تھا۔ بہارے بھڑ بھڑ جلتی

بولی تھی۔

تم کافی بنانے کا کہتی میں تمہارے سینہ گولیوں سے
داغ

دیتا۔ میری بیوی میرے بچپن کا عشق ہو۔۔ پاگل
ہوں تمہارے لیے۔ تم آئندہ کسی میل ڈاکٹر سے
مسکرا کر بات نہیں کرو گی۔ نہ سیاہ رنگ پہنو گی

سوائے میرے سامنے وہ اس کا رخ پلٹے غراتے
ہوے اس کی گردن دبوچ گیا۔
جھوٹ بولتے ہو تم مجھ سے عشق اب نہیں کرتے۔
بہارے اس کے ہاتھ اپنی گردن سے ہٹاتے روتے
ہوے سسکیوں سے بولی تھی۔
شہرام اسے سٹول پر بٹھاتے ہوئے پنجنوں کے بل اس

کے قدموں میں بیٹھتے اس کے ہاتھ جکڑ گیا تھا۔
تمہیں اتنی دور اوپر نیچے پہاڑوں پر چڑھتے اٹھا کر لایا۔
صرف اس لیے کہ مجھے تمہاری قربت چاہیے تھی
کیا؟؟ یہ قربت تو مجھے حویلی کے کمرے میں بھی مل
جاتی۔ اگر تمہیں صرف بیوی سمجھتا کیا اتنی دور
تمہارے لیے یہ گھر ڈیزائن کرتا۔ وہ اس کی

ہتھیلیاں نرمی سے چومتے بول رہا تھا۔ بہارے شدت
سے روتے جا رہی تھی۔۔

پیا عشق جنھوں نوں لگ جاندا
حال پوچھ نہ انہاں دیوانیا دے
قیدی عشق دے بجھے نہیں چھٹ دے
قیدی چھٹ جاندا جیل خانیاں دے

اپنے دل پر ہاتھ رکھتے بولا تھا۔
بہارے اسے دیکھتے روتی جا رہی تھی
۔ معاف کر دو مجھے میری بہارے!! ہر اس غلطی کی
جب تمہارا دل دکھایا۔ تمہیں تکلیف دی۔ تمہاری
بے اعتنائی بے رخی نے کچھ پلوں کے لیے تم سے
غافل کر دیا۔ یقین مانو تم پھر بھی اس دل میں تھی۔

یہاں کسی نے ایک پل کے لیے بھی ڈیرا نہیں جمایا۔
شہرام خان خدا کو حاضر حاضر جان کر کہتا ہے اس دل
نے کبھی ایک سیکنڈ کے لیے بھی تم سے بیوفائی نہیں
کی۔ وہ اس کا ہاتھ سینے میں بھینچتے جذب سے گھمبیر
آواز میں بول رہا تھا۔

بہارے اس کا ہاتھ جکڑے اس پر لب رکھتے رودی

تھی۔

مجھے صرف اپنی بہارے کی آغوش چاہیے۔۔ چاہے وہ
مجھے دھتکارے چاہے بے رخی برتے مجھے صرف اپنی
بہارے کی آغوش چاہیے۔۔ وہ اس کی گود میں سر
رکھتے اس کی لپ کو شدت سے چوم رہا تھا۔
معاف کر دو مجھے میں نے تمہیں جب رلا یا۔

بھی وہ سلوک نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ایک بیوی کو اپنے
شوہر سے بے اعتنائی نہیں برتنی چاہیے تھی۔ جو میں
کر رہی تھی میرا رب مجھ سے آخر کیسے راضی ہو سکتا
تھا؟!۔ تبھی اس نے میرے دل میں تمہارے لیے
شدید محبت ڈال کر تمہیں مجھ سے دور کر دیا۔ وہ
میری سزا تھی شہرام خدا کی طرف سے۔ میں نے

مکھارے حق کی تذلیل کی۔ مکھارے شوہر کے رتبے
کو للکارا۔ وہ روتے ہوئے بولی تھی۔

شہرام اس کی ہتھیلیاں اسی لمحے چوم گیا تھا۔
تم اب کبھی مجھ سے معافی نہیں مانگو گی۔ میری لیڈی
باس ہو۔ ہمیشہ لیڈی باس بن کر رہو گی۔ مجھ سے
ناراض۔ مجھے ایٹوڈ دکھاتے نخرے دکھاتے اس

بات پر مغرور ہوتے شہرام خان تم پر جان دیتا ہے۔ وہ
تمہاری ہر غلطی ہر بد تمیزی سہہ سکتا ہے۔۔۔ بس
میری رہنا۔۔۔ وہ نم آواز میں بولتے ہوئے اس کے گود
میں سر رکھ گیا تھا۔

اور تم صرف میرے رہنا۔ بہارے روتے ہوئے اس
کے بالوں پر لب رکھ گئی تھی۔۔۔

بلکل شہرام خان ممھاری مجال ہونی بھی نہیں چاہیے۔
جس طرح تم پٹی باندھ کر مجھے لائے ہو۔ میں بھی
تمہاری آنکھوں پر پٹی باندھ دوں گی اگر تم نے آئندہ
ڈاکٹر نداسے کافی بنانے کو کہا۔ بہارے اس کی شرٹ
مٹھیوں میں جکڑے غرائی۔۔۔

میں لیڈی باس جو حکم آپ کا؟؟ ہم تو آپ کے غلام

۔۔ داجی نے ایسے تو نہیں مجھے زن مرید کہا۔۔ جو
میری بہارے کہے گی اب تو وہی کروں گا۔ وہ اس کے
بالوں میں ہاتھ ڈالے اس کا گجرہ توڑتے اس کا جوڑا
کھول گیا تھا۔

بہارے ہنستے ہوئے اس کے ساتھ لپٹی تھی۔۔
شہرام اگر داجی کو پتہ چل جائے تم میرے بال

رمز عشق

تحریر نور آصف

سیکنڈ لاسٹ پارٹ ٹو

ابرش اور زاران اس وقت سویزر لینڈ کے ایک بے حد
خوبصورت **swiss village** میں ایک خوبصورت
گھر میں موجود تھے۔ برف کے پہاڑوں میں گرامیں یہ گھر
بے حد خوبصورت تھا۔ خوبصورت گلاس والز لکڑی کے

زینے۔ گھر کے اندر سومنگ پول اور گلاس والز سے نظر
آتے برف سے ڈھکے اونچے پہاڑ اور پہاڑوں پر گرتی دھند

!!

ابرش زاران اور اپنے لیے امیر کن سینڈوچ بنا رہی تھی۔
زاران خانزادہ سفید ٹراؤزر میں ملبوس شرٹ لیس ابرش
کے پیٹ پر ہاتھ جمائے اسے اپنی پشت کے ساتھ لگائے
مسلل اس کے کان کی لو کو چومتے اس کی سائیڈ گردن کو

چوم رہا تھا۔ ابرش گلاب کی طرح سرخ ہوتے شر میلی
مسکراہٹ کے ساتھ سینڈوچ بنا رہی تھی۔ زاران اور وہ
یہاں دو دن سے تھے۔ اور وہ لوگ دو دن سے باہر نہیں
نکلے تھے۔ زاران اسے ایک منٹ کے لیے اکیلا نہیں
چھوڑتا تھا۔ اسے اسی طرح اپنی بانہوں میں رکھے ہوئے
تھا۔

وہ کیا ہے مسٹر خانزادہ؟؟؟ ابرش نے مدھم سا مسکراتے

ہوئے پوچھا۔

تمہیں دن رات پیار کرنا! تمہیں سر سے پیر تک چومنا!!

تمہیں یہ بتانا تم کتنی خوبصورت ہو۔ میں تم پر دل و جان

سے مرتا ہوں۔ تمہیں یہ بتانا کہ میں اپنی خوبصورت بیوی کا

ایڈیکٹ ہو چکا ہوں۔ تمہیں یہ بتانا تم میرے لیے کتنی قیمتی

ہو۔ تم میرے لیے کتنی ضروری ہو۔

وہ اس کا رخ پلٹے اس کے خوبصورت گلاب چہرے کو اپنے
ہاتھوں میں بھر گیا تھا۔

کتنی قیمتی ہوں کتنی ضروری ہوں مسٹر خانزادہ؟؟ ابرش کی
آنکھیں شدت سے بھیگی تھیں۔

میں جی نہیں سکتا ہو کہ جدا تم سے!! اتنی ضروری ہو زندگی
کے لیے۔

جس طرح زندہ رہنے کے لیے سائیس ضروری ہیں۔ اتنی
ہی ضروری ہو میری خوبصورت بے شرم بیوی!! وہ بھاری
آواز میں بولتے اس کے لبوں پر جھکتے اس کی سانسیں انہیل
کر گیا تھا۔

ابرش اس کی گردن میں بائیں جمائل کرتے اس کی شدت
میں ساتھ دینے لگی۔

تم ہو سائیکو تم ہو بے شرم بے وفا شوہر مسٹر خانزادہ !!! اگر
اس ٹائیم میں بے شرم ہوتی ہوں تو تم بے شرمی میں ساری
حدیں پار کرتے ہو۔ اور اب میرے قریب مت آنا۔
ابرش اسے سلگتی نگاہوں سے دیکھتے دبی آواز میں چیخی تھی۔
کرتا ہوں بے بے شرمی کی ہر حد پار اور آئندہ بھی کروں گا۔
بیوی ہو میری میری ملکیت !!! تمہارے ساتھ سب کچھ
کرنے کا میرے پاس پر مٹ ہے۔ میں آؤں گا تمہارے

پاس جو کرنا ہے کر لو!! اتنا مہنگا ہنی مون ٹرپ پلین کیا
ہے۔ کیا جھک مارنے کے لیے کیا ہے؟؟۔ یا پھر حویلی کے
کمرے کی طرح دیواریں دیکھنے کے لیے۔ میں یہاں تھیں
جس کے لیے لایا ہوں۔ وہی کروں گا دن رات کروں گا۔
!! زار ان غراتے ہوئے اس کی گردن پر جھکے دانت گاڑھ
گیا۔ وہ سفاکی کی ہر حد پار کرتے اس کی گردن کو اپنی
شدتوں سے جامنی کر رہا تھا۔ ابرش بری طرح سسک رہی

تھی۔ آئندہ میری آجازت کے بغیر تم باہر نکلی تو اپنا قہر وہاں
ڈھاؤں گا جہاں تمہاری ناز کی برداشت نہیں کر سکے گی۔
زاران اسے دھمکی دیتا ہوا اس کے اوپر سے اٹھا۔ ابرش اس
کے کوٹ کو مٹھیوں میں جکڑے اپنی طرف کھینچتے اسے
اپنے قریب کر گئی تھی۔

مسٹر زاران خانزادہ!!! میں صرف دو منٹ پہلے باہر نکلی
تھی۔ وہ بھی پچھلے پانچ گھنٹے اس کمرے میں تمہارے

خراٹے سننے کے بعد!! تمہارے خراٹے میرا دماغ خراب
کر چکے تھے۔

میرے بغیر نیند نہ آنے کے دعویدار مسٹر خانزادہ کو میری
موجودگی کا احساس ہی نہیں ہوا۔ جھوٹ بولتے ہو تم!!
تمہیں میرے بغیر نیند نہیں آتی۔ اور کیا کہہ رہے تھے تم
ایک ہی ڈش کھا کھا کر بور ہو چکے ہو۔ یعنی تمہیں اپنا منہ کا
ذائقہ بدلنا ہے ہاں!! جانتے ہو ناں جب جب تم نے

دوسری عورت کی بات کی۔ لسی سے مسکرا کر دیکھا بھی میں
نے تمہیں دن کو تارے دکھائے ہیں۔ اس بار میں تمہیں
زہر دے دوں گی۔ وعدہ ہے یہ میرا تم نے آئندہ مذاق میں
بھی کسی دوسری عورت کا ذکر کیا۔ میں تمہیں جان سے مار
ڈالوں گی۔ ابرش اس کی شرٹ کو مٹھیوں میں جکڑے
غرائی تھی۔

میرا دماغ نہیں خراب جو میں کسی دوسری عورت کے متعلق
سوچ کر بھی اپنی زندگی جہنم بنا ڈالوں! ایک ہی عورت کا
تجربہ کافی ہے میرے لیے!! مزید پاگل نہیں ہونا میں نے
۔ وہ اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے اس پر جھکتے اس کی ٹھوڑی
پر لب رکھتے وہاں شدت سے دانت گاڑھ گیا۔
چھوڑو مجھے مسٹر خانزادہ!! ابرش کی آواز شدت سے بھیگی
تھی۔ زارا ان اس کے کوٹ کے بٹن کھولتے ہوئے اسے

ایک جھکے سے اس کے تن سے جدا کر گیا۔ وہ بلیک جینز پر
بے حد شارٹ باریک شرٹ پہنے ہوئے تھی۔ جس میں
اس کا خوبصورت جسم لشکارے مار رہا تھا۔

زاران اسے خمار بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اس کی
گردن پر جھکے اپنی دی گئی سوغاتوں پر نرمی سے لب رکھنے
لگا۔ ابرش کی سسکاریوں میں مزید اضافہ ہوا تھا۔

میں سوئے دیکھ کر وہ اپنے منہ پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا تھا۔ میسٹر
مزید شارٹ ہوا تھا۔

زاران نے صوفے سے اپنا کوٹ اٹھائے پہنا۔ سائیڈ ٹیبل کی
طرف بڑھتے اس نے اپنا موبائل اٹھاتے ہوئے اپنی کوٹ
کی پاکٹ میں ڈالا۔ کمرے میں کھڑ پٹر سے ابرش کی آنکھ
کھلی تھی۔ زاران کو کوٹ پہنے دیکھ کر ابرش جلدی سے اٹھ
کر بیٹھی۔ ابرش نے نیند سے بھری آنکھیں کھول کر اپنا

موبائل سائیڈ ٹیبل سے اٹھائے دیکھا جہاں صبح کے سات بج
رہے تھے۔ گلاس ونڈو سے ابھی بھی اندھیرا نظر آرہا تھا۔
باہر رات سے برف باری ہو رہی تھی۔ وہ اتنی صبح زار ان کو
کوٹ پہنے دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔ وہ سرخ سنجیدہ چہرے
کے ساتھ ڈرار کھولتے گاڑی کی چابی پکڑتے دروازے کی
طرف بڑھا۔

کہاں جارہے ہو تم؟؟ ابرش بیڈ سے اٹھتے ہوئے بولی۔

میں سویسر لینڈ کی صبح کی خوبصورتی تلاش کرنے جا رہا
ہوں۔ اس خوبصورت صبح کی خوشبو اپنے اندر اتارنے جا رہا
ہوں۔ زار ان لفظ چباتے ابرش کو قہر بارنگا ہوں سے
گھورتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھتے باہر نکل گیا تھا۔
ابرش نے نا سمجھی سے اپنے بال مٹھی میں جکڑے گہرے
سانس لیتے زار ان کی بات سمجھنے کی کوشش کی۔ دوسرے
لمحے وہ تیزی سے زار ان کے پیچھے آئی تھی۔

کہاں جا رہے تم مسٹر خانزادہ؟! باہر اتنی برف باری ہو رہی ہے۔ ابرش گہرے سانس لیتے چٹختے ہوئے بولی۔
باہر برف باری ہو رہی ہے یقیناً تمہیں میری فکر تو ہو نہیں رہی ہوگی۔ فکر صرف اس بات کی ہے میں کہاں جا رہا ہوں۔ اب یہاں بیٹھ کر اپنی قسمت کو روتے سوچو میں صبح صبح کہاں جا رہا ہوں؟؟ کبھی سوچنا میں کسی ڈسکو بار میں کسی لڑکی کے ساتھ عیاشی تو نہیں کر رہا۔ کبھی سوچنا کہ میں کسی

مسانج پارلر میں کسی عورت سے مسانج تو نہیں کروا رہا۔
زیادہ نہیں تو یہ سوچ لینا میں تمہیں یہاں چھوڑ کر جا چکا
ہوں۔ زار ان سرد آواز میں بولتے ہوئے داخلی دروازہ
کھولتے ہوئے باہر سے لاک کر کے چلا گیا تھا۔
ابرش زار ان کی باتوں کو سوچتے شل سی کھڑی تھی۔
دوسرے لمحے اس نے بھاگتے ہوئے کھڑکی طرف بڑھتے

ہوے باہر جھانکا تھا۔ زار ان اپنی گاڑی نکالتے ہوئے وہاں
سے چلا گیا تھا۔

ابرش ونڈو سے ٹیک لگائے زار ان خانزادہ کے لفظوں کو
سوچتی جیسے اپنے حواس کھور ہی تھی۔

آس پاس کا اس جگہ کا کوئی سٹور اس وقت کھلا نہیں تھا۔
برف باری تھی بڑھتی جا رہی تھی۔ زار ان خانزادہ پچھلے
ایک گھنٹے سے مسلسل ڈرائیو کر رہا تھا۔ وہ غصے سے کافی آگے
نکل آیا تھا۔ اسے ایک سپر مارکیٹ کھلی نظر آئی تھی۔ وہ اپنی
گاڑی پارک کرتے ہوئے سٹور کے اندر داخل ہوا۔ اندر
داخل ہوتے اسے احساس ہوا تھا۔ کچھ گڑبڑ ہے۔ وہاں بہت

سے لوگ جمع تھے۔۔۔ شدید برف باری اور لینڈ سلائیڈنگ
کی وجہ سے مختلف راستے بند تھے۔ جس کی وجہ سے یہاں
بہت سے لوگوں نے پناہ لی ہوئی تھی۔

زاران نے جلدی سے کچھ ضروری چیزوں کی گروسری کی
۔۔۔ اگر اس کے اپارٹمنٹ کی طرف جانے والا راستہ بھی
بند ہو جاتا تو بہت مشکل ہو جاتی۔۔۔ ابرش گھر میں اکیلی تھی۔
اب وہ بری طرح پریشان ہوا تھا۔ زاران نے ضرورت کی

کافی زیادہ چیزیں ٹرائی میں رکھی تھیں۔ تاکہ اگر راستے بند
بھی ہوں انھیں کسی قسم کا مسائل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔
زاران نے موبائل پکڑے ابرش کے نمبر پر کال ملائی۔ مگر
لینڈ سلائیڈنگ اور راستے بند ہونے کی وجہ سے سگنلز میں
بھی پرابلم ہو رہی تھی۔ وہ ٹرائی کھینچتے کاؤنٹر کی جانب بڑھا
تھا کہ سٹور میں آنا وسمنٹ شروع ہو چکی تھی۔ جس طرف
سے وہ آیا تھا۔ برف باری کی وجہ سے وہاں کے راستے بھی

بند ہو چکے تھے۔ سٹور میں آئے ہوئے لوگوں کو یہاں ہی
رہنے کی تلقین کی جا رہی تھی۔
زاران یہ آناؤسمنٹ سنتے جبرے بھینچ گیا تھا۔ وہ جلدی سے
سٹور سے باہر نکلنے کی طرف بڑھا

Sir, you cannot go outside. No
one will be allowed to leave
until the path is clear. The

snowfall outside has reached a
.dangerously intense level

اسے سکیورٹی دروازے پر روک چکی تھی۔

My wife must be worrying
alone i have to go

زاران نے سنجیدگی سے کہا

Sorry sir you can't go outside

سکیورٹی اسے سختی سے روک چکی تھی۔ زار ان نے پریشانی
سے موبائل نکال کر ابرش کا نمبر ملایا سنل ابھی بھی ڈراپ
تھے۔ وہ جڑے بھینچ کر رہ گیا تھا۔

ابرش سات گھنٹوں سے زار ان کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ تب
سے ہی پاگلوں کی طرح چکر لگا رہی تھی۔ وہ سات بجے کا گیا

تھا ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ اس نے گلاس ونڈوسے باہر
دیکھا جہاں برف باری اب نہیں ہو رہی تھی۔ وہ پچھلے چار
گھنٹوں سے زاراں کا نمبر ڈائل کر رہی تھی۔

جو آوٹ آف ریج آرہا تھا۔

!! یہاں بیٹھ کر اپنی قسمت کو روتے سوچو میں صبح صبح کہاں
جار ہا ہوں؟؟ کبھی سوچنا میں کسی ڈسکو بار میں کسی لڑکی کے
ساتھ عیاشی تو نہیں کر رہا۔ کبھی سوچنا کہ میں کسی مساج

پارلر میں کسی عورت سے مساج تو نہیں کروا رہا۔ زیادہ نہیں
تو یہ سوچ لینا میں تمہیں یہاں چھوڑ کر جا چکا ہوں !!

ابرش نے اس کے لفظ یاد کرتے اپنے اگلی گردن انگلیوں
سے سہلائی تھی۔

ابرش نے لاونج میں چلتی ایل ڈی پر نگاہیں دوڑائیں
۔ جہاں لینڈ سلائیڈنگ اور برف باری کی وجہ سے مختلف

casualties دکھائی جا رہی تھیں۔ اس کی اب
سانسیں بند ہو رہی تھیں۔ زارا ان کو کچھ ہو گیا نہ ہو وہ یہ
سوچ کر مرنے والی ہو رہی تھی۔ وہ اپنے بال مٹھیوں میں
جکڑے سکریں پر نگاہیں گاڑھے ہوئے تھی۔ سانسیں تھم
رہی تھیں۔ دھڑکنیں رک رہی تھیں۔
دوسرے لمحے وہ کمرے کی طرف بڑھی۔ صوفے پر پڑا اپنا
کوٹ اٹھا کر پہنا تھا۔ سر پر حجاب کرتے اپنا موبائل اٹھائے وہ

اپنے شوز پہنے داخلی دروازے کی طرف بڑھی۔ وہ باہر
سے لاک تھا۔

ابرش دروازے پر زور سے ہاتھ مارتے ہوئے چیخی تھی۔ وہ
جلدی سے کمرے کی طرف بڑھی۔ تمام ڈرارز میں گھر کی
ایکسٹر اچابی تلاش کی۔ جو وہاں کہیں نہیں تھی۔ وہ اب کچن
کی طرف بڑھی تھی۔ وہ لوگ امریکہ میں کچھ مخصوص
چابیاں ایسے ہی کسی جگہ پر چھپا کر رکھتے تھے۔ اس نے

مختلف ڈرارز کی تلاشی لی تھی۔ مگر چابی لہیں نہیں تھی۔ وہ
گہرے سانس لے کر رہ گئی تھی۔ وہ جلدی سے گھر کی گلاس
ونڈوز کی طرف بڑھی۔ گھر کی بیک یارڈ کی طرف ایک ونڈو
ایسی تھی۔ جس سے آسانی سے باہر نکلا جاسکتا تھا۔ مگر بیک
یارڈ سے گھر کافی اونچائی پر تھا۔ یہاں سے جمپ کرنی پڑتی۔
اس نے گہرے سانس لیتے ایک نظریے دیکھا تھا۔
دوسرے پہل وہ آنکھیں بند کر کے کود گئی تھی۔

وہ کھنٹوں کے بل بہت زور سے گری تھی۔ وہ درد سے کراہ کر رہ گئی تھی۔ حجاب کھل چکا تھا۔ گٹھنے چھل چکے تھے۔ درد کی شدت سے اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا تھا۔

نگاہوں کے سامنے منسٹر آیا تھا اس کی آنکھیں شدت سے بھیگی تھیں۔ وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ وہ نہیں تو کچھ نہیں اس کے پاس کچھ نہیں بچتا تھا!!! وہ زمین سے اٹھتی اپنی

آنکھیں بے دردی سے رگڑتے ہوئے بھاگتے ہوئے بیک
یارڈ کے گیٹ کی طرف بڑھی۔ وہ گیٹ سے نکلتے ہوئے
بھاگتے ہوئے سڑک کی طرف بڑھنے لگی۔ وہ ساتھ ساتھ
زاران کو کال ملاتی جا رہی تھی۔ زاران کا فون مسلسل آوٹ
آف ریج آرہا تھا۔ ابرش کی خوف سے سانس بند ہو رہی
تھی۔ اس وقت دن کے تین بج رہے تھے۔ برف باری پھر
سے شروع ہو چکی تھی۔ وہ سڑکوں پر برف کی تہہ جمی دیکھ

کر حیران ہو رہی تھی۔

یکدم وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر چیختی تھی۔ سڑک کے ایک طرف
پر ایک گاڑی کھڑی تھی۔ جس پر برف کا تودہ گرنے سے وہ
گاڑی مکمل طور پر ڈیج ہو چکی تھی۔

ابرش زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھتے اپنا گلہ جکڑ گئی۔

زا۔۔۔را۔۔۔ن۔۔۔زا۔۔۔را۔۔۔ن۔۔۔ وہ اپنا گلہ جکڑے
چیختی جا رہی تھی۔ وہ اپنے حواس کھو رہی تھی۔

ابرش نے روتے ہوئے کانپتے ہاتھوں سے زاران کا نمبر ایک
بار پھر سے ڈائل کیا تھا۔ نمبر آؤٹ آف ریچ تھا۔
مسٹر خانزادہ کہاں ہو تم؟؟ میں تمہیں ہی ڈھونڈ رہی
ہوں۔ اگر تم نہیں چاہتے مجھے کچھ ہو۔ جلد میرے پاس
بھیجو!!! اس بار میں تمہیں اپنی لوکیشن بھیج رہی ہوں۔
ابرش نے کپکپاتے لہجے میں وائس میسج ریکارڈ کرتے ہوئے
میسج سینڈ کرتے اپنی لوکیشن زاران کو بھیجی تھی۔ فون بند

کرتے ہوئے اس نے گہرے سانس لیتے خود کے ڈر پر قابو
پایا تھا۔ کچھ نہیں ہو گا اسے! وہ جہاں بھی ہو گا اب تو اسے
میرے پاس آنا ہی پڑے گا۔ جانتی ہوں میں تمہیں مسٹر
خانزادہ تم کبھی مجھے اکیلا نہیں چھوڑ سکتے۔

ابرش کپکپاتے لہجے میں بولتے زمین سے اٹھتے آگے بڑھی
۔۔ راستے مکمل طور پر بند تھے۔ برف باری نے پھر سے
شدت اختیار کی تھی۔ ابرش نے کانپتے ہوئے آسمان کی

طرف دیکھا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ کہاں جائے؟؟
زاران کے بارے میں کہاں سے معلومات کرے؟؟ اس
نے آگے بڑھتے ایک بار پھر سے زاران کا نمبر ڈائل کیا۔ اس
کے موبائل میں بھی اب سکنل ڈراپ ہو رہے تھے۔۔ وہ
بھاگتے ہوئے آگے بڑھی۔ یکدم ایک پہاڑ سے اس کے
سامنے ہی برف کا تودہ گرا تھا۔ وہ چیختے ہوئے پیچھے کی طرف
ہوئی تھی۔۔ وہ لڑھکتے ہوئے نیچے کی طرف گرتے برف پر

رول ہوئی تھی۔ وہ کسی برف کے اونچے پہاڑ سے گری
تھی۔

وہ گہرے سانس لیتے دل پر ہاتھ رکھے یہ سب دیکھ رہی
تھی۔ اگر وہ پیچھے نہ ہوتی تو یقیناً وہ زندہ نہ ہوتی۔
آگے جانے کا راستہ بند ہو چکا تھا وہ بری طرح پھنس چکی
تھی۔

ابرش زمین سے اب بھاگتے دوسری طرف بڑھی۔ اسے

سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ کہاں جا رہی ہے۔ وہ اب خالی جگہ پر تھی
جہاں سوائے برف کے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

زاران خانزادہ پاگلوں کی طرح سٹور کے چکر لگا رہا تھا۔ وہ
مسلل ابرش کے نمبر پر ٹرائے کر رہا تھا۔ سکنل ابھی تک
نہیں آئے تھے۔۔۔ کچھے سات گھنٹوں سے وہ یہاں تھا۔
!! یہاں بیٹھ کر اپنی قسمت کو روتے سوچو میں صبح صبح کہاں

جار ہا ہوں؟؟ بھی سوچنا میں کسی ڈسکو بار میں کسی لڑکی کے
ساتھ عیاشی تو نہیں کر رہا۔ کبھی سوچنا کہ میں کسی مساج
پارلر میں کسی عورت سے مساج تو نہیں کروا رہا۔ زیادہ نہیں
تو یہ سوچ لینا میں تمہیں یہاں چھوڑ کر جا چکا ہوں!!
اپنے ہی لفظوں کی بازگشت سنائی دی تو اس کی پیشانی پر پسینے
کے قطرے نمودار ہوئے تھے۔ اپنی بیوی کی پوزیشنیں
جذبائی نیچر سے وہ اچھی طرح واقف ہونے کے باوجود وہ

اس سے یہ سب باتیں کر آیا تھا۔

!! نہیں کر سکتی تمہیں کسی عورت کے ساتھ۔ ایک لمحے
کے لیے برداشت نہیں کر سکتی۔ تم پھر کسی عورت کے
ساتھ ایسے میٹنگ کرو گے۔ اس کے ساتھ بنگلے میں پارٹی
مناؤ گے۔ کسی عورت کے ساتھ مسکرا کر بات کرو گے۔
میں آؤں گی تمہارے پیچھے۔ قید کر کے رکھو گے۔ کھڑی
سے بھاگ جاؤں گی۔ مگر میرے ہوتے تم کسی دوسری

عورت کے نہیں ہو سکتے۔ یاد رکھنا تم سفاک خانزادہ!!
زاران ابرش کے لفظ یاد کرتے اپنی سانس باہر خارج کر رہا
تھا۔ اگر اس نے اس کی صبح کی ہوئی باتوں کو ذرا سا بھی سچ
مان لیا تو وہ اتنے خراب موسم کی پرواہ کیے بغیر اس کے پیچھے
آئے گی۔ ضرور آئے گی۔ وہ اسے لے کر اتنی ہی جنونی
تھی۔ زاران نے سانس باہر کھینچتے اپنی سفید ہائی نیک آگے
سے پکڑ کر کھینچی تھی۔ اسے اس گرم سنور میں اپنے جسم

میں شعلے سے نکلنے محسوس ہوئے تھے۔ وہ پسینے سے تر ہوا
تھا۔ ابرش کسی مصیبت میں نہ ہو وہ اندر تک لرزاٹھا تھا۔
یکدم زاران کے میسج پر ہیپ ہوئی۔ زاران نے جلدی سے
موبائل کو دیکھا جہاں سکنل آچکے تھے۔
ابرش کا وائس میسج دیکھتے جلدی سے آن کیا تھا۔
!! مسٹر خانزادہ کہاں ہو تم؟؟ میں تمہیں ہی ڈھونڈ رہی
ہوں۔ اگر تم نہیں چاہتے مجھے کچھ ہو۔ جلد میرے پاس

بھیجو!! اس بار میں تمہیں اپنی لوکیشن بھیج رہی ہوں!!!!
مسٹر خانزادہ کہاں ہو تم؟؟ میں تمہیں ہی ڈھونڈ رہی
ہوں۔ اگر تم نہیں چاہتے مجھے کچھ ہو۔ جلد میرے پاس
بھیجو!! اس بار میں تمہیں اپنی لوکیشن بھیج رہی ہوں!!
مسیح سنتے اس کا وجود زلزلوں کی زد میں آیا تھا۔
وہ پسینے سے تر ہوا تھا یعنی اس کی بیوی اس کی کہی ہوئی باتوں
کو سچ سمجھتے اس کے پیچھے نکل آئی تھی۔ زارا نے جلدی

سے ابرش کا نمبر ڈائل کیا۔ موبائل فون آف آنے پر وہ اپنے
بال مٹھیوں میں جکڑ گیا تھا۔

وہ جلدی سے سٹور کے گلاس ڈور کی طرف بڑھا اسے ایک
بار پھر سے وہاں کی سکیورٹی روک چکی تھی۔

Let me go my wife is in trouble
زاران چیخا تھا۔

Sorry, sir, you cannot go. We"

are not allowed to. There have
.been many casualties outside

(سوری سر آپ باہر نہیں جاسکتے۔ باہر آگے بہت سے جانی
نقصان ہو چکے ہیں۔)

سیورٹی گارڈ نے زار ان کو دیکھتے سنجیدگی سے اٹل لہجے میں
کہا۔

Go to hell

زاران نے غراتے ہوئے سکیورٹی گارڈ کے منہ پر پتلیج مارتے
ہوئے اسے دھکا دیا تھا۔ وہ دروازہ کھولتے بھاگتے ہوئے باہر
نکلے۔ سٹور کے باہر اسے ایک ہیوی بائیک کھڑی نظر آئی
تھی۔ جس کے انجین میں چابی لگی ہوئی تھی۔ وہ بھاگتے
ہوئے بائیک پر بیٹھتے بائیک سٹارٹ کر چکا تھا۔

زاران خانزادہ بائیک کی سپیڈ خطرناک حد تک بڑھائے
ہوئے تھا۔ وہ بنا خطرناک راستوں کی پرواہ کیے بغیر بائیک

چلا رہا تھا۔ اسے کسی چیز کی پرواہ نہیں تھی۔ نہ اپنی زندگی کی
پرواہ تھی

یکدم اس کی بائیک جمپ لگتے پیچھے کی طرف گڑی تھی۔
سامنے برف کا تودہ گرا ہوا تھا۔ وہ بائیک سے اچھلتے ہوئے
دور جا گرا تھا۔

زاران کے ماتھے پر بری طرح چوٹ آئی تھی۔ وہ اپنا سر
جکڑے زمین پر گرتے کراہ کر رہ گیا تھا۔ پیشانی سے خون

بہنا شروع ہو چکا تھا۔

!! مسٹر خانزادہ کہاں ہو تم؟؟ میں تمہیں ہی ڈھونڈ رہی
ہوں۔ اگر تم نہیں چاہتے مجھے کچھ ہو۔ جلد میرے پاس
بھیجو!! اس بار میں تمہیں اپنی لوکیشن بھیج رہی ہوں!!
کانوں میں ابرش کے لفظ گو نچے تو اس نے اپنے سر کو
جکڑے بند ہوتی آنکھوں کو بمشکل کھولا تھا۔
نہیں چھوڑوں گا تمہیں!! اگر تمہیں کچھ بھی ہوا بلڈی

سک وو مین !! وہ اپنے سر کو جکڑے حلق کے بل چینا تھا۔
جسم سے روح تک ہے
تمہارے نشاں
بن گئے تم میری زندگی
جب سے تم ہو ملے
جان و دل ہیں کھلے
تم سے وابستہ ہے

ہر خوشی
تم ہو میرا پیار
تم سے ہے قرار
تم کو ہی بسایا
میں نے یادوں میں
تم سے ہے نشہ
تم سے ہے خمار

تم کو ہی سجایا
میں نے خوابوں میں

اپنی بند ہوتی آنکھوں کو بمشکل کھولتے ہوئے اس نے درد
سے کراہتے آسمان کی طرف دیکھا تھا۔ آسمان سے برف
گرتی اسے جیسے ڈھک رہی تھی۔ وہ برف میں ڈوبتا جا رہا
تھا۔

!! مسٹر خانزادہ کہاں ہو تم؟؟ میں تمہیں ہی ڈھونڈ رہی
ہوں۔ اگر تم نہیں چاہتے مجھے کچھ ہو۔ جلد میرے پاس
بھیجو!! اس بار میں تمہیں اپنی لوکیشن بھیج رہی ہوں!!
ابرش کے لفظ پھر سے سماعتوں میں گونجنے لگے۔ اس کی
آنکھوں سے گرم سیال بہتا اب اس کے عارض کو بھگورہا
تھا۔ کیونکہ اس کا دماغ مکمل اب اندھیرے میں جا رہا تھا۔
آنکھیں صحرا میری

تو ہے بھیگا اک بادل
میری خواہشوں میں تو
تیرے لیے میں پاگل
تو ہے بہتی ندی
ڈوباؤ با میں ساحل
میں ہوں تجھ میں فنا

تو ہی میرا ہے حاصل

Maturity is realising logon ko OK bolna
is better than bade bade paragraph
likh ke explain karna.

ارمز عشق
تحریر نور آصف

قسط 3rdlastpart3

اپنی بند ہوتی آنکھوں کو بمشکل کھولتے ہوئے اس نے
درد سے کراہتے آسمان کی طرف دیکھا تھا۔ آسمان سے

برف گرتی اسے جیسے ڈھک رہی تھی۔ وہ برف میں
ڈوبتا جا رہا تھا۔

!! مسٹر خانزادہ کہاں ہو تم؟؟ میں تمہیں ہی ڈھونڈ
رہی ہوں۔ اگر تم نہیں چاہتے مجھے کچھ ہو۔ جلد
میرے پاس بھیجو!! اس بار میں تمہیں اپنی لوکیشن
بھیج رہی ہوں!!

ابرش کے لفظ پھر سے سماعتوں میں گونجنے لگے۔ اس
کی آنکھوں سے گرم سیال بہتا اب اس کے عارض کو
بھگورہا تھا۔ کیونکہ اس کا دماغ مکمل اب اندھیرے

میں جا رہا تھا۔

آنکھیں صحرا میری
تو ہے بھیگا اک بادل

میری خواہشوں میں تو
تیرے لیے میں پاگل
تو ہے بہتی ندی
ڈوباؤ بائیں ساحل
میں ہوں تجھ میں فنا
تو ہی میرا ہے حاصل

اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ وہ اپنی آنکھیں
کھولنے کی کوشش کرتے ہوئے اپنا سر بار بار دونوں
ہاتھوں میں جکڑ رہا تھا۔ برف اس کے اوپر گرتے اسے
جیسے برف میں دھنسا رہی تھی۔
!! اے مسٹر سکس پیک ویسے تو میری کوئی بات مانتے
نہیں مجھ سے دور رہنے والی بات فوراً مان لیتے ہو !!

ابرش کے لفظ یاد کرتے وہ بمشکل آنکھیں کھولتے

مدھم سا ہنسا تھا۔

جب ملے نہیں تھے تم

نہ تھی خوشیاں نہ غم

تم ملے تو بدلے

زندگی کے یہ موسم

سن رہا ہے جو دعا
میرا سب کچھ ہے تجھ میں
ہر جگہ تھا کچھ کم
ملا مجھے سب تجھ میں
رات دن دیکھنا
تجھ کو عادت میری

یوں تجھے چاہنا ہے
ہے زندگی میری
!! میں مر بھی جاؤں تمہیں کیا پرواہ؟! تم تو خوش ہو
گے ابرش پاشا جیسی بلڈی سک وومین سے تمہاری
جان چھوٹ گئی!!

بند ہوتی آنکھوں سے ابرش کے آخری لفظ اس کی
سماعتوں میں گونجنے لگے۔ اس نے درد سے کراہتے
آنکھیں بمشکل کھولی تھیں۔ اس کے لفظ یاد کرتے
اس کے دل میں درد اٹھ رہا تھا۔
!! مسٹر خانزادہ کہاں ہو تم؟؟ میں تمہیں ہی ڈھونڈ
رہی ہوں۔ اگر تم نہیں چاہتے مجھے کچھ ہو۔ جلد

میرے پاس بھیجو!! اس بار میں تمہیں اپنی لوکیشن
بھیج رہی ہوں!!

آہہ۔۔ وہ بمشکل آنکھیں کھولتا چیخا تھا۔ زارا ان نے
آنکھیں کھولتے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے
جکڑے جھٹکا دیا۔ اس نے آنکھیں کھولتے آسمان کو
دیکھتے اپنے چہرے سے برف ہٹائی تھی۔ وہ سر کو

دونوں ہاتھوں سے جکڑے اٹھا تھا۔ اس کا دماغ آہستہ
آہستہ اپنے حواصوں میں آرہا تھا۔ زراں نے اٹھتے
ہوئے گہرے سانس لیتے آسمان سے گرتی برف باری
کو دیکھا۔

اس کے دل و دماغ میں اس وقت صرف اس کی بیوی
تھی۔ جس کے آگے کوئی درد کوئی تکلیف معنی نہیں

دونوں ہاتھوں سے جکڑے اٹھا تھا۔ اس کا دماغ آہستہ
آہستہ اپنے حواصوں میں آرہا تھا۔ زراں نے اٹھتے
ہوئے گہرے سانس لیتے آسمان سے گرتی برف باری
کو دیکھا۔

اس کے دل و دماغ میں اس وقت صرف اس کی بیوی
تھی۔ جس کے آگے کوئی درد کوئی تکلیف معنی نہیں

رکھتا تھا۔ اگر اسے کچھ ہو جاتا تو وہ اس زندگی کا کیا
کرتا۔ زار ان نے اٹھتے ہوئے اپنی جیکٹ سے رومال
نکالتے ہوئے اپنی پیشانی پر کس کر باندھا جہاں سے
خون نکل رہا تھا۔

زار ان خانزادہ نے اٹھتے ہوئے خود سے برف جھاڑی
۔ اس نے گہرے سانس لیتے خود پر قابو پایا وہ جلدی

رکھتا تھا۔ اگر اسے کچھ ہو جاتا تو وہ اس زندگی کا کیا
کرتا۔ زار ان نے اٹھتے ہوئے اپنی جیکٹ سے رومال
نکالتے ہوئے اپنی پیشانی پر کس کر باندھا جہاں سے
خون نکل رہا تھا۔

زار ان خانزادہ نے اٹھتے ہوئے خود سے برف جھاڑی
۔ اس نے گہرے سانس لیتے خود پر قابو پایا وہ جلدی

رکھتا تھا۔ اگر اسے کچھ ہو جاتا تو وہ اس زندگی کا کیا
کرتا۔ زار ان نے اٹھتے ہوئے اپنی جیکٹ سے رومال
نکالتے ہوئے اپنی پیشانی پر کس کر باندھا جہاں سے
خون نکل رہا تھا۔

زار ان خانزادہ نے اٹھتے ہوئے خود سے برف جھاڑی
۔ اس نے گہرے سانس لیتے خود پر قابو پایا وہ جلدی

سے آگے بڑھا۔ اوپر نیچے راستوں سے وہ اس طرف
بڑھنے لگا جس جگہ کی ابرش نے لوکیشن سینڈ کی تھی۔

ابرش اپنے گرد برف ہی برف کو سرا سیمگی سے دیکھ
رہی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ کہاں پر ہے؟؟ ہر

جگہ صرف برف برف ہی تھی۔ کوئی سڑک کوئی ذی
روح نظر نہیں آ رہا تھا۔

برف باری ابھی بھی ہو رہی تھی۔ اگر وہ مزید یہاں
ٹھہرتی شاید اس برف میں ہی دھنس جاتی۔ وہ بھاگتے
ہوئے آگے بڑھنے لگی۔ یکدم اس کا پاؤں پھسلا تھا۔ وہ

جگہ صرف برف برف ہی تھی۔ کوئی سڑک کوئی ذی
روح نظر نہیں آ رہا تھا۔

برف باری ابھی بھی ہو رہی تھی۔ اگر وہ مزید یہاں
ٹھہرتی شاید اس برف میں ہی دھنس جاتی۔ وہ بھاگتے
ہوئے آگے بڑھنے لگی۔ یکدم اس کا پاؤں پھسلا تھا۔ وہ

بری طرح کرتے برف کی چوٹی سے نیچے کی طرف
گری۔

وہ بری طرح چبختے ہوئے رول ہوتے برف کی
ڈھلوان سے پھسلتی نیچے جاتی رہی تھی۔ اس کی چپخیں
دور دور تک گونج رہی تھیں۔

بری طرح کرتے برف کی چوٹی سے نیچے کی طرف
گری۔

وہ بری طرح چبختے ہوئے رول ہوتے برف کی
ڈھلوان سے پھسلتی نیچے جاتی رہی تھی۔ اس کی چپٹیں
دور دور تک گونج رہی تھیں۔

بری طرح کرتے برف کی چوٹی سے نیچے کی طرف
گری۔

وہ بری طرح چبختے ہوئے رول ہوتے برف کی
ڈھلوان سے پھسلتی نیچے جاتی رہی تھی۔ اس کی چپخیں
دور دور تک گونج رہی تھیں۔

زاران خانزادہ تک اس کی چٹخیں پہنچ رہی تھیں۔ وہ
اسی جگہ پر پہنچ آیا تھا جہاں ابرش تھی۔
اس کی چٹخیں سنتا وہ جیسے پاگل ہوا تھا۔ وہ اپنی پوری
فوریس لگائے بھاگتے ہوئے اس طرف بڑھا جہاں
سے ابرش کی چٹخیں سنائی دے رہی تھیں۔

زاران خانزادہ تک اس کی چٹخیں پہنچ رہی تھیں۔ وہ
اسی جگہ پر پہنچ آیا تھا جہاں ابرش تھی۔
اس کی چٹخیں سنتا وہ جیسے پاگل ہوا تھا۔ وہ اپنی پوری
فوریس لگائے بھاگتے ہوئے اس طرف بڑھا جہاں
سے ابرش کی چٹخیں سنائی دے رہی تھیں۔

زاران خانزادہ تک اس کی چٹخیں پہنچ رہی تھیں۔ وہ
اسی جگہ پر پہنچ آیا تھا جہاں ابرش تھی۔
اس کی چٹخیں سنتا وہ جیسے پاگل ہوا تھا۔ وہ اپنی پوری
فوریس لگائے بھاگتے ہوئے اس طرف بڑھا جہاں
سے ابرش کی چٹخیں سنائی دے رہی تھیں۔

ابرش برف کی ڈھلوان سے نیچے گرتے۔ جھیل میں
جا میں گری تھی۔ جس پر برف کی تہہ جمتے اسے
ڈھانپے ہوئے تھی۔ شدید ٹھنڈ کی وجہ سے اس
lake پر برف نما شیشے جیسی پرت تھی جو سفید
برف کی چادر سے ڈھکی ہوئی۔ اس پر شیشے کی تہہ
جیسے جمی ہوئی تھی۔ جو کہیں کہیں سے کچی تھی وہ اسی

پرت پر آکر گری بھی وہ پرت اسی لمحے ٹوٹ کر اسے
اپنے اندر سما گئی تھی۔ وہ اس ٹھنڈے گہرے پانی میں
گرتے گہرے پانی کی نظر ہو چکی تھی۔۔۔ وہ خوفزدہ
ہوتے مسلسل چیخ رہی تھی۔ ٹھنڈا پانی اس کی جیسے
سانسیں روک چکا تھا۔

اس کی چٹخیں سنتا زار ان خانزادہ تیزی سے اس کی
طرف بڑھا۔ وہ اسے کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ ابرش
ہاتھ پیر مارتے ک پانی میں آگے کی طرف بہتی جا رہی
تھی۔ زار ان خانزادہ نے اسے گرتے ہوئے نہیں
دیکھا تھا۔ مگر وہ جگہ جگہ برف کی تہہ پر شیشے جسی
پر ت دیکھ چکا تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا یہاں نیچے بہتی جھیل

اس کی چٹخیں سنتا زار ان خانزادہ تیزی سے اس کی
طرف بڑھا۔ وہ اسے کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ ابرش
ہاتھ پیر مارتے ک پانی میں آگے کی طرف بہتی جا رہی
تھی۔ زار ان خانزادہ نے اسے گرتے ہوئے نہیں
دیکھا تھا۔ مگر وہ جگہ جگہ برف کی تہہ پر شیشے جسی
پر ت دیکھ چکا تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا یہاں نیچے بہتی جھیل

اس کی چٹخیں سنتا زار ان خانزادہ تیزی سے اس کی
طرف بڑھا۔ وہ اسے کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ ابرش
ہاتھ پیر مارتے ک پانی میں آگے کی طرف بہتی جا رہی
تھی۔ زار ان خانزادہ نے اسے گرتے ہوئے نہیں
دیکھا تھا۔ مگر وہ جگہ جگہ برف کی تہہ پر شیشے جسی
پر ت دیکھ چکا تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا یہاں نیچے بہتی جھیل

ہے۔ جو برف سے ڈھکی ہے۔ ابرش اسی جھیل میں
گری ہے۔

ابرش!! وہ حلق کے بل چیختا ہوا پانگلوں کی طرح
بھاگتے ہوئے اس جگہ تک پہنچا تھا۔ ٹھنڈے برفیلے
پانی کے اوپر سختی سے برف کی تہہ ہر جگہ جمی تھی۔
جہاں سے ابرش گری تھی۔ وہاں بھی ہلکی سی پرت

جم چکی تھی۔ مگر زار ان خانزادہ کو دیکھنے سے پتہ نہیں
چل رہا تھا۔ کون سی پرت کچی ہے کون سے پرت
سخت ہے۔ زار ان نے گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے
ایک دو جگہ سے برف ہٹائی۔
ابرش اسے اس شیشے نما برف کی پرت سے پانی میں
ہاتھ پیر مارتے ہوئے نظر آرہی تھی۔

ابرش!! زار ان خانزادہ چیختے ہوئے کھٹنوں کے بل
بیٹھتے ہوئے اپنی پوری فورس لگاتے ہوئے مکے
مارتے ہوئے وہ برف کا ہارڈ ساشیشہ توڑنے لگا۔ مگر وہ
کافی مضبوط تھا۔ ابرش زار ان خانزادہ کو دیکھتے ہاتھ پیر
مارتے اوپر آتے اس پر ت کو ہاتھ سے ہٹانے کی
کوشش کر رہی تھی۔ مگر وہ بہت ہارڈ تھی۔

آہسہ!! زار ان خانزادہ اپنی پوری فورس لگاتے ہوئے
وہ بلاک توڑ رہا تھا۔ آہسہ۔۔۔۔۔ وہ چیختے ہوئے
پوری قوت سے مکے مار رہا تھا۔ شیشہ نما پرت تڑخ
رہی تھی۔ مگر ٹوٹ نہیں رہی تھی۔
ابرش مسلسل اوپر آنے کی کوشش کرتے پانی میں
ہاتھ پیر مار رہی تھی۔

ابرش میں سمھیں بچالوں گا۔ وہ چیختے ہوئے برف کے
بلاک پر مکے مارتے جا رہا تھا۔ اس کی پیشانی سے ٹپکتا
خون اس بلاک پر گر رہا تھا۔ اس کا ہاتھ بھی تقریباً
زخمی ہو چکا تھا۔ ابرش کو کھونے کا ڈر اس کے
حواسوں پر چھانا اسے پاگل کر رہا تھا۔ ابرش چیختے
ہوئے بار بار پانی کے اوپر آنے کی کوشش کرتے اندر

سے ہاتھوں سے اس شیشے کے بلاک کو توڑنے کی
کوشش کر رہی تھی۔ ابرش اب نیچے کی طرف جاتی
جارہی تھی۔ ٹھنڈا پانی اسے جمانا جارہا تھا۔
زاران نے اب کھڑے ہوتے اپنے بھاری شوز سے
اس بلاک پر ضربیں لگائی۔ وہ کھڑے ہوتے پوری
قوت سے اپنا بوٹ پہنا پاؤں اس شیشے پر مار رہا تھا۔

شیشہ تڑخ رہا تھا۔ ابرش ہاتھ پیر مارتے ہوئے اب
نیچے کی طرف جارہی تھی۔ اسے سومنگ نہیں آتی
تھی۔ وہ زیادہ دیر اس ٹھنڈے پانی میں سروایو نہیں
کر سکتی تھی۔ خوف سے زار ان خانزادہ کا مضبوط جسم
لرزنے لگا تھا۔

آہسہ!! زاران نے حلق کے بل چیختے ہوئے پوری
قوت لگائے اپنا پاؤں مارا۔ برف کا بلاک نما شیشہ ٹوٹتا
پانی کے اندر گرا تھا۔

زاران اسی لمحے پانی میں جمپ مارتے ہوئے نیچے کی
طرف سومنگ کرتے ڈوبتی ہوئی ابرش کو تلاش کیا جو
بمشکل ہاتھ پیر مارتے ہوئے بمشکل سانس لیتے نیچے

آہسہ!! زار ان نے حلق کے بل چیختے ہوئے پوری
قوت لگائے اپنا پاؤں مارا۔ برف کا بلاک نما شیشہ ٹوٹتا
پانی کے اندر گرا تھا۔

زار ان اسی لمحے پانی میں جمپ مارتے ہوئے نیچے کی
طرف سومنگ کرتے ڈوبتی ہوئی ابرش کو تلاش کیا جو
بمشکل ہاتھ پیر مارتے ہوئے بمشکل سانس لیتے نیچے

کی سطح پر جارہی تھی۔ پانی بے حد ٹھنڈا تھوڑا ہی تھا۔
زاران بھی جیسے منجمد ہو رہا تھا۔ پشانی پر لگی
چوٹ بھی اسے اندر سے کمزور سی کر چکی تھی
مگر اس کی دل پاور ابرش کو کھونے کا خوف سے پہاڑ کی
طرح جیسے جمائے ہوئے تھا۔ ابرش کی زندگی سے
بڑھ کر اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اپنا دور واپسی تکلیف

محسوس ہی نہیں ہو رہی تھی اب زندگی سے بھی بڑھ
کر وہ تھی تو اس کی زندگی سے بڑھ کر کیا تکلیف کیا درد
ہو سکتا تھا بھلا؟! وہ ٹھنڈے پانی میں ہاتھ پیر مارتے
ہوئے اس تک پہنچتے ہوئے اسے کمر سے جکڑے اپنے
ساتھ لپٹا گیا۔ ابرش زار ان کو دیکھتے بمشکل سانس
لیتے ہوئے زار ان خانزادہ کے ساتھ لپٹی تھی۔ وہ

ابھی تک ہوش میں تھی۔ اسے بھی زاراں خانزادہ کی
زندگی کا خوف ابھی تک ہوش میں رکھے ہوئے تھا۔
اس خانزادہ سے بڑھ کر کون تھا اس کی زندگی کے لیے
بھلا؟؟ کوئی رشتہ کوئی خوشی کچھ بھی نہ تھا۔ یہ خانزادہ
تھا تو درد تھا یہ خانزادہ تھا تو خوشی تھی۔ ورنہ کیا بچتا اس

کی زندگی میں؟؟ وہ بمشکل سانس لیتے مقابل کے
چوڑے وجود سے لپٹی ہوئی تھی۔
وہ اسے لیے تیرا کی کرتے ہوئے اوپر کی طرح آیا
جہاں سے اس نے وہ برف توڑی تھی۔
اسے لیے سومنگ کرتے ہوئے پانی کی سطح پر آتے
اسے اوپر کو اٹھائے اسے گہرے پانی سے نکالتے برف

کی سطح پر کیا تھا۔ خود بھی وہ باہر آیا۔ ابرش اپنے گلے
کو جکڑے اوندھے منہ برف پر لیٹے کھانتے ہوئے
بمشکل سانس لے رہی تھی۔ زارا ان نے اوپر آتے
اسے سیدھا کیے اس کا سراپنی گود میں رکھا۔ اس
کے ہونٹ نیلے پڑتے بری طرح کپکپا رہے تھے۔ وہ
بہت مشکل سے سانس لے رہی تھی۔

زاران خانزادہ اس کے نیلے ہونٹوں پر جھکتے ہوئے
اس کی سانسوں کو انہیل کر گیا تھا۔ دونوں کے ہونٹ
برفیلے اور سانسیں سرد تھیں۔ وہ ابرش پر جھکے اس
کے ہونٹوں پر ہونٹ رکھے اس کے نیلے ہونٹوں کو
گرمایش دینے کی کوشش کرنے لگا۔ ابرش نے
بمشکل سانس لیتے اپنے کپکپاتے ہاتھوں سے دور

کرنے کی کوشش کی۔ زار ان نے اوپر ہوتے ابرش کو
اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے اسے بٹھایا۔ وہ بمشکل سانس
لیتے ہوئے زار ان کے کوٹ کو جکڑ گئی تھی۔ اسے
سانس نہیں آرہا تھا۔ وہ بری طرح کھانس رہی تھی۔
زار ان نے اس کی کمر کو رب کرتے اسے اپنے سینے
میں بھینچا۔

مسٹر۔۔۔ خا۔۔۔ نز۔۔۔ ادہ!! اس نے اس کے سینے
کے ساتھ لپٹے ہوئے اسے ٹوٹے لفظوں سے پکارا
تھا۔ دوسرے لمحے وہ زار ان کی مضبوط بانہوں میں
جھول گئی تھی۔

زار ان خانزادہ اسی لمحے اسے اپنی بانہوں میں اٹھائے
زمین سے اٹھتا اس برف کی ڈھلوان سے نیچے اترنے

لگا۔ ان کا کانچ پاس ہی تھا۔ وہ اسے اٹھائے تیز تیز
قدموں سے اپنے کانچ کی طرف بڑھا۔ اس کا مضبوط
جسم بھی لرز رہا تھا۔ پیشانی پر چوٹ لگنے سے اس کا
جسم اس کے قدموں کا ساتھ چھوڑ رہا تھا۔ اگر ابرش
اس کے ساتھ نہ ہوتی اور اس کی زندگی کا خوف نہ ہوتا

وہ یقیناً ابھی تک اپنے ہوش و حواس سے بیگانہ ہو
جاتا۔

وہ اسے اٹھائے اپنے سینے سے لپٹائے چھوٹے سے
گیٹ سے اپنے کانٹے میں داخل ہوا۔ وہ اسے لیے
گہرے سانس بھرتے تیز تیز قدموں سے اندر داخل
ہوتے اس نے اپنی کوٹ کی پاکٹ سے چابی نکالتے

پھنپکا۔ اپنی شرٹ اتارتے ہوئے اس نے زمین بوس
کی تھی۔ ڈرار سے کچھ پین کلمیڈین نکال کر اس
نے جلدی سے پانی سے لے کر نگلی تھی۔ زاران
خانزادہ کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ ابرش کے بے
جان وجود کو ایک نظر دیکھتے وہ واش روم کی بڑھا
واش روم کی کبرڈ سے میڈیکل باکس نکالتے اس نے

اپنی پیشانی کا زخم صاف کرتے وہاں اچھی طرح بینڈج
کی تھی۔ وہ واش روم سے سفید ٹرواڑ پہنے باہر آیا۔
کمرہ اچھا خاصہ ہیٹڈ تھا۔ پورا گھر ہی ہیٹڈ تھا۔ وہ
ابرش کی طرف اپنے بھاری قدموں سے بڑھا۔
ابرش کے چہرے پر اب سرخیاں سی گھلی تھیں۔

زاران نے اس کے قریب ہوتے اس کی سانسیں
چیک کیں جواب نارمل چل رہی تھیں۔
وہ گہرے سانس لیتے باہر کی جانب بڑھا۔
بیک یارڈ کی طرف کھلی کھڑکی دیکھ کر وہ جڑے بھینچ
کیا تھا وہ اسی کھڑکی سے کودی تھی وہ سمجھ گیا تھا۔
زاران خانزاہ نے کھڑکی کی طرف بڑھتے کھڑکی بند

کی۔ وہ اب چن کی طرف بڑھا تھا۔ فریج سے ہلال
انرجی ڈرنک نکال کر اس نے لبوں سے لگاتے وہ ایک
ہی سانس میں وہ ڈرنک پی گیا تھا۔ فریج میں کل کے
سیڈ وچ پڑے تھے۔ وہ یہ دیکھتے لب دانتوں تلے دبا
کر رہ گیا تھا۔ اس کی جذباتی بیوی نے کل سے کچھ نہیں
کھایا تھا۔

وہ سیڈ وچ فنش کرتے ہوئے کمرے کی طرف بڑھا
جہاں اسے اپنی جذباتی بیوی سے اس سب کا حساب
بھی مانگنا تھا۔ جو اس نے آج کیا تھا۔ اور آج اس کے
قہر سے اس نے بچنا نہیں تھا۔ وہ ہر دفعہ کی طرح اسے
معاف نہیں کر سکتا تھا۔

وہ کمرے کی طرف بھاری قدموں سے بڑھا۔ وہ بیڈ
کی طرف بڑھتے اپنی نازک بیوی کو کمرے سے جکڑے
اپنے قریب کرتے خود کے ساتھ سختی سے بھینچ چکا
تھا۔ وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھنساتے ہوئے وہ
بہت نرمی سے اپنی انگلیوں سے اس کے بال سلجھاتے
ہوئے اس کے بالوں پر نرمی سے لب رکھ رہا تھا۔ وہ

اس کے نازک وجود کو سختی سے جھینپتے جا رہا تھا۔
اسے کھونے کا خوف ابھی تک اس کے اعصابوں کو
جکڑے ہوئے تھا۔ ایک مرتبہ وہ جب گاڑی لے کر
سوات کی سڑکوں پر نکلی تھی۔ وہ تب بھی خوف سے
ایسے ہی لرز اٹھا تھا۔ اور آج بھی وہ شدت سے لرز اٹھا

تھا۔ زندگی ابرش کے سوا اس کے لیے گہری کھائی اور
سوائے تاریکی کے کچھ نہ تھی۔

وہ اسے تکیے پر لٹائے اس پر حاوی ہوتے اس پر جھکے
اس کے ایک نقش کو اپنے لبوں سے جھلسانے لگا۔
وہ دیوانگی کے عالم میں اس نقوش کو اپنے لبوں سے
چھوتے اس کے نازک وجود پر اپنا وزن ڈالے اس کی

کردن میں منہ چھپاتے گہرے سانس لینے لگا۔ مقابل
کی بدن کی گلاب خوشبو اس کا سکون تھی۔ وہ شدت
سے اس سے لپٹا تھا۔
اسی لمحے ابرش کا کپکپاتا ہاتھ اس کے گھنے بالوں کو چھو
کیا تھا۔

کھونے کا خوف عورت کو نہیں ہوتا۔ مرد کو بھی ہوتا
ہے۔ جیسے آج میں ڈر گیا تھا تمہیں کھونے کے خوف
سے میرا دل لرز اٹھا تھا۔ تم سچ میں بلڈی سک
دو مین ہو۔ تمہیں صرف اپنا درد نظر آتا ہے میرا درد
تم آج بھی میری آنکھوں میں نہیں دیکھ سکی۔ وہ

ابرش کوزحی نگاہوں سے دیکھتے کمرے کی طرف
بڑھا۔

سس۔۔۔۔۔ ابرش کی درد بھری سسکاری گونجی
تھی۔ زار ان تیزی سے اس کی طرف پلٹتے اس کی
طرف بڑھا۔

وہ اپنے پاؤں کو دیکھ کر بری طرح سسک رہی تھی۔

زاران خانزادہ اس کے قدموں میں پنچوں کے بل
بیٹھتے اس کا پاؤں جکڑ گیا تھا۔ ابرش بری طرح
سسکاریاں بھر رہی تھی۔ زاران نے پریشانی سے اس
کا پاؤں دیکھا جہاں کوئی کانچ نہیں چبھاتا تھا۔ زاران نے
حیرانگی سے ابرش کے سسکتے وجود کو دیکھتے اس کا

دوسرا پاؤں جکڑا جس کے تلوے میں بھی کوئی کانٹا
نہیں تھا۔

وہ حیرانگی سے ابرش کی آنکھ سے بہتے آنسو دیکھ رہا تھا۔
کچھ نہیں ہوا مسٹر خانزادہ مجھے! تمہاری محبت دیکھنی
تھی تمہاری تڑپ دیکھ لی۔ مجھے چوٹ لگے درد تمہیں
بھی ہوتا ہے۔ جب اتنی محبت کرتے ہو تو کیسے سزا دو

گے مجھے؟! تھیں صرف آج کی رات مجھے اپنی
بانہوں میں رکھ کر اپنے جسم کی گرمی دینی چاہیے۔
جس کی مجھے ضرورت ہے۔ ایک وہی کام اچھا کرتے ہو
مسٹر خانزادہ! تم تو شاید منسٹری بھی نہیں کر سکتے۔
ابرش بہتے آنسوؤں سے بولتے ہنسی تھی۔ زارا ان

خانزادہ زمین سے اھتے اس کے بال گدی سے دبوچ
کیا تھا۔

سزا تو ملے گی تمہیں جو تم آج سہن نہیں کر پاؤ گی۔ وہ
غراتے ہوئے اسے گود میں اٹھائے کمرے کی طرف
بڑھتے کمرے میں داخل ہوتے اسے بیڈ پر دھکیل گیا
تھا۔

آپ ظالم ہیں مسٹر خانزادہ!!! میں نے کل سے کھانا
نہیں کھایا آپ کو مجھ پر ترس نہیں آیا۔ ابرش نے
روتے ہوئے زار ان خانزادہ کے سینے پر دانت
گاڑھے۔

آج لگ رہی ہو چھوٹی موٹی پہلی رات کی دلہن!!! اس
طرح تو پہلی رات کی دلہن نہیں روتی ہوگی جتنی تم

آج رور ہی ہو میری بے شرم بیوی۔ زار ان لب
دانتوں تلے دبائے اس کے سرخ چہرے کو دیکھتے
بولا۔ آپ کو میں صرف بے شرم لگتی ہوں۔ ابرش
نے ہچکی لیتے پوچھا تھا۔

میں قربان جاؤں تمہارے تم سے آپ کے سفر پر۔ وہ
بلند و بانگ قہقہہ لگا گیا تھا۔ ابرش اس کے قہقہے پر خفت

سے مزید سرخ ہوئی تھی۔
۔ جیسی بھی لگتی ہو بہت اچھی لگتی ہو۔ بہت پیاری لگتی
ہو۔ وہ اس پر جھکے اس کے عارض پر نرمی سے دانت
گاڑھ گیا۔

بہت محبت کرتا ہوں تم سے !! اتنی کہ تم کبھی نہیں
جان سکتی۔ تمہارے اور میرے محبت کرنے کے

انداز میں فرق ہے ابرش!! جب تم مجھے سکون دیتی
ہو میری آنکھیں اس سکون سے بند ہوتی ہیں جو
تمہاری ذات سے مجھے ملتا ہے۔ سات مہینے تمہارے
بغیر میں سکون کی نیند نہیں سوسکا اور اس سے پہلے
بھی اور بعد میں بھی ہر وہ رات جو تمہارے بغیر
گزاری کبھی سکون سے نہیں سویا۔ اگر میں تمہاری

آغوش میں تم سے سکون لینے کے بعد سو جاتا ہوں تو
کیا میری محبت کم ہو جاتی ہے اس سے؟؟ زار ان نے
اس کی ہتھیلیاں چومتے ہوئے پوچھا تھا۔
ابرش نے سر نفی میں ہلایا تھا۔ زار ان ہنستے ہوئے اس
کی پیشانی پر لب رکھ گیا تھا۔ کیا میں نے اپنی قربت
میں کبھی تمہیں مان نہیں دیا۔؟! نکاح کے بعد اور

نکاح سے پہلے بھی تم سے محبت کا اظہار نہیں کیا۔
زاران نے اس کی ٹھوڑی چومتے ہوئے سوال کیا۔
بہت کم۔ ابرش نے نروٹھے انداز میں بولتے ہچکلی لی
تھی۔

او کے مائی فالٹ۔۔ وعدہ کرتا ہوں قربت کے لمحات
میں اتنی بار سانس نہیں لوں گا جتنی بار آئی لو یو بولوں

گا۔ زارن نے اس کے سرخ لب پر نرمی سے لب
رکھے تھے۔

صرف قربت کے لمحات میں۔ ابرش نے بھگے لہجے
میں استفسار کیا۔

اس کے سوال پر زارن کا دہنگ قہقہہ گونجاتھا۔

زاران خانزادہ کی آواز ابرش کی سسکیوں سے کھلی
تھیں۔

زاران نے آنکھیں کھولتے پریشان ہوتے کمرے میں
نگاہیں دوڑائیں۔ ابرش صوفے پر پاؤں اوپر کیے بیٹھی
گھٹنوں میں سر دیے سسک رہی تھی

زاران ہڑبڑاتے ہوئے بیڈ سے اٹھا تھا۔ رات تک تو وہ
ٹھیک تھی۔ اس نے اسے اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلایا
تھا۔ وہ رات تین بجے تک اس کی ہر چھوٹی چھوٹی بات
بہت غور سے سنتے جوابات بھی دیتا رہا تھا۔ بار بار اپنی
محبت کا اظہار بھی کرتا رہا تھا۔ اب وہ پریشان ہوا تھا اس
سے ایسی کیا غلطی ہو گئی تھی وہ یوں رو رہی تھی۔

ابرش کیا ہوا ہے؟! زار ان نے صوفے پر بیٹھتے
ہوے اس کے بالوں پر ہاتھ رکھتے پوچھا تھا۔ وہ
گھٹنوں سے سر اٹھائے اس کے سینے سے لپٹتے بری
طرح سسکاریاں بھرتے رونے لگی۔
کیا ہوا ہے ابرش؟! زارن بری طرح گھبرایا تھا۔ وہ
بہت بری طرح رو رہی تھی۔ ابرش نے سسکاری

بھرتے اپنی مٹھی کھولی۔ زار ان نے ابجھن بھری
نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔
اس کی ہتھیلی پر پر یکنسی کٹ تھی۔ زار ان پریشانی سے
اس کی طرف دیکھ رہا تھا
ٹولائیز!!! ابرش نے ہچکی لی تھی۔
کیا؟؟ زار ان کی سانسیں تیز ہوئی وہ بے یقین ہوا تھا۔

آئی ایم پیگنٹ !!! ابرش روتے ہوئے بولی تھی۔
واٹ کیا کہہ رہی ہو تم؟؟ زارا ان نے بے یقینی سے وہ
کٹ پکڑی تھی۔ جس پر دوریڈ لائن شو ہو رہی تھیں۔

Yes i m pregnant

وہ چہرے پر دونوں ہاتھ رکھے رو دی تھی۔

ابرش!!! ابرش میری جان یہ تو خوشی کی بات ہے۔ تم
رو کیوں رو رہی ہو؟؟ زار ان گہرے سانس لیتے اسے
اپنے قریب کرتے اپنے سینے سے لپٹاتے خود میں
بھینچ گیا تھا۔ وہ ابھی تک بے یقین تھا۔ وہ بے یقین
تھا۔ زار ان خانزادہ کو اپنے دل کی دھڑکنیں رکتی
محسوس ہو رہی تھیں

زاران یہ کیسے ہو سکتا ہے؟۔۔ میں نے کل اتنی
اونچائی سے جمپ کیا۔ تم نے وچشیوں کی طرح
رومانس کیا۔ ہم اتنے دنوں سے کیسے کیسے رومانس کر
رہے ہیں؟! یہ کیسے پائسیبل ہے؟؟۔ ہمارا بچہ کیسے
ٹھیک ہو سکتا ہے؟!۔ وہ اپنے بال مٹھیوں میں
جکڑے چیختے ہوئے رو دی تھی۔ یہ سب سنتے زاران

خانزادہ کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہوئے
تھے۔

تمہیں سپائٹنگ ہو رہی ہے۔ زار ان خانزادہ کو اپنی
آواز کھائی سے آتی محسوس ہوئی تھی۔ وہ اپنے ہی
سوال سے ڈر رہا تھا۔

نہیں۔ ابرش روتے ہوئے سرنفی میں ہلا گئی تھی۔

زاران خانزادہ نے صوفے سے اٹھتے گلاس ونڈو سے
باہر دیکھا جہاں سڑکیں کلیں تھیں۔ گاڑیاں چل رہی
تھیں۔

اٹھو کوٹ پنہو سٹالر لو ہم ابھی اسی وقت ہاسپٹل چلیں
گے۔ زاران نے کہتے اپنا کوٹ الماری سے نکالتے پہنا
تھا۔ ابرش اسے دیکھتے اونچا اونچا روتے جا رہی تھی

سنا نہیں اٹھو!! ہم ہاسپٹل جا رہے ہیں۔ اور اس بار
میں اپنے بچے کو کچھ نہیں ہونے دوں گا۔ وہ ڈریسنگ
ٹیبل پر مکہ مارتے ہوئے دھاڑاٹھاتا تھا



تو حیدر خان کے لیے اس کی بہن اتنی بھی ضروری نہیں
جتنا میں سمجھ رہا تھا۔ باہر طوفانی بارش نے حیدر خان کا
میری حویلی تھس نہس نہس کرنے ارادہ بدل کر رکھ دیا۔
اریان خانزادہ سکرین پر دیکھتے استہزائیہ ہنسا تھا۔
اس ناپاک وجود کے لیے تمھاری تڑپ ہونی بھی نہیں
چاہیے حیدر خان!!! عورت بہن ہو بیوی ہو جب جب وہ

اپنی عزت کو کھوتی ہے۔ وہ صرف نفرت کیے جانے کے
قابل ہوتی ہے۔ جس طرح وہ ناپاک وجود نفرت گھن
کھانے کے لائق ہے۔

نفرت ہے مجھے اس ناپاک وجود سے! جو اپنے ناپاک وجود
سے میری حویلی کو گندا کر چکی ہے۔ بس کچھ دن اور پھر

میں اسے خود بمھارے حوالے کروں گا۔ اریان خانزادہ
سکرین پر اس کے سلکی بال دیکھتے غرایا تھا۔
اس رائیہ کے سینے پر میں اس وقت گولیاں نہ چلا سکا
تھا۔ کبیر خان مجھے اور فارس خان کو نہ روکتا آج شاید
فارس خان زندہ ہوتا۔ زندہ ہوتا میرا باپ!! اریان

میں اسے خود بمھارے حوالے کروں گا۔ اریان خانزادہ
سکرین پر اس کے سلکی بال دیکھتے غرایا تھا۔
اس رائیہ کے سینے پر میں اس وقت گولیاں نہ چلا سکا
تھا۔ کبیر خان مجھے اور فارس خان کو نہ روکتا آج شاید
فارس خان زندہ ہوتا۔ زندہ ہوتا میرا باپ!! اریان

خانزادہ دھاڑتے ہوئے یکدم اس مشین کو پل کرتے
چھوڑ چکا تھا۔ وہ بری طرح سے آپس میں ٹکرائی تھیں۔
اریان گہرے سانس لیتے پیچھے کی طرف ہوتے اپنے سر
کے نیچے دونوں بازو رکھے ہوئے اپنی سرخ آنکھیں
چھت پر گاڑھ گیا تھا۔ نگاہوں کے سامنے چار چار
جنازے اور قبریں آئی تھیں۔

اس مشین پر اپنے بازو اپنے سر کے پیچھے باندھے لیٹے
ہوئے آنکھیں موندے کبیر خان سے مخاطب تھا۔
آپ کی دی ہوئی اس ایک قسم کی وجہ سے میں نے پلٹ
کر رائنہ خان کی پرچھائی بھی نہیں دیکھی۔ اس ذلیل حاکم
خان کے پیچھے نہیں گیا۔ لیکن قسمت کی ستم ظریفی
دیکھو!!! اس ذلیل حاکم خان اور گھٹیا رائنہ خان کی

بد ذات بیٹی خود چل کر میرے پاس آئی۔ خود چل کر
میرے پاس آئی۔ وہ بر فیلے لہجے میں بولتے اپنی سبز
آنکھیں کھول گیا تھا۔

وہ خود چل کر میرے پاس آئی۔ وہ ناپاک وجود خود چل
کر آریان خانزادہ کے پاس آیا۔ اس کا خطرناک قہقہہ گونجا
تھا۔

اور جب شکار خود چل کر شکاری کے پاس آجائے تو اس
شکار کو اپنے ہاتھوں سے جانے دینے والا بیوقوف ہوتا
ہے۔ اور اریان خانزادہ بیوقوف نہیں ہے۔ برسوں پہلے
اس دل میں جلتی آگ تب ٹھنڈی ہو گئی جب حاکم خان
اور حیدر خان اس ناپاک وجود کے سینے کو گولیوں سے

سے ایک جھٹکے سے اٹھتے ہوئے سرد آواز میں پھنکارا
تھا۔

اس ناپاک وجود کا نازک وجود صرف مٹی کا حقدار ہے۔
جس طرح میرا مڈ نائٹ مٹی تلے سو رہا عنقریب یہ بھی
سوئے گی۔ وہ سکرین پر نظر گاڑتے نفرت امیز لہجے میں
غرایا تھا۔

اریان خانزادہ نے ٹاول پکڑتے گلاس وال سے باہر دیکھا
جہاں طوفانی بارش میں آضافہ ہو رہا تھا۔ وہ طوفانی بارش
دیکھتے ہنساتھا۔

بہت بزدل ہو حیدر خان !!! بات اگر بات میری عزت کی
ہوتی میں پہاڑوں کو چیر کر بھی تمہارے پیچھے آتا۔ ایسا
ہے اریان خانزادہ کوئی اس کی عزت کی طرف نگاہ کرنے

کی غلطی بھی کرے وہ اس کی آنکھیں نکال کر اس کے
قینچے بنا کر کھیلے!! اریان خانزادہ گرجتے ہوئے قہقہہ لگا
گیا۔

لیکن تم تو ٹھہرے سوات کے ٹٹو۔ جو اس خراب موسم
کو دیکھ کر اپنی حویلی میں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا۔ گرم کر رہا
ہو گا اپنی طرح کسی بد کردار عورت کا جسم۔ جیسا باپ

بد کردار ویسا ہی اس کا بیٹا ہو سکتا ہے اور بیٹی بھی ویسی
بد۔۔۔۔۔ وہ سکرین پر نگاہیں گاڑھے یکدم خاموش ہوا
تھا۔ وہ رخ پلٹ گئی تھی اس کے خوبصورت معصوم
نقوش اب اس کے سامنے تھے۔ وہ اس پر گہری نگاہیں
جمائے لب بھینچے خاموش ہو گیا تھا۔

اب وہ سرد و سپاٹ بریلی سبز آنکھیں سکریں پر نظر آنے
والے وجود پر گاڑھے ہوئے تھا۔ وہ گہرے سانس
بھرتے ہوئے گہری نیند سو رہی تھی۔ کمبل اس کے
وجود سے سرک گیا تھا۔ وہ سرعت سے اپنی نگاہیں چرا گیا
تھا۔ اس کے خوبصورت شعلہ جواں روپ پر وہ زیادہ دیر
نگاہیں نہیں جما سکتا تھا۔ وہ رخ پلٹے جبرے بھینچے ٹاول

سے اپنا سینہ خشک کرنے لگا۔ اس نے گلاس وال سے
برستی طوفانی بارش کو پھر سے دیکھا تھا۔ یہ بارش نہیں
تھی عجب سا طوفان تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ آج پہاڑوں
کو اپنی جگہوں سے اکھاڑ ڈالے گا۔

اریان نے اپنے سر کو دائیں بائیں جھٹکتے ہوئے اپنے بالوں
کو جھٹکا دیا۔ اس کے سلکی بالوں سے پسینے کی بوندیں جھڑی

تھیں۔

اریان خانزادہ دروازے کی طرف بڑھا تھا یکدم وہ رکا
تھا۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر ا تھا۔ سکریں پر اس کے
گیٹ کے آگے چار عدد گاڑیاں رکی تھیں۔ جس میں سے
حیدر خان اور اس کے گارڈ اترے تھے۔ اریان خانزادہ
اسی لمحے کمرے سے نکلتے سڑھیوں کی طرف بڑھتے اوپر

والی سیڑھی سے سب سے پھلی سیڑھی پر جمپ کرتے وہ
ایک ہی جست میں نیچے پہنچا تھا۔ وہ بھاگتے ہوئے
زر مش کے کمرے میں داخل ہوا۔ کی اس کی طرف
بڑھتے اس پر کمبل ہٹاتے ہوئے اسے کلائی سے جکڑے
ہوئے وہ ایک ہی جست میں کھڑا کر چکا تھا۔ زر مش نیند

سے جھٹکا کھا کر اٹھتے بدحواس ہوتے چیختے ہوئے اس کے
چوڑے سینے سے آن لگی تھی۔

نیند سے بھری گلابی آنکھیں کھولتے ہوئے وہ خوفزدہ
سہمی نگاہوں سے اریان خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔
چادر لولہ اپنی !! وہ اسے ایک ہی جست میں خود سے دور
کرتے اپنی رسٹ واچ پر نگاہیں دوڑائے ہوئے حکمیہ لہجے

میں بولا۔۔

چادر کیوں؟؟ زر مش نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

چادر اوڑھو مس خان؟؟ اب وہ غرایا تھا۔

زر مش مقابل کی غراہٹ پر بیڈ کی طرف بڑھتی اپنی

چادر تلاش کرنے لگی۔ اریان خانزادہ گہرے سانس لیتے

اپنی رست وایچ پر نگاہیں دوڑائے ہوئے تھا۔

حیدر خان لنتی دیر تک اندر پہنچ سکتا تھا اسے منٹوں کا
نہیں لمحوں کا بھی پتہ تھا۔ حیدر خان آج اس سے دھوکہ
کر چکا تھا۔ وہ یقیناً جان بوجھ کر اتنی گہری رات کو آیا تھا
تاکہ وہ آسانی سے اس پر حملہ کر سکے۔

بہت ہی چالاق ہو حیدر خان!! مگر کوئی فائدہ نہیں
تمھاری بہن تمھارے ہاتھوں آج نہیں لگے گی۔ اسے تو

اس دن والا سیاہ فراک پھٹ چکا تھا۔ ویسے بھی زر مش کو
اس پر اس گندے آدمی کا لمس محسوس ہو رہا تھا۔
اریان خانزادہ کا لمس اسے اپنے بدن پر محسوس ہی نہیں
ہوتا تھا۔ اس bloodthirsty beast کو دیکھ کر
سوچ کر اسے صرف خوف آتا تھا۔ موت سے بھی بڑھ کر
خوف تھا اسے اس وحشی درندے کا۔ اریان خانزادہ نے

لب بھیںچتے ہوئے زر مش کو دیکھا جو بری طرح
بدحواس ہوتے اپنی چادر تلاش کر رہی تھی۔ آریان
خانزادہ اس کے بدن کی کپکپاہٹ اور اس کے چاکلیٹی
براؤن سلکی خوبصورت بالوں کو دیکھ کر لب بھیںچ گیا
تھا۔ آریان خانزادہ نے اس نازک سے بے حد سٹائش
فراک سے زر مش کی بل کھائی کمر اور پچھلے گہرے گلے

لب بھیںچتے ہوئے زر مش کو دیکھا جو بری طرح
بدحواس ہوتے اپنی چادر تلاش کر رہی تھی۔ آریان
خانزادہ اس کے بدن کی کپکپاہٹ اور اس کے چاکلیٹی
براؤن سلکی خوبصورت بالوں کو دیکھ کر لب بھیںچ گیا
تھا۔ آریان خانزادہ نے اس نازک سے بے حد سٹائش
فراک سے زر مش کی بل کھائی کمر اور پچھلے گہرے گلے

لب بھیںچتے ہوئے زر مش کو دیکھا جو بری طرح
بدحواس ہوتے اپنی چادر تلاش کر رہی تھی۔ آریان
خانزادہ اس کے بدن کی کپکپاہٹ اور اس کے چاکلیٹی
براؤن سلکی خوبصورت بالوں کو دیکھ کر لب بھیںچ گیا
تھا۔ آریان خانزادہ نے اس نازک سے بے حد سٹائش
فراک سے زر مش کی بل کھائی کمر اور پچھلے گہرے گلے

سے لڑتی موتیوں کی ڈوریوں کو دیکھ کر اپنی مٹھیاں جیچی
تھیں۔ رشنا خان اس طرح کی ڈریسنگ کرتی تھی وہ حیران
تھا۔ آج سے پہلے اسے یہ معلوم ہی نہیں تھا۔ مگر اب رشنا
خان کے وہ ہوش ٹھکانے لگانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ مقابل
کے بدن پر رشنا خان کے کپڑے دیکھ کر اسے پتہ چلا تھا یہ
کپڑے نہیں تھے بلکہ کسی غیر مرد کے لیے تباہی کا سامان

تھا۔ اریان خانزادہ نے زمین پر پڑا اس کاریڈ دوپٹہ
اٹھاتے زر مش کو کلائی سے جکڑے سیدھا کرتے اس کے
گرد وہ شال نمادو پٹہ اوڑھایا۔ دوسرے لمحے وہ اس کی
کلائی جکڑے کمرے سے نکل گیا تھا۔ زر مش اس سلک
نما بے حد ڈیلی کیٹ شال کو اپنے سینے سے جکڑے اس
کے ساتھ کھینچتی جا رہی تھی۔ وہ ادھی رات کو اسے کہاں

لے کر جا رہا تھا اسے اندازہ نہ تھا۔ وہ میڈیسن کھا کر سوئی
تھی۔ اس لیے باہر آئے طوفان کا اسے اندازہ ہی نہ تھا۔
مگر اب بجلی کے کڑکنے کی آوازیں اور لوہے کی چادروں کا
شور سنتے وہ بری طرح لرز رہی تھی۔ انیکسی کے چھت
کی لوہے کی چادر کا شور ایسا تھا جیسے وہ چادر اکھڑ گئی ہو۔

درختوں کی سائیں سائیں کا شور حویلی کے اندر بھی سنائی
دے رہا تھا۔ یہ طوفان تو حویلی کے اندر جان نکال رہا تھا۔
زر مش خوفزدہ سی اریان خانزادہ کی چوڑی پشت کو دیکھتے
اس کے ساتھ بھاگ رہی تھی۔۔۔ اسے اس کے کمرے کی
طرف بڑھتے دیکھ کر زر مش کے قدم رکے تھے۔ اس کا
رکنا محسوس کرتے آریان نے اتنی بے دردی سے خود کی

طرف کھینچا تھا وہ گرتے گرتے بچی تھی۔ زر مش اپنا بے
جان وجود بمشکل گھسیٹتے ہوئے اس کے ساتھ کمرے
میں داخل ہوئی تھی۔ آریان خانزادہ اسے لیے کمرے
کے ڈریسنگ روم کے اندر داخل ہوتے اس سے ملحقہ
دوسرے کمرے میں داخل ہوا۔ زر مش کو اب اپنا وجود
چکراتا محسوس ہوا تھا۔

طرف کھینچا تھا وہ گرتے گرتے بچی تھی۔ زر مش اپنا بے
جان وجود بمشکل گھسیٹتے ہوئے اس کے ساتھ کمرے
میں داخل ہوئی تھی۔ آریان خانزادہ اسے لیے کمرے
کے ڈریسنگ روم کے اندر داخل ہوتے اس سے ملحقہ
دوسرے کمرے میں داخل ہوا۔ زر مش کو اب اپنا وجود
چکراتا محسوس ہوا تھا۔

اس دن کا ایک ایک خوفناک لمحہ نظروں کے سامنے آیا
تھا۔

اریان خانزادہ نے ایک نظر رکتے ہوئے زر مش کو دیکھا
جو اپنے سینے سے شال کو جکڑے بری طرح کانپتے ہوئے
خوفزدہ نگاہوں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اریان
خانزادہ کی نگاہیں اس کے وجود سے ہوتے اس کے پیروں

پر پڑیں۔ وہ ننگے پیر تھی۔ اریان خانزادہ نے اسے قہر بار
نگاہوں سے گھورتے ہوئے اپنی کبرڈ کی طرف بڑھتے
اپنے سلیپر ز نکالتے ہوئے اس کے پیروں میں رکھے۔
زر مش نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔
پہنوا سے !! اریان خانزادہ نے اسے قہر بار نگاہوں سے
گھورتے ہوئے دانت پیسے تھے۔ زر مش نے جلدی سے

وہ سلیپر زپہنے جو اس کے نازک پیروں کے لحاظ سے بہت
بڑے تھے۔

اریان خانزادہ اسے کلائی سے جکڑے ہوئے اس سیکریٹ
دروازے سے نکلتا ہوا باہر جنگل میں داخل ہوا۔ زر مش
کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہوئے تھے۔

شدید طوفانی بارش سے وہ ایک لمحے میں بھیسکتے بری طرح
کانپ کر رہ گئی تھی۔ بجلی کی کڑکنے کی آوازیں بڑے
بڑے گھنے درخت ایسے ہل رہے تھے۔ جیسے ابھی زمین
سے اکھڑ جائیں گے۔۔۔ زر مش ہر اسماں خوفزدہ نگاہوں
سے اس تاریک جنگل کو بمشکل دیکھتے ہوئے کانپ کر رہ
گئی۔ وہ اس کی کلائی جکڑے پوری قوت سے بھاگ رہا

تھا۔ وہ اس کی چوڑی پشت کو دیکھتے اس کے قدموں کا
بمشکل ساتھ دے رہی تھی۔ اس کے حیوان نما اتنے
بڑے سیلپرز سے زر مش سے قدم اٹھانا دو بھر ہو رہا تھا۔
وہ اسے بنا کسی رحم کے گھسیٹتے ہوئے لے کر جا رہا تھا۔ وہ
اس ٹھنڈی بریلی بارش میں بھیگتے روتے ہوئے اس کے
ساتھ بھاگ رہی تھی۔ اریان خانزادہ کا ایک سیلپر اس

کے ایک پیر سے نکل چکا تھا۔ وہ اب ایک سیلپر کے ساتھ
بھاگ رہی تھی۔

اریان۔۔۔ ہم۔۔۔ کہاں۔۔۔ جا۔۔۔ رہے۔۔۔ ہیں؟؟
زر مش نے روتے ہوئے اریان خانزادہ سے ٹوٹے
لفظوں سے پوچھا۔

وہ اس کے سوال کو نظر انداز کیے اپنی واٹر پروف رسٹ
واجب پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا۔ جس میں اس وقت
مدھم سی لائیٹ بھی جل رہی تھی۔ جس سے یہ تاریک
جنگل مدھم ساروشن دکھائی دے رہا تھا۔

اریان خانزادہ زر مش کی کلائی جکڑے تہہ خانے کی
طرف بھاگ رہا تھا۔ زر مش تہہ خانے کی طرف جاتا

راستہ پہچان چکی تھی۔ خوف سے اس کا رواں رواں لرز اٹھ اٹھا۔ وہ آریان خانزادہ کا دوسرا سلیپر بھی اپنے پیروں سے اتارتے ہوئے اپنی پوری فورس لگائے آریان خانزادہ کے بھاری قدموں کا ساتھ دیتے ہوئے اس کے قریب ہوتے اس کی سینڈ و کو کندھے سے جکڑ گئی تھی۔ اس کے اس طرح اپنی سینڈ و جکڑنے پر آریان خانزادہ کے بھاری

راستہ پہچان چکی تھی۔ خوف سے اس کا رواں رواں لرز
اٹھا تھا۔ وہ آریان خانزادہ کا دوسرا سلیپر بھی اپنے پیروں
سے اتارتے ہوئے اپنی پوری فورس لگائے آریان خانزادہ
کے بھاری قدموں کا ساتھ دیتے ہوئے اس کے قریب
ہوتے اس کی سینڈ و کو کندھے سے جکڑ گئی تھی۔ اس کے
اس طرح اپنی سینڈ و جکڑنے پر آریان خانزادہ کے بھاری

قدم رکے تھے۔ وہ اس کی سینڈ و دونوں ہاتھوں سے
جکڑے اس کے مد قابل کھڑی تھی۔ شال اس کے وجود
پر نہیں تھی۔ ریڈ شیفون فراک بھیگ کر اس کے جسم
کے ساتھ چپک گیا تھا۔

سلکی بال مکمل بھیگے ہوئے تھے۔ اس کے بالوں کی لٹیں
اس کے شفاف عارض کے ساتھ چپکی ہوئی تھیں۔ اریان

خانزادہ کی گہری نگاہیں اس کے عارض پر تھیں۔ جہاں
اب کوئی نشان نہیں تھا۔ اس کے عارض پر اپنا دیا گیا
نشان مٹنے پر آریان خانزادہ کے دل میں طوفان سے اٹھا
تھا۔ خون میں فشار بلند ہوا۔ اس دن وہ اچھوت مرد اپنی
انگلیوں کا نشان مقابل کے گال پر نہ چھوڑتا وہ کبھی اپنا دیا
کیا نشان مٹنے دیتا۔

آریان خانزادہ کی نگاہیں اس کے عارض سے ہوتے اس
کی ہیزل گرے آنکھوں پر جا ٹھہریں تھیں۔ جوہرنی کی
طرح خوفزدہ تھیں۔

بولو!! وہ اس کی ہیزل گرے آنکھوں میں اپنی سبز
انکھیں گاڑتے غراہٹ نما لہجے میں بولا۔

کک۔۔ مم۔۔ مجھے۔۔ اس۔۔ بسیمٹ۔۔ میں۔۔
کیوں۔۔ لے۔۔ کر۔۔ جب۔۔ رہے۔۔ ہیں۔۔ آج۔۔
پھر۔۔ کیا۔۔ کک۔۔ وہ لوگ۔۔ مجھے۔۔ لینے۔۔
آئے۔۔ ہیں۔۔ زر مش نے خوفزدہ لہجے میں استفسار کیا۔
ان کی اتنی ہمت نہیں وہ دوبارہ اریان خانزادہ کی حویلی
میں گھس سکیں۔۔ ایک بات یاد رکھنا کوئی بھی تمہیں

میری مرضی کے بغیر یہاں سے لے کر نہیں جاسکتا۔
اریان خانزادہ اس کے ہاتھ اپنی سینڈو سے ایک جھٹکے سے
ہٹاتے ہوئے اس کی کلائی سختی سے جکڑے بیسمنٹ کی
طرف بڑھا۔

تو۔۔۔ کک۔۔۔ کیا۔۔۔ وہ۔۔۔ میری۔۔۔ عزت۔۔۔
لوٹنے۔۔۔ آئے۔۔۔ ہیں؟!۔۔۔ جو آپ۔۔۔ مجھے۔۔۔

میری مرضی کے بغیر یہاں سے لے کر نہیں جاسکتا۔
اریان خانزادہ اس کے ہاتھ اپنی سینڈو سے ایک جھٹکے سے
ہٹاتے ہوئے اس کی کلائی سختی سے جکڑے بیسمنٹ کی
طرف بڑھا۔

تو۔۔۔ کک۔۔۔ کیا۔۔۔ وہ۔۔۔ میری۔۔۔ عزت۔۔۔
لوٹنے۔۔۔ آئے۔۔۔ ہیں؟!۔۔۔ جو آپ۔۔۔ مجھے۔۔۔

بیسمنٹ۔۔۔ لے۔۔ کر۔۔ جا۔۔ رہے۔۔ زر مش کے
ہچکیوں کے درمیان کیے کئے سوال پر اریان خانزادہ کے
رگوں میں دوڑتا خون بھڑک کر بوائے ننگ پوائنٹ پر آیا
تھا۔

دور کتے ہوئے اس کے بال گدی سے دبو چتے اس کا چہرہ
اپنے مقابل کر گیا تھا۔

کسی کی اتنی ہمت نہیں وہ اریان خانزادہ کی حویلی میں اس
کی پناہ میں آئی ہوئی عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی
دیکھے۔۔ میں اریان خانزادہ اس انسان کی آنکھوں کو
نکال کر رکھ دوں گا جو آنکھ تمہاری طرف اٹھی۔ وہ اس
کے بال گدی سے بے دردی سے دبوچتے پھنکارا تھا۔
زر مش درد سے کراہ اٹھی تھی۔

اپنی ناپاک زبان بند رکھو میرے سامنے!! خبردار اس
طرح کی بکواس کی میرے سامنے!! تمہارے چیتھڑے
اڑادوں گا۔ آئندہ اپنی عزت سے رلیٹڈ کوئی بیہودہ لفظ منہ
سے نکالا تمہاری زبان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گا۔
ساری عمر بولنے کو ترسو گی۔ وہ غراتے ہوئے اس کے
بالوں پر اپنی گرفت خطرناک حد تک بڑھا گیا تھا۔

زر مش نے بری طرح کراہتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا
تھا۔

وہ اس کے بال ایک جھٹکے سے چھوڑتے ہوئے اس کی
کلائی جکڑے بسیمنٹ کی طرف بڑھا۔
بیسمنٹ کے قریب آتے اس نے زر مش کی کلائی
چھوڑتے ہوئے ہوئے بیسمنٹ کا ڈھکن اپنی پوری قوت

لگائے اسے اتھاتے ہوئے دور دھکیلا۔ زر مش ہچکیوں
کے ساتھ کپکپاتے بدن کے ساتھ روتے ہوئے اریان
خانزادہ کو دیکھ رہی تھی۔ اس بیسمنٹ سے اسے بے حد
خوف محسوس ہو رہا تھا۔ وہ انسان اور وہ ٹائیگر یاد کر کے
خوف سے جیسے مرنے والی ہو رہی تھی۔

اترو نیچے!! آریان خانزادہ نے اس کی طرف دیکھتے

ہوے سرد لہجے میں کہا۔

نن۔۔ نہیں۔۔ مم۔۔ میں۔۔ نہیں۔۔ اتروں۔۔
گی۔ وہ چیتا آجائے گا۔ وہ آدمی آجائے گا مم مجھے خوف آتا
ہے۔ اس تاریک بسیمینٹ سے۔۔ میں نہیں جاؤں گی اس

کے اندر۔۔ زر مش کپکپاتے لبوں سے بولتے ہوئے پیچھے
کی طرف قدم بڑھا گئی تھی۔

اترو نیچے!! وہ دھاڑا تھا۔ زر مش اس کی دھاڑ پر خوف
سے بری طرح اچھلی تھی۔ دوسرے لمحے وہ پوری قوت
سے آریان خانزادہ کے خلاف مخالف سمت بھاگنے لگی۔ وہ
گیٹ کی سمت والے راستے اپنی پوری فورس لگائے

بھاگ رہی تھی۔ آریان خانزادہ نے جبرے بھینچتے اس
نازک وجود کو دیکھا تھا جو اس کی ایک ہی جست کی مار
تھی۔

آریان خانزادہ اپنے گیلے بالوں میں انگلیاں پھیرتے
ہوے زر مش کی طرف بڑھا۔ اسے گیٹ والے راستے
کی طرف بھاگتے دیکھ کر آریان خانزادہ کا دماغ اپنی جگہ

سے ہل کر رہ گیا تھا۔ وہ اس کی پناہوں سے بھاگ رہی
تھی۔ دل و دماغ آندھیوں کی زد میں آیا تھا۔ وہ بھاگتے
ہوئے اس کی طرف بڑھا۔ زر مش نے خوف سے پیچھے
مڑ کر دیکھا اسے اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر اس نے اپنی
سپیڈ مزید بڑھائی تھی۔

آریان خانزادہ استھزائیہ مسکراتے ہوئے اس کی طرف
تیز تیز قدموں سے بڑھتے اسے کلائی سے جکڑے اپنے
مقابل کر گیا تھا۔

آہہ۔۔۔۔۔ وہ چیختے ہوئے بری طرح خوفزدہ ہوتے
اس کے ہی سینے میں سمائی تھی۔ آریان خانزادہ اپنی
دونوں مٹھیاں دبوچ گیا تھا۔ وہ تھر تھر کانپتے ہوئے اس

آریان خانزادہ استھزائیہ مسکراتے ہوئے اس کی طرف
تیز تیز قدموں سے بڑھتے اسے کلائی سے جکڑے اپنے
مقابل کر گیا تھا۔

آہہہہ۔۔۔۔۔ وہ چیختے ہوئے بری طرح خوفزدہ ہوتے
اس کے ہی سینے میں سمائی تھی۔ آریان خانزادہ اپنی
دونوں مٹھیاں دبوچ گیا تھا۔ وہ تھر تھر کانپتے ہوئے اس

کے چوڑے چٹائی سینے میں سمائے سانس روکے جیسے
کھڑی تھی۔

فرسٹ اینڈ لاسٹ وار ننگ!! آئندہ میری پناہوں سے
بھاگنے کی کوشش کی۔ تمہیں اپنے شیر والے پنجرے
میں ڈال دوں گا۔ آج وقت نہیں ورنہ تمہیں اپنے اس
خونخوار دوست سے ضرور ملواتا۔ ایک بات یاد رکھنا

میرے وحشی جانور صرف میرے دوست ہیں۔ میرے
دشمنوں کو وہ صرف چیر پھاڑنا جانتے ہیں۔ وہ اسے خود
سے علیحدہ کرتے اسے کندھوں سے جکڑے غرایا تھا۔
زر مش نے اس کی سبز آنکھوں میں دیکھتے اثبات میں سر
ہلاتے ہچکی لی۔

آسمان پر بجلی کڑ کی تھی۔ زر مش پھر سے چیختے ہوئے اس
کے چوڑے سینے میں سمائی تھی۔ وہ اس کی ناز کی اپنے
بدن پر محسوس کرتے غصے سے اسے خود سے علیحدہ کرتے
اسے کلائی سے جکڑے بیسمنٹ کی بڑھا۔
اترو نیچے! وہ اپنی رسٹ وایج میں ٹائم دیکھتے دھاڑا۔
زر مش اس کی دھاڑ پر کانپتے ہوئے بے جان قدموں

سے بیسمنٹ کی سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔
بیسمنٹ میں اندھیرا دیکھتے وہ خوف سے ہچکیوں سے
آریان خانزادہ کو التجائیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔
مم۔۔ مجھے۔۔ اندر۔۔ نہیں۔۔ جانا۔۔ آریان!! وہ آدمی
مجھے دکھائی دے رہا ہے۔ وہ ٹائیگر بھی میں مر جاؤں گی۔۔

خدا کے لیے مجھے مت بھیجو!! زر مش اس کے آگے
اپنے دونوں ہاتھ جوڑ گئی تھی۔

نہیں ہے وہ آدمی اندر اس کی لاش میرا جانور کھا چکا
ہے۔۔ وہ اب زر مش کو دیکھتے خوفناک درندے کی مانند
دھاڑا۔ وقت کم رہ گیا تھا حیدر خان کچھ ہی منٹوں میں

اندر آجاتا۔ وہ کسی صورت زر مش کو حیدر خان کے
حوالے نہیں کر سکتا تھا۔

زر مش اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے اب چنچیں مارنے
لگی تھی۔

آریان گہرے سانس لیتے اسے یوں سرخ آنکھوں سے
چینتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کی طرف بڑھتے اس کی

کلانی بے دردی سے جکڑے سیڑھیاں اترنے لگا۔ وہ اس
کے ساتھ گھسٹی ہوئی سیڑھیاں اتری تھی۔ بیسمنٹ میں
داخل ہوتے اس آدمی کا جما ہوا خون فرش پر دیکھتے وہ چیختے
ہوئے خوف سے آریان خانزادہ کے ساتھ لگی۔

آریان خانزادہ نے اسی لمحے اسے زمین پر بے دردی سے
دھکا دیا۔ وہ اوندھے منہ گھٹنوں کے بل گرتی پھوٹ

پھوٹ کر رودی تھی۔ یکدم وہ سامنے دیکھتے چبختے ہوئے
پیچھے کو کھسکی تھی۔ اس دن ادھر ہی وہ ٹائیگر تھا۔
آریان خانزادہ اسے یوں چبختے ہوئے دیکھتے اس کی طرف
بڑھتے پنجنوں کے بل بیٹھتے ہوئے اس کا جبرہ دبوج گیا۔
سامنے نظر آنے والی 3d ہے۔ یہاں پر اس دن کوئی
ٹائیگر نہیں تھا۔ اور اس آدمی کو میں مار چکا ہوں۔ اس کی

لاش تک کا وجود نہیں بچا۔ اس کے پیر کا ایک ناخن تک
نہیں بچا!! وہ اس کا جبرہ دبوچتے ہوئے اس کی ہیزل
گرے آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے ایک ایک لفظ
چباتے غرایا تھا۔

زرمش اس bloodthirst beast کی وحشت
بھری آنکھوں میں دیکھتے اثبات میں سر ہلا گئی۔

اب خاموشی سے ادھر بیٹھو!! آواز نہ آئے کمھارے
رونے کی!

اور نہ ہمیشہ کے لیے ادھر ہی بند کردوں گا۔ آریاں
خانزادہ نے اس کا جبرہ دبوچے اس کی ہیزل گرے
آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سرد بر فیلے لہجے میں تنبیہ کی
تھی۔ زر مش نے خوفزدہ ہوتے سر اثبات میں ہلایا۔ وہ

اس کا جبرہ ایک جھٹکے سے چھوڑ چکا تھا۔ زر مش خوف
سے پیچھے کو کھسکتی گھٹنوں میں سر دیے ہچکولے بھرتے
دبی دبی آواز میں سسکنے لگی۔

وہ اس کے ہچکولے بھرتے وجود کو گھورتے ہوئے
سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس
کی دبی دبی سسکیاں اس کی سماعتوں میں گونج رہی تھیں۔

وہ بے حس بنے اوپر آیا۔ بسیمٹ کا ڈھلن رکھتے ہوئے
اسے زر مش کی چیخ سنائی دی تھی۔ وہ پھر سے چیخنے لگی
تھی۔ وہ جبرے بھینچتے ہوئے وہ ٹرنک کا دروازہ رکھ کر
اس پر گھاس نماسبز کارپٹ رکھ گیا تھا۔ زر مش کی چیخوں
کی آواز آنا اب بند ہو چکی تھی۔ بسیمٹ سے باہر آواز
نہیں آتی تھی۔

وہ اپنے گیلے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اپنی حویلی
کے اندرونی حصے کی طرف تیزی سے بڑھنے لگا۔ یکدم
بجلی بہت تیزی سے کڑکی تھی۔ وہ سختی سے مٹھیاں دبوچ
گیا تھا۔ اس کی چخیں سماعتوں میں سنائی دی تھیں۔ بجلی
کڑکنے پر وہ بہت بری طرح چخیں مارتی تھی۔ بیسمٹ
سے آواز باہر نہیں آسکتی تھی۔ مگر آریان خانزادہ کو اب

اپنی سماعتوں میں اس کی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔
وہ غصے سے جبرے بھینچتے ہوئے خود پر قابو پارہا تھا۔
اسے اس ساونڈ سے شدید نفرت تھی۔ تبھی تو اسے وہ
سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔

!! مم مجھے اندر نہیں جانا آریان !! وہ آدمی مجھے دکھائی
دے رہا ہے۔ وہ ٹائیگر بھی میں مر جاؤں گی۔ خدا کے

لیے مجھے مت بھیجو!!

زر مش کے لفظ سماعتوں میں گونجے تھے۔ اس نے
جبرے بھینچتے برستے آسمان کو دیکھتے اپنے بالوں کو جھٹکا
دیا تھا دوسرے لمحے وہ بیسمنٹ کی طرف بڑھا۔
ٹرینک اٹھاتے ہوئے وہ بیسمنٹ میں تیزی سے اتر اٹھا۔
زر مش کی فلگ شرگاف چنچیں پورے بیسمنٹ میں گونج

رہی تھیں۔ آریان خانزادہ جبرے بھینچتے ہوئے
سیڑھیاں اترے اس کی طرف بڑھا۔
آریان خانزادہ کے قدموں کی آہٹ اور اس کی خوشبو
محسوس کرتے وہ منہ پر ہاتھ جمائے زمین پر اوندھے منہ
لیٹے اپنی سسکیاں دبا گئی تھی۔ آریان خانزادہ نے سرخ
آنکھوں سے زمین پر سکڑے اس کے گھٹری نما وجود کو

دیکھتے ہوئے بری طرح جبرڑے بھیجے تھے۔ جو اسے
دیکھتے سانسیں روک چکی تھی۔

آریان نے اس کی طرف بڑھتے اسے کلائی سے جکڑے
سیدھا کیا۔ زر مش خوف سے بری طرح چیخ اٹھی تھی۔
شششش!! اب چیخ نامت مس خان!!! نفرت ہے مجھے
تمہاری چیخوں سے اور آنسوؤں سے۔ کسی دن یہ چیخیں

گھونٹ کر بمھاری سائیں روک دوں گا اور اپنی انگلیوں
سے یہ ہیزل گرے آنکھیں نکال دوں گا۔ جن کے
رنگ سے مجھے نفرت ہے۔ یہی کلر تھا اس راہنہ خان کی
آنکھوں کا!!! وہ اس پر جھکے اس کی آنکھوں میں دیکھتے
پھنکارا۔ زرمش نے جلدی سے اپنی آنکھیں اپنی
ہتھیلیوں سے رگڑتے پر سوز بھکی لی۔

چلو یہاں سے !! وہ اٹھتے ہوئے اس کی کلائی جکڑے اسے
ایک جھٹکے سے اٹھا گیا تھا۔

زر مش نے حیرانی سے اسے دیکھا تھا وہ اسے اب کہاں
لے کر جا رہا تھا؟!۔ آریان خانزادہ اس کی کلائی جکڑے
تیز تیز سیڑھیاں چڑھتے اوپر آیا۔ وہ اب بھاگتے ہوئے
حویلی کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

چلو یہاں سے !! وہ اٹھتے ہوئے اس کی کلائی جکڑے اسے
ایک جھٹکے سے اٹھا گیا تھا۔

زر مش نے حیرانی سے اسے دیکھا تھا وہ اسے اب کہاں
لے کر جا رہا تھا؟!۔ آریان خانزادہ اس کی کلائی جکڑے
تیز تیز سیڑھیاں چڑھتے اوپر آیا۔ وہ اب بھاگتے ہوئے
حویلی کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

حیدر خان اور اس کے گارڈز آریان خانزادہ کا گیٹ
پھلانگتے ہوئے اس کی حویلی میں داخل ہوئے تھے۔
وہ لوگ بھاگتے ہوئے داخلی دروازے کی طرف بڑھے۔
حیدر خان اس وقت سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔ جس
پر سفید مردانہ شال اوڑھے ہوئے تھا۔ وہ فل لوڈڈ پستل

پکڑے داخلی دروازے کی طرف بڑھتے اس نے اور اس
کے گارڈز نے داخلی دروازے کی طرف گولیوں کی
برسات کی تھی۔ باہر طوفان سے بجلی کڑک رہی تھی۔
درخت اکھڑ رہے تھے۔ حیدر خان وحشت برساتی
آنکھوں سے آریان خانزادہ کی حویلی کے دروازے پر
گولیاں برسار رہا تھا۔

اس کے گارڈز اور وہ بنار کے دروازے پر فائر کر رہے
تھے۔

حیدر خان کا پورا وجود آگ کا گولہ بنا ہوا تھا۔ اتنی رات
کو آریان خانزادہ کی حویلی وہ اس لیے آیا تھا کہ زرمش اگر
ادھر ہے تو آریان خانزادہ کو بھاگنے کا موقع نہ ملے۔ اس
لیے وہ طوفانی بارش میں یہ موت کا کھیل کھیلنے آیا تھا۔

چلاؤ گولیاں تھس تھس کر کے رکھ دو اس آریان خانزادہ
کی حویلی!! حیدر خان نے دھاڑتے ہوئے اپنی جیب سے
گولیاں نکالتے ہوئے پسل میں ڈالی تھیں۔
اس کے گارڈز نے آس کے حکم پر گولیوں کی برسات کر
ڈالی تھی دروازے پر۔ حیدر خان نے دروازے کو
گولیاں مارتے اپنے بھاری بوٹ والے پاؤں سے

دروازے کو ضرب لگائی۔ دروازہ کھلتا چلا گیا تھا۔ وہ اور
اس کے گارڈ دندناتے ہوئے اندر داخل ہوئے تھے

آریان خانزادہ زر مش کو لیے سیکریٹ دروازے سے
حویلی کے اندر دوبارہ داخل ہوا تھا۔ حیدر خان کے اندر
داخل ہونے سے پہلے اسے زر مش کو اندر کہیں چھپانا

تھا۔ سب سے بہتر جگہ وہ تہہ خانہ ہی تھا۔ پتہ نہیں وہ
اسے اندر کیوں لے آیا تھا۔ وہ خود نہیں جانتا تھا۔
تیز قدموں سے آگے بڑھو اب تم رکی میں تمہیں ادھر
اپنے کمرے میں ہی گاڑھ دوں گا۔ وہ زرمش کو رکتے دیکھ
کر چیخا تھا۔

زر مش اس کی چیخ بر سہمتے ہوئے اس کے قدموں کا
ساتھ دینے لگی۔ وہ کمرے سے نکلتے ہوئے حویلی کے
ایک کارنر کی طرف تیزی سے بڑھنے لگا۔ حویلی کے
اندر سے گولیوں کی آواز آرہی تھی۔ زر مش نے خوفزدہ
ہوتے وہ گولیوں کا قص سنا تھا۔ وہ خوفزدہ ہوئی تھی۔

آریان پتہ نہیں کس طرف جارہا تھا۔ حویلی بہت بڑی
تھی۔ مختلف راستے تھے۔

وہ اس کے قدموں کا ساتھ دیتے تیزی سے بھاگنے لگی۔
گولیوں کے شور سے اس کے کان کے پردے پھٹ رہے
تھے۔ وہ سمجھ چکی تھی حویلی میں کچھ لوگ داخل ہو چکے
ہیں۔ زر مش اپنے آنسو ایک ہتھیلی سے صاف کرتے

ہوے آریان کے قدموں کا ساتھ دیتے بھاگتے جا رہی
تھی۔

آریان خانزادہ یکدم رکا تھا۔ سامنے دیوار میں ایک بہت
بڑی بک شلف تھی۔ آریان خانزادہ نے وہاں سے کچھ
بکس ہٹاتے اس نے لکڑی کو پر یس کیا تو وہ باکس کھل گیا
تھا۔ جس کے پیچھے چابی کا ہول تھا۔ آریان خانزادہ نے

ایک ریک سے ایک بہت بڑی کی چین میں ڈالی چابی وہیں
پاس سے اٹھاتے ہوئے اس ہول میں گھماتے ہوئے وہ
بک شلف کو پیچھے کیا تھا۔ زر مش حیرانگی سے پھٹی پھٹی
نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے پیچھے کمرہ تھا۔ آریان
خانزادہ دوبارہ سے اس کی کلائی جکڑے اس کمرے میں

داخل ہوتے بک ریک والے دروازے کو آگے کرتے
اندر سے اب اس دروازے کو لاک کر گیا تھا۔
زرمش پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس چھوٹے سے سیلن زدہ
ڈارک سے ٹھنڈے کمرے کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی
ہیزل گرے آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ اس
کمرے کی وال پر ایک گلاس لگا ہوا تھا جس پر باہر سب

دکھائی دے رہا تھا۔ مگر باہر ایسا کوئی گلاس اسے دکھائی
نہیں دیا تھا۔

آریان خانزادہ نے قہر بارنگاہوں سے زر مش کو گھورا۔ یہ
اس کا سیکریٹ روم تھا جس کے بارے میں اس کی فیملی
تک کو نہیں پتہ تھا نہ کسی اور کو!! آج زر مش اس
سیکریٹ روم کے بارے میں جان چکی تھی جس کے

بارے میں وہ مر کر بھی کسی کو بتانا نہیں چاہتا تھا۔ سامنے
کھڑے اس نازک وجود سے اسے پہلے سے زیادہ نفرت
محسوس ہوئی تھی۔

وہ اسے قہر بار نگاہوں سے گھورتے ہوئے اپنی ٹراوڑر کی
زپر نما پاکٹ سے سگریٹ اور لائٹر نکالنے لگا۔

حیدر خان نے لاونج میں داخل ہوتے وہاں پڑے
صوفوں پر گولیاں برسائی تھیں۔ وہاں بنے بک شلف
سے مختلف بکس ایک ایک وائر لیس فون اٹھاتے زمین پر
پٹختے تھے۔

ایک ایک کمرے کی تلاشی لو!! ہر الماری ہر جگہ چپہ چپہ
چھان مارو۔ اس کی حویلی کو نیست و نابود کر دو۔ ایسا قہر

برپا کردو وہ آریان خانزادہ جہاں چھپا ہو باہر نکل آئے۔
حیدر خان حکمیہ لہجے میں غراتے حویلی کے مختلف کمروں
کی طرف بڑھا۔

حیدر خان کے درجنوں گارڈز آریان خانزادہ کی حویلی
میں پھیل کئے تھے۔ حیدر خان راہ میں آئی ہر چیز کو
ٹھوکر مار رہا تھا۔ آریان خانزادہ کے نمبر سے آدھی رات

کو کال آنا اس کے شک کو یقین میں بدل چکا تھا۔ زر مش
یہی ہے اس کا دل کہہ رہا تھا۔

حیدر خان نے آریان خانزادہ کے کمرے کی ایک ایک چیز
اٹھا کر پھینکتے توڑ ڈی تھی۔ اس کے فرنیچر پر گولیوں کی
برسات کر دی تھی۔ اس نے اندر داخل ہوتے وہ

scorpion کا شیشے کا باکس اٹھا کر پوری قوت سے
زمین پر مارا تھا۔

آریان خانزادہ اس کمرے میں بچھی کرسی پر بیٹھا سگریٹ
لبوں میں دبائے مٹھیاں بھینچے یہ شور شرابہ سن رہا تھا۔
اس کمرے میں سپیکر لگے تھے جہاں سے حویلی میں ہوئی
قدموں کی آہٹ بھی سنائی دے رہی تھی۔

زر مش گلاس وال پر ہاتھ جمائے باہر نگاہیں جمائے
ہوئے تھی۔ اسے سامنے صرف وہی حال دکھائی دے
رہا تھا جہاں سے وہ آئی تھی۔ مگر آوازیں اس کے لالا کی
تھیں۔

لالا!!! وہ کپکپاتے لبوں سے مدھم مدھم سا حیدر خان کو پکارتے
ہوئے گلاس وال سے باہر بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی

-
حیدر خان پاگلوں کی طرح ایک ایک کمرے کی تلاشی
لے چکا تھا۔ اسے کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔
حویلی بہت بڑی تھی۔ اس کے تمام گارڈز بھی ایک
کونے کی تلاشی لے چکے تھے مگر کہیں بھی آریان خانزادہ
نہیں تھا۔

حیدر خان جگہ جگہ گولیاں برساتے آگے بڑھا۔ وہ اب
اس ہال نما کمرے میں داخل ہوا تھا۔ زر مش حیدر خان کو
دیکھتے بے یقین ہوئی تھی۔

حیدر خان نے اپنی شال کندھوں پر جھٹکتے ہوئے سامنے
بنی بے حد خوبصورت بک ریک پر گولیوں کی برسات کی

لالا!!! زرمش نے روتے ہوئے اس گلاس وال پر ہاتھ

مارتے ہوئے اسے پکارا۔

آہسہ۔۔۔۔۔ حیدر خان چیختے ہوئے اس کمرے کی ایک

ایک چیز اٹھاتے ہوئے طیش و اشتعال سے پھینکتا جا رہا تھا

۔

لالا!! زرمش وال پر ہاتھ مارتے ہوئے حلق کے بل
چیخی تھی۔

آہسہ۔۔۔ حیدر خان اب اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے
درد و کرب سے چیخ رہا تھا۔

لالا!! زرمش اس گلاس وال پر پوری قوت سے ہاتھ
مارتے ہوئے ہڈیانی چیخی تھی۔

آہستہ۔۔۔ حیدر خان اپنے بال مٹھیوں میں دبوچتے
چھت کی طرف دیکھتے چیخ رہا تھا۔
لالا۔۔۔ میں ادھر ہوں! لالا ادھر دیکھیں لالا!!
زر مش پاگلوں کی طرح گلاس وال کی طرف ہاتھ مارتے
چیخ رہی تھی۔

یکدم آریان خانزادہ کا وحشت ناک قہقہہ اس سیلن زدہ
ڈارک کمرے میں گونجتا تھا۔

لالا! زرمش اس کا خوفناک قہقہہ سنتے ہوئے خوف سے
وال پر مزید تیزی سے اپنے ہاتھ کی ضربیں لگانے لگی۔
آریان خانزادہ کے فلگ شرکاف قہقے گونج اس ڈارک روم
میں گونج رہے تھے۔

لالا مجھے بچالیں اس وحشی درندے سے!! لالا مجھے بچا
لیں اس bloodthirsty beast سے۔۔ لالا
مجھے بچالیں۔ لالا اپنی زر مش کو بچالیں۔ وہ حیدر خان کو
دیکھتے ہذیانی چیخ رہی تھی۔۔

آریان خانزادہ قہقہے لگائے سگریٹ کا دھواں چھوڑتے
حیدر خان کو دیکھ رہا تھا۔ جو بے بسی سے چیخ رہا تھا۔

لالا یہاں دیکھیں میری طرف آپ کی زر مش یہاں ہے
۔۔ مم مجھے بچالیں اس خوفناک درندے سے۔ یہ وحشی
ہے لالا!!! یہ بہت خوفناک ہے لالا! مجھے اس درندے
سے بچالیں مجھے اس کے پاس ایک پل نہیں رہنا۔ مجھے
اس سے خوف آتا ہے۔ میری سانسیں رک جائیں گی

خان کے پاس بھی نہیں جانے کا کہوں گی۔ زر مش گلاس
وال سے نظر آتے حیدر خان کو دیکھتے ہذیانی چیخی۔
مقابل کے لبوں سے ساحر خان نکا نام سنتے آریان خانزادہ
کی آنکھوں میں خون کی لالی گہری ہوئی تھی۔
وہ کرسی سے اٹھتے ایک ہی جست میں اس تک بڑھتے
ہوئے اسے گردن سے دبوچتے سیدھا کرتے گلاس وال

سے لگا گیا۔

تمہارا لالا تمہیں یہاں سے کبھی نہیں لے کر جاسکتا جب
تک میں نہ چاہوں!! وہ تم تک کبھی نہیں پہنچ سکتا۔ اس
لیے اپنے گلے کو آرام دو!! اتنا چیخو گی تو آواز چلی جائے
گی مس خان!! آریان خانزادہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے
ایک ایک لفظ چباتے غرایا۔

میں پکاروں گی اپنے لالا کو!! وہ مجھے لے کر جائے گا۔
میرے لالانے مجھے ڈھونڈ لیا ہے۔ تمھاری حویلی کی ایک
یک چیز میرے لالانے تباہ کر دی۔ وہ مجھے لے جائیں
گے۔ زر مش اس کی سبز آنکھوں میں دیکھتے کپکپاتے
لبوں سے بولی۔

اچھالے جائیں گے بمھارے لالا پھر چیخو پکارو اسے۔۔ وہ
دیکھو سامنے کھڑا ہے۔ اریان خانزادہ اسے پچھلی گردن
سے جکڑے اس کا رخ گلاس وال کی طرف کر گیا۔
وہ گہرے سانس لیتے وال پر ہاتھ جمائے حیدر خان کو دیکھ
رہی تھی۔ جو چاروں طرف دیکھتے اب رو رہا تھا۔
چیخو!! آریان خانزادہ اس سے دور ہوتا دھاڑا۔

لالا!! زر مش حلق کے بل چیخنی تھی۔

اور اونچا چیخو! وہ غرایا تھا۔

لالا!! زر مش حلق کے بل پوری قوت سے چیخنی تھی۔

اور اونچا چیخو ناپاک وجود تاکہ تمہارے لالا تک تمہاری

آواز پہنچ جائے۔ رکنی نہیں چاہیے تمہاری آواز ورنہ

ہمیشہ کے لیے اس کمرے میں بند کر دوں گا۔ آریان

سگرٹ لبوں میں دبائے دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے
پھنکارا تھا۔

لالا!! لالا!! زر مش اپنی گردن پر ہاتھ رکھے بری طرح
چیخ رہی تھی۔ اس کا گلہ چیخنے دکھ رہا تھا۔ آواز بیٹھ رہی
تھی مگر وہ پھر بھی پکار رہی تھی۔ حیدر خان زمین پر

کھٹنوں کے بل بیٹھا چہرہ ہاتھوں میں چھپائے اب رو رہا
تھا۔

لالا!! میرا لالا!! مت روئیں ایسے! ورنہ میں مر
جاؤں گی۔

وہ اب گلاس وال پر ہاتھ جمائے زار و قطار رو پڑی
تھی۔۔۔

کوئی فرق نہیں پڑنے والا!!! کمھارے لالا تک نہ کمھاری
آواز جارہی ہے نہ تم دکھائی دے رہی ہو۔ آریان خانزادہ
نے حیدر خان کو یوں روتے دیکھ کر طمانیت سے
مسکراتے ہوئے سگریٹ کا دھواں لبوں سے خارج کیا
تھا۔

کک کیا مطلب؟؟؟ زر مش نے اس کی طرف مڑتے
ہوئے گلاس وال سے ٹیک لگائے ہچکی لیتے استفسار کیا۔
یہ کمرہ سیکریٹ ڈارک روم ہے۔ باہر سے کوئی اندر نہیں
آ سکتا۔ جب تک وہ اس بک ریک کی کی ہول کو کھولتے
اندر نہ آجائے۔ اور ایسا ہونا نہ ممکن ہے۔ نہ وہ کی ہول
کسی کو ملے گی نہ وہ اندر آ سکے گا۔ اگر کسی کو پتہ چل بھی

جاتا ہے وہ اس چابی کے بغیر اندر نہیں آسکتا۔ آریان
خانزادہ نے پینٹ کی پاکٹ سے چابی نکالتے ہوئے اس
کے سامنے لہرائی تھی۔۔۔ زر مش گہرے سانس لیتے بے
یقینی سے آریان خانزادہ کی باتیں سنتے اس کی ہاتھ میں
پکڑے وہ کی چین دیکھ رہی تھی۔۔۔

اور یہ دروازہ بلٹ پروف ہے یہ صرف اسی چابی کے
ساتھ کھل سکتا ہے۔ اسے توڑا نہیں جاسکتا۔ نہ ہی اس کی
چابی بنوائی جاسکتی ہے۔ یعنی یہ چابی نہیں تو تم اور میں ہمیشہ
کے لیے اس کمرے میں بند ہو سکتے ہیں۔ تمہیں اپنی
sary عمر اس جگہ پر اس boodthirst best
کے ساتھ گزارنی پڑے گی۔۔ سوات کی beauty

اس beast کے ساتھ اس بد صورت کمرے میں ہمیشہ
ہمیشہ کے لیے قید ہو جائے گی۔ آریان وہ چابی ہوا میں
اچھالتے ہوئے اسے بے باکی آنکھ مارتے ہوئے ہنساتھا۔
زر مش نے بد حواص ہوتے اسی لمحے اس کی طرف
بڑھتے اس کے ہاتھ سے وہ چابی جھپٹنا چاہی تھی۔ آریان
خانزادہ تیزی سے اپنا ہاتھ پیچھے کر گیا تھا۔

اتنا آسان ہے تم جیسی نازک سی لڑکی کا آریان خانزادہ
سے یہ چابی لینا کیا؟! وہ اس کی طرف استہزائیہ نگاہوں
سے دیکھتے غرایا۔

دو مجھے یہ چابی! مجھے اپنے لالا کے پاس جانا ہے۔ میں اب
ایک پل تمہارے ساتھ نہیں رہوں گی۔ زر مش نے
حلق کے بل چیختے ہوئے اس کی سینڈو جکڑی۔

کے ہاتھ سے چابی لینی چاہی۔ آریان زر مش کو گہری
نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اپنی مٹھی بند کر گیا تھا۔
لے لو چابی!! آریان خانزادہ نے اپنی بند مٹھی اس کے
سامنے کی۔ زر مش نے ہچکیاں لیتے ہوئے اس کی مٹھی
اپنے دونوں ہاتھوں سے کھولنے کی کوشش کی۔

آہسہ۔۔۔ وہ چیختے ہوئے اپنا پورا زور لگا کر اس کی مٹھی کو
کھول رہی تھی۔ جو چٹان کی طرح سخت دی۔ وہ اس کی
بند مٹھی کھولنے کے چکر میں بری طرح ہانپ رہی تھی۔
آریان خانزادہ دیوار سے ٹیک لگائے اسے مسکراتے
ہوئے گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ بے بسی کے احساس

سے وہ اب چیخ چیخ کر رو رہی تھی۔ آریان ہنستے ہوئے
دیوار سے سر ٹکائے آنکھیں موند گیا تھا۔
زر مش نے، بجکیوں سے روتے ہوئے جھکتے ہوئے اس کی
بند مٹھی پر اپنی پوری قوت لگائے دانت گاڑھے۔
آریان بند آنکھوں سے اب مسکرایا تھا۔ زر مش اپنی
پوری قوت سے اس کی بند مٹھی پر دانت گاڑھے ہوئے

تھی۔ مگر اس وحشی درندے اس چٹان کو وہ ایک انچ نہ ہلا
سکی تھی۔ زر مش نے مزید بے رحمی سے دانت
گاڑھے۔ خون اب اس کے حلق میں اتر رہا تھا۔ وہ وحشی
درندے کا خون اپنے حلق میں اتارنا نہیں چاہتی تھی۔
زُر مش نے اس کی مٹھی اپنے دانتوں سے آزاد کرتے
ہوئے خون زمین پر تھوکا۔

آریان خانزادہ نے آنکھیں کھولتے ہوئے اسے دیکھا۔ وہ
روتے ہوئے گہرے سانس لیتے اس کی بند مٹھی کو دیکھ
رہی تھی۔ جہاں خون کے قطرے چمک رہے تھے۔ اس
نے بہت بے دردی سے اسے کاٹا تھا۔ مگر مقابل کو کوئی
فرق ہی نہیں پڑا تھا۔

ویسے کیا نشان دیا ہے تم نے مجھے ایمپر یسیو!! بہت جی دار
ہو تم!! لو بایٹس دینا آتی ہے تمہیں ناپاک وجود! وہ اس
کی طرف دیکھتے استہزائیہ مسکرایا تھا
لو بایٹ نہیں ہے یہ hate bite ہے۔ زر مش حاکم
خان تم جیسے وحشی درندے کو مر کر بھی love bite
نہ کرے۔ میرے لیے تم اچھوت ہو۔ ناپاک خون ہو تم

میرے لیے آریان خانزادہ! وہ آریان خانزادہ کو نفرت
سے دیکھتے چیختی تھی۔

گلاس وال سے حیدر خان روتا ہوا اسے دکھائی دے رہا تھا
اور وہ اپنے لالا کو دیکھتے جیسے پاگل ہو چکی تھی۔ مقابل کے
ہاتھ میں چابی اس کے لیے اس کی سانسیں تھیں۔ جسے
پانے کے لیے وہ سب کچھ کر سکتی تھی

زر مش کی بات پر آریان خانزادہ کی رنگت سرخ
ہو نیتھی۔ آنکھوں میں خون کے ڈورے اترے تھے۔
اگر یہاں سے جانا چاہتی ہو یہ چابی چاہتی ہو تو تم مجھے لو
بایٹ کرو گی تو یہ چابی تمہیں مل جائے گی۔ وہ برفیلے
لہجے میں بولتے چابی اچھالتے ہوئے اسے مٹھی میں قید کر
کیا تھا۔

مر جاؤں گی ساری عمر تمہارے ساتھ اس کمرے میں قید
رہوں گی۔ مگر تمہیں love bite نہیں کروں گی۔
زر مش سرنفی میں ہلاتے پیچھے کی طرف قدم بڑھا گئی
تھی۔

آریان خانزادہ اسے خون آشام درندے کی مانند گھور رہا
تھا۔

آہستہ۔۔۔ حیدر خان اب چیختے ہوئے وہاں پڑے
سینٹرل ٹیبل پر ہاتھ مار رہا تھا۔ حیدر خان کے گارڈ بھی
ادھر آچکے تھے۔
وہ اسے روک رہے تھے۔ مگر حیدر خان کسی کے قابو میں
نہیں آ رہا تھا۔

زر مش دیوار کے ساتھ لگے سسکتے ہوئے حیدر خان کو
دیکھ رہی تھی۔

آریان خانزادہ نے حیدر خان کو دیکھتے ہنستے ہوئے
سگریٹ کا گہرہ کش لیا۔

سڑکوں کی زینت بنانا چاہتے تھے تم مجھے! ہر مرد کی اترن
بنانا چاہتے تھے۔ زر مش حاکم خان ہر مرد کی اترن تو بن

سکتی ہے۔ آریان فارس خاندانہ کی پر چھائی کو چھونا بھی
اپنی توہین سمجھتی ہے۔ وہ اس کی ہنسی پر پاگل ہوتے اس کی
طرف بڑھتے اس کی سینڈو مٹھیوں میں جکڑ گئی تھی۔
چٹاخ!! آریان خاندانہ کا تھپڑ اس کا وجود لمحوں میں ہلا چکا
تھا۔ وہ بری طرح لڑکھڑاتے ہوئے وہاں پڑے پرانے
سے سنگل بیڈ کے گدے پر گری تھی۔ آنکھوں کے

سامنے اندھیرا چھایا تھا۔

مقابل کا دوسرا تھپڑ پہلے تھپڑ سے بھی زیادہ جاندار تھا۔
اسے لگ رہا تھا اس کا گال کی سکن چھل چکی ہے۔ سر بری
طرح چکرا رہا تھا۔ مٹی سے اٹا ہوا گدا اس کی سانسیں بند
کر رہا تھا۔ مگر مقابل کے خوف سے وہ کھانس بھی نہیں پا
رہی تھی۔ وہ اس کے تھپڑ سے شدید ڈر چکی تھی۔ بدن

بچکولوں کی مانند لرز رہا تھا۔

آریان خانزادہ اس کی طرف بڑھتے اسے کندھے سے
جکڑے سیدھا کر گیا۔

مردوں کی اترن بننا ہے تمہیں ہاں؟! وہ اس پر جھکے پاگل
ہوتا چیخا تھا۔ زر مش اس کی سبز آنکھوں میں خوف سے
دیکھتے سر نفی میں ہلا گئی۔

آئندہ اپنی گندی زبان سے کسی غیر مرد کا نام لیا تو تمہیں
میں صرف اپنی اترن بناؤں گا اور مجھے سہن نہیں کر پاؤ گی
تم سمجھی تم !! وہ اس پر جھکے خون اشام درندے کی مانند
دھاڑا۔

زر مش خوف سے آنکھیں میچ گئی تھی۔ آریان اس کی بند
آنکھوں کو قہر بارنگا ہوں سے گھورتے ہوئے اٹھا تھا۔

حیدر خان اب باہر نہیں تھا۔ وہ خالی حال دیکھتے جبرے
بھینچ گیا۔

تمہارے لالا سے مل کر آتا ہوں میں۔ تب تک تم ادھر
رہو گی۔ آریان خانزادہ نے آگے بڑھتے دیوار پر لگے ایک
بورڈ میں سوچ کو گھمایا تھا۔ کمرے میں یکدم سردی کی
شدت بڑھ گئی تھی۔۔۔ اس ٹمپرچر میں تم ایک گھنٹہ ہی

زندہ رہ سکتی ہو!!! ایک گھنٹہ سے اوپر سمجھو! کمھاری
موت پکی۔۔۔ اس نے اس پر قہر آلود نگاہ ڈالتے ہوئے
غصے سے چابی نکالتے ہوئے دروازہ کھولتے چابی اپنے
ٹراوڑر کی پاکٹ میں ڈالی تھی۔ وہ اتنے غصے میں تھا چابی
اس کے ہاتھ سے چھوٹے بیڈ کے نیچے جا گری تھی۔ اس
جیسے انسان کو خبر نہیں ہو سکی تھی۔ مقابل کے لفظوں

سے اس کا دماغ جیسے تڑخ چکا تھا۔ رگوں میں دوڑتا خون
لاوا بنا تھا۔ وہ بھاری دروازہ کھولتے ہوئے باہر آیا۔ وہ
بلٹ پروف دروازہ آوٹ وینک لاک ہو چکا تھا۔
آریان خانزادہ اپنے سلکی بالوں میں انگلیاں پھیرتے
ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے اپنے ڈریسنگ
روم کی طرف بڑھا۔ زمین پر بکھرے اپنے کپڑوں سے

سیاہ hoodie اس نے اٹھائے ہوئے پہنی تھی۔
ڈریسنگ روم میں جنگل کی طرف کھلتے دروازے سے باہر
نکلے تیز تیز قدموں سے بھاگنے لگا۔ حیدر خان کی آنکھوں
میں ہار ایکھنے کا بھی اپنا مزہ تھا۔ اسے یہ ہار بے بسی دیکھنی
ہی تھی۔ جو برسوں پہلے فارس خان کی آنکھوں میں
تھی۔

وہ برستی بارش hoodie کی کیپ اپنے سر پر لیتے
پوری قوت سے بھاگنے لگا۔ حیدر خان سے باہر آنے
سے پہلے اسے حیدر خان تک پہنچنا تھا۔

شہرام خان نے بہارے کو پیچھے سے اپنے حصار میں لیتے

اپنے گرم ہاتھ لمبل کے اندر کرتے اسے خود کے ساتھ
لگایا تھا۔ جو سنگل گرم کمبل خود پر لپیٹے گلاس ونڈوسے
باہر دیکھ رہی تھی۔ شہرام خان بہت نرمی سے خود کے
ساتھ لگائے اس کی کان کی لو کو چومتے ہوئے اس کے
بالوں پر لب رکھتے گلاس ونڈوسے نظر آتے بہتے دریا پر
نگاہیں جما گیا تھا۔ بہارے گلابی ہوتی مسکرائی تھی۔

میری بہارے!! مجھے دیکھ کر میرے لمس سے
nausea تو نہیں ہو رہا۔ میرے قریب آنا برا تو نہیں
لگ رہا۔ شہرام خان نے بھاری آواز میں پوچھا تھا۔
بہارے اس کا گرم ہاتھ غصے سے اپنے پیٹ سے جھٹکتے
ہوئے اس کی طرف پلٹی تھی۔ کمبل زمین بوس ہوا تھا
جسے وہ زمین سے اٹھاتے غصے سے خود پر لپیٹ گئی تھی۔

رنگت خفت و شرم سے سرخ ہوئی تھی۔ عارضِ تپ کر
قندھار ہوئے تھے۔

شہرام خان اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے
گہری نگاہوں سے سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔
وہ اپنی خفت و شرم پر قابو پاتے اسے غصے سے دیکھ رہی
تھی۔

کیا ہوا کس بات پر آنکھوں میں شرارے دہک رہے
ہیں؟!۔ کمبل زمین بوس ہونے پر یا پھر میرے سوال پر؟
شہرام خان نے آئی برواچکائے تھے۔
شہرام خان رات سے یہ سوال کتنی مرتبہ پوچھ چکے ہو مجھ
سے؟؟ اگر تمہارے چہرہ تمہارا لمس مجھے برا لگتا تو رات
سے اس کمبل میں نہ ہوتی۔۔ بہارے کی بات پر شہرام کا

قہقہہ بلند ہوا تھا۔

بولوناں چپ کیوں ہو گئی کہ تم نے اس کمبل کے نیچے کچھ
نہیں۔۔۔ شہرام خان بات ادھوری چھوڑتے اس کے
کمبل میں ہاتھ ڈالتے اسے اپنے قریب کر چکا تھا۔
بہارے سرخ ہوتے کمبل کو سینے سے جکڑے ہوئے
تھی۔

بہت ضدی ہو شہرام خان!! رات سے منمنائیاں کر
رہے ہو۔ بہارے کمبل کے اندر سے اس کے ہاتھوں کی
گستاخیاں بمشکل برداشت کرتے پھولتی سانسوں سے
بولی۔ اس کی گہری شرارتیں اس کی سانس پھلا چکی تھی
ضدی تم تم بھی ہو!! اپنی ہر ضد مجھ سے منوالیتی ہو
میری بہارے!! یہاں تو اب تمہاری مرضی نہیں چل

سکتی۔ وہ بھاری آواز میں بولتے اسے اپنی گود میں اٹھائے
بیڈ کی طرف بڑھاتا تھا۔ بیڈ پر پتیاں ابھی بھی بکھریں
تھیں۔ پھولوں کی لڑیاں چاروں طرف ابھی بھی بیڈ کو
سجائے ہوئے تھیں

وہ اسے نرمی سے لٹاتے وہ کمبل اس کے وجود سے علیحدہ
کر گیا تھا۔ بہارے شرم سے سرخ پڑتے شہرام کے

چوڑے سینے میں سمائی تھی۔ وہ اسے بے باک گہری
نگاہوں سے دیکھتے شنیل کی رضائی خود پر اور اس پر کرتے
اس کے لبوں کو اپنی دسترس میں لیے ان پر قفل لگا گیا
تھا۔

اس کی سانسوں کو بے ترتیب کرتے اسے آزادی دیتے
اس کا رخ پلٹے ہوئے اس کی کمر کو چومنے لگا۔ وہ اس کی

سائیڈ گردن پر آتے ہوئے اس کی کان کی لو کو اپنی گرم
سانسوں سے جھلسانے لگا۔

اب مجھے بتاؤ کون سی کون سی اپنی ضد پوری کرتا ہوں۔
کہاں مجھ سے غلطی ہوئی تاکہ میں اپنی بہارے کا آئندہ
دل نہ دکھاؤں۔۔۔ شہرام تکیے پر ہوتے اسے اپنے اوپر کر
کیا تھا۔

تم نے مجھ پر ہاسپٹل جانے پر پابندی کیوں لگائی؟!۔ جب
وہ ہسپتال میرے لیے بنایا ہے۔ بہارے نے اس کی
آنکھوں میں جھانکتے شکو و کناں لہجے میں استفسار کیا۔
میری بہارے وہ ہسپتال تمہارا ہے۔ پابندی نہیں لگائی نہ
کبھی لگاؤں گا۔ صرف بہرام کی وجہ سے تمہیں روکا تھا۔
وہ تمہارا فیڈ کرتا تھا۔ بہرام کی مرتبہ تم آٹھ مہینے تک

ہسپتال آتی رہی۔ منع کیا کیا بھی سمجھیں میری جان؟!
شہرام نے جواباً استفسار کیا تھا۔ بہارے اس کی آنکھوں
میں دیکھتے نفی میں سر ہلا گئی تھی۔

بہت بڑے عہدوں پر عورتیں بچے کی پیدائش کے بعد
ایک ایک سال کی چھٹی لیتی ہیں۔ اور جن کمپنیوں میں کام
کرتی ہیں وہ خود انھیں چھٹی دیتی ہیں۔ ہمارے ہسپتال کا

بھی یہی رول ہے۔ زچگی کے بعد ہر لیڈی ڈاکٹر کو نو مہینے
تک چھٹی دی جاتی ہے اور اس دوران انہیں مکمل تنخواہ
بونس کے ساتھ دی جاتی ہے۔ کیا غلط کیا تمہارے ساتھ
میری بہارے؟! شہرام خان کی بات پر وہ لب کاٹتے
نظریں جھکا گئی تھی۔

میری طبیعت ایسی ہے شہرام ہر سیدھی بات بھی ٹھیک

نہیں لیتی۔ آئی ایم سوری!! بہارے خفت زدہ سی
مسکرائی تھی۔

آئی ایم سوری ٹو میری جان!!! اس دوران میں تمہیں
سمجھا نہیں تمہارے احساسات کو سمجھا نہیں۔ شہرام نے
اس کی ہتھیلی چومتے ہوئے اسے اپنے سینے سے لگایا تھا۔
تمہیں زیادہ بچے پسند ہیں شہرام!!! بہارے نے اس کے

سینے پر براؤن بالوں کو مٹھیوں میں بھرتے ہوئے پوچھا۔
پٹھان ہوں میرا دل کرتا ہے ہر سال ایک بچہ تو ہو!! وہ
بہارے کا چہرہ اٹھاتے ہوئے اسے بے باکی سے آنکھ مار گیا
تھا۔

لیکن تم رات کو کہہ رہے تھے تمہیں دو ہی بچے چاہیے۔
بہارے نے لب کاٹتے ہوئے پوچھا تھا۔

سینے پر براؤن بالوں کو مٹھیوں میں بھرتے ہوئے پوچھا۔
پٹھان ہوں میرا دل کرتا ہے ہر سال ایک بچہ تو ہو!! وہ
بہارے کا چہرہ اٹھاتے ہوئے اسے بے باکی سے آنکھ مار گیا
تھا۔

لیکن تم رات کو کہہ رہے تھے تمہیں دو ہی بچے چاہیے۔
بہارے نے لب کاٹتے ہوئے پوچھا تھا۔

کیونکہ تم دوہی پیدا کر سکتی ہو!! شہرام نے مایوسی سے سر
ہلایا۔

اگر تم کہو گے تو میں زیادہ بچے پیدا!
شش۔۔۔ شہرام اس کے لبوں پر انگلی جما گیا تھا۔۔۔
میری بہارے!! کبھی نہیں چاہا تم میری وجہ سے کبھی
سیکریفایز کرو!! تم اپورٹنٹ ہو مجھے۔۔۔ مجھے زیادہ بچے

نہیں اپنی بہارے کی صحت اس کی محبت اس کی کئیر
چاہیے۔ جانتی ہوناں بہرام نے کچھ ماہ میری کن کن
چیزوں پر حق جتایا ہے۔ شہرام ذو معنی انداز میں کہتے بے
باک شرارت کر گیا تھا۔
اور تمھاری ایک غلطی کی وجہ سے وہ اپنے حق سے محروم
ہو گیا۔ جانتے ہوناں۔ بہارے کی بات پر وہ خاموش ہوا

تھا۔

یہ غلطی نہیں میری بہارے!! رحمت آرہی ہے۔ میری
چھوٹی بہارے آرہی ہے۔ شہرام کی بات پر وہ مدھم سا
ہنستے ہوئے اس کے سینے میں سمائی تھی۔
اگر چھوٹی بہارے نے میرا جتنا تھیں ستایا تو کیا کرو گے
تم؟؟ بہارے نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

شدید محبت کروں گا جیسے تم سے کرتا ہوں۔ شہرام رخ
پلٹے اس پر حاوی ہوا تھا۔

شہرام !! بہرام رو رہا ہو گا اب چلیں۔ بہارے نے
گھبراتے ہوئے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھے اسے آگے
بڑھنے سے روکا تھا۔

بہرام مورے کے پاس بہت خوش ہے۔ اس لیے یہ دو

دن صرف میرے!! کمھارے وجود پر اب یہ دودن
کمبل بھی نہیں ہوگا۔ وہ اس پر جھکتے ہوئے اس کی
سانسوں کو انہیل کرتے اپنی شدتیں اس پر بے حد نرمی
سے ڈھانے لگا تھا۔ بہارے سکون سے آنکھیں موند گئی
تھی۔ یہ تھا اس کا شہرام خان جو سب کے لیے پہاڑوں کی
طرح سخت تھا۔ مگر اس کے لیے یہاں کے دریاؤں کی

طرح میٹھا اور ٹھنڈا شفاف!!۔ وہ بند آنکھوں سے آنسو
بہاتے شہرام خان کے ساتھ چپکی تھی۔

جورات سے اسے بے حد نرمی سے چھو رہا تھا۔ اس خود
میں سماتے ساری رات اسے نرمی سے چومتا رہا تھا۔
جو اس کے قدموں میں بیٹھ کر آج بھی معافی مانگتا تھا۔ جو
اسے ہاتھ کا چھالہ بنا کر رکھتا تھا۔ کیا شہرام خان جیسا

انسان ہو سکتا تھا۔ جو اپنی بیوی کے لیے اتنا نرم ہو۔ اتنا
میٹھا ہو!!! بہارے یکدم روتے ہوئے اس میں سمائی
تھی۔ وہ پریشان ہوتے اسے ریلیکس کرتے اس کے اوپر
سے پیچھے ہٹا تھا۔ بہارے کے رونے کی شدت میں
آضافہ ہوا تھا۔ وہ اسے خود سے دور ہونے سے منع کرتے
اس کے گلے میں با نہیں جمایل کر چکی تھی۔

کچھ نہیں ہوا تمھاری بہارے کو!! جو تمھارا حق ہے اب
کبھی اس حق میں بہارے خان کو تا ہی نہیں کرے گی۔ یہ
دو تو کیا میں ہر پل تمھارے سینے میں سماتے تمھاری
دھڑکنوں کو سننا چاہوں گی۔ بہارے مسکراتے ہوئے
شہرام خان کے عنابی لبوں کو اپنے لبو؟ میں دبا گئی تھی۔ وہ
بھی جو اب اس کی نرم گرم شدت میں اس کا ساتھ دینے

رمز عشق

تحریر نور آصف

قسط 3 last part

آریان خانزادہ سیاہ hoodie پہنے بھاگتے ہوئے
جنگل کا راستہ عبور کرتے اپنی رست و اوج پر نگاہیں
جمائے ہوئے تھا۔

اسے حیدر خان کے باہر آنے سے پہلے داخلی دروازے
سے اندر داخل ہونا تھا۔ وہ اپنی پوری فورس لگائے بھاگ
رہا تھا۔

حیدر خان اپنے گارڈز کے ہمراہ تیز تیز قدموں سے
داخلی دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ آریان خانزادہ کی
حویلی بہت بڑی تھی۔ مگر وہ اس کا چپہ چپہ چھان چکے

تھے۔ کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں اس نے اور اس کے
گارڈز نے تلاشی نہ لی ہو۔ مگر زر مش کا کوئی سراغ نہیں
ملا تھا۔ حیدر خان کا ہاتھ شدید زخمی ہو چکا تھا۔ ہاتھ سے
خون بہتا سفید ماربل کو داغ دار کر رہا تھا۔ وہ پسٹل ہاتھ
میں پکڑے تیز تیز قدموں سے آریان خانزادہ کی حویلی

عبور کر رہا تھا۔ زر مش کہاں بھی آخر؟! یہی سوچیں
اس کے بھاری اعصابوں سے جکڑے ہوئے تھیں۔
اس وقت حیدر خان کا پورا وجود زلزلوں کی زد میں تھا۔
پورے وجود کی رگیں ظاہر ہو رہی تھیں۔ وہ اور اس کے
گارڈز داخلی دروازے کی طرف تیزی سے بڑھے۔
حیدر خان نے ایک بار پھر سے اس بند بے حد بھاری

دروازے پر گولیوں کی برسات کر ڈالی تھی۔ وہ اپنے
ہاتھ میں پکڑی دونوں پسٹلز سے اس لکڑی کے
دروازے پر بے دردی سے گولیاں برسا رہا تھا۔
داخلی دروازے کے باہر کھڑا آریان خانزادہ آسمان کی
طرف دیکھتے وحشت برساتے قہقہے لگا رہا تھا۔

جب بات عزت پر آتی ہے تو ایسے ہی دل کرتا ہے آسمان
سے زمین تک گولیوں کی برسات کر دی جائے۔ گولی
اپنے ہی سینے پر مار دی جائے۔ پنکھے سے لٹک کر اپنی جان
دی دی جائے۔۔۔۔۔ آہسہ۔۔۔۔۔ آریان خانزادہ آسمان کی
طرف دیکھتے اب درد کرب سے چیخا تھا۔

وہ آسمان کی طرف دیکھتے چیختا جا رہا تھا۔ اندر کھڑا حیدر
خان دروازے پر گولیاں برسار رہا تھا۔

زر مش اس ڈارک ٹھنڈے روم میں بیڈ پر اونڈھے منہ
لیٹے گولیوں اور آریان کی چیخوں کی آواز سنتے اپنے منہ پر
ہاتھ رکھے اپنی سسکیوں پر قابو پائے آنکھیں میچے ہوئی
تھی۔ وہ گولیوں کی آوازوں سے زیادہ آریان خانزادہ

کی چیخوں سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ پورا سر بری
طرح جھنجھنارہا تھا۔ اتنا درد اس کے پورے وجود میں
اٹھ رہا تھا کہ ناقابل برداشت تھا۔ اس کا ایک مارا ہوا
تھپڑ اس کے پورے وجود میں درد ہی درد سرایت کر گیا
تھا۔

حیدر خان داخلی دروازہ کھولتے اپنے گارڈز سمیت باہر
آیا۔ سامنے کھڑے آریان خانزادہ کو دیکھ کر اس کے
بھاری قدم رکے تھے۔

حیدر خان کے گارڈز نے اسی لمحے آریان خانزادہ پر اپنی
بندوقیں تانیں۔

کوئی گولی نہیں چلائے گا۔ اس سے پہلے وہ آریان خانزادہ
پر فائر کرتے حیدر خان حلق کے بل دھاڑا تھا۔
اس کی دھاڑ پر آریان خانزادہ کا بلند و بانگ قہقہہ گونجتا تھا۔
حیدر خان نے خون اتری آنکھوں سے سامنے کھڑے
انسان کو دیکھا جو اس کی طرف دیکھتے قہقہے لگا رہا تھا۔

حیدر خان اسے خوشخوار نگاہوں سے گھورتے ہوئے اس
کی طرف بڑھا۔ آریان خانزادہ اپنی hoodie کی
کیپ اتارتے ہوئے اپنے سلکی بھیگے بالوں کو جھٹک دیتے
حیدر خان کی طرف بڑھا۔

دونوں ایک دوسرے کو خوشخوار نگاہوں سے دیکھتے ایک
دوسرے کی طرف بھاری قدموں سے بڑھ رہے

تھے۔

حیدر خان کے گارڈز آریان خانزادہ پر بند و قیں تانے
کھڑے تھے۔ آریان خانزادہ خود پر بند و قیں تنی دیکھ
کر اور حیدر خان کے ہاتھ سے ٹپکتا خون دیکھ کر
استہزائیہ مسکراتے ہوئے حیدر خان کی طرف بڑھ رہا
تھا۔ طوفان کی شدت میں اضافہ ہوا تھا۔ بجلی کی کڑک

میں بتدریج آضافہ ہو رہا تھا۔ دور لسی پہاڑ کی لینڈ
سلاینڈنگ ہوئی تھی۔ اس کی گرج دار آواز پر آریان
خانزادہ کی حویلی لرزاٹھی تھی۔

حیدر خان اور آریان خانزادہ ایک دوسرے پر قہر بار
نگاہیں گاڑھے آگے بڑھے۔ اتنی خوفناک آوازوں اور
قہر برپے طوفان کا دونوں پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

مگر اس ڈارک روم میں نازک وجود شدت سے لرز رہا
تھا۔ یہ طوفان اس کی جان نکال رہا تھا۔ وہ بری طرح
کپکپاتے اپنی سانسوں تک کو روکے ہوئے تھی۔
آریان خانزادہ اور حیدر خان ایک دوسرے کے
مد مقابل اب کھڑے ایک دوسرے کی آنکھوں میں
اپنی خون اشام نگاہیں گاڑھے ہوئے تھے۔

ایسی کیا قہر برپا ہو گیا حیدر حاکم خان کی زندگی میں کہ اس
قہر برپا طوفان میں حیدر حاکم خان کو آج اپنے قدموں کا
رخ آریان خانزادہ کی حویلی کی طرف موڑنا پڑا۔
آریان خانزادہ نے حیدر خان کی آنکھوں میں آنکھیں
گاڑھے استھڑائیہ لہجے میں پوچھا۔

سمیں میرا نام پتہ ہے تو یہ بھی پھر پتہ ہوگا آج میرے
قدم اس حویلی میں کیوں پڑھے؟؟۔ حیدر خان غراتے
ہوے اپنی پسنل کی نوک آریان خانزادہ کی گردن پر رکھ
کیا تھا۔

حیدر خان کے ایکٹ پر آریان خانزادہ کا گرج دار قہقہ بلند
ہوا۔ وہ پھر سے حیدر خان کی طرف دیکھتے قہقہ لگا رہا تھا۔

حیدر خان کے گارڈز آریان خانزادہ کو طیش و اشتعال
سے گھورتے ہوئے آریان خانزادہ کی طرف بڑھے۔
حیدر خان ہاتھ کے اشارے سے انھیں آگے بڑھنے سے
روک چکا تھا۔

آریان خانزادہ نام ہے میرا!! پہاڑوں میں رہنے والا
ہوں میں!!

میری حویلی میں مٹھی بھی پر مارے مجھے خبر ہو جائے یہ تو
سوات کے ہوٹلوں کا مالک حیدر حاکم خان اپنے درجنوں
گارڈز لے کر میری حویلی میں داخل ہو گا مجھے نہیں پتہ
چلے گا۔ آریان خان زادہ نے حیدر خان کو گھورتے لفظ
چبائے تھے۔

اگر سمجھیں یہ معلوم ہے کہ میں تمھاری حویلی داخل ہوا
ہوں یہ بھی معلوم ہو گا کیوں داخل ہوا ہوں؟؟۔ حیدر
خان نے اپنی پسٹل کے ٹریگر پر انگلی کا دباؤ بڑھایا۔
اس پسٹل سے مت ڈراؤ حیدر حاکم خان!! یہ میرے
لیے ہتھیار نہیں کھلونے ہیں۔ اگر مجھے تمھارے ان
کھلونوں سے ڈر لگتا تو میرے ہاتھ میں بھی یہ کھلونا ہوتا۔

دیکھ لو حیدر حاکم خان تم ان ہتھیاروں سے مزین ان
درجنوں گارڈز کے ہمراہ میری حویلی داخل ہوئے۔ مگر
میں نہتا تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔ مجھے اپنے دشمن کو
مارنے کے لیے ان کھلونوں کی ضرورت نہیں پڑتی۔
آریان خانزادہ استھزائیہ مسکراتے ہوئے حیدر خان
کے ہاتھ سے پسل چھینتے ہوئے ہوا میں اچھالتے دور

پھینک چکا تھا۔ ایک دفعہ پھر سے حیدر خان کے گارڈز
آگے بڑھے تھے۔

رک جاؤ ادھر ہی !! حیدر خان دھاڑا تھا۔
گارڈز حیدر خان کے حکم پر ادھر ہی رکے تھے۔
جواب دو مجھے میری بات کا آریان خانزادہ؟؟ حیدر خان
اس کی سبز آنکھوں میں دیکھتے طیش والہ سے گرجا اٹھا

تھا۔

بات تو یہی ہے اگر تم سمجھو حیدر حاکم خان میں اپنے
دشمنوں کو مارنے کے لیے گولی کا نہیں دماغ کا استعمال
کرتا ہوں۔ آریان خانزادہ نے مسکراتے ہوئے اپنی کنپٹی
پر انگلی بجائی تھی۔

وہ میرے دماغی ٹھیل سے ہی مر جاتا ہے اگر اس کی
سانسیں بچ جائیں تو میں اپنے ہاتھ سے اس کا ٹینٹو ادا دیتا
ہوں۔ آریان خانزادہ گر جتے ہوئے حیدر خان کی
گردن اپنے ایک ہاتھ سے جکڑ گیا تھا۔ حیدر خان بھی
جوا بآریان خانزادہ کی گردن جکڑتے ہاتھ کے اشارے
سے گارڈز کو آگے بڑھنے سے روک چکا تھا۔

دونوں ایک دوسرے کی گردن کو خطرناک حد تک
دبوچے ایک دوسرے کو سرد سرخ نظروں سے گھور
رہے تھے۔۔ دونوں کے چہرے بے انتہا سرخ ہو رہے
تھے۔ سانس بری طرح پھول رہی تھی۔ مگر وہ ایک
دوسرے پر اپنی گرفت کم نہیں کر رہے تھے۔

سیدھی بات کرو حیدر حاکم خانزادہ!! بڑا ٹیڑھا بندہ ہوں
مگر بات سیدھی سمجھ آتی ہے۔ بتاؤ کیا پوچھنا چاہتے ہو؟!
کیوں میری حویلی میں یوں دندناتے آدھی رات کو
داخل ہوئے؟؟ وہ پھولتی سانسوں سے بولتے اپنی
کردن ایک جھٹکے سے حیدر خان سے چھڑواتے اس کی
کردن چھوڑ چکا تھا۔

دونوں اپنی اپنی گردن اپنے ہاتھوں سے جکڑے اب
گہری سانسیں بھرتے بری طرح کھانس رہے تھے۔
تم اچھی طرح جانتے ہو میں کیا کہہ رہا ہوں؟؟ کہاں ہے
میری بہن؟؟ حیدر خان نے چیختے ہوئے اس کی طرف
بڑھتے آریان خانزادہ کے گریبان کو جکڑے اس کے
جکڑے پر پوری قوت سے مکہ مارا تھا۔ جسے آریان خانزادہ

اپنی چوڑی ہتھیلی میں قید کر گیا تھا۔ وہ حیدر خان کا مکہ
اپنی چوڑی ہتھیلی میں قید کیے ماتھے کی پھولتی رگوں کے
ساتھ حیدر خان کو اب گھور رہا تھا۔
تمھاری بہن میرے پاس ہوتی تو اس وقت وہ تمھیں
میری حویلی سے ضرور ملتی اور میں تمھارے سامنے یوں

نہ آتا حیدر حاکم خان! آریاں خانزادہ غراتے ہوئے پیچھے
کو ہوتے اپنی hoodie اتار گیا تھا۔

حیدر خان اسے دیکھتے جڑے بھینچ گیا تھا۔ جو سیاہ سینڈو
اور سیاہ ٹراؤزر میں اس کے سامنے کھڑا اپنی باڈی کی
نمائش کر رہا تھا۔ حیدر خان کی قہر بارنگاہیں اس کی باڈی
پر تھیں۔ اس کی باڈی ایک ریسلر کی طرح تھی۔ اس کے

بازوؤں کے مسلز اور اس کی سینڈو سے اس کے ایپس
نمایاں ہوتے بتا رہے تھے وہ کتنا طاقتور ہے۔
کیلفورنیا کاریسلر ہوں میں!! تم جیسوں کو ایک انگلی سے
ہی مٹچ کر رکھ دیتا ہوں۔ تمہاری بہن کہاں ہے مجھے نہیں
پتہ؟؟ جاؤ تلاش کرو اسے صبح جگم پر؟؟ سوچو تمہاری

بہن کس کے پاس ہے؟؟ میرے پاس ہوتی تو سمجھیں
یہاں سے مل جاتی! آریان خانزادہ طیش و الم سے گر جا۔
یہ نمبر تمہارا ہے؟؟ جہاں سے مجھے ادھی رات کو کال
آئی تھی؟! بتاؤ میری بہن کہاں ہے؟؟ حیدر خان نے
اپنا موبائل نکال کر اس کے نمبر پر آئی ہوئی کال اسے
دکھائی تھی۔

یہ نمبر میرا ہے مگر کرنے والا میں نہیں ہوں حیدر
خان!! آریان خانزادہ نے استھزائیہ مسکراتے ہوئے
سرنفی میں ہلایا تھا۔
کیا مطلب تم نہیں تھے یہی تو جاننا ہے مجھے؟؟ حیدر خان
طیش والہ سے گر جاتا تھا۔

حیدر حاکم خان تم سوات کے ہوٹلوں کے مالق ہو۔ مگر
دماغ تمہارے پاس بالکل نہیں ہے۔ اسی کال کو بنیاد بنا کر
تم میری حویلی میں گھس آئے!! ایک کال میری
صرف ایک کال میری!! ایک بیان میڈیا پر۔ ایک بیان
میڈیا پر تمہاری عزت کے برنجے اڑا دے گا۔ تم ایک
سوات کے خانزادہ نہیں بلکہ کیلفورنیا کے ریسلر اور ایک

عزت دار شہری کی حویلی میں آدھی رات داخل ہوے
ہو۔۔ یہاں تم اپنی بہن کی تلاش میں آئے۔ مگر اندر
میری عزت بھی ہو سکتی تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو حیدر خان
میں تمہارے اور تمہارے گارڈز کی اپنے جنگل میں
قبریں کھودتا۔ آریان خانزادہ چیخا تھا۔

جواب دو آدھی رات کو کیوں کال کی میرے نمبر پر؟؟

حیدر خان بھی جوابا چچا تھا۔

میں تمہیں جواب ہر گز نہ دیتا!! مگر تمہاری کنڈیشن
میں سمجھتا ہوں۔ جب بات کسی کی جوان بہن پر آئے تو
انسان پاگل ہو کر اپنے ہوش کھو دیتا ہے۔ جیسے تم نے کھو
دیے۔

مجھے سچ میں تمھارے ساتھ ہمدردی ہے۔ بات عزت
کی ہے۔ اور میں ٹھہرا تمھاری طرح ایک خان تمھاری
تکلیف سمجھ سکتا ہوں تم پر کیا گزر رہی ہو گی۔ جب جب
تم اپنی بہن کے بارے میں سوال کرتے ہو تمھارا دل
کرتا ہو گا کسی پہاڑ سے کود جاؤ یا پھر پستل سے خود کا نشانہ
لے لو یا پھر پنکھے سے لٹک کر خود کشی کر لو!!! آریان

افسوس میں سر ہلاتے سنجیدگی سے بولا تھا۔ حیدر خان
اس کی باتیں سنتے مٹھیاں دبوچے بمشکل خود پر قابو پائے
ہوئے تھا۔

آریان خان زادہ وہ نہیں تھا جو نظر آ رہا تھا۔ زر مش جب
تک مل نہیں جاتی تھی وہ مقابل کا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔
اس وقت حیدر خان کو اپنی بہن کے علاوہ کچھ عزیز نہیں

تھا۔ اپنی عزت بھی نہیں۔۔۔ ورنہ وہ اپنی بندوق کی
گولیاں ضرور اس syco انسان کے سینے میں اتار
دیتا۔ حیدر خان آریان خانزادہ کو گھورتے گہرے سانس
لیتے اپنی رگوں میں بھڑکتے خون کو کنٹرول کرنے کی
کوشش کر رہا تھا۔

سنو میری بات حیدر خان اس رات سمجھیں کیوں کال
کی؟!۔ میں اس رات اپنے چند دوستوں کے ساتھ
تمہارے گرینڈ ہوٹل کے نزدیک تھا۔ برف باری اور
لینڈ سلائیڈنگ کی وجہ سے سارے راستے بند تھے۔
ٹورسٹ کی وجہ سے تمام ہوٹل بھی تقریباًًً فل تھے۔
تمہارے ہوٹل کی بکنگ کے لیے میں نے کال کی۔ مگر

نیٹ ورک کے ایشو کی وجہ سے تم سے بات نہیں ہو
سکی۔۔ وہ حیدر خان کے مقابل آتے اس کی آنکھوں
میں آنکھیں گاڑھے مسکراتے ہوئے بولا۔
یقین نہیں آ رہا تو یہ دیکھو۔ یہ تمہارے ہوٹل کی بکنگ کی
receipt۔۔ آریان نے اپنی پاکٹ سے موبائل
نکال کر اسے اوپن کرتے اس کے سامنے لہرایا۔ اگر

یقین نہیں آ رہا جا کر معلومات کرو اس رات میں کہاں
تھا۔ تمہارے گرینڈ ہوٹل کے کمرے میں اپنے
دوستوں کے ساتھ تھا۔

حیدر خان گہرے سانس لیتے بے یقینی سے دیکھ رہا تھا۔
یہ آریان خانزادہ کے نام کے چیک ان کی receipt
تھی۔

اگر یقین نہیں آرہا ہو ٹل میں کیمرے تو لگے ہوں گے وہ
چیک کر لو میں تمہیں ضرور دکھائی دوں گا ان کیمروں
میں !! آریان خانزادہ سرد برفیلے لہجے میں بولتے حیدر
خان کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑتے اپنا موبائل پاکٹ
میں ڈال گیا۔

حیدر خان دانت پر دانت جمائے آریان خانزادہ کو دیکھ
رہا تھا۔ اسے ابھی بھی آریان خانزادہ پر یقین نہیں آیا
تھا۔ وہ گہرے سانس لیتے بے بسی سے آریان خانزادہ کو
دیکھ رہا تھا۔ زر مش کی زندگی نے حیدر خان کے ہاتھ
باندھ دیے تھے۔

تم پر ترس آرہا ہے حیدر خان!! میں بھی تمہاری جگہ پر
ہوتا تو شاید یہی کرتا۔ وہ اس کے کان میں جھکے مدھم سی
سرگوشی کر گیا تھا۔ مگر سوال یہ ہے میں تمہاری جگہ پر
ہوتا کیوں؟؟ اپنی عزت کو کیسے قابو کیا جاتا ہے وہ مجھے پتہ
ہے۔ وہ اس کے کان میں جھکے غراتے ہوئے قہقہہ لگا گیا
تھا۔

حیدر خان اس کی بات پر پاگل ہوتے اپنے ہاتھ میں
پکڑی دوسری پستل اس پر تانے ہوئے گارڈز کو اشارہ کر
گیا۔ وہ حیدر خان کے اشارے پر آگے بڑھتے آریان
خانزادہ کو اپنے حصار میں لے چکے تھے۔
آریان خانزادہ کے مزید فلگ شگاف قہقے گونجے تھے۔
حیدر خان سرخ آنکھوں سے اسے قہقے لگاتا دیکھ رہا تھا۔

چلاؤ گولیاں اس پر!! حیدر خان خود پر قابو کھوتا طیش و
الم سے گر جا۔

اس سے پہلے آریان خانزادہ پر گولیاں چلتی۔۔ چاروں
طرف سے گولیوں کی برسات ہوئی تھی۔ حیدر خان اور
اس کے گارڈ بوکھلا کئے تھے۔ گولیاں ان کے آس پاس آ
کر لگ رہی تھیں۔

آریان خانزادہ حیدر خان کو دیکھتے پر سر رایت سے
مسکرایا تھا۔ جنگل اور گیٹ کو پھلانگتے ہوئے یکدم بہت
سے گارڈاندر داخل ہوتے حیدر خان اور اس کے گارڈز
کو اپنے حصار میں لے گئے تھے۔
آریان خانزادہ اب گہرا مسکراتے ہوئے تمسخراتی
نگاہوں سے حیدر خان کو دیکھ رہا تھا۔

میں اپنے ساتھ گارڈز بھی نہیں رکھتا۔ مگر کیا کروں
جب بات میری عزت پر آجائے تو میں وہ سب کر سکتا
ہوں جس سے مقابل کو مات دی جائے۔ یہ حویلی نہیں
آریان خانزادہ کے لیے اس زندگی ہے۔۔۔ یہاں ہر
کونے میں میرے رشتوں سے جڑی یادیں ہیں۔ جہاں
تم نے اپنے ناپاک قدم رکھے!! جی تو کر رہا ہے تجھے

موت کے گھاٹ اتار کر اپنی حویلی کی مٹی میں دفنادوں۔
مگر تمہارا وجود اپنی حویلی کے مٹی کے نیچے بھی گوارا
نہیں۔۔۔ ایک بات یاد رکھنا میرے اندر خون فارس
خان کا ہے جو کسی کی عزت کے ساتھ نہیں کھیلتا۔
آریان خانزادہ اپنے سینے پر ہاتھ مارتے گرج اٹھا تھا۔

حیدر خان اپنے بھاری قدموں سے آریان کی طرف

بڑھا۔

تو کسی کی عزت کے ساتھ نہیں کھیلتا ہوگا۔ مگر میں اپنی
عزت کے ساتھ کھیلنے والوں کو نہیں چھوڑتا۔ یہ میرا
آج تیری حویلی میں داخل ہونے سے پتہ چل گیا ہو
گا۔ چاہوں تو ابھی تیرے سینے میں گولیاں اتار کر خود

بھی موت کے گھاٹ چڑھ جاؤں۔۔ مگر جب تک میری
بہن نہیں مل جاتی۔ میرا شک تجھ پر سے ہٹ نہیں
سکتا۔ تب تک میں نہ مر سکتا ہوں نہ تجھے مار سکتا ہوں۔
سمجھ میری بہن جب تک نہیں مل جاتی تب تک تو
سانس لے رہا ہے۔ حیدر خان بیگ ایک لفظ چباتے
غرایا۔

میں تو تب تک سانسیں لے لوں گا اچھے سے ہی لوں گا۔
تو زندہ رہے گا کیا تب تک؟؟ سنا ہے جس کی عزت پر
داغ لگ جائے وہ خود کشی کر لیتا ہے۔ ایک کام کر
خود کشی کر لے سکون آ جائے گا۔ ورنہ ایسے ہی در بدر
پھرتا رہے گا۔ آریان خانزادہ نے ذو معنی انداز میں کہتے
اسے آنکھ ماری۔

آریان خانزادہ!! حیدر خان نے جو ابا اپنی پسل سے
آریان خانزادہ پر فائر کیا تاہر یان خانزادہ اسی لمحے پیچھے کو
ہوتے اپنی کمر مکمل بینڈ کرتے جمپ مار گیا تھا۔
آریان خانزادہ کے گارڈز آگے بڑھتے حیدر خان کی کنپٹی
پر پسل رکھ کئے تھے۔

مجھے مارنا آسان نہیں ہے اگر مجھے بھی گولی لگی تو میرے
کسی چاہنے والے کے ہاتھوں سے لگے گی۔ سیدھا
یہاں !! آریان خانزادہ نے قہقہہ لگاتے دل پر ہاتھ رکھا
تھا۔

تم جیسے ٹٹو سے مجھے گولی نہیں لگ سکتی! آریان خانزادہ
حیدر خان کو دیکھتے طیش و الم سے دھاڑا۔

یاد رکھنا آریان خانزادہ تجھے موت میں ایسے نہیں دوں
گا۔ قطرہ قطرہ تیری سانسیں کھینچوں گا۔ تو تب تک
زندہ ہے جب تک میری بہن مجھے مل نہیں جاتی اور
خودکشی کرتے ہو تجھ جیسے بزدل لوگ!! حیدر حاکم
خان کو اپنی بہن پر خود سے زیادہ یقین ہے۔ وہ کبھی
اپنے لالا کی عزت داغدار نہیں کر سکتی۔ حیدر خان

گر جتے ہوئے اپنے گارڈز کو اشارہ کرتے گیٹ کی طرف
بڑھا۔ وہ لوگ گیٹ پھلانگتے ایک ایک کرتے وہاں سے
چلے گئے تھے۔

آریان خانزادہ نے حیدر خان کے جانے کے بعد سرد
نگاہوں سے اپنے گارڈز کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا۔

وہ اس کے اشارے پر اسی لمحے گیٹ پھلانگتے وہاں
سے چلے گئے تھے۔

اس ناپاک وجود کی وجہ سے ایک دن تم خود اسے گولیاں
مارو گے یا خود کو مار ڈالو گے۔ آریان خانزادہ مٹھیاں
پھینچتے ہوئے گر جاتا تھا۔

ڈارک سیکریٹ روم میں لیٹا وہ نازک وجود یہ سب سنتا
پھوت پھوٹ کر رو دیا تھا۔

آریان خانزادہ اپنے گیلے بالوں میں انگلیاں پھیرتے
ہوئے اپنی رسٹ واچ پر ٹائم دیکھتے اندر کی جانب تیزی
سے بڑھا۔ اسے آدھا گھنٹہ باہر آئے ہوئے تھا۔ وہ تیز

تیز قدموں سے اندر کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس نازک
وجود کو ادھر سے نکالنا بھی تھا۔ وہ اس ٹھنڈے کمرے
میں مزید نہیں رہ سکتی تھی۔ اس کے تھپڑنے اس کا بہت
برا حال کر دیا ہو گا وہ جانتا تھا۔ تھپڑ کا وار اس دن سے
کہیں زیادہ گہرا تھا۔ جو اس کی ناز کی برداشت نہیں کر
پائی تھی۔ اس کی خوفزدہ ہر نی جیسی آنکھیں یاد آئی

تھیں۔ وہ تھپڑ کھا کر اسے جن نگاہوں سے دیکھ رہی
تھی۔ وہ نگاہیں یاد کر کے اس کے جڑے بری طرح
بھینچے تھے۔ دماغ کی رگیں شدید بھڑکی تھیں۔ اس
کے لفظ تو ابھی بھی اس کا لہو گرمائے ہوئے تھے۔ وہ تیز
تیز قدموں سے حال میں داخل ہوتے اس بک شلف
کی طرف بڑھا۔ بکس ہٹاتے اس نے باکس اپن کرتے

اپنی پاکٹ سے چابی نکالی۔ اس کے ٹراوڑ میں وہ چابی
نہیں تھی۔ آریان خانزادہ نے اپنے ٹراوڑ کی دونوں
پاکٹس میں چابی تلاش کی تھی۔ چابی وہاں نہیں تھی۔
یہ کیسے ہو سکتا ہے؟! اے وہ چابی میں نے خود اپنے رائٹ
پاکٹ میں ڈالی تھی۔ آریان خانزادہ نے بڑبڑاتے ہوئے

چابی ایک بار پھر سے وہ چابی تلاش کی۔ اس کی دونوں
پاکٹس میں چابی نہیں تھی۔
چابی کہاں گئی آخر؟؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟؟ آریان
خانزادہ نے گہرے سانس لیتے ایک بار پھر سے وہ چابی
تلاش کی تھی۔ آریان خانزادہ نے اپنے بالوں میں
انگلیاں پھیرتے ہوئے اپنے دماغ پر زور ڈالا۔ اسے یکدم

یاد آیا تھا۔ چابی کرنے کی آواز سنائی دی تھی۔ اسے یاد آیا
تھا چابی اس سے اندر ہی کہیں گر گئی ہے۔
آریان خانزادہ نے اپنی گھڑی میں ٹائم دیکھا جہاں ایک
گھنٹہ ہونے میں پچیس منٹ رہتے تھے۔ وہ اس ٹمپرچر
میں صرف پچیس منٹ ہی زندہ رہ سکتی تھی۔ اس سے
زیادہ وہ وہاں سروائیو نہیں کر سکتی تھی۔

آریان خانزادہ نے سامنے لگے مرر میں دیکھا۔ اسی جگہ
پر گلاس وال تھا جہاں اندر سے باہر دیکھا جاسکتا تھا۔ مگر
باہر سے اندر نہیں !! چابی کے بغیر کسی صورت یہ
دروازہ نہیں کھل سکتا تھا۔ اب اندر سے وہ ہی دروازہ
کھول سکتی تھی۔ لیکن اس نے ابھی تک دروازہ کھولا
کیوں نہیں تھا۔

وہ حیران ہوا تھا۔ وہ تو اس کمرے سے نکلنے کے لیے
مری جا رہی تھی۔ آریان خانزادہ نے گہرا سانس بھرتے
مرر میں دیکھتے رسٹ واج پر نگاہیں دروڑائیں۔ جہاں
ایک گھنٹہ پورا ہونے میں صرف بیس منٹ رہتے
تھے۔

آریان خانزادہ کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار
ہوئے تھے۔ وہ آج پھر گھبرا اٹھا تھا کیوں وہ نہیں جانتا
تھا؟؟ مگر اس دن کی طرح اسے اپنی جان نکلتی محسوس
ہوئی تھی۔

آریان خانزادہ جلدی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔
وہاں سے اپنا لپ ٹاپ لیتے وہ بھاگتے ہوئے اس جگہ پر

آیا تھا۔

اسے زمین پر رکھتے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے اس نے
لیپ ٹاپ کھولتے اس کی کی پیڈر انگلیاں چلائیں۔
یقدم سکریں پرپ اس ڈارک روم کا منظر واضح ہوا تھا۔
وہ اس بیڈر لیٹی بری طرح سسک رہی تھی۔ آریان
خانزادہ کی نگاہیں زمین پر پڑی اس چابی کو تلاش کر رہی

تھیں۔ جو اسے دکھ نہیں رہی تھیں۔ وہ کی پیڈ پر انگلیاں
چلاتے وہ بار بار زوم کرتے دیکھ رہا تھا۔ مگر چابی وہاں
نہیں تھی۔

آہستہ۔۔۔۔۔ وہ لیپ ٹاپ کی سکریں پر نگاہیں گاڑھے
چیخا۔ کہاں ہے وہ چابی؟؟ وہ زمین سے اٹھتے ہوئے خود
سے بولا۔ دوسرے لمحے وہ باہر کی سمت بھاگا تھا۔ وہ

پوری قوت لگائے بھاگتے ہو داخلی دروازے سے باہر
آیا۔ جہاں اس نے اپنی پاکٹ سے موبائل نکالا تھا۔ وہ
جگہ جگہ وہ چابی تلاش کر رہا رہا تھا۔ اس کا دماغ بے حد تیز
تھا اسے اچھی طرح یاد آچکا تھا چابی اندر گری ہے۔ مگر
آج پہلی مرتبہ وہ اپنے دل و دماغ پر یقین نہیں کر رہا تھا۔

وہ کھٹنوں کے بل بیٹھا اپنے لان کی کیلی مٹی میں اس چابی
کو تلاش کر رہا تھا۔

آہسہ۔ وہ برستی بارش کی طرف دیکھتے پاگل ہوتا چلتا۔
وہ جلدی سے بھاگتے ہوئے اندر آیا۔ زمین پر بیٹھتے لپ
ٹاپ پر نگاہیں دوڑائیں۔ وہ بیڈ پر لیٹے بری طرح کانپ
رہی تھی۔

مس خان!! وہ لیب ٹاپک کی سکرین کی طرف دیکھتے
چیخا تھا۔ زر مش اب کانپتے ہوئے اپنے گلے کو جکڑے
ہوئے تھی۔ اتنی سردی میں اس کی سانسیں بند ہو رہی
تھیں۔ ہونٹ نیلے پڑ رہے تھے۔ وہ اٹھ کر بیٹھتے بیڈ پر
بچھی بیڈ شیٹ کو خود پر لپیٹ گئی۔

مس خان!! چابی تلاش کرو کمرے میں ہی ہے۔۔ وہ
اسے گلہ جکڑے دیکھتے حلق کے بل چیخا تھا۔ زر مش
گہرے سانس لیتے دیوار میں سمائے بری طرح کانپ
رہی تھی

مس خان!! چابی اندر ہے۔ وہ پھر سے چیخا تھا۔ وہ جانتا
تھا اسے آواز نہیں آرہی وہ پھر بھی چیخ رہا تھا۔

زر مش نے سردی سے کانپتے ہوئے بمشکل آنکھیں
کھولتے سامنے لگے باکس کو دیکھا جہاں سے اس وحشی
درندے نے اس کمرے کا ٹمپر پچر کم کیا تھا۔
وہ کانپتے ہوئے بیڈ سے اٹھتے اس باکس کی طرف بڑھی
۔۔ آریان خانزادہ گہرے سانس لیتے اسے دیکھ رہا تھا۔

جو کیا کرنا چاہ رہی تھی وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا؟؟۔ اس نے
وہ باکس کھولتے وہ سوچ گھمایا
نومس خان۔۔ وہ ہدیائی چیخ اٹھا تھا۔
کمرے میں ٹمپر پچر مزید گر گیا تھا۔ زر مش نے کمرے
میں بڑھتی سردی محسوس کرتے وہ سوچ پوری طرح
گھما دیا تھا۔

آریان خانزادہ نے اٹھتے ہوئے لاونج سے کرسی اٹھاتے
ہوئے سامنے لگے مرر پر پوری قوت سے دے مارا۔ وہ
تڑخ کر ٹوٹ کر کئی حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ وہ
پاگلوں کی طرح وہ کرسی اس فولادی وال نمادروازے پر
مارتے جا رہا تھا۔۔۔ جو بلٹ پروف تھی۔۔۔ جو کسی
صورت ٹوٹ نہیں سکتی تھی۔ وہ پھر بھی اپنی پوری اپنی

طاقت لگائے وہ کرسی مارے جا رہا تھا۔۔۔ کرسی ٹوٹنے
کئی حصوں میں تقسیم ہو رہی تھی۔ مگر سامنے کوئی فرق
ہی نہیں پڑا تھا۔

آہستہ۔۔۔ وہ چیختے ہوئے کرسی زمین پر پھینکتے ہوئے
اپنے ہاتھ کے مکے سے پوری قوت سے اب ضربیں
لگانے لگا۔ اس کے ہاتھ سے خون ٹپک رہا تھا۔ مگر وہ

پاگلوں کی طرح دیوار پر ضربیں لگا رہا تھا۔ اسے ہر قیمت
پر یہ دروازہ کھولنا تھا۔

سریہ! اس کے لبوں نے یکدم جنبش کی تھی۔ آریان
خانزادہ نے لیپ ٹاپ کی سکرین پر نگاہیں گاڑھیں۔ وہ
زمین پر لیٹی سکڑی سی سمٹی ہوئی تھی۔ اس کے ہونٹ
بری طرح نیلے پڑ رہے تھے۔

وہ بھاگتے ہوئے وہاں سے نکلتے داخلی دروازے سے
جنگل کی طرف بڑھا۔ اس کا دماغ مکمل طور پر ماؤف ہو
چکا تھا۔ وہ بھاگتے ہوئے تہہ خانے کی طرف بڑھ رہا تھا۔
تہہ خانہ آتے اس نے وہ لوہے ٹرنک اٹھاتے ہوئے
اسے دور دھکیلا تھا۔ وہ سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے تیزی
سے نیچے اترا

سریہ پکڑتے وہ تیزی سے اوپر آتے برق رفتاری سے
بھاگتے ہوئے اندر داخل ہوا۔ اس کا سانس دھونکنی کی
مانند چل رہا تھا۔ ہاتھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ آنکھوں
سے وحشت برس رہی تھی۔

آریان خانزادہ اب سریا اس فولادی دیوارِ نمادِ روازے پر
مار رہا تھا۔ وہ دیوارِ نمالو ہے کابلٹ پر وف بلاکس پر اپنی

پوری طاقت سے سریہ سے ضربیں لگا رہا تھا۔
مگر اس وال پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔ وہ مکمل طور پر پسینے
میں بھیگ چکا تھا۔

آہہ۔۔ آریان خانزادہ نے حلق کے بل چیختے ہوئے وہ
سریہ زمین پر پھینکا۔ وہ زمین پر بیٹھتے لیپ ٹاپ کی
سکرین پر پھر سے نگاہیں گاڑ بھ گیا۔

زر مش زمین پر لیٹے سکڑی سی اپنے گلے کو جکڑے بری
طرح کھانس رہی تھی۔

اٹھو مس خان! چابی تلاش کرو۔ وہ اسے دیکھتے ایک بار
پھر سے چیخا تھا۔

اٹھو ناپاک وجود!!! اگر تم نہ اٹھی تم نے وہ چابی تلاش نہ
کی میں تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے جانوروں کو

کھلا دوں گا۔ وہ سکرین پر زر مش کو دیکھتے غرایا۔
زر مش گلے کو جکڑے کھانستے ہوئے کانپ رہی تھی۔
اس کی سانسیں اکھڑ رہی تھی۔ دکھائی دینا بند ہو رہا تھا۔
اٹھو مس خان ورنہ اپنے باپ فارس خان کی قسم کھالوں
گا۔ اگر تم یہاں سے زندہ بچ گئی میں تمہاری سانسیں خود
روکوں گا۔ تم ایسے نہیں مر سکتی۔ تمہاری موت

بمھارے اپنوں کے ہاتھوں للھی ہے۔ وہ بغیرت حیدر
خان اور حاکم خان تمھیں بے درد موت دیں گے۔ وہ
اس کی آنکھیں بند ہوتا دیکھتے چیخا تھا۔
نہیں مر سکتی تمھیں دردناک موت میں دوں گا۔ وہ
چیختے ہوئے وہ لیپ ٹاپ پھینک چکا تھا۔ وہ زمین پر بیٹھے
سرد سرخ آنکھوں سے اب لیپ ٹاپ کو دیکھ رہا تھا۔

جس کی سکرین ڈیج ہو چکی تھی۔ اب اندر کا منظر نظر آنا
بند ہو چکا تھا۔

وہ اپنے بال مٹھیوں میں دبو چتے ہوئے کھڑا ہوا
وہ کیا کرے اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ جلدی سے
اپنے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔

زر مش نے اپنی بند آنکھیں کھولی تھیں۔ وہ سردی سے
مر رہی تھی۔ مگر زندہ رہنے کی خواہش اور اس ڈارک
روم کے خوف نے اس کی حواسوں کو بیدار کر کے رکھا
ہوا تھا۔

اس نے سکڑتے ہوئے ارد گرد نگاہیں دوڑائیں یکدم اس
کی نگاہ بیڈ سے نیچے ایک چمکتی چیز پر پڑی۔ اس نے

آنکھیں کھولتے ہوئے دیکھا وہ چمکتا کی چمین تھا جس میں
وہ بڑی سی چابی قید تھی۔ زر مش بے یقین ہوئی تھی۔
زر مش اپنے چکراتے سر کو جکڑتے ہوئے بیڈ کی طرف
کھسکتے اپنا ہاتھ اس سنگل بیڈ کے نیچے کیا تھا۔ اس کے
ہاتھ میں وہ چابی آچکی تھی۔ وہ چابی ہاتھ میں دباتے وہ
شدت سے روتے ہوئے زمین سے اٹھی۔ اسے زور

دار چکر آیا تھا۔ وہ خود کو سنبھالتی دروازے کی طرف
بڑھی۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے کی ہول میں وہ چابی
گھمائی۔ دروازہ کھل چکا تھا۔ وہ بے یقین ہوئی تھی۔ وہ
دروازہ کھولتے باہر آئی۔ جہاں وہ وحشی درندہ نہیں تھا۔
اسے زمین پر حیدر خان کی شال پڑی نظر آئی تھی۔ اس

نے روتے ہوئے اس کی طرف بڑھتے جلدی سے وہ
شال اٹھائے خود پر لپیٹی۔

وہ گہرے سانس لیتے بھاگتے ہوئے وہاں سے داخلی
دروازے کی طرف بڑھی تھی۔ وہ اپنی پوری فورس
لگائے داخلی دروازے کی طرف بھاگ رہی تھی۔ اسے
اس وحشی درندے کے پاس نہیں رہنا تھا۔ اس کی

پناہوں سے ہر قیمت بھاگنا ہی تھا۔ وہ بھاگتے ہوئے داخلی
دروازے سے باہر نکل آئی تھی۔ زر مش کھلا آسمان اور
گیٹ ڈیکھتے بے یقین ہوئی تھی۔

لالا!!! وہ چیختے ہوئے گیٹ کی طرف بڑھی۔

اس نے گیٹ کی طرف بڑھتے اپنی طاقت لگائے وہ
سلائیڈنگ گیٹ کھولنے کی کوشش کی جو اس سے کھل

نہیں رہا تھا۔ زر مش نے اب کانپتے ہوئے اس گیٹ پر
چڑھنا شروع کیا تھا۔ اس blood thirsty
beast کی پناہوں سے دور جانے کے لیے اس کے
اندر پتہ نہیں کہاں سے اتنی طاقت آگئی تھی۔ زر مش
نے بڑے سے گیٹ پر چڑھتے ہوئے باہر کی طرف
چھلانگ لگائی تو وہ گھٹنوں کے بل گری تھی۔ گٹھنے چھل

اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے حال کے اندر داخل
ہوتے سامنے بلاک کی طرف گولیاں چلائی تھیں۔

یکدم وہ رکا تھا۔

وہ دیوار نما لوہے کا بلاک بند تھا۔ مگر کچھ تو گڑبڑ تھی۔
اس کی چھٹی حس نے اسے چونکنے پر مجبور کر دیا تھا۔
زمین پر پڑی حیدر کی شال بھی نہیں تھی۔

وہ خود پر قابو پاتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف پھر سے
بڑھا۔ وہاں سے اس نے اپنا ایک اور لیپ ٹاپ آن کیے
کی بورڈ میں انگلیاں چلائیں۔ ڈارک روم کا منظر ایک بار
پھر سے اس کے سامنے واضح تھا۔ وہ وہاں نہیں تھی۔ وہ
خالی روم دیکھ کر اپنی مٹھیاں دبوج گیا تھا۔

آہسہ۔۔۔ لیپ ٹاپ زمین پر پٹختے وہ تیز تیز قدموں سے
باہر کی طرف بڑھا۔

اپنے کارپورچ میں آتے اس نے گیٹ کا سلائیڈنگ
دروازہ ایک ہی جست میں کھولا۔ بھاگتے ہوئے اپنی کار
میں بیٹھتے اس نے گاڑی سٹارٹ کی تھی۔ اس کی گاڑی
تیز رفتار سے اب سوات کی سڑکوں پر دوڑ رہی تھی۔

زر مش بق رفتاری سے اس برستی بارش میں کانپتے
ہوئے بھاگ رہی تھی۔۔ ہر طرف تاریکی تھی۔ طوفان
تھم چکا تھا۔ بارش کا زور ٹوٹ گیا تھا۔ اب ہلکی پھوار کے
ساتھ درخت سائیں سائیں کر رہے تھے۔ وہ بنار کے
برق رفتاری سے بھاگ رہی تھی۔ اسے ہر حال میں اس

زر مش بق رفتاری سے اس برستی بارش میں کانپتے
ہوئے بھاگ رہی تھی۔۔ ہر طرف تاریکی تھی۔ طوفان
تھم چکا تھا۔ بارش کا زور ٹوٹ گیا تھا۔ اب ہلکی پھوار کے
ساتھ درخت سائیں سائیں کر رہے تھے۔ وہ بنار کے
برق رفتاری سے بھاگ رہی تھی۔ اسے ہر حال میں اس

وحشی درندے سے دور جانا تھا۔ اب اس پر سردی کی
شدت اثر ہی نہیں کر رہی تھی۔ وہ اپنے عارض سے بہتے
آنسو صاف کرتے ہوئے بھاگ رہی تھی۔ سڑکیں خالی
تھیں۔ مگر بارش کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں۔ وہ
سڑکوں پر کھڑے پانی سے گزرتے ہوئے جتنی تیزی
سے بھاگ سکتی تھی بھاگ رہی تھی۔

یکدم اسے دور سے نظر آئی ایک گاڑی دکھائی دی۔ وہ
گاڑی دیکھتے زر مش اس کی طرف اب بھاگنے لگی۔
وہ ہاتھ کے اشارے سے اس گاڑی کو رکنے کا کہہ رہی
تھی۔

اس گاڑی میں دو لڑکے تھے جو ٹورسٹ تھے وہ اس
وقت اپنے ہوٹل واپس جا رہے تھے۔

اتنی رات کو ایک لڑکی کو سڑک پر دیکھ کر وہ حیران
ہوئے تھے۔۔۔ زر مش کو دیکھتے وہ لڑکا گاڑی روکتا جلدی
سے گاڑی سے نیچے اتر۔

مم۔۔۔ مجھے۔۔۔ بچالو۔۔۔ وہ اس وحشی درندے نے
مجھے قید کر کے رکھا تھا۔ میرے لالا حیدر خان کے پاس

لے چلو۔۔ وہ اس لڑکے کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے
گڑاڑاتے ہوئے بولی۔

ٹھیک ہے آپ بیٹھیں گاڑی میں۔ اس لڑکے نے
زر مش کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ زر مش شال کو سر پر
جماتے ہوئے جلدی سے پیچھے ہوئی تھی۔

آپ بیٹھیں گاڑی میں! لڑکے نے اپنا ہاتھ پیچھے کرتے
بے حد شائستگی سے زر مش کو بیٹھنے کو کہا۔
زر مش جلدی سے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولتے بیٹھ چکی
تھی۔ لڑکا دوسرے لڑکے کو گہری نگاہوں سے دیکھتا
گاڑی کی طرف بڑھتے گاڑی سٹارٹ کر چکا تھا۔

آریان خانزادہ سٹیرنگ پر مکے مارتے ہوئے پاگلوں کی
طرح زر مش کو سڑکوں پر تلاش کر رہا تھا۔
ایک دفعہ لگ جاؤ میرے ہاتھ ناپاک وجود!! تمہیں سچ
میں ناپاک وجود بناؤں گا۔ ہمت کیسے ہوئی میری پناہوں
سے آریان خانزادہ کی پناہوں سے بھاگنے کی؟؟۔ وہ
سٹیرنگ پر مکہ مارتے ہوئے غرایا۔

وہ اتنی جلدی سڑک سے پیدل نہیں گزر سکتی تھی۔ وہ
سامنے کہیں بھی نظر نہیں آرہی تھی۔ کیا وہ حیدر خان
کے ہاتھ لگ چکی ہے؟؟۔ آریاں خانزادہ نے سوچتے
ہوے دانت پر دانت جمائے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی تھی۔
وہ حیدر خان کے ہاتھ نہیں لگ سکتی تھی۔ وہ تو کب کا جا
چکا تھا۔ اس نے اپنی سوچ کو جھٹلایا تھا۔ پھر وہ کہاں ہو

سکتی ہے؟!۔ اس نے سوچتے ہوئے گاڑی کی سپیڈ مزید
بڑھائی۔

وہ کسی اور کے ہاتھوں نہ لگ چکی ہو!! یہ سوچ آتے ہی
اس کا دماغ پھٹتے جیسے کی حصوں میں تقسیم ہوا تھا۔ وہ
کسی اور کے ہاتھوں نہ لگ جائے یہ سوچ ہی اسے پاگل
کر گئی تھی۔

تم لہیں بھی ہوئی مس خان!! تمہیں میں ڈھونڈ نکالوں
گا۔ چاہے مجھے زمین کھودنی پڑی یا پہاڑ سر کرنے پڑے۔
میں تمہیں ڈھونڈ نکالوں گا۔ پھر تمہیں میری حیوانیت
سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ وہ غراتے ہوئے گاڑی کی سپیڈ
بڑھا گیا۔

آریان خانزادہ کی آنکھیں اسے چاروں طرف تلاش کر
رہی تھیں۔ یکدم اسے اپنے سامنے ایک گاڑی جاتی نظر
آئی تھی۔

آریان خانزادہ نے اپنی گاڑی کی سپیڈ مزید بڑھائی تھی

--

وہ اندھا دھند گاڑی چلاتے اس گاڑی کے مقابل آیا تھا۔
پچھلی سیٹ پر بیٹھی زر مش کو وہ دیکھ چکا تھا۔
زر مش بھی آریان خانزادہ کو دیکھ چکی تھی۔
وحشی درندہ bloodthirsty beast وہ
کپکپاتے لبوں سے بولتے اسے دیکھتے اپنی طرف کے
شیشے پر ہاتھ جما گئی تھی۔ آریان خانزادہ خون اتری

آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ آریان خانزادہ کی گاڑی
اب ان لڑکوں کی گاڑی کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔
آریان زر مش پر اپنی خون اشام نگاہیں گاڑھے ہوئے
تھازر مش سسکتے ہوئے اسے خوفزدہ نگاہوں سے دیکھ
رہی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو ہی دیکھ رہے
تھے۔ آریان خانزادہ کی آنکھوں میں وحشت موت کے

سائے لہرا رہے تھے۔ آگے بیٹھے دو لڑکوں کو دیکھ کر اس
کا خون رگوں میں لاوے کی طرح ابل رہا تھا۔
ان میں سے ایک لڑکے کو وہ بیک ویو مرر سے زرمش پر
گہری نگاہیں جمائے دیکھ چکا تھا۔
گاڑی روک!! آریان خانزادہ نے اپنی طرف کا شیشہ
نیچے کرتے سر باہر نکالتے چیختے ہوئے اس لڑکے سے

کہا۔

گاڑی مت روکنا! یہ blood thirst beast
ہے۔ یہ وحشی درندہ ہے۔ مجھے اس سے بچالو۔۔ زر مش
نے حلق کے بل چبختے ہوئے فریاد کی تھی۔ زر مش کی
چنچیں اریان کو سنائی دیتے اس کا خون مزید بھڑکار ہی
تھیں۔

آریان خانزادہ کی آنکھوں نے مزید سرخی اختیار کی
تھی۔

لڑکے نے گاڑی کی سپیڈ بڑھائی۔ آریان خانزادہ اپنی
گاڑی کی سپیڈ تیزی سے بڑھاتے ہوئے اپنی گاڑی ان
لڑکوں کی گاڑی کے آگے لے جاتا بریک لگا چکا تھا۔

زر مش کے حلق سے خوفناک چیخ برآمد ہوئی تھی۔ وہ
ڈرتے ہوئے آنکھوں پر ہاتھ رکھ چکی تھی۔ ڈرائیونگ
کرتے ہوئے لڑکے نے چیختے ہوئے بریک لگائی ساتھ
بیٹھے لڑکے نے ہینڈ بریک کھینچی تھی۔ گاڑی آریان
خانزادہ کی گاڑی سے ٹکراتے رک چکی تھی۔

دونوں لڑکوں کے سر ڈیش بورڈ سے ٹکرائے تھے۔
لڑکوں کے سروں سے خون بہا تھا۔
آریان خانزادہ کی بھی پیشانی پر چوٹ آئی تھی۔ زر مش
پچھلی سیٹ پر تھر تھر کانپتے ہوئے چہرہ ہاتھوں میں
چھپائے بیٹھی ہوئی تھی۔ لڑکے بھی خوفزدہ نگاہوں سے

آریان خانزادہ کو دیکھ رہے تھے۔ وہ سچ میں وحشی درندہ
تھا۔ جسے اپنی موت کی بھی پرواہ نہیں تھی۔
آریان خانزادہ گاڑی سے نکلتے ہوئے زر مش کی طرف
بڑھا۔ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے اسے کلائی سے
جکڑے باہر نکالا تھا۔ زر مش چیختے ہوئے اس کے سینے
میں سمائی تھی۔

ممہارا حشر کر ڈالوں گا آج میں! ہمت کیسے ہوئی ممہاری
بھاگنے کی؟!۔ وہ اسے خود سے الگ کرتے ہوئے غرایا
تھا۔ زر مش آنکھیں بند کیے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ وہ
اس کے نیلا پھٹا زخم شدہ گال دیکھتے جھڑے بھنچتے ہوئے
اسے کلائی سے جکڑے اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔

آریان خانزادہ نے اگلی سیٹ کا دروازہ کھولتے اسے اندر
بے دردی سے دھکیلا تھا۔ حویلی چل کر تمھارے
گالوں کا ہی نہیں تمھارے وجود کو بھی نیلا کر دوں گا مس
خان !!! وہ اس پر جھکے غرایا تھا۔
یہ شال تمھارے وجود پر آج تمھیں مجھ سے بچا گئی ہے۔
ورنہ سوات کی سڑک پر تمھارا سر دھڑ سے الگ کر دیتا۔

وہ اس کے لرزتے وجود کو قہر بار نگاہوں سے گھورتے
ہوے دھاڑا تھا۔ زر مش دوسری طرف کھسکتے ہوئے
سیٹ پر جھک گئی تھی۔ وہ سر نیچے کیے اب بری طرح
کانپ رہی تھی۔ آریان خانزادہ اسے خون اشام نگاہوں
سے گھورتے ان لڑکوں کی طرف بڑھا۔ لڑکوں نے

وہ اس کے لرزتے وجود کو قہر بار نگاہوں سے گھورتے
ہوئے دھاڑا تھا۔ زر مش دوسری طرف کھسکتے ہوئے
سیٹ پر جھک گئی تھی۔ وہ سر نیچے کیے اب بری طرح
کانپ رہی تھی۔ آریان خانزادہ اسے خون اشام نگاہوں
سے گھورتے ان لڑکوں کی طرف بڑھا۔ لڑکوں نے

اسے اپنی طرف بڑھتے دیکھتے جلدی سے دروازے
لاک کیے۔ وہ شیشے بھی لاک کر چکے تھے۔
آریان خانزادہ نے آگے بڑھتے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے
لڑکے کی طرف والے شیشے پر مکہ مارا تھا۔ شیشہ توڑ کر
ٹوٹ چکا تھا۔ آریان نے اپنے خون آلود ہاتھ سے

دروازے کالا کھولتے ہوئے تھر تھر کانپتے لڑکے کو
باہر نکالا۔

ہم تو صرف اس کی مدد کر رہے تھے۔ وہ خود ہماری گاڑی
کے سامنے آئی تھی۔ وہ رو رو کر مدد مانگ رہی تھی۔ لڑکا
چیختے ہوئے بولا تھا۔

آریان خانزادہ اپنے مکے کی ضرب اس کے چہرے پر
پوری قوت سے لگاتے اس کے حساس حصے کو بے دردی
سے جکڑتے اسے گاڑی کی بونٹ پر لٹا گیا۔ لڑکا تکلیف
سے چیخ رہا تھا۔ اس کا دوسرا سا تھی اپنی ساتھی کی حالت
دیکھتے خوفزدہ ہو رہا تھا۔

مدد کر رہا تھا تو اس کی ہاں !! تیری آنکھوں میں حوس
پرستی میں دیکھ چکا تھا۔ جس طرح تو اس پر نگاہیں گاڑھے
ہوئے تھا۔ آریان خانزادہ نے بے دردی سے اس کے
حساس حصے کو کچومر کی طرح مسلاتھا۔ وہ تڑپ کر فلک
شرکاف چنچیں مار رہا تھا۔

مم مجھے معاف کر دو!! وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے روتے
ہوئے بولا۔

کہاں لے کر جا رہے تھے اسے؟؟ آریان خانزادہ نے
اس کے گال پر اٹھپڑوں کی برسات کر دی تھی۔ اس کی
چنجیں سننے زر مش خوف سے بری طرح کانپ رہی

تھی۔ وہ مزید نیچے کو جھکے ٹھٹی ٹھٹی آواز میں سسک رہی
تھی۔

ہم اسے اپنے کانٹے لے کر جا رہے تھے۔۔ وہ درد سے
کراہتے ہوئے بمشکل بولا تھا۔

یہ سنتے آریان خانزادہ نے اسے گریبان سے جکڑے اس
کا سر ونڈ سکرین سے بری طرح ٹکرایا۔ وہ لڑکا چیختے

ہوے بیہوش ہو چکا تھا۔

دوسرے لڑکے کی طرف بڑھتے آریان خانزادہ نے
اسے کھینچ کر باہر نکالتے اس کے گالوں پر مکوں کی
برسات کر دی تھی۔ وہ روتے ہوئے معافیاں مانگ رہا
تھا۔ آریان خانزادہ نے سیٹ پر سے کانچ کا ٹکڑا اٹھائے

اس کے گال پر بے دردی سے مار کر اسے چھوڑ دیا تھا۔ وہ
زمین پر گرا اب درد سے کرا رہا تھا۔

آریان اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے ڈرائیونگ سیٹ پر
بیٹھا زرمش کھسکتی ہوئی دور ہوتے سیٹ کی بیک کے
ساتھ لگے اس پر اپنا منہ چھپا گئی تھی۔ آریان نے اس

کے کپکپاتے وجود پر قہر بار نگاہ ڈالتے ہوئے گاڑی
ریپورس میں لیتے اسے حویلی کے راستے پر ڈالی۔
اپنی پاکٹ سے فون نکالتے ہوئے اس نے ایک نمبر
ڈائل کیا۔

لوکیشن بھیج رہا ہوں یہاں پر دو لڑکے زخمی حالت میں
پڑے ہیں۔ ان پر ایسا مقدمہ دائر کرو ساری عمر یہ اب

جیل سے نہ نکل سلیں۔ وہ سرد لہجے میں کہتے فون بند کر
چکا تھا۔

آصف

قسط last episode

زاران خانزادہ گرے ٹراوڑ پر گرے ہائی نیک
پہنے swiss village کے کاٹیج کے
خوبصورت لاونج صوفے پر ابرش کی گود میں

سر رکھے اس کی کمر کے گرد اپنے دونوں ہاتھ
لپیٹے اس کے پیٹ کے ساتھ لگے گہری نیند سو
رہا تھا۔ اس کی سانسوں کا رقص اور مدھم
خراٹے سنتے ابرش اس کے بالوں میں انگلیاں
چلاتے گہرا مسکراتے ہر تھوڑی دیر بعد جھکتے

ہوے اس کے بالوں میں اپنے لب ر ہتی تھی۔
وہ پچھلے ایک گھنٹے سے ایسے ہی گہری نیند سو رہا
تھا۔ وہ اس کی اتنی گہری نیند پر مدھم سا ہنستے
ہوے بار بار اس کے بالوں پر لب رکھتے اس
کے کان پر اپنے لب رکھتی تھی۔۔۔ وہ اس وقت

بلیک جینز پر بے حد شارٹ بلیک ٹاپ میں ملبوس
تھی جو کندھوں سے نیچے ڈھلکا ہوا تھا۔ اس
ٹاپ میں اس کا دودھیا پیٹ واضح ہو رہا تھا۔ سلکی
براؤن بال اس کی کمر پر بکھرے تھے۔

ہے مسٹر خانزادہ آئی لو یو!! وہ اب اس کے کان
میں جھکی مدھم سی سرگوشی کر گئی تھی۔
زاران نے اس کی سرگوشی پر ہڑبڑاتے ہوئے
آنکھیں کھولتے اسے نیند سے بھری سرخ
آنکھوں سے ابرش کو دیکھا۔

ہے مسٹر خانزادہ یہ نیند رات کو پوری کیا کریں۔
تب تو سانسوں اور سسکیوں کا کھیل کھیلنا ہوتا
ہے۔!! ابرش اس کے اس طرح دیکھنے پر
کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

ہے میری بے شرم بیوی!! رات کو مجھے سونے
دے دیا کرو۔ کیوں پہنتی ہو وہ بے شرم چھوٹی
چھوٹی نائیٹیز؟؟ زارا ان اس کے خوبصورت
چہرے کو دیکھتے مسکراتے ہوئے بولا۔
اگر میں وہ نائیٹیز نہ پہنوں تو کیا میرے قریب

نہیں آؤ گے۔

ابرش نے زار ان کی ناک کی ٹپ پر انگلی رکھتے
مدھم سا مسکراتے مگر اسے سنجیدہ نگاہوں سے
دیکھتے پوچھا تھا۔

زار ان اپنی بیوی کے چہرے کی طرف دیکھتے

اپنی مسکراہٹ دباتے گہر اسانس بھر گیا تھا۔ وہ
اسے لے کر بے حد پوزیسیو تھی۔ اسے ہر لمحہ
اس سے محبت کا اظہار چاہیے تھا۔ وہ ذرا سی بھی
اس کی محبت میں کمی کو تاہی برداشت نہیں کر
سکتی تھی۔

تم پورے لباس میں مجھ پر جتنی بجلیاں گراتی ہو
اتنا کسی لباس میں نہیں گراتی۔ پٹھانی فراق میں
تو میری جان نکال کر رکھ دیتی ہو۔ زار ان اس
کی گردن میں بازو جمایل کرتے اسے خود پر
جھکاتے اس کے لبوں کو اپنے لبوں میں دبایا گیا

قہقہہ روکا تھا۔ اس کی قربت میں ہر حد سے گزر
جانے والی اس کی بے شرم بیوی اس کی بانہوں
میں اس کے ذرا سے لمس شرارت سے شرما کر
سرخ گلاب بھی ہو جاتی تھی۔
زاران نے اس کے پیٹ پر لب رکھتے بے بہت

بے باک شرارت کی تھی۔ ابرش مزید سرخ
ہوتے مدھم سا کھکھلائی تھی۔ اپنی شرم کو اس
نے اپنی کھلکھلاہٹ میں چھپانا چاہا تھا۔ زار ان
اس کی ادا پر اس کے سرخ گلاب چہرے کی
طرف دیکھتے محظوظ ہوتا قہقہہ لگا گیا۔ ابرش اس

کے قہقے پر مزید خفت کا شکار ہوئی تھی۔ وہ اس
کے شرمانے پر یوں ہی ہنستا تھا۔ ابرش نے اس
کے قہقے پر غصے سے نروٹھے انداز میں اسے خود
سے دور دھکیلنے کی کوشش کی۔ وہ مزید اس کے
قریب ہوتے اس کی شرٹ کے اندر اپنا ہاتھ

کے خوبصورت نقوش پر بکھرے قوس و قزاح
کے رنگ دیکھتے مدہوش ہو رہا تھا۔
زلفوں کو گرا کے پلکوں کو جھکانا
سیکھا ہے کہاں سے تم نے یہ جادو چلانا
وہ گنگناتے ہوئے اپنے ہاتھوں سے اس کے

گلابی ہوتی اس کے ہاتھوں کو پیچھے کرتے اس کی
ناک کی ٹپ کو چومتے ہوئے ہنستے ہوئے گنگنائی
تھی۔

چھارہی ہے خماری
بڑھ رہی ہے بے قراری

پر اپنا حق جتاتے بہت بے باکی سے گہری
شرارتیں کر رہا تھا۔
ابرش کی سانس دھونکنی کی مانند چلنا شروع ہو
گئی تھی۔ وہ بہت بے دردی سے گہری شرارت
کرتے اس کی سانسوں سے کھیل رہا تھا۔

ابرش نے اسے سختی سے خود سے دور کیا۔ وہ اس
کے لبوں کو آزاد کرتے ہوئے اب اسے خمار
بھری مدہوش نگاہوں سے پھولتی سانسوں سے
دیکھتے آنکھوں ہی آنکھوں میں گہرے تقاضے
کر رہا تھا۔

ابرش اس کی آنکھوں میں اپنی طلب دیکھتے
سرخ قندھار ہوتے نگاہیں پھیر گئی تھی۔ وہ
اسے گہری بے باک سرخ مدہوش نگاہوں سے
دیکھتے اس کا ہاتھ پکڑے چومتے اپنے سینے پر
رکتے نیچے کی طرف سرکانے لگا۔

صرف میری جان کا!! زار ان گہرا مسکرایا تھا۔
پتہ ہے زار ان مجھے اتنے بڑے بنگلے کی خواہش
نہیں تھی۔ نہ ہے۔ مجھے ایک چھوٹا سا گھر چاہیے
تھا۔ ایک بیٹا ایک بیٹی اور بے حد محبت کرنے
والا شوہر چاہیے تھا۔

تم!! جو فٹ بال ٹیم بنانے کا میرا جو ارادہ
ہے!! اس کا کیا؟ زرارن نے اس کی ہتھیلی نرمی
سے سہلاتے اس کی آنکھوں میں دیکھتے آئی برو
اچکائے۔

تمہارے لیے کچھ بھی مسٹر خانزادہ!! تم

کرکٹ ٹیم بناؤ یا پھر فٹ بال ٹیم !! مجھے سب
قبول ہے۔ ابرش اس کی طرف دیکھتے مسکرائی
تھی۔ زارا ان ہنستے ہوئے اس کے گردن میں
بانہیں جمایل کرتے اسے خود کے ساتھ لپٹا گیا
تھا۔

بتاؤ اور کیا کیا خواہشیں ہیں کمھاری؟؟ چھوٹا سا
گھر چاہیے اور کیا کیا چاہیے میری جان کو؟؟
زاران نے اس کے لبوں کو انگوٹھے سے
سہلاتے ہوئے پوچھا۔

زاران ہماری بیٹی ہوئی تو اس کے لیے فیری والا

فراک بھی لیں گے وہ بھی پنک والا!!! مجھے
بچپن میں بہت پسند تھا۔ سکول کے فنکشن میں
میری فرینڈز نے پنک باربی فیری فراک پہنے
ہوے ہیں۔ مجھے بہت پسند تھے۔ ہم اپنی بیٹی
کے لیے ضرور لیں گے۔ ابرش بچوں کی طرح

خوشی سے بولی تھی۔

میری جان ہم اپنی بیٹی کا پورا اور ڈرو بپنک
فراکس سے بھر دیں گے اور کچھ؟؟؟ زارا نے
مسکراتے ہوئے پوچھا۔

ہم اپنے بنگلے میں بہت سے سونگنز بھی لگائیں

خوشی سے بولی تھی۔

میری جان ہم اپنی بیٹی کا پورا اور ڈروہ پنک
فراکس سے بھر دیں گے اور کچھ؟؟؟ زارا نے
مسکراتے ہوئے پوچھا۔

ہم اپنے بنگلے میں بہت سے سونگنز بھی لگائیں

گے۔ ابرش نے ایک اور خواہش کا اظہار کیا تھا۔
زاران کا اس کی معصوم خواہشات پر قہقہہ گونجا
تھا۔

نہیں لگا سکتے کیا؟؟ ابرش نے بھیگے لہجے میں
پوچھا تھا۔

اف۔۔۔اف۔۔۔میری جان کیوں نہیں لگا
سکتے؟؟ تم چاہو گی تو اپنے کمرے میں بھی لگوا
دوں گا۔ زارا ان ابرش کی گود سے اٹھتے ہوئے
اس کی پیشانی چومتے ہوئے اسے اپنے سینے سے
لگا گیا تھا۔ تم سچ کہہ رہے ہو تم یہ سب کرو گے

میرے لیے؟؟ ابرش نے اس کی آنکھوں میں
دیکھتے بے یقینی سے پوچھا۔ ہر وہ چیز کروں گا جو
تم کہو گی۔ ہماری بیٹی بیٹے کا کمرہ بلو اینڈ پنک ہو
گا۔ بیٹی کے لیے پنک باربی فرا کس لینے ہیں۔
پورے بنگلے میں سونگنز لگانے ہیں اور کچھ زار ان

نے اس کے عارض پر ہاتھ رکھتے نرمی سے
استفسار کیا۔

اپنے بیٹے بیٹی کے لیے میں شاپنگ کروں گی اور
جو میرا دل کرے گا وہی خریدوں گی تم روکو گے
نہیں۔ ابرش نے اس کی طرف دیکھتے انگشت

شہادت کی انگلی اٹھائی۔

ان لیمٹڈ کریڈٹ کارڈ آپ کے نام ہو جائے گا
مسس زار ان خانزادہ!! آپ پورا مال خرید لیجیے
گا۔ میری اتنی ہمت میں آپ کو روکوں!!
زار ان نے اپنی مسکراہٹ دبائی تھی۔

ابرش کھلکھلاتے ہوئے اس کے سینے میں
سمائی۔

زاران ہنستے ہوئے اسے اپنے سینے میں سختی سے
بھینچ گیا تھا۔

آپ کا پیار کبھی کم تو نہیں ہو گا ناں مسٹر

خانزادہ؟! ابرش نے اس کے سینے سے سر
اٹھاتے زار ان کی آنکھوں میں دیکھتے بھگے لہجے
میں استفسار کیا۔

مجھے کچھ نہیں چاہیے نہ بنگلہ نہ یہ کامیج نہ کچھ اور
صرف آپ کی محبت چاہیے!! اس محبت میں

بھی ایک پل کے لیے بھی کسی دوسرے کی
شراکت نہ ہو۔ یہ وعدہ چاہیے!! کبھی مجھے خود
سے جدا نہیں کرو گے تم زاران! قسم کھا کر
وعدہ کرو! تم کبھی نہیں بدلو گے۔ میں مرجاؤں
گی اگر آپ ذرا سا بد لے۔۔ ابرش بھگے لہجے

میں بولتے اس کا ہاتھ اپنے پیٹ پر رکھ گئی تھی۔
میں قربان جاؤں سب سے پہلے تمہارے تم
سے آپ کے سفر پر۔۔۔ زار ان مسکراتے ہوئے
اس کی بھیگی آنکھوں پر باری باری لب رکھ گیا۔
جتنا تم مجھ سے محبت کرتی ہو اس سے کہیں زیادہ

میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ مجھے تم سے محبت
کرنے کے لیے اپنے بچے کی قسم اٹھانے کی
ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہارا تھا اور ہمیشہ
تمہارا رہوں گا۔ تم جنون ہو میرا عشق ہو
میرا۔۔۔ اب تو یہ رمز عشق رمز جنون میں بدل

کیا ہے۔ یعنی یہ چھپا ہوا عشق چھپے ہوئے گہرے
جنون میں بدل گیا ہے تو کیسے کمھارا مسٹر خانزادہ
اپنے عشق سے اپنے جنون سے دغا کر سکتا
ہے۔۔ جانتی ہونا عشق سے بھی زیادہ
خطرناک جنون ہوتا ہے۔ تم جنون ہو مسٹر

خانزادہ کا! اب ساری عمر سمجھیں اپنی سانسوں
میں قید رکھنا ہے۔ چاہے اب یہ سانسیں تم پر
تنگ پڑ جائیں۔ وہ بھاری آواز میں بولتے صوفے
سے اٹھتے اسے گود میں اٹھائے کمرے کی طرف
بڑھا

ابرش گلابی ہوتے اس کے سینے سے لپٹی تھی۔
اے میری بے شرم بیوی!! کچھ نہیں کرنے
والا تمہارا مسٹر خانزادہ۔ تمہارا مسٹر!! خانزادہ
ہے ٹارزن نہیں جو ہر وقت جھنیگالا لاہو ہو کرتا
رہے۔۔۔ زار ان اس کے خود کے ساتھ لپٹنے پر

شرارتی انداز میں بولا۔

ابرش اس کے انداز پر کھلکھلائی تھی۔ زاران
اس کی ہنسی کی جلت رنگ سنتے مسکراتے ہوئے
اسے لیے کمرے میں داخل ہوتے اسے نرمی
سے بیڈ پر لٹاتے اس پر جھکا۔

زاران خانزادہ ابرش کے ساتھ آج ہی پاکستان
پہنچا تھا۔ اسے بے حد امپورٹنٹ میٹنگ کے
سلسلے میں پاکستان واپس آنا پڑا تھا۔ ابرش تو اس
بات پر سے کافی ناراض تھی۔ وہ مزید ادھر ر کنا
چاہتی تھی۔ مگر وہ اسے پیار سے منا کر لے آیا

تھا۔ اس کی گاڑی ابھی حویلی داخل ہوئی تھی۔
زاران نے جلدی سے گاڑی سے اترتے ہوئے
اس کے لیے دروازہ کھولتے بے حد نرمی سے
اس کی کلائی جکڑے اسے باہر نکالا۔ ابرش نے
گاڑی سے اترتے ہوئے اسے نروٹھی نگاہوں

سے دیکھتے اس سے اپنی کلائی چھڑوائی۔ وہ
مسکراتے ہوئے اسے بازو کے حلقے میں لیے
اندر کی جانب بڑھا۔

وہ اسے لیے حویلی کے لاونج میں داخل ہوا۔
اسلام و علیکم مورے!! زاران کی بھاری

بارعب آواز گو جی بھی۔

وعلیکم اسلام بچے!! امینہ خانم صوفی سے اٹھتے

زاران کی طرف بڑھی۔ زاران ابرش کو اپنے

حصار سے آزاد کرتے امینہ خانم کی طرف

بڑھتے ان کی ہتھیلیاں پکڑے نرمی سے چوم گیا

تھا۔

میرا بچہ!! میرا زاران!! امینہ خانم محبت سے
پکارتے ہوئے زاران کے سینے سے لگی۔
ابرش بھیگی مسکراتی آنکھوں اب زاران کو
دیکھ رہی تھی۔ جو امینہ خانم کو بے حد محبت سے

اپنے سینے سے لگائے ہوئے تھا۔
میری پیاری مورے دنیا کی ہر مورے سے
زیادہ اچھی صرف میری مورے۔ وہ انھیں
اپنے سینے سے لگائے ان کا ہاتھ پکڑے ان کی
ہتھیلی پر عقیدت سے لب رکھ رہا تھا۔

اتنا محبت کیوں آرہا اپنے مورے پر؟؟ روزینہ
خانم نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

مجھے ہمیشہ اپنی مورے پر پیار آتا ہے۔ میرا تو دل
ہی نہیں لگا دھر!! سارا وقت اپنا مورے کا یاد
آتی رہی۔ آپ ابرش سے پوچھ لیں۔ میں سارا

دن آپ کو ہی یاد کرتا رہتا تھا۔ زار ان کی بات پر
امینہ خانم کے ساتھ ابرش بھی نظریں جھکائے
مدھم سا ہنس پڑی تھی۔
ہم تمہیں کتنا یاد آ رہا تھا یہ تمہارا آنکھوں کی
چمک سے پتہ چل رہا ہے۔ اللہ نظر بد سے

بچائے ہمارا بیٹا بے حد خوش لگ رہا ہے۔ زارا ان
کو دیکھتے ان کی آنکھیں ڈبڈبائی تھیں۔

میں بہت خوش ہوں مورے!! بہت خوش
ہوں اتنا آج تک خوش نہیں ہوا اور اتنا خوش پتہ
ہے کیوں ہوں۔ زارا ان نرمی سے بولتے انھیں

صوفے پر بٹھاتے ان کے قدموں میں پنجنوں
کے بل بیٹھا۔

کیوں خوش ہے تم؟؟ امینہ خانم نے زار ان کے
عارض پر ہاتھ جمایا تھا۔

مجھے دنیا کی سب سے اچھی مورے ملی۔ جس

نے ہم سب بھائیوں سے بے حد محبت کی۔ ہم
کیا چاہتے ہیں۔ ہمارا سکون کس میں ہے؟؟
ہماری مورے کو ہمیشہ فکر رہی۔ ایک ماں کے
احترام میں پیٹا کھڑا ہوتا ہے مگر ایک ماں بیماری
کی حالت میں بھی اپنے بیٹے کے احترام میں

کھڑی ہوتی ہے یہ صرف ہماری مورے ہی کر
سکتی ہے۔ وہ ان کی گود میں سر رکھے بے حد
نرمی سے ان کی آغوش چوم گیا تھا۔ امینہ خانم
نے نم آنکھوں سے ہنستے ہوئے زار ان کے گھنے
بالوں میں انگلیاں چلائی تھیں۔

جو خوشبو میری مورے کی آغوش سے آتی ہے
وہ دنیا کے مہنگے مہنگے سینٹ میں نہیں۔ زاراں
کی نم آواز اب گونجی تھی۔

تمھاری مورے نہیں میری مورے کی آغوش
سے جو خوشبو آتی ہے وہ کسی سینٹ سے آ نہیں

سکتی۔ ارحام خانزادہ کی بھاری آواز گوجی تھی۔
زاران خانزادہ گہرا مسکراتے ہوئے امینہ خانم کی
گود سے سر اٹھاتے زمین سے اٹھاتا تھا۔
امینہ خانم بھی جلدی سے صوفے سے اٹھی
تھیں۔ ارحام خانزادہ حور اور پرہیز کے ساتھ

لاونج میں داخل ہوا تھا۔

حور سیاہ عباسیہ میں ملبوس حجاب لیے کھڑی
تھی۔ پرینڈے اس کا ہاتھ جکڑے کھڑی تھی۔

حور اور ابرش نے مسکراتے ہوئے ایک

دوسرے کو دیکھا تھا

آپ کی مورے لالا صرف آپ کی مورے !!
میرا اور شہرام کا حق بہت بعد میں آتا ہے۔
مورے کو مورے آپ نے بنایا۔ جو حق آپ کا
ہے وہ ہمارا ہو بھی نہیں سکتا۔ زارا ان خانزادہ
آگے بڑھتے ارحام سے بغلیگیر ہو گیا تھا۔

کیسا ہے میرا زار ان میرا منسٹر؟؟ ارحام اسے
سختی سے خود کے ساتھ لپٹا گیا۔ ٹھیک ہوں لالا
آپ کو دیکھ لیا میری ہر خوشی ڈبل ہو گئی۔ وہ
مسکراتے ہوئے الگ ہوا۔
ارحام زار ان کو مسکراتی نگاہوں سے دیکھتے امینہ

خانم کی طرف بڑھا۔

میری مورے صرف میری ہے۔ میں شہرام
زاران کو کبھی آپ پر مکمل حق جتانے بھی نہیں
دوں گا۔ ارحام سنجیدگی سے کہتے امینہ خانم کو
سینے سے لگا گیا تھا۔

یہ سچ ہے ہم صرف اپنا بڑا بیٹا کا ہے زارا ان شہرام
دونوں نمھارا سامنے کچھ نہیں۔ امینہ خانم ارحام
کو دیکھتے بھیگے لہجے میں بولی تھی۔ ارحام خانزادہ
امینہ خانم کی ہتھیلی چومتے ہوئے گہرا مسکرایا تھا۔
چھوٹے بیٹے کا سب سے زیادہ حق ہوتا ہے اپنی

مورے پر!! اور میری مورے پر میرا حق سب
سے زیادہ ہے یاد رکھیے گالا لا!! شہرام خان
لاونج میں داخل ہوتے بھاری آواز میں بولا۔
سب ان کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ وہ اور
بہارے داخلی دروازے سے اندر داخل ہوئے

تھے۔ شہرام خان اس وقت بلو جینز پر سفید
شرٹ پہنے ہوئے تھا جس پر بلو سیلو لیس سویٹر
پہنے ہوئے تھا۔ بہارے گلابی فرائیڈ
گلابی امتزاج کی بے حد ڈیلی کیٹ گرم شال سر
پر اوڑھے ہوئے تھی۔ چہرہ گلاب کی طرح کھلا

تھا۔ چمکتی آنکھوں میں شہرام خان کی دیوانگی
کے گہرے رنگ تھے۔ وہ جیسے پہلی رات کی
دلہن کی طرح مہک رہی تھی۔

شہرام خان جینز کی پاکٹ میں ہاتھ ڈالے دیوار
کے ساتھ ٹیک لگائے سب کو دیکھ رہا تھا۔

زاران ارحام اسے مسکراتی نگاہوں سے دیکھ
رہے تھے۔

تمہارا حق ہم پر سب سے زیادہ ہے کیونکہ تم
ہمارے شیر ہو۔ ہمارا شہرام خان جس جیسا
پوری دنیا میں کوئی نہیں۔ زاران اور ارحام

اسے محبت اور فخر یہ نگاہوں سے دیکھتے بیک
وقت بولے تھے۔

شہرام نگاہیں نیچے کیے سر نفی میں ہلاتے ہنس پڑا
تھا۔

مجھے صرف اپنی مورے چاہیے آپ دونوں کی

تعریف نہیں۔ وہ سنجیدگی سے بولتے اپنے
پینٹ کی پاکٹس میں ہاتھ ڈالتے ان سب کی
طرف بڑھا۔

یاد رکھیے گالا لا!! مورے بھی میری عابی بھی
میری اور یہ حویلی بھی میری!! آپ دونوں کو نہ

اس حویلی پر حق جتانے دوں گا نہ اپنی مورے
اور عالی پر۔ شہرام خان سنجیدگی سے بولتے
ہوئے امینہ خانم کی طرف بڑھتے انھیں اپنے
سینے سے لگا گیا تھا۔

ارحام اور زارا ان شہرام کو مسکراتی نگاہوں سے

پڑی تھی۔

امینہ خانم ڈبڈباتی آنکھوں سے شہرام کو دیکھ رہی
رہی تھی۔ زار ان ارحام آگے بڑھتے شہرام کے
گلے لگے تھے۔

مبارک ہو میری جان۔ زار ان نے اسے خود

میں بھینچا تھا۔

میرا شیر!!! ایک بیٹی کا باپ بننے جا رہا ہے۔

ارحام نے مسکراتے ہوئے بولتے اس کے کمر کو

محبت سے تھپکی دی۔

جی لالاعابی اور پرینڈے کی کاربن کاپی چاہیے

مجھے !! اگر ایسا ہوا سمجھو میں سب سے خوش
قسمت !! شہرام مسکراتے ہوئے آگے بڑھتے
پریذے کو گود میں اٹھا گیا۔
چاچو کیا میری سسٹر آرہی ہے؟؟ پریذے نے
شہرام کے گال پر ہاتھ رکھتے پوچھا۔

مجھے !!! اگر ایسا ہوا سمجھو میں سب سے خوش
قسمت !!! شہرام مسکراتے ہوئے آگے بڑھتے
پریذے کو گود میں اٹھا گیا۔
چاچو کیا میری سسٹر آرہی ہے؟؟ پریذے نے
شہرام کے گال پر ہاتھ رکھتے پوچھا۔

ہاں آپ کی چھوٹی بہن آرہی ہے؟؟ جو بلکل
آپ جیسی ہوگی۔ شہرام پریدے کے گال کو
چومتے ہوئے بولا۔

ایک سسٹر نہیں آرہی آپ کی پریدے تین تین
سسٹرز آرہی ہیں۔ اسفندیار خان کی بھاری آواز

گو نچتے سب کو اس کی طرف متوجہ کر گئی تھی۔
سب اسفندیار خان کی طرف متوجہ ہوئے جو
داخلی دروازے کے بیچ و بیچ عابیر کے ساتھ کھڑا
تھا۔ عابیر سیاہ فراق پر سیاہ شال اوڑھے ہوئے
تھی۔ جو سر سے پھسلتی کندھوں پر آئی تھی۔

اس کے سنہرے بال کمر پر بکھرے تھے۔ وہ
لب کاٹتے ہوئے نظریں جھکائے ہوئے تھی۔
اسفندیار خان سیاہ شلوار قمیض پر سیاہ مردانہ
شال اوڑھے ہوئے تھا۔
وہ زار ان کو نم نگاہوں سے دیکھتے تیزی سے

آگے بڑھتے اس کے ساتھ شدت سے لپٹا تھا۔
زاران بھی اسے خود میں سختی سے بھینچ گیا تھا۔
جانتا ہے میرے گھر دو دو سیٹیاں آرہی ہیں۔ تم
سب سے زیادہ میرا رب مجھ سے خوش ہے۔
ایک نہیں دو دور حمیتیں مجھے دے رہا ہے۔

اسفند اس سے الگ ہوتے بھیکی آواز میں بولتے
اپنی نم آنکھیں انگلیوں سے مسل گیا۔
عابیر کی آگے بڑھنے کی ہمت ہی نہیں ہوئی
تھی۔ وہ اپنے چکراتے وجود کو سنبھالتے بھاری
دروازے کو کپکپاتے ہاتھوں سے تھام گئی تھی۔

دویٹیاں آرہی ہیں؟؟ زارا ان خوشی سے چہکا
تھا۔

ہاں دویٹیاں!! اسفند کی آواز مزید شدت سے
بھیگی تھی۔

مبارک ہو سالے کمینے!! زار ان اس کے سینے
پر مکہ مارتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لپٹا گیا تھا۔

**Wawo chachoo!!my three
sisters and one brother
also coming . Papa and**

Mama said they will give
me 8 babies

پرینڈے کی چہکتی آواز پر سب نے ارحام کو دیکھا
- حور نے سرخ پڑتے ارحام کو پریشانی سے دیکھا
تھا۔ جس کا چہرہ پرینڈے کی بات پر سنجیدہ ہوا

تھا۔ ارحام کے سنجیدہ نقوش دیکھتے حور کی
آنکھیں شدت سے بھیگی تھیں۔

ارحام خانزادہ نے حور کی بھیگی آنکھیں دیکھتے خود
پر ضبط کرتے ہوئے مسکراتے ہوئے حور کو

دیکھا تھا۔ جوار حام کی مسکراہٹ پر بے یقین
ہوتے اسی لمحے کھل اٹھی تھی۔

میری خواہش ہے اس بار رب مجھے پیٹا دے !!
ارحام نے سنجیدگی سے سب کی طرف دیکھا۔
حور گلابی ہوتے نگاہیں جھکا گئی تھی۔

کیوں نہیں لالا؟؟؟ ان شاء اللہ اس بار خدا آپ کو
پیٹا ہی دے گا۔ ازار آگے بڑھتے ارحام کے گلے
لگا تھا۔

ارحام ہنستے ہوئے اسے شدت سے خود کے
ساتھ لپیٹا گیا تھا۔

شہرام پر یزے کو گود سے اتارتے ہوئے عابیر
کی طرف بڑھا۔ جوا بھی بھی دروازے میں جمی
کھڑی تھی۔

مبارک ہو عابی! وہ اس کی طرف بھاری
قدموں سے بڑھتے اسے نرمی سے بازو سے

جکڑے اسے اپنے سینے سے لگا گیا تھا۔ عابیر اس
کے سینے سے لگے سسک پڑی تھی۔

کیا ہوا ہے کیوں رو رہی ہو؟؟ شہرام نے اسے
خود سے الگ کرتے ہوئے گرجدار آواز میں
پوچھا۔ شہرام کی اونچی آواز پر سب ان کی طرف

متوجہ ہوئے تھے۔

لالا یہ یہ تو خوشی کے آنسو ہیں۔ عابیر بری طرح
گھبرائی تھی۔ شہرام اس کی آنکھوں میں آنسو
برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اسفند کے پاس واپس
جانے پر وہ زیادہ ٹھچی ہو گیا تھا۔

خوشی کے آنسو کیوں نہ ہوں عابیر کا آنکھوں
میں !! دو بیٹیوں کا خبر سنتا کون خوش ہوتا ہے
سوائے ہمارے بیٹا کے !! دماغ ہی ایسا بنا دیتا ہے اج
کل کا عورت اپنے مرد کا۔ جو وہ کہے ٹھیک جو وہ
چاہے وہی مرد کا چاہت بن جاتا ہے

ہم کو تو سمجھ نہیں آرہا ہم خوشی منائے یا غم! خدا
ہمارا بیٹا کو ایک ہی بیٹا دے دیتا۔ اکٹھا دو دو
سیٹیاں دے رہا ہے۔ روزینہ خانم کی بات پر
سب کے چہروں پر ناگواری چھائی تھی۔ شہرام
خان کے جبرے بری طرح بھینچے تھے۔ اسفند

کے چہرے پر طیش و الم میں سرخی چھائی تھی۔
اللہ مجھے ہر سال دو بیٹیاں بھی دے گا میں ایسے
روتے ہوئے خوشیاں مناؤں گا۔ مجھے اپنے رب
سے صرف رحمت چاہیے مورے!! آپ نہیں
سمجھ سکتی عابیر مجھے بیٹیوں کی خبر سنا کر خرید چکی

ہے۔ آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں اس کی چاہت اب
میری چاہت بن چکی ہے۔ اس لیے میں نے
عابیر کا ایڈ مشن میڈیکل کالج میں کروادیا ہے
اور میں اسلام آباد شفٹ ہو رہا ہوں۔ مجھے لگتا
ہے اس کے ذہنی سکون کے لیے یہ مناسب

ہے۔ کیونکہ آپ اسے بیٹیوں کا طعنہ ماریں گی
یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوگا۔ اسفندیار خان
سنجیدگی سے بولتے روزینہ خانم کے مقابل
آتے ہوئے ان کی ہتھیلیاں چوم گیا تھا۔
تم ہمیں چھوڑ کر جا رہا ہے۔ روزینہ خانم بھیگی

آواز میں بولی تھی۔ نہیں چھوڑ کر جا رہا۔ چھوڑ
ہی نہیں سکتا آپ کو؟؟ مورے ہیں میری!!
میرا سب کچھ!! جب تک عابیر ڈاکٹر نہیں بن
جاتی تب تک اسلام آباد رہوں گا۔ پھر ہمیشہ کے
لیے اھر ہی واپس پلٹوں گا۔ آتا جاتا رہوں گا اس

دوران۔ ساتھ جانا چاہیں تو جاسکتی ہیں۔ وہ گھر
عابیر کا بعد میں آپ کا پہلے ہے۔ مگر بیٹیوں کا
طعنہ نہیں سنوں گا۔ جان سے زیادہ عزیز ہیں
میری بیٹیاں مجھے۔ کاش آپ جان سکتی آپ
کے پیٹا کیا چاہتا ہے؟ اس کی خوشی میں

ہے۔؟؟ اسفندیار خان کی بھیلی آواز پر عابیر
تڑپتے ہوئے شہرام کے سینے میں منہ چھپا گئی
تھی۔۔۔

ہم سب سمجھتا ہے۔ تمہارا خوشی کیا ہے؟؟ اپنا
مورے سے بڑھ کر ہے تم کو سب کچھ! اس

لیے ہم کو چھوڑ کر جا رہا ہے۔ جاؤ چھوڑ دو ہمیں۔
بابرک نے چھوڑ دیا تم بھی چھوڑ دو۔ روزینہ
خانم پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھیں۔ اسفندیار
خان روتے ہوئے انھیں اپنے سینے سے لپٹا گیا
تھا۔ بہارے نے گہرے سانس لیتے ہوئے اپنی

لیے ہم کو چھوڑ کر جا رہا ہے۔ جاؤ چھوڑ دو ہمیں۔
بابرک نے چھوڑ دیا تم بھی چھوڑ دو۔ روزینہ
خانم پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھیں۔ اسفندیار
خان روتے ہوئے انھیں اپنے سینے سے لپٹا گیا
تھا۔ بہارے نے گہرے سانس لیتے ہوئے اپنی

بھیلی آنکھیں رگڑی تھیں۔ ارحام آگے بڑھتے
اس کے سر پر ہاتھ رکھ گیا تھا۔ لالا!! بہارے
ارحام کے سینے سے لگے روپڑی تھی۔
آپ میرے ساتھ چلیں مورے!! عابیر جب
تک ڈاکٹر نہیں بن جاتی مجھے اس کے ساتھ

اسلام آباد رہنا ہی ہو گا۔ اسفند بھگے لہجے میں
بولتے روزینہ خانم کو سینے سے لگا گیا تھا۔
نہیں ہم اپنا حویلی چھوڑ کر نہیں جائے گا۔ دعا
ہے ہمارا خدا تمہارا ہر خواہش پورا کرے۔
روزینہ خانم بھگے لہجے میں بولتے اسفند سے

علیحدہ ہوئی تھی۔

جان لیں ایک بات!!! آپ مورے ہیں بہت
پہلے آتی ہیں۔ میری زندگی میں!!! عابیر بہت
بعد میں۔۔۔ بیٹے کی زندگی میں ماں کا جو مقام ہوتا
ہے وہ کیوں نہیں سمجھتی۔ بیوی جان سے بھی

زیادہ عزیز ہوماں کا رتبہ بہت بلند ہوتا ہے۔۔
بہت زیادہ آپ کا جو مقام ہے وہ کوئی نہیں
حاصل کر سکتا۔ اسفند نے سنجیدگی سے کہتے
روزینہ خانم کی آنکھوں سے بہتے آنسو نرمی سے
صاف کیے۔

خوش رہو تم اور عابیر! روزینہ خانم نے اسفند
کے نم گال پر ہاتھ رکھتے دعا دی۔
زاران مسکراتے ہوئے عابیر کی طرف بڑھتے
اسے شہرام کے حصار سے لیے اپنے سینے سے لگا
کیا تھا۔

لالا آئی لو یو!! عابیر زار ان کے سینے سے لگے رو
پڑی تھی۔

زار ان نے مسکراتی جتاتی نگاہوں سے شہرام
خان کو دیکھتے آئی بروا چکائے تھے۔

عابی میری ہے لالا!!! شہرام نے سنجیدگی سے

کہا۔

آئی لو یو کس کو بولا؟!۔ زار ان نے بھی جواباً
سنجیدگی سے کہا تھا۔ عابیر زار ان کے سینے سے
لگی بھیگی ہنسی ہنسی تھی۔
جس مرضی کو بولے مگر عابی میری ہے نہ میں

اپنی عالی کو چھوڑوں گا۔ نہ اس حویلی کو!! ماں
باپ اور آباؤ اجداد کی حویلیاں گھر چھوٹے بیٹے
کے حصے میں آتی ہیں۔ میری مورے بابا داجی
سب میرے ہیں۔ وہ مسکراتے ہوئے اب بولا
تھا۔ سب تمہارا ہے شہرام خان کیونکہ تم ہم

سب کے ہو۔ زار ان عابیر کو خود سے الگ
کرتے ہوئے مسکراتے ہوئے اسے اپنے سینے
سے لگا گیا تھا۔ شہرام ہنستے ہوئے زار ان کے
گلے لگا تھا۔ عابیر ہنستے ہوئے دونوں کو دیکھ رہی
تھی۔

سمجھیں تو سیٹ کرتا ہوں عالی!! ہمیشہ کی طرح
اُئی لو یو لالا کے حصے میں آیا ہے۔ شہرام نے
عابیر کو گھورا تھا۔

کیونکہ میں اپنے زار ان لالا سے سب سے زیادہ
پیار کرتی ہوں۔ عابیر شہرام خان کے جھنجھلاتے

چہرے کو دیکھتے گہرا مسکرائی تھی۔
زاران ہنستے ہوئے عابیر کو سینے سے لگا گیا تھا۔
دونوں سالے کمینے !! اسفندیار خان بھڑ بھڑ
جلتے لفظ چباتے ہوئے بہارے کی طرف بڑھا جو
اپنی آنکھیں شال سے بار بار رگڑ رہی تھی۔

اسفند نے بہارے کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔
بہارے روتے ہوئے اسفند کے سینے میں سمائی
تھی۔

اسفند اس کے بالوں پر نرمی سے لب رکھتے اسے
خود میں بھینچے ہوئے تھا۔

ویسے آج دل کر رہا ہے اپنے سالے کو گلے سے
لگالوں۔ شہرام خان نے زاران اور عابیر کو
دیکھتے مسکراتے ہوئے کہا۔
زاران گہرا مسکرایا تھا۔
لیکن نہیں لگا سکتا جو مزادور سے اپنے سالے

کے جلن زدہ چہرے کو دیکھنے میں ہے وہ کسی چیز
میں نہیں۔ شہرام خان اسفند یار خان کو دیکھتے
اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔
ویسے آج جل تو تو بھی رہا ہے۔ زار ان نے
بہارے کو اسفند کے گے لگے دیکھتے شہرام کے

جلن زدہ چہرے کو دیکھتے چوٹ کی۔ یہ تو ہے آج
بیچارے لالا کا دکھ سمجھ آیا جو عابیر کو ہمارے
گلے لگے دیکھ کر اسے ہوتا ہے۔ شہرام خان
بہارے کو اپنی گہری نگاہوں کے حصار میں
رکھتے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا تھا۔

زاران عابیر کا قہقہہ گونجتا تھا۔ جس میں شہرام
خان نے بھرپور ساتھ دیا تھا۔
ارحام حور کا ہاتھ پکڑے کے اس کی پشت کو
شدت سے چومتی ہوئے پرینڈے کو گود میں اٹھا
کیا تھا۔ پرینڈے اور حور کھلکھلائی تھیں۔ ارحام

خانزادہ ان دونوں کو ہنستے دیکھ کر ہنسا تھا۔
ابرش نے سب کو ایک نظر دیکھتے زار ان کو بھیگی
نگاہ سے دیکھا جو اپنی فیملی کے ساتھ کھڑا ہنس رہا
تھا۔ وہ جلدی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔
اس سے پہلے وہ پہلی سیڑھی پر قدم رکھتی زار ان

اسے بازو سے جکڑے اپنے سینے سے لگا گیا تھا۔
ابرش نے بے یقینی سے زار ان کو دیکھا جو سب
کے سامنے اسے سینے سے لگائے ہوئے تھا۔
ابرش تپ کر قندھار ہوتے سرخ ہوئی تھی۔ وہ
اس کے سینے سے سراٹھائے اسے بھیگی نگاہوں

سے دیکھ رہی تھی۔

ہے میری بے شرم بیوی!! تنہیں لگا میں
تنہیں بھول چکا ہوں، ہم سب!! زارا نے اس
کی ٹھوڑی کو نرمی سے چھوتے اس کی پیشانی پر
لب رکھے۔

نہیں تو مسٹر خانزادہ۔۔ ابرش بھیکے لہجے میں
بولتے ہنسی تھی۔

راز آنکھیں تیری سب بیاں کر رہی
سن رہا دل تیری خاموشیاں
کچھ کہوناں سنوں

پاس میرے تم رہو
عشق کی کیسی ہیں گہرائیاں
زار ان اس کے کان میں مدھم سرگوشی کرتے
گنگنا یا تھا۔
ابرش نظریں جھکائے سرخ پڑتے مسکرائی

تھی۔ زاران اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے
سب کی طرف بڑھا۔

امینہ خانم حور عابیر بہارے سے لاکھوں روپے
وار رہی تھی۔ ابرش نم نگاہوں سے یہ سب دیکھ
رہی تھی۔ زاران ابرش کا ہاتھ تھامے ہوئے

سب دیکھتے مسکرا رہا تھا۔ ابرش زاران کو دیکھتے
اب مسکرا رہی تھی۔ زاران نے جواباً اسے
دیکھتے آنکھ ماری تھی۔ ابرش کھلکھلا کر ہنس پڑی
تھی۔

یہ ہے زاران خانزادہ کی بیوی!! جسے اپنے مسٹر

کے علاوہ کچھ نہیں چاہیے۔ وہ ابرش کی طرف
دیکھتے مسکرایا تھا۔

چاہیے تو صرف مسٹر خانزادہ ہی۔ کل بھی آج
بھی صرف مسٹر خانزادہ!!! ابرش بھیگے لہجے میں
بولتے ہنسی تھی۔

تو مسٹر خانزادہ صرف اپنی ابرش کا اپنی بیوقوف
جذباتی بے شرم بیوی کا۔ وہ اس کی طرف جھکے
مدھم سرگوشی کر گیا تھا۔ ابرش کی ہنسی ایک بار
پھر سے لاونج میں گونجی تھی۔
لاونج میں سب کی ہنسی گونج رہی تھی۔

امینہ خانم ابرش کی طرف بڑھی تھیں۔ اپنے
ہاتھ میں پکڑے نوٹ ابرش کی طرف بڑھانے
کے لیے ہاتھ بڑھائے۔

زاران ان کا ہاتھ نرمی سے تھام گیا۔ ابرش اور
امینہ خانم نے زاران کو حیرانگی سے دیکھا تھا۔

مورے یہ پیسے مجھ پر واریں ابرش پر ضرورت
نہیں۔۔

کیونکہ دادی میں آپ کو بنانے جا رہا ہوں۔
زاران کی بات پر سب اس کی طرف متوجہ
ہوئے تھے۔ ابرش گلاب کی طرح سرخ پڑتے

مورے یہ پیسے مجھ پر واریں ابرش پر ضرورت
نہیں۔۔

کیونکہ دادی میں آپ کو بنانے جا رہا ہوں۔
زاران کی بات پر سب اس کی طرف متوجہ
ہوئے تھے۔ ابرش گلاب کی طرح سرخ پڑتے

نظریں جھکائی تھی۔

کیا کہہ رہا ہے زار ان؟! امینہ خانم کی آواز بھیگی
تھی۔۔

جی مورے آپ دادی۔۔ لالائیا اسفند اور
شہرام چاچو بن رہے ہیں۔ عابیر اور بہارے

پھوپھو بن رہی ہیں۔ زار ان کی چہلتی آواز پر
سب کی ہنسی گونجی تھی۔ امینہ خانم روتے ہوئے
زار ان کے سینے سے لگی تھی۔ ابرش بھی
نظریں جھکائے اپنی شال سے آنکھیں رگڑتے
روتی جا رہی تھی۔

عابیر شہرام کے سینے سے لگے زار ان اور ابرش
کو دیکھتے رو دی تھی۔

بہارے اسفند کے سینے سے لگے رو دی تھی۔
ارحام حور کی پیشانی پر لب رکھتے اسے اپنے
ساتھ لگا گیا تھا۔ امینہ خانم نے زار ان سے الگ

ہوتے ابرش کی پیشانی چومی۔ ابرش کے رونے
میں اضافہ ہوا تھا۔

مت رو بچہ !! اس بار اللہ بہتر کرے گا۔ امینہ
خانم نے نرمی سے کہتے ابرش کے سر پر ہاتھ
پھیرا۔

لاونج میں داخل ہوتی پلوشہ کے ہاتھوں میں قہوہ
کی ٹرے لرزی تھی۔ وہ اپنے ہاتھوں کی
کپکپاہٹ پر قابو پاتے ہوئے کچن کی طرف
جلدی سے بڑھ گئی تھی۔ سنک میں قہوہ کی ٹرے
پٹختے ہوئے وہ پھوٹ پھوٹ کر رودی تھی۔

زحلے زرتاج آہل سوٹ کیس پکڑے لاونج میں
داخل ہوئے تھے۔ ابرش کی گڈ نیوز سننے آہل
اپنی بھیگی آنکھیں رگڑتے روپڑا تھا۔
زحلے بھی ابرش کو دیکھتے رو رہی تھی۔ ابرش

زاران سب ان لوگوں کو سوٹ کیسز کے
ساتھ دیکھتے حیران ہوئے تھے۔
مبارک ہو بھائی!!! آہل شک کے سہارے چلتے
ہوئے زاران کے مقابل آتے اس کے گلے سے
لگا۔

زحلے ابرش کے مقابل آتی اسے بھیگی نگاہوں
سے دیکھتے اس کے گال پر ہاتھ رکھ گئی۔
ماما!!! ابرش ان کا ہاتھ تھامے رو پڑی تھی۔
کہاں جا رہے ہو؟! زار ان نے آہل سے الگ
ہوتے سنجیدگی سے استفسار کیا۔

بھائی اسلام آباد جا رہے ہیں۔ جتنا پیسہ ولو گز
سے کمایا ہے اس پیسے سے ایک چھوٹا سا بزنس
سٹارٹ کروں گا۔ قسمت نے ساتھ دیا تو ٹھیک
ہے ورنہ پھر واپس امریکہ چلیں جائیں گے۔ مگر
اپنی بہنوں کو چھوڑ کر جانے کا حوصلہ نہیں پڑ رہا

۔ آہل ابرش کو دیکھتے نم لہجے میں بولا۔
ابرش نے سسکی لیتے اپنی چادر سے آنکھیں
رگڑی۔

تم لوگوں کا حق ہے۔ داجی کی جائیداد پر پھوپھو کا
حق ہے۔ وہ سب کچھ تم سب کا ہے۔ زارا ان

نے آہل کے کندھے پر ہاتھ رکھتے کہا۔
نہیں بھائی ایک پیسہ نہیں لوں گا۔ نہ میری بہن
ایسا چاہتی ہے۔۔ جس میں میری بہن کی عزت
نفس ہرٹ ہو وہ کام کبھی نہیں کروں گا۔ اور سچ
کہوں مجھے بھی یہ پیسہ نہیں چاہیے۔ جس پر حق

ہمارا دل ہی نہیں مانتا۔ آہل کی بات پر ابرش اس
کی طرف بڑھتے اس کے ساتھ لپٹتے روپڑی
تھی۔

ہمیں نہیں چاہیے وہ پیسہ آہل !! تم کبھی نہیں لو
گے داجی کا پیسہ !! ایک روپیہ نہیں لو گے۔ جتنا

ہمارے پاس ہے ہم خوش ہیں۔ جب کچھ نہیں
تھا ہم زندہ تھے جی رہے تھے۔ آج تو بہت کچھ
ہے۔ تم وعدہ کرو کچھ بھی ہو جائے کبھی کسی
سے ایک روپیہ نہیں لو گے۔ ابرش نے آہل
کی آنکھوں میں دیکھتے اٹل لہجے میں وعدہ لیا تھا۔

زاران نے جبرے جھینچتے اپنی ضدی بیوی کو
دیکھا تھا۔ وہ بہت مشکل سے خود پر قابو پائے
ہوئے تھا۔ اس معاملے میں وہ اس کی کبھی نہیں
سن سکتی تھی وہ جانتا تھا۔
ٹھیک کہہ رہا ہے ابرش!! ہمارا پیسہ پر زحلے کا

کوئی حق نہیں۔ کیونکہ وہ ہمارا بیٹی ہی نہیں۔
سمیع اللہ لاونج درید خان اور اربد کے ساتھ
داخل ہوتے گر جدار آواز میں بولے تھے۔
ابرش نے گہرا سانس لیتے کپکپاتے ہوئے
زاران کو بھیگی نگاہوں سے دیکھا۔

ریلیکس!! زاران اسے بازو کے حلقے میں لیے
اس کی پیشانی نرمی سے چوم گیا۔
مبارک ہو تم کو تم ہمارا زاران کو اس کا وارث
دینے جا رہا ہے۔ تم ہمارا زاران کا بیوی ہے اس کا
عزت ہے۔ وہ تم سے محبت کرتا ہے اس لیے

ہمارا دل میں مکھارا لیے اب کوئی کڑواہٹ نہیں
خوش رہو۔ سمیع اللہ نے آگے بڑھتے ہوئے
ابرش کے سر پر ہاتھ رکھا۔
داجی ضروری نہیں ابرش مجھے وارث دے۔
میرے گھر بیٹی بھی ہو سکتی ہے۔ یہ تو میرے

ہمارا دل میں مکھارا لیے اب کوئی کڑواہٹ نہیں
خوش رہو۔ سمیع اللہ نے آگے بڑھتے ہوئے
ابرش کے سر پر ہاتھ رکھا۔
داجی ضروری نہیں ابرش مجھے وارث دے۔
میرے گھر بیٹی بھی ہو سکتی ہے۔ یہ تو میرے

رب کا فیصلہ ہو گا وہ مجھے بٹی دے یا بیٹا دے۔ ہو
سکتا ہے میرے گھر آپ کا وارث پیدا نہ ہو۔
ہمیں صرف بیٹیاں ہوں۔ زارا ان نے سنجیدگی
سے سمیع اللہ کو کہا تھا۔
پھر ہمارا دعا ہے تمہیں اللہ تمہارا بیوی اور ہمارا

بیٹی جیسا بیٹی نہ دے۔۔ سمیع اللہ مٹی سے بولتے
داخلی دروازے کی طرف بڑھے تھے۔ زحلے
کی سسکیاں گونجی تھیں۔ ابرش نے لڑکھڑاتے
ہوئے زار ان کے بازو کو سختی سے جکڑا۔
اور میری دعا ہے رب مجھے جب بھی بیٹی دے وہ

ابرش جیسی ہو۔ زار ان کی سرد سنجیدہ آواز سمیع
اللہ کے قدم روک چکی تھی۔

میری بیٹی میری بیوی جیسی ہو۔ اپنے رشتوں
کے لیے ہر حد سے گزر جانے والی۔ سچی محبت
کرنے والی۔ خود ار جذباتی۔ بیوقوف جو کچھ

میری ابرش ہے وہی میری بیٹی ہو۔ کیونکہ اپنی
بیٹی کے ہر قدم پر میں کھڑا ہوں گا۔ میں زار ان
خانزادہ اس کی ڈھال بن کر!! جب جب وہ
لڑکھڑائے گی اس کے قدموں کے نیچے میں
اپنے مضبوط ہاتھ رکھوں گا۔ زار ان سنجیدگی سے

کہتے سمیع اللہ کے مقابل آیا۔
تمہیں لگتا ہے میں زحلے کے قدم پر ڈھال
نہیں بنا۔ سمیع اللہ کی آواز بھیگی تھی۔
نہیں بنے واجی آپ!! بیٹیوں سے غلطیاں ہو
جاتی ہیں انھیں معاف کیا جاتا ہے۔ اس غلطی کو

ساری عمران کے لیے ناسور نہیں بنا دیا جاتا۔
زاران کی بات برسمیع اللہ لاٹھی پر دباؤ ڈالتے
سرنفی میں ہلاتے تلخی سے ہنس پڑے تھے۔
اس گاؤں میں زحلے ہی پہلی لڑکی تھی جو لڑکوں
کا کالج میں پڑھنے گیا تھا۔ سب نے روکا تھا

برادری نے طرح طرح کا باتیں سنایا۔ ہم نے
بولادریدا ربد نور یز خان ہمارا بیٹا ہے تو زحلے بھی
ہمارا بیٹا ہے۔ ہمارا بیٹی بیٹی نہیں بیٹا ہے۔ ایسا سینہ
ٹھو کا تھا۔ سمیع اللہ نے گر جتے ہوئے اپنا سینہ
ٹھو کا۔

کیا ہوا اس نے ہمارا سر جھکا دیا۔ ارے تم سب کو
اس کا درد نظر آتا ہے ہمارا درد اس باپ کا درد
نظر کیوں نہیں آتا؟ جس کا بیٹی اس کو دھوکہ دیتا
ہے۔ یہی کیوں لگتا ہے باپ سفاک ہے ظالم
ہے اور جو بیٹی رات کا اندھیرے میں اپنا باپ کا

منہ پر کالک ملتا ہے وہ نظر کیوں نہیں آتا۔ سمیع
اللہ نے بھیگے لہجے میں استفسار کیا تھا۔
آتا ہے درد نظر آتا ہے داجی۔ ہم سب آپ کے
درد کو بخوبی جانتے ہیں۔ مگر جب آپ نے زحله
پھوپھو کو معاف کر چکے تھے انھیں واپس بلایا

اب آپ کا رویہ سمجھ سے بالاتر ہے دا جی!!
آپ جھوٹی آنا دکھا کر نہ صرف پھوپھو کے
ساتھ زار ان کے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں۔
اس کی اتنی بڑی خوشی آپ کے تلخ جملوں اور
رویے نے آنسوؤں کی نظر کر دی۔ ارحام ابرش

اور زحلی کا آنسوؤں سے تر چہرہ دیکھتے سنجیدگی
سے بولتے اپنے بھاری قدموں سے سمیع اللہ
خان کی طرف بڑھا۔
زاران ابرش کی طرف بڑھتے اسے اپنے سینے
سے لگا گیا تھا۔

ریلیکس رہو میری جان!! پھوپھو داجی کی بیٹی
ہے۔ وہ حق رکھتے ہیں پھوپھو پر۔۔ زارا نے
پریشانی سے اس کی پکپکاتے وجود کو اپنی بانہوں میں
لیتے کہا۔

ابرش اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس کے سینے

میں سمائی تھی۔

ہم نے اسے معاف کیا تھا اس کو اپنا پاس بھی بلایا
۔ مگر آہل اور ابرش نے جو کیا مجھے احساس ہوا۔
جو زحلے نے کیا وہ اب ساری عمر پیچھا نہیں چھوڑ
سکتا۔ جو اس نے کیا وہی اس کا بچوں نے کیا۔ ہم

میں سمائی تھی۔

ہم نے اسے معاف کیا تھا اس کو اپنا پاس بھی بلایا
۔ مگر آہل اور ابرش نے جو کیا مجھے احساس ہوا۔
جو زحلے نے کیا وہ اب ساری عمر پیچھا نہیں چھوڑ
سکتا۔ جو اس نے کیا وہی اس کا بچوں نے کیا۔ ہم

ایک بار پھر اس درد سے گزرا جو زحلے نے ہم کو
برسوں پہلے دیا تھا۔ سمیع اللہ کی بات پر زار ان
کے چہرے پر سرخی چھائی تھی۔ ابرش اس کے
حصار سے ایک جھٹکے سے علیحدہ ہوتے سمیع اللہ
کی طرف بڑھتے ان کے مقابل آئی۔

زاران نے جبرے بھینچتے اپنی بیوی کو دیکھا
تھا۔

داجی بیٹیوں کو پیٹا کہتے ہی نہیں انھیں بیٹے جیسے
اختیارات بھی دیے جاتے ہیں۔ تب بنتی ہیں وہ
پیٹا!!

میں دو مرتبہ زار ان خانزادہ کی پناہوں سے
بھاگی کیونکہ مجھے دونوں مرتبہ مجھے لگایہ رشتہ
میری سانسیں گھونٹ دے گا۔ پتہ ہے میں
سیدھے راستے سے کیوں نہیں گئی آپ کے
پوتے زار ان خانزادہ نے سیدھے راستے پر دھکتی

آگ جیسے کانٹے بچھائے تھے۔ کیسے چل سکتی
تھی ان کانٹوں پر چل کر میں!! جو راستہ آسان
لگا وہاں سے نکل گئی۔ جس طرح مرد کو حق ہے
عورت کو اپنی مٹھی میں قید کرنے کا! اس طرح
عورت کو بھی حق ہے اس مٹھی سے نکل کر کھل

کے سانس لینے کا!! کیا اس حویلی سے میں ہی
بھاگی؟؟ مگر آپ کو میرا گناہ کیوں یاد آتا ہے؟؟
جو ہر بار آپ میری وجہ سے میری ماں کو
کٹھسہرے میں کھڑا کر دیتے ہیں۔ اگر غلطیاں
اس حویلی کی عورتوں نے کی ہیں تو حویلی کے

مردوں نے بھی ان عورتوں کو وہ غلطیاں
کرنے کا بھرپور موقع دیا۔ کوئی بھی عورت
پاگل نہیں ہوتی وہ اپنے سائباں کو چھوڑ کر جائے
جہاں اس کی عزت سب سے زیادہ محفوظ ہوتی
ہے۔ مگر مرد عورت کے پر اس طرح کاٹ دیتا

ہے۔ وہ زخمی ہو جاتی ہے۔۔ وہ اپنے باقی ماندہ
پروں کو بچانے کے لیے اپنی پوری طاقت لگائے
اڑان ایک بار ضرور بھرتی ہے۔ ابرش نے سمیع
اللہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بھگے مگر
مضبوط لہجے میں کہا تھا۔ شہرام ارحام اسفند

زاران نے ایک دوسرے کو دیکھتے اپنی نگاہیں
جھکائی تھیں۔

ماما نے جو کیا وہ بھگتا ہر پل بھگتا !!! جس عزت
جس باپ کو جس شخص کے لیے ٹھکرایا۔ اس
نے میری ماں کو ٹگے ٹگے کی نوکری کرنے پر

مجبور کرنے کے لیے اسے بے پردہ کیا۔
ابرش کی بات پر سمیع اللہ کی لاشیٰ پر دباؤ بڑھا
تھا۔

درید خان اربد خان شہرام اسفند ارحام کے
چہرے سرخ ہوئے تھے۔

کیا فائدہ اب آپ سب کے چہرے سرخ کرنے
کا!! میری ماں کا کیوں پتہ نہیں کیا آپ سب
نے؟؟ کیا فائدہ اس عالیشان شان و شوکت کا
اس رتبے کا؟؟ سمیع اللہ خان فخر سے اپنا نام لیتا
ہے۔ اپنے پوتوں اپنے بیٹوں پر غرور کرتا ہے۔

کیا فائدہ ایسے بھائیوں اور بھتیجیوں کا۔ جن کو پتہ
ہی نہیں تھا ان کی بہن پھوپھو کس حالت میں
زندگی گزار رہی ہے؟؟ اس سے اچھا تھا آپ
ایک غیرت مند خان بنتے میری ماں کے وجود
میں گولیاں اتار دیتے۔ تاکہ اسے روز رات کو

گولیوں کے پھلے نہ مارنے پڑتے۔ ابرش شدت
سے رودی تھی۔ زحلے کی سسکیاں گونجی
تھیں۔ آہل کے رونے میں اضافہ ہوا تھا۔
کیسے پاشا کے بارے میں بنا کچھ جانے اس کے
ساتھ رخصت کر دیا۔ اگر دل بڑا کر ہی دیا تھا تو

میری ماں کو دل سے معاف ہی کر دیتے۔ نہ
دیتے ان زمینوں جائیدادوں میں حصہ!! مگر
پاشا کو اتنا ڈر تو ہوتا آپ خانزادوں کا۔ وہ میری
ماں پر ہاتھ اٹھاتے سو بار سوچتا۔ میری ماں مار
کھانے سے پہلے پاشا کی آنکھوں میں آنکھیں

ڈال کر یہ تو کہہ سکتی تھی کہ تم نے اگلا تھپڑ مارا
میں اپنے باپ سمیع اللہ خان کو کال کر دوں گی۔
ابرش بھیگی آنکھوں سے دیکھتے استہزائیہ
مسکرائی تھی۔

سمیع اللہ خان کے ہاتھوں کا دباؤ لاٹھی پر بڑھتا جا

رہا تھا۔

بیٹیوں کو باپ بھائیوں کو کبھی تنہا نہیں چھوڑنا
چاہیے۔ یہی پاشا میری ماں کو بیچ دیتا پھر سمیع اللہ
خان؟؟ کیا عزت رہ جاتی آپ کی؟؟ ابرش
سوال کرتے چیخی تھی۔ سب کی رنگت میں

سرخیاں اُھلی تھیں۔ درید خان اور اربد خان کی
خونخوار نگاہوں رکاخ زاران کی طرف ہوا تھا۔
ابرش! کمرے میں چلو! زاران سمیع اللہ خان کا
لرزتا بدن دیکھتے گرجتے ہوئے اس کی طرف
بڑھا

میں بات کر کے رہوں گی۔ میں ساری عمر طعنے
نہیں سن سکتی۔ میں اپنی ماں کے لیے سب کی
آنکھوں میں نفرت نہیں دیکھ سکتی۔ میں بتا کر
رہوں گی میری ماں کی غلطی کو گناہ آپ سب
خانزادوں نے بنایا۔ ابرش زار ان کی طرف

دیکھتے روتے ہوئے چیخی تھی۔

کمرے میں چلو ابرش داجی کی طبیعت۔۔ زاران
نے سمیع اللہ کے کپکپاتے وجود کو دیکھتے اس کی
کلائی جکڑی۔

ارحام شہرام اسفند آگے بڑھتے سمیع اللہ کو تھام

چکے تھے۔

کیا ہو گا داجی اگر آپ مرجائیں گے۔ رب کو کیا
جواب دیں گے رب سے اپنے گناہوں کو کیسے
معاف کروائیں گے؟؟ جب رب پوچھے گا
تمہاری بیٹی سر جھکا کر تمہارے در پہ آئی تھی تم

نے اسے معاف کیوں نہیں کیا۔ ابرش بھیگے
لہجے میں بولتے چیختی جا رہی تھی۔ ازاران اس کی
کلائی سختی سے جکڑے امینہ خانم کے کمرے کی
طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ اس کے حصار میں کھینچتی
چیختے ہوئے بول رہی تھی

خدا معاف نہیں کرے گا آپ کو داجی اگر میری
ماں کو آپ نے معاف نہ کیا۔

سمیع اللہ دل پر ہاتھ رکھتے ارحام اسفند شہرام کی
بانہوں میں جھول کئے تھے۔ زحلے امینہ خانم
روزینہ خانم بہارے عابیر چیتے ہوئے ان کی

طرف بڑھے۔

زاران ابرش کو امینہ خانم کے کمرے میں لاتا
اس پر خشمگیں نگاہیں گاڑھ گیا
وہ بیڈ پر بیٹھتے گھٹنوں میں سر دیے رونے لگی
تھی۔

زاران نے اپنے بال نوچتے ہوئے دیوار پر سختی
سے مکہ مارا۔

دوسرے لمحے وہ کمرے سے نکلتا باہر آیا۔ شہرام
اسفندار حام دریدار بد سمیع اللہ خان کو ہاسپٹل
لے گئے تھے۔

مورے ابرش کو کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ میرے
آنے تک اس کا خیال رکھا جائے منت کرتا ہوں
آپ کی۔ وہ نم آواز میں کہتے تیزی سے داخلی
دروازے کی طرف بڑھتے کارپورچ میں آیا
تھا۔ اپنی گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے گاڑی

سٹارٹ کرتے زن سے بھگائی تھی۔

شہرام اسفند زار ان ارحام درید خان اربد خان
آئی سی یو کے باہر پریشانی کے عالم میں کھڑے
تھے۔

درید اور اربد خان زار ان خانزادہ کی طرف دیکھ
بھی نہیں رہے تھے۔ ان کے چہروں پر دکھ سے
زیادہ غمیض و اشتعال کی سرخی تھی۔ زار ان
ایک طرف ایک ٹانگ دیوار کے ساتھ فولڈ کیے
کھڑا اپنے بالوں میں انگلیاں پھنسائے نظریں

جھکائے سرخ چہرے کے ساتھ کھڑا تھا۔ جب
سے وہ آیا تھا وہ کسی سے نظریں ملائے بغیر پچھلے
ایک گھنٹے سے ایسے ہی خاموشی سے کھڑا تھا۔
ارحام اسفند شہرام خان کافی دیر سے اسے ایسے
دیکھتے خود پر ضبط کیے ہوئے تھے۔ وہ مزید اسے

ایسے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ وہ تینوں ایک
دوسرے کی طرف دیکھتے اس کی طرف بڑھے
۔ ارحام اسفند نے زار ان کے کندھے پر نرمی
سے ہاتھ رکھا۔

زار ان خانزادہ ارحام اسفند شہرام کو ایک نظر

دیکھتے ارحام کے گلے لگ کر رو پڑا تھا۔
داجی کو کچھ ہو گیا کیا منہ دکھاؤں گا میں سب
کو؟؟ رشتوں نے مجھے کمزور کر دیا ہے۔ سمجھ
نہیں آتا کس کی طرف جھکوں؟؟ زار ان ارحام
کے گلے سے لگے نم آواز میں بولتے رو دیا تھا۔

شہرام اسفندیار خان نے اپنی نم آنکھیں انگلیوں
سے مسلی تھیں۔

ڈاکٹر اسی لمحے آئی سی یو سے نکلتے آیا تھا۔ سب
ڈاکٹر کی طرف بڑھے تھے۔

سر شہرام !!! آپ کے داجی ہر قسم کے خطرے

شہرام اسفندیار خان نے اپنی نم آنکھیں انگلیوں
سے مسلی تھیں۔

ڈاکٹر اسی لمحے آئی سی یو سے نکلتے آیا تھا۔ سب
ڈاکٹر کی طرف بڑھے تھے۔

سر شہرام !!! آپ کے داجی ہر قسم کے خطرے

سے باہر ہیں۔ انھیں کچھ دیر تک روم میں
شفٹ کر دیا جائے گا۔ آپ انھیں وہاں مل سکتے
ہیں۔ ڈاکٹر شہرام کی طرف بڑھا تھا۔
شہرام اثبات میں سر ہلاتے ڈاکٹر کے ہمراہ چلتے
ان سے سمیع اللہ خان کی صحت کے بارے میں

مسل ڈٹیل لینے لگا۔

زاران ارحام اسفند دریدار بد خان نے طمانیت کا
گہرا سانس لیا تھا۔ زاران ہاسپٹل کے ٹھنڈے
کوریدور میں سجدے میں جھک گیا تھا۔

وہ لوگ ابھی بھی ہاسپٹل میں تھے۔ چھ سات
گھنٹوں بعد سمیع اللہ خان کو ہوش آ گیا تھا۔ وہ
لوگ سمیع اللہ کے قریب کھڑے تھے۔
زحلے اور ابرش ہمارا پاس لے کر آؤ!! سمیع اللہ
خان نے ہوش میں آتے زار ان سے کہا۔

باباجان رہنے دو اس ابرش کو اس کا دماغ ہمارا
مرد بیٹا نے بہت خراب کیا ہوا ہے۔ ہم نہیں
چاہتا اس کا وجہ سے پھر آپ کا طبیعت خراب
ہو۔ اس ہسپتال میں کوئی تماشہ ہو۔ درید خان
زاران کو گھورتے ہوئے بولے۔

زاران تم لے کر آؤا برش اور زحلے کو ہمارا
پاس !! سمیع اللہ نے گہرا سانس بھرتے ٹوٹے
لفظوں سے کہا۔

ارحام کے اشارے پر زاران سنجیدگی سے
کمرے سے نکل گیا تھا۔

ابرش اور زحلے کو لیے وہ ہاسپٹل داخل ہوا تھا۔
زاران کا چہرہ سرد اور سنجیدہ تھا۔ ابرش اس کے
ہمراہ بڑی سی چادر میں خود کو اچھی طرح
چھپائے اس کے ہمراہ سمیع اللہ کے کمرے کی

طرف بڑھی۔

جہاں سب مرد حضرات پہلے سے موجود تھے۔
درید خان اربد خان ابرش کو دیکھتے غصے سے رخ
موڑ کئے تھے۔

بابا! زحلے نے روتے ہوئے سمیع اللہ کو پکارا۔

مگر وہ آگے نہیں بڑھی تھی۔ سمیع اللہ نے
اکیسجن ماسک اتار پے ہوئے زحلے کو ہاتھ کے
اشارے سے اپنے پاس بلایا۔
زحلے بے یقین ہوتے آگے بڑھی تھی۔
سمیع اللہ خان نے کپکپاتے ہاتھوں سے ہاتھ

جوڑے تھے۔

بابا زحلے تڑپتے ہوئے ان کے ہاتھ تھام گئی
تھی۔ ہم کو معاف کر دوزحلے ہم تمہارا گناہ گار
ہے۔ ہم کو اپنا بیٹی کا ساتھ یوں تعلق نہیں توڑنا
چاہیے تھا۔ تم کو تمہارا حق سے محروم نہیں کرنا

چاہیے تھا۔ سمیع اللہ رو پڑے تھے۔
بابا غلطی میری تھی گناہ میں نے کیا تھا۔ زحلے
سک پڑی تھی۔

ہاں ہوا غلطی تم سے۔ مگر اس کو تمہارا ایسا گناہ بنا
دیا جس کا معافی نہیں۔ جب خدا بڑا بڑا سا گناہ

معاف کر دیتا ہے ہم نے کیوں نہیں کیا۔ خدا تو
ہم سے اپنا تعلق نہیں توڑتا۔ آخری دم تک وہ
ہمارا معافی کا منتظر ہوتا ہے۔ ہم نے اپنا بیٹی کا پتہ
نہیں کیا۔ کبھی جاننا کا کوشش ہی نہیں کیا تم کس
حالت میں ہے؟؟ بائس سال تک ہم نے تمھارا

پتہ نہیں کیا۔ کیسا باپ ہے ہم؟! مکھارا بھائیوں
کو بھی منع کر دیا مکھارا پتہ نہ کرے۔ سمیع اللہ
کی کپکپاتی آواز پر سب کی آنکھیں نم ہوئی
تھیں۔ زحلی سمیع اللہ کا پیشانی چومتے رو پڑی
تھیں۔ سمیع اللہ نے جواباً زحلی کی ہتھیلیاں

چومی تھیں۔

ادھر آؤ ہمارا بچہ!! سمیع اللہ نے ابرش کو بلایا۔

ابرش آگے بڑھتے سمیع اللہ کے پیروں کی

جانب بیٹھی تھی۔

ادھر نہیں تم ہمارا پاس آ کر بیٹھو یہاں ہمارا دل کا

پاس۔۔۔ مسیح اللہ نے ابرش کو اپنا پاس بلایا۔
ابرش آہستگی سے آگے بڑھتے ان کے پاس
بیٹھی تھی۔

ادھر بیٹیوں جگہ باپ کا سہرہ ہانے کا پاس ہوتا ہے
قدموں میں نہیں۔ قدموں میں تو اپنا شوہر کو

بٹھانا چاہیے۔۔۔ اسمیع اللہ نے ابرش کی طرف
جھکتے سرگوشی میں کہا تھا۔

سب تک آواز بخوبی پہنچی تھی۔ سب کے چہروں
پر مدہم سی مسکراہٹ دوڑی تھی۔ سوائے
زاران کے وہ سنجیدہ چہرہ لیے ایک طرف کھڑا

تھا۔

ابرش نظریں جھکائے بھیگا سا ہنسی تھی۔

اپنا قدموں میں ہمارا پوتا کو بٹھانا جو سب سے بڑا

زن مرید ہے۔ سمیع اللہ خان نے زار ان کو

محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے کہا۔ ابرش نے

بھگی نگاہوں سے زار ان کو دیکھا جو سنجیدہ
چہرے کے ساتھ کمرے سے نکل گیا تھا۔
ابرش نے گہرا سانس لیتے بھگی نگاہوں سے
سمیع اللہ خان کو دیکھا۔
اب تمہیں یہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ تمہارا

ڈھال بن کر سمیع اللہ کھڑا ہے۔۔ زحلے تو پاشا
سے یہ نہ کہہ سکا وہ سمیع اللہ کو بلا لے گا مگر تم
اب اس خچر منسٹر کا آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر
کہے گا تم سمیع اللہ خان کا نواسی ہے۔ خبردار اس
نے تمہارا طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا۔ سمیع

اللہ کی بھیگے لہجے پر ابرش روتے ہوئے ان کے
سینے پر سر رکھ گئی تھی۔ وہ نرمی سے ابرش کے
سر پر اپنا کپکپاتا ہاتھ رکھ کئے تھے۔ سب کے
چہروں پر مسکراہٹ دوڑی تھی۔
